ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
خصوصی اشاعت
بیادگار
ولادت
۱۳۱۵ھ
وفات
۱۴۰۲ھ
شیخ الحدیث حضرت مولانا
محمد زکریا
رحمۃ اللہ علیہ
مرتب
خلیل الرحمٰن سجاد ندوی
مدیر مسئول
حضرت مولانا
محمد منظور نعمانی

ماہنامہ الفرقان لکھنو

خصوصی اشاعت بیادگار

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ

پہلا حصہ صفحہ نمبر 1 تا 345

دوسرا حصہ صفحہ نمبر 346 تا آخر

پچاسویں
جلد کا آخری شمارہ
ستمبر تا دسمبر ۱۹۸۲ء
مطابق
ذیقعدہ ۱۴۰۲ تا صفر ۱۴۰۳ھ
ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
خصوصی اشاعت بیادگار
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا
نور اللہ مرقدہ
مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
مرتب
خلیل الرحمن سجاد ندوی
۱۸ روپے
سالانہ چندہ
اس خصوصی اشاعت سے خریداری قبول کرنیوالوں کے لئے ۳۳/-
پاکستان بیرونی ممالک کے حضرات اندر ملاحظہ فرمائیں
سالانہ چندہ
جنوری ۸۳ء یا اس کے بعد خریداری قبول کرنے والوں کے لئے ۲۰/-
اگر اس دائرہ میں
سرخ نشان ہے تو
اس کا مطلب ہے آپ کی خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ وی پی روانہ کیا جائے گا۔ منیجر
دفتر ماہنامہ الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی نظیر آباد لکھنؤ

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	مضمون نگار	صفحہ
۱	افتتاحیہ	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی	۵
۲	نگاہِ اولیں	خلیل الرحمٰن سجاد ندوی	۱۲
	باب اول: سوانح حیات اور صفات و امتیازات		۲۳-۲۲۳
۳	ایک عظیم شخصیت ـــ اجمالی مطالعہ	مولانا نسیم احمد فریدی	۲۴
۴	حضرت شیخ کے اجداد، صحیح نسب نامہ اور حالات	مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی	۳۹
۵	حضرت شیخ الحدیث کی آپ بیتی - انتخاب و تلخیص	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی	۹۱
۶	حضرت شیخ کی زندگی کے کچھ اہم پہلو	حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی	۱۶۱
۷	عاشقِ رسول	مولانا قاضی زین العابدین سجاد	۱۸۹
۸	اس زمانہ کی ایک عظیم جامع شخصیت	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۱۹۹
۹	حضرت شیخ کا توازن و اعتدال	مولانا شمس تبریز خاں	۲۰۷
۱۰	رحلتِ شیخ	جناب افتخار احمد فریدی	۲۱۹
	باب دوم: حضرت شیخ الحدیث ایک عالم و محدث		۲۲۵-۲۸۱
۱۱	حضرت شیخ الحدیث اور علمِ حدیث	مولانا تقی الدین ندوی مظاہری	۲۲۶
۱۲	حضرت شیخ الحدیث کی دو اہم عربی تصنیفات	مولانا ضیاء الدین اصلاحی	۲۵۵
۱۳	بیہقیٔ وقت، حضرت شیخ الحدیث	مولانا برہان الدین سنبھلی	۲۶۵
	باب سوم: حضرت شیخ الحدیث ایک عارف و مصلح		۲۸۳-۳۳۶
۱۴	ذکرِ شیخ اور معذرت	حضرت مولانا حکیم عبد الرشید محمود گنگوہی	۲۸۴
۱۵	ملفوظاتِ شیخ	ایک جدید انتخاب	۲۹۱
۱۶	مکتوباتِ شیخ	ایک جدید انتخاب	۳۰۳
۱۷	حضرت شیخ برطانیہ میں مصلحانہ زندگی کا ایک ورق	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	۳۲۵

اِفتتاحیہ — اور — کلمۂ شکر

از حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی بِعِزَّتِہٖ وَجَلَالِہٖ تَتِمُّ الصّٰلِحٰت

اس وقت جبکہ یہ سطریں سپردِ قلم کی جارہی ہیں، ۱۴۰۳ھ کا پہلا مہینہ محرم الحرام ہے۔ اب سے ٹھیک پچاس سال پہلے "الفرقان" بریلی سے جاری ہوا تھا، اور ۱۳۵۳ھ کے اسی مہینے محرم الحرام میں اس کا پہلا شمارہ شائع ہوا تھا۔ یہ عاجز انشاپردازی اور مضمون نگاری کے میدان میں اپنی بے صلاحیتی اور درماندگی سے جو کہ اچھی طرح واقف ہے اور اپنی بے سروسامانی کی وہ حالت بھی پوری طرح یاد ہے جس میں اس کے اجراء کا فیصلہ کیا گیا تھا، اس لئے کامل نصف صدی تک اس کے زندہ اور جاری رہنے کو اس خداوند قادر وکریم کی قدرت ورحمت کا معجزہ ہی سمجھتا ہے، جس کی شان ہے یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ فلک الحمد یا ربّی ولک الشکر۔

پچاس سال کی اس طویل مدت میں راقم سطور کے قلم سے اندازہ ہے کہ دس ہزار صفحات تو ضرور لکھے گئے ہوں گے، ان میں جو کچھ حق لکھا گیا اور دین کی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صحیح ترجمانی کی گئی اس کو رب کریم قبول فرمائے اور جو غلطیاں ہوئیں

ان کو معاف فرمائے اور ان کے ضرر سے اپنے بندوں کے قلوب کی حفاظت فرمائے
- اِنَّہٗ غَفُوْرٌ شَکُوْر۔

یہ خاص اشاعت تو "شیخ الحدیث نمبر" ہے اس لئے اس میں تو نہیں، لیکن اگر زندگی رہی اور اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو آئندہ کسی اشاعت میں انشاء اللہ ذکر کیا جائے گا، کہ انتہائی بے سروسامانی کی حالت اور مضمون نگاری کے فن سے قطعی نابلد ہونے کے باوجود اب سے نصف صدی پہلے کس خاص ضرورت اور داعیہ سے "الفرقان" کے اجراء کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ تاہم اپنے مخلص ناظرین کو اتنا اس وقت بھی بتلا دینے کو جی چاہتا ہے کہ جب وہ جاری ہوا تو اُس کا خاص موضوع اس وقت کے خاص حالات میں دینِ حق کی حمایت، توحید و سنت کی دعوت، مشرکانہ رسوم و بدعات کے خلاف جدوجہد اور اہلِ بدعت خاص طور پر بریلوی حضرات کی طرف سے داعیانِ توحید و سنت پر ہونے والے حملوں کی مدافعت تھا ــــــ بریلی میں کوئی اچھا پریس نہیں تھا اس لئے اس کی کتابت تو بریلی میں ہوتی تھی اور میں خود کاپیاں لے کر چھپوانے کے لئے دہلی جاتا تھا ــــــ جب اس کے پہلے شمارہ کی کاپیاں لے کر دہلی پہونچا اور بعض لوگوں سے "جامعہ پریس" میں چھپوانے کا فیصلہ کر کے پریس کے اس وقت کے مالک خانصاحب عبداللطیف صاحب سے (جن سے پہلے سے بھی کچھ تعارف اور تعلق تھا) اس سلسلہ میں بات کی اور کاپیاں ان کو دینے لگا تو انھوں نے بڑے خلوص کے ساتھ فرمایا کہ مولانا! میری ایک حیثیت یہ ہے کہ میں یہ پریس چلا رہا ہوں، اس لحاظ سے مجھے چاہئے کہ میں آپ کا کام فوراً ہاتھ میں لے لوں اور آپ کا رسالہ چھاپ کر چھپائی آپ سے وصول کروں، لیکن مجھے آپ سے مخلصانہ تعلق بھی ہے اس لئے میں اپنے تجربہ کی بنا پر آپ کو مشورہ دینا ضروری سمجھتا ہوں ــــــ اس ایک ڈیڑھ سال میں کئی ایک دینی مذہبی رسالے نئے جاری ہوئے، میرے ہی پریس میں چھپتے تھے۔ کسی کے دو تین نمبر نکل سکے، کسی کے چار پانچ، کسی کے اس سے ایک دو زیادہ، اور پھر بند ہو گئے کیونکہ وہ لوگ اس سے زیادہ خسارہ برداشت نہیں کر سکتے تھے ــــــ اس لئے میرا مشورہ یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس سرمائے کا اتنا انتظام ہے کہ دو تین سال تک رسالہ خسارہ کے ساتھ

جاری رکھ سکیں، تب تو آپ اس کو شروع کریں، اور اگر اتنا انتظام نہیں ہے تو اس کا خیال چھوڑ دیں۔ اس شمارہ کی کتابت پر جو کچھ خرچ آپ کر چکے بس اسی کا نقصان برداشت کرلیں ۔۔۔۔
میں نے خاں صاحب کے اس مخلصانہ مشورہ کا شکریہ ادا کیا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس طرف سے اطمینان ہے۔ ۔۔۔۔ خاں صاحب نے کاپیاں لے لیں اور دوسرے یا تیسرے دن میں چھپا چھپایا رسالہ لے کر بریلی واپس آگیا ۔۔۔۔ اور واقعہ یہ تھا کہ میرے پاس صرف اتنا انتظام تھا کہ بس دو مہینے کے شمارے چھپ سکتے تھے ۔۔۔۔ وہ توکل تو مجھے اب تک نصیب نہیں جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ۔۔۔۔ "وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ" (جو بندہ اللہ پر توکل کرے اس کی کار برآری کے لئے اللہ کافی ہے) لیکن اس وقت بس اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امید کر کے میں نے خاں صاحب سے وہ بات کہہ دی تھی ۔۔۔۔ بہرحال الفرقان کا پہلا شمارہ پروگرام کے مطابق ماہ محرم میں شائع ہوگیا
اس وقت صرف رسالہ کی کتابت، طباعت، کاغذ اور ڈاک کا خرچ تھا جو ساٹھ ستر روپے سے زیادہ نہ ہوتا تھا[1] اس کے سوا کوئی خرچ نہیں تھا۔ راقم سطور خود ہی اس کا ایڈیٹر تھا اور خود ہی محرر اور خود ہی چپراسی، میری ضروریات کا کوئی تعلق رسالہ سے نہیں تھا۔ (رسالہ ۴۸ صفحات کا ہوتا تھا اور سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا)۔

یہ پہلا شمارہ پانچ سو کی تعداد میں چھپوایا گیا تھا، یہ اپنے حلقۂ تعارف و تعلق میں کچھ حضرات کو نمونے کے طور پر بھیج دیا گیا، اس کے بعد اگلے مہینے صفر میں دوسرا شمارہ بھی خود دہلی جاکر اتنی ہی تعداد میں چھپوایا۔ وہ بھی ان ہی حضرات کو بھیج دیا گیا جن کو پہلا شمارہ گیا تھا ۔۔۔۔ تیسرا شمارہ چھپوانے کے لئے میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ پر میں نے یہ بات بالکل ظاہر نہیں ہونے دی تھی کہ میں اس بے سروسامانی کی حالت میں رسالہ جاری کر رہا ہوں۔ وہ اس لائن سے بالکل واقف نہ تھے۔ وہ ایک تاجر اور زمین دار تھے، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ

---

[1] ملحوظ رہے کہ کاغذ کی قیمت، کتابت طباعت کی اُجرت اور محصول ڈاک میں اس وقت کے مقابلہ میں اتنا اضافہ ہوگیا ہے کہ جو کام اس وقت ساٹھ ستر روپے میں ہوجاتا تھا اب کم از کم ہزار بارہ سو میں ہو سکے گا۔

کی خاص توفیق سے دیندار بلکہ ذاکر شاغل تھے اور میرے ساتھ ان کو غیر معمولی شفقت و محبت تھی، اگر ان کو معلوم و محسوس ہو جاتا تو وہ بطیب خاطر مجھے اتنا عنایت فرما دیتے جو سال دو سال کے لئے کافی ہوتا۔ لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ یہ صورت حال ان کے علم میں آئے ــــــ اس موقع پر میں اس بات کے ذکر کو احسان شناسی کے تقاضے سے نامناسب نہیں سمجھتا کہ اس صورت حال اور اپنی ضرورت کا تذکرہ میں نے اپنی پہلی مرحومہ رفیقۂ حیات (مولوی عتیق الرحمٰن اور حفیظ الرحمٰن سلمہم اللہ تعالیٰ کی والدہ ماجدہ مرحومہ) سے کیا اور کہا کہ کیا تمھارے پاس کچھ روپے ہیں جو مجھے قرض دے سکو ؟ (اللہ تعالیٰ ان کو اپنی خاص الخاص رحمت سے نوازے) انھوں نے کہا کہ ستر بہتر ہوں گے' اور اسی وقت نکال کر انھوں نے میرے حوالے کر دیئے ــــــ انہی روپیوں سے میں نے دہلی جا کر ماہ ربیع الاوّل کا تیسرا شمارہ چھپوایا۔ اس کو کچھ زیادہ تعداد میں نمونے کے طور پر بھیجا گیا۔ اس کے بعد سے خریداروں کے منی آرڈر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایسی رفتار سے آنے لگے کہ گاڑی کسی طرح چلتی رہی' اور مختلف احوال و ادوار سے گزرتے ہوئے آج اس سفر پر پورے پچاس سال ہو گئے۔ اس مدت میں بے شمار نشیب و فراز آئے۔ کئی کئی بار حالات کی ناسازگاری اور گوناگوں دشواریوں کی وجہ سے الفرقان کا اجراء بہت مشکل سا نظر آنے لگا ــــــ یہ داستان بھی کافی سبق آموز ہے۔ شاید کسی آئندہ فرصت میں اپنے ناظرین کو سنانے کا موقع ملے۔

درمیان میں تقریباً پندرہ سال ایسے بھی گزرے کہ میری جگہ عملی طور پر مولوی عتیق الرحمٰن سلمہ اللہ تعالیٰ ہی اس کے مدیر اور ذمہ دار رہے۔ لیکن پھر جب مسلسل خرابی صحت کی وجہ سے وہ اس حال میں نہیں رہے[1] تو وہ ذمہ داری پھر مجھے سنبھالنی پڑی۔

اپنی عمر اور اپنے خاص حالات کی وجہ سے کئی سال سے الفرقان کا کام میرے لئے بہت

---

[1] مولوی عتیق الرحمٰن سلمہٗ کو اس خرابی صحت ہی کی وجہ سے لندن میں قیام کرنا پڑا ہے' وہ اب بھی وہاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو لکھنے کی بہت اچھی صلاحیت دی تھی۔ میں تو جو کچھ لکھتا ہوں گویا زبردستی لکھتا ہوں ــــــ یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید ٥

بار ہورہا تھا میں نے طے کرلیا تھا کہ اگر زندگی رہی تو زیادہ سے زیادہ بس اس وقت تک اس گاڑی کو کھینچتے رہنے کی کوشش کرتا رہوں گا جب تک الفرقان کی عمر کے پچاس سال پورے ہوں، اس کے بعد میں اپنے کو اس بار سے بہرحال سبکدوش کرلوں گا خواہ اس کی صورت یہی ہو کر اس کو بند کرنے کا فیصلہ کرنا پڑے ـــــ میرے سب سے چھوٹے لڑکے مولوی خلیل الرحمٰن سجاد سلمہٗ اللہ تعالیٰ، جو مدینہ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کررہے تھے، جب وہ اب سے دو ڈھائی سال پہلے تعطیل میں یہاں آئے تھے تو میں نے اپنے اس ارادے بلکہ فیصلے کا ان سے ذکر کیا انھوں نے رائے ظاہر کی کہ الفرقان" بند کرنے کے بارے میں نہ سوچا جائے۔ میں انشاء اللہ سال ڈیڑھ سال بعد آجاؤں گا، پھر یا تو الفرقان کا کام اپنے ذمے لے لوں گا یا شاید اللہ تعالیٰ کوئی اور بہتر انتظام فرمادے۔ چنانچہ گزشتہ ماہ رجب میں وہ آگئے، اور اس وقت سے الفرقان کی ترتیب و تیاری کا کام وہی کررہے ہیں۔

یہ شیخ الحدیثؒ نمبر

ہمارے اکابر و اسلاف کی صف کی آخری شخصیت مخدومنا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے چند روز بعد ہی کے دل میں الفرقان کی اس خاص اشاعت کا داعیہ پیدا ہوا، پھر کچھ اور احباب و مخلصین کی طرف سے اس کی فرمائش آئی مجھے تجربہ ہے کہ اس طرح کی خاص اشاعتوں کے لئے کتنا کام کرنا پڑتا ہے اور کیسی کیسی مشکلات پیش آتی ہیں، اس لئے میں تو ہمت نہیں کرسکتا تھا، انھوں نے ہی بنام خدا اس کا فیصلہ کیا ـــــ اپنے لئے میں نے سوچا تھا کہ حضرت شیخ کی آپ بیتی" جو قریباً ساڑھے سولہ سو صفحات پر سات حصوں میں شائع ہوچکی ہے (اور میرا خیال ہے کہ وہ کتابی شکل میں حضرت کی پوری زندگی کی گویا فلم ہے) اس نمبر کے لئے میں بس اس کے انتخاب اور تلخیص کا کام کروں گا تاکہ جن لوگوں سے یہ توقع نہیں کہ وہ آپ بیتی" کے سات حصوں کا مطالعہ کرسکیں وہ کم از کم اس انتخاب اور تلخیص ہی کے ذریعہ اس نادرۂ روزگار عظیم و مقبول شخصیت کی زندگی کی کچھ جھلک دیکھ لیں ـــــ یہ شعبان کا مہینہ تھا، میں نے سوچا تھا کہ انشاء اللہ رمضان مبارک

کے بعد اطمینان سے انتخاب وتلخیص کا یہ کام کروں گا ـــــ لیکن غالباً اوائل رمضان المبارک ہی میں لندن سے مولوی عتیق الرحمٰن کا خط آیا، جس سے معلوم ہوا کہ شیخ الحدیث نمبر کے سلسلے میں انھوں نے اپنے لئے یہی کام تجویز کیا ہے۔ مجھے اس لئے بھی خوشی ہوئی کہ یہ لمبا کام مجھے نہیں کرنا پڑے گا، اور اس لیے بھی کہ مجھے یقین تھا کہ تلخیص وانتخاب کا کام وہ مجھ سے بہت اچھا کریں گے۔ وہ اس سے پہلے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے رفیق خاص مہاجر ومجاہد ظفر ایبک کی "آپ بیتی" اور مرحوم قاضی محمد عدیل عباسی صاحب کی کتاب "تحریک خلافت" کی تلخیص کا کام بہت اچھا کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کام کا خاص سلیقہ بخشا ہے ـــــ اُن کی اس اطلاع کے بعد میں مطمئن ہوگیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ کافی عرصہ کے بعد جبکہ خیال تھا کہ وہ انتخاب وتلخیص کا کام بہت کچھ کر چکے ہوں گے اور عنقریب بھیجنے والے ہوں گے۔ ان کا خط آیا کہ اس درمیان میں میری طبیعت مسلسل ایسی ناساز رہی کہ میں کام شروع بھی نہیں کرسکا، اور اب بھی ایسا ہی حال ہے، مجھے امید نہیں ہے کہ اب میں اس کو وقت پر تیار کرکے بھیج سکوں گا ـــــ ان کی اس اطلاع کے بعد پھر میں نے خود ہی اس کے کرنے کا فیصلہ کیا۔ میرا خیال تھا کہ پوری آپ بیتی کے منتخب اقتباسات پچاس ساٹھ صفحات میں آجائیں گے لیکن ہوا یہ کہ بہت سی ایسی چیزوں کو چھوڑ دینے کے باوجود جن کو لینے کو جی چاہتا تھا، آپ بیتی کے سات حصوں یا سات نمبروں میں سے صرف چار اور پانچویں کے کچھ حصے کا انتخاب تقریباً اسّی صفحات پر آیا ہے جو اس نمبر میں ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں گے۔ (جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ انشاء اللہ بعد میں کسی وقت شائع ہو سکے گا)۔

اس خاص اشاعت شیخ الحدیث نمبر کے کاموں میں اس عاجز کا حصہ بس اتنا ہی ہے کہ آپ بیتی کے انتخاب وتلخیص کے اوراق لکھ کر حوالے کر دیئے۔ باقی ترتیب وغیرہ کا سارا کام ـــــ مولوی خلیل الرحمٰن سجاد سلمہ، ہی نے کیا ہے۔ دوسرے حضرات کے جو مضامین شائع ہو رہے ہیں ایک دو کے سوا ان میں سے کسی کو یہ عاجز خود دیکھ بھی نہیں سکا، انشاء اللہ عام ناظرین کرام کی طرح راقم سطور بھی شائع ہونے کے بعد ہی ان کا مطالعہ اور ان سے استفادہ کر سکے گا۔ ـــــ دُعا ہے اور ناظرین کرام سے بھی اس دُعا کی استدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے

اور اس کے مطالعہ سے اس کے بندوں میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے اعمال و اخلاق اور صفات حسنہ کی پیروی کا جذبہ پیدا ہو۔
آخری کلمہ اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر ہے اور ہر قسم کی معصیتوں اور خطاؤں سے استغفار۔

ایک ضروری اطلاع اور گزارش

راقم سطور کی طرف سے گزشتہ چند برسوں میں بار بار اس کا اظہار و اعلان کیا جاتا رہا ہے کہ الفرقان اور کتب خانہ الفرقان کے انتظامی اور دفتری معاملات سے اب میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا دفتری اور انتظامی معاملات سے متعلق خط و کتابت ان کے منتظم (منیجر) ہی سے کی جائے ــــ اس کے باوجود بہت سے حضرات ان معاملات سے متعلق خطوط بھی اس عاجز کو لکھتے ہیں اور ان میں ایسی باتیں بھی لکھ دیتے ہیں جن کے جواب میں مجھ کو خط لکھنا اخلاقاً ضروری ہو جاتا ہے جو میری موجودہ حالت میں میرے لئے آسان نہیں ہے۔ لہٰذا آج پھر گزارش ہے کہ احباب کرام اس کا لحاظ فرمائیں اور اس کے بارے میں مجھے معذور سمجھیں۔
بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اب سے کئی سال پہلے سے (جبکہ یہ عاجز سخت مریض ہوا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے شفاء اور زندگی بخشی، لیکن ایک درجہ میں معذور ہو گیا ہوں) دل پر اس کا سخت تقاضہ تھا کہ الفرقان اور کتب خانہ الفرقان کے انتظامی اور مالی معاملات سے اپنے کو بالکل فارغ الذہن اور ہر طرح کی مسئولیت سے سبکدوش کر دوں۔ چنانچہ میں نے بیع کے ایک معاہدہ کے تحت ان دونوں کی ملکیت ان ہی عزیزوں (محمد حسان نعمانی اور مولوی خلیل الرحمٰن سجاد ندوی) کو سپرد کر دی جن کے سپرد انتظامی و ادارتی ذمہ داری ہے ــــ لہٰذا الفرقان اور کتب خانہ الفرقان کے انتظامی، دفتری اور باقی سب معاملات سے متعلق اس عاجز سے کوئی خط و کتابت نہ کی جائے، براہ راست منیجر ہی کو لکھا جائے اور الفرقان کے مضامین وغیرہ کے بارہ میں بھی خط و کتابت مولوی خلیل الرحمٰن سجاد سلمہم اللہ تعالیٰ ہی سے کی جائے ــــ اس عاجز کے لئے جب تک ممکن ہوا اور اللہ تعالیٰ نے توفیق دی، "درس قرآن" اور "معارف الحدیث" وغیرہ کا سلسلہ انشاء اللہ جاری رہے گا۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ
۲۷ر محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

(۱۶ر نومبر ۱۹۸۲ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

خلیل الرحمٰن سجّاد ندوی

انسان کی فطرت ہے کہ وہ زندگی کے جس شعبہ کو اختیار کرے، اس میں کمال حاصل کرنے کے لئے اسے اس شعبہ کے ماہرین کی صحبت اور عملی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ صرف کتابی اور نظریاتی معلومات سے کمال حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس فطری حقیقت کا مشاہدہ اپنے محدود سے محدود دائرہ کار میں ہر شخص صبح شام کرتا رہتا ہے۔

اس دُنیا میں انسان کو جو ذمہ داریاں انجام دینا ہوتی ہیں، ان میں سب سے زیادہ نازک، مشکل اور ضروری ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ایسے طریقہ پر زندگی گزارے جس سے اس کے اپنے اندر پوشیدہ خیر کا پہلو اس کے اپنے اندرون میں چھپے ہوئے شر کے پہلو پر مستقل طور پر غالب آجائے، اور وہ عالم آخرت میں ـــ جو سارے وجود کا مقصود حقیقی ہے ـــ کامیاب ہو کر جنت میں جانے کے لائق ہو جائے۔

یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جس سے کوئی انسان مستثنیٰ نہیں، خواہ وہ کسی طبقہ، برادری، خاندان یا پیشہ سے تعلق رکھتا ہو، اس لئے کہ یہ ہر انسان کی اپنی ضرورت ہے ـــ ایمان و یقین، نماز و روزہ، زکوٰۃ و حج، حُسنِ اخلاق و معاشرت، امانت و دیانت، دعوت و جہاد، تفکر و تدبر، ذکر و تسبیح۔ یہ سب اعمال و احکام اور پورا دینی نظام در اصل اسی ذمہ داری کی ادائیگی کے صحیح طریقہ کی طرف اس کی رہنمائی ہی کے لئے ہے۔

اس ذمہ داری کی اسی اہمیت اور انسان کے مذکورۂ بالا فطری مزاج ہی کی وجہ سے، جس میں زمان و مکان کے تغیر سے کوئی فرق نہیں آیا کرتا، اللہ تعالیٰ نے اس نظام حیات کی طرف انسانوں کی رہنمائی کے لئے جہاں کتابوں اور صحیفوں کو نازل فرمایا وہیں ہزاروں منتخب انسانوں کو نبی و رسول کی حیثیت دیکر انسانوں کی تربیت کے لئے

مبعوث فرمایا ــــ وجہ ظاہر ہے کہ یہی ہے کہ تربیت کے لئے کتاب اور انسانی نمونہ دونوں ضروری ہیں ہونا یہ چاہیئے کہ کتاب اللہ کے اصولوں پر انسانوں کو پرکھا جائے اور جو اس معیار پر پورے اُتریں ان سے اس کے مفہوم اور پیغام کو سیکھا جائے۔

انسانوں میں سب سے زیادہ مکمل جامع اور معتدل و متوازن نمونہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مُبارکہ ہے۔ قیامت تک آنے والے انسانوں میں جس کی زندگی اس نمونہ سے جتنی قریب ہوگی سعادت و کامیابی اس سے اتنی ہی قریب ہوگی، اور آپ کے بے شمار معجزات اور دلائل نبوت میں سے ایک خود آپ کی سیرت مبارکہ بھی ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ، معاشرہ کا کوئی طبقہ اور انفرادی و اجتماعی زندگی کو پیش آنے والا کوئی حال ایسا نہیں جس کے بارے میں آپ کی زندگی کے صرف ۲۳ سالہ دورِ نبوت میں کامل ترین عملی نمونہ موجود نہ ہو۔ آپ کی سیرت مبارکہ سے سب سے زیادہ قریبی شباہت و مناسبت صحابہ کرام کو حاصل ہوئی، جنھوں نے اپنی زندگی کے ایک ایک گوشہ کو آپ کی سیرت کی روشنی سے خوب خوب منور کیا، اور آپ کی ہر صفت کو اپنی زندگیوں میں اُتارا ــ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک تاریخی اور فطری حقیقت ہے کہ سب صحابہ کرام ذوق و مزاج اور طبعی میلان و رجحان کے لحاظ سے سو فیصد یکساں نہیں تھے، کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت خالد بن ولید اور حضرت حسان بن ثابت کا ذوق بالکل ایک تھا، یا حضرت معاویہ اور حضرت ابوذر غفاری ایک رنگ تھے؟ اسی طرح کون یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ حضرت عمرو بن عاص اور حضرت ابوہریرہ کے مزاج میں کوئی فرق نہ تھا؟ کیا اس حقیقت سے انکار ممکن ہے کہ "ثالث ثلاثہ" حضرت عمر فاروق، "ثانی اثنین" حضرت ابوبکر صدیق کے مزاج میں نمایاں فرق تھا ــ؟ پھر کیا خود حضرت عمر کے صاحبزادے عبد اللہ بن عمر اپنے عالی مقام والد ماجد سے کچھ جُدا ذوق نہیں رکھتے تھے؟ اور کیا اسی طرح حضرت حسن و حضرت حسین کے مزاج میں کچھ فرق نہ تھا؟ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ و تابعین سے روایت کئے جانے والے بیشتر تفسیری اقوال کے اختلاف کے بارہ میں کہا ہے کہ یہ اختلاف عموماً "اختلاف تنوّع ہے" اختلاف تضاد نہیں' ــــ

ناچیز راقم سطور کے خیال میں یہی بات صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے علماء و مصلحین کے ذوق و مزاج کے اختلاف کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ذوق و مزاج کا یہ اختلاف ایک فطری حقیقت ہے

ہر گلے را رنگ و بُوئے دیگر ست!

کامیاب ہے وہ شخص جس نے اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے سب کا احترام، سب کی قدر اور سب سے استفادہ کیا،

جس سے جو ملا وہ لے لیا اور اس کا ممنون ہوا، جو نہیں ملا اس کی شکایت میں اور اس انتظار میں کہ جہاں سب کچھ یکجا ملے گا وہیں سے لوں گا عمر عزیز ضائع نہیں کی، اور نہ بڑوں کے ذوقی و نظریاتی اختلافات میں حق و ناحق کے فیصلے کے نازک اور بسا اوقات بے فائدہ کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور وہ لوگ اعتدال سے ہٹ گئے جنھوں نے کسی ایک شخصیت یا حلقہ سے محبت و وابستگی کے دھوکے میں دوسری شخصیات کی تحقیر و تنقیص کی روش شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنالی۔ اس کا نتیجہ اگر کچھ نکلا تو یہی کہ ایسے لوگ خیر کثیر سے محروم رہ گئے اور حلقہ بندیوں اور گروہ بندیوں کے مہلک اثرات کی زد میں خود بھی آئے اور اس زہر کو اُمت کے بیمار جسم میں اور زیادہ پھیلانے کا سبب بھی بنے۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ ان سطور کے لکھتے وقت راقم سطور کے ذہن میں کوئی مخصوص حلقہ یا گروہ نہیں ہے۔ ہمیں یہ اعتراف کرنا چاہئے کہ یہ کمزوری ——— درجات کے فرق کے ساتھ ——— اکثر حلقوں میں پائی جاتی ہے۔

تربیت کے لئے عملی نمونوں کی ضرورت کی وضاحت، ایسے انسانوں کی خدمات کا اعتراف اور تذکرہ و تعارف اور شخصیات کے بارہ میں معتدل موقف کی دعوت، یہ تینوں عناصر الفرقان کے مزاج و مسلک اور اس کی دعوت کے اہم اجزاء ترکیبی ہیں۔ اس موقع پر ۵۰ سالہ زندگی میں اس کے صفحات پر شائع ہونے والے بے شمار مضامین کے علاوہ خاص طور پر حضرت مجدد الف ثانی، حضرت امام ولی اللہ دہلوی، حضرت شاہ اسمٰعیل شہید، حضرت مولانا محمد الیاس اور حضرت مولانا محمد یوسف (رحمہم اللہ) کی خدمات کے تعارف کے لئے شائع کی جانے والی خصوصی اشاعتوں کا حوالہ دیا جاسکتا ہے ——— علاوہ ازیں حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی، حضرت خواجہ باقی باللہ، حضرت خواجہ محمد معصوم، حضرت سیّد احمد شہید، حضرت گنگوہی اور حضرت تھانوی وغیرہ اکابر علماء و مشائخ کے تذکرے کا شرف بھی الفرقان کو وقتاً فوقتاً حاصل ہوتا رہا ہے۔

اسی زرّیں سلسلہ کی اس دور کی ایک عظیم المرتبت شخصیت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ کی تھی۔ ان کی حیات میں ان کا ذکرِ خیر الفرقان کے صفحات کی زینت بنتا رہا۔ یکم شعبان ۱۴۰۲ھ کو اُنکی وفات ہوئی۔ اس کے چند دن بعد میرے دل میں یہ خیال آیا کہ حضرت کی شخصیت، خدمات اور صفات و امتیازات کے تعارف کے لئے الفرقان کی ایک خصوصی اشاعت شائع ہونا چاہئے ——— اس خیال کو اس احساس

سے تقویت ہوئی کہ مختلف المزاج شخصیات اور حلقوں کے بارے میں جس متوازن طرزِ عمل کی ضرورت کے بارے میں ابتدائی سطروں میں عرض کیا گیا، اور جو اُمت کی اہم ضرورت ہے، اس کی بڑی واضح مثال حضرت شیخ کی زندگی میں ملتی ہے ـــــ چنانچہ میں نے یہ خیال حضرت والد ماجد مدظلہ کی خدمت میں عرض کیا۔ انھوں نے فوراً اس سے اتفاق فرمایا۔ لیکن اس حکم کے ساتھ کہ اس کی ترتیب کی ذمّہ داری تمھیں ہی انجام دینی ہوگی"۔ فوری طور پر تو میرے دل میں یہی خیال آیا کہ کہاں اس عظیم المرتبت شخصیت کے متعلق خصوصی اشاعت کی ادارت کا بارِ گراں، اور کہاں اس ضعیف و عاجز کا دوشِ ناتواں! مگر پھر بعد میں اپنے لئے اس حکم کی تعمیل کو خاص طور پر باعثِ سعادت ہونے کا شعور اور اسی نیت سے اپنی بساط بھر انجام دینے کا عزم توفیقِ الٰہی نے دل میں اُتار دیا، پھر بھی یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ ؎

اس حوصلے کو دیکھئے اور ہم کو دیکھئے

اس خصوصی اشاعت میں شامل مضامین کو تین عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے۔ (۱) سوانحِ حیات اور صفات و امتیازات (۲) حضرت شیخ۔ ایک عالم و محدّث، (۳) حضرت شیخ ایک عارف و مصلح۔

پہلے عنوان کے تحت سب سے پہلے آپ مخدوم گرامی جناب مولانا نسیم احمد فریدی امروہی مدظلہ کا مضمون ملاحظہ فرمائیں گے جس میں نہایت اختصار کے ساتھ مولانا موصوف نے حضرت شیخ کی سوانحِ حیات کے اہم واقعات کو مرتب فرمایا ہے۔

برصغیر کے علماء و مشائخ کی تذکرہ نویسی مولانا کا محبوب ترین مشغلہ ہے۔ اس باب میں مولانا کی ذات مرجع اور سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ شدید ضعفِ بصر کی وجہ سے خود لکھنے پڑھنے سے معذوری کے باوجود مولانا الفرقان کے لیے برابر لکھتے رہتے ہیں۔ حضرت شیخ سے تو مولانا کو عقیدت و محبت ہی نہیں، ارادت و خلافت کا بھی تعلق تھا ـــــ ناظرینِ کرام بھی مولانا کی صحت و عافیت اور حیات میں برکت کے لئے دُعا فرمائیں ـــ

اس کے بعد جناب مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کا مبسوط مضمون ہے جس میں بڑے علمی اور تحقیقی انداز سے نسب نامۂ شیخ کے متعلق بعض مشہور اغلاط کی تصحیح کی گئی ہے۔ مضمون کے مطالعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس مضمون کی تیاری میں کتنی عرق ریزی سے کام لیا گیا ہے۔

اس کے بعد آپ حضرت والد ماجد مدظلہ کے قلم سے حضرت شیخ الحدیث کی آپ بیتی کی انتخاب و تلخیص ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس کے متعلق آپ خود انہی کی زبانی "افتتاحیہ" میں سُن چکے ہیں، لیکن یہاں اپنا اس

تاثر کا اظہار کیے بغیر نہیں رہا جاتا کہ اس سرگزشت کا ایک ایک لفظ دل میں اُترا جاتا ہے۔ کہیں حضرت شیخ کی قربانیوں، زہد و قناعت اور ایک مدرسے سے وابستگی کو ــــ اور وہ بھی مخصوص طرز کی ــــ دوسری دوسری ساری پیش کشوں کے سامنے لائق توجہ ہی نہ سمجھنے کا عظیم کردار سامنے آتا ہے، اور یہیں سے ان عظیم کامیابیوں کا راز بھی مل جاتا ہے جنھوں نے ان کے قدم چومے۔ اسی ضمن میں ان کے بچپن اور نوجوانی کے نازک دور میں اپنے والد ماجد کی سخت گیر طبیعت کو نہ صرف برداشت کرنے بلکہ اسے ایک عظیم احسان قرار دینے کا بلند کردار آتا ہے۔ اسی سرگزشت میں آپ یہ بھی پڑھیں گے کہ حدیث کی باقاعدہ تعلیم شروع ہوئی تو اس شانِ عبدیت کے ساتھ کر پڑھنے والا اور پڑھانے والے دونوں دُعاؤں میں لگ گئے۔ کیا خوب ہو کہ اس مثال کو ہم سب ــــ بالخصوص اساتذہ و طلباء ــــ ہر ایسے موقع پر یاد رکھیں کہ اسی طرح کی ادائیں ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچ لیا کرتی ہیں اور سعادت و فلاح کے بڑے بڑے فیصلے کروالیا کرتی ہیں ــــ دیرینہ تعلقات کا پاس و لحاظ، وضعداری اور واقعیت و حقیقت پسندی کی ایسی واضح مثال اس سرگزشت میں ہمارے سامنے آئی ہے کہ جب مجلسِ شوریٰ مظاہر علوم نے یہ فیصلہ کیا کہ مدرسہ کی نظامت دو حصوں (مالیات اور تعلیمات) میں تقسیم کر کے شعبہ تعلیمات کی نظامت حضرت شیخ کے سپرد کر دی جائے اور اس وقت کے ناظم عمومی حضرت مولانا عبداللطیف صاحب صرف مالیات کے ناظم رہیں تو حضرت شیخ نے صرف اس اندیشہ سے کہ اس سے شاید مولانا عبداللطیف صاحب کو ناگواری ہو، اور کہیں اس کی وجہ سے ان کے قریبی تعلق میں فرق نہ آجائے، اس تجویز کو قبول کرنے سے معذرت کر دی ــــ حقیقت یہ ہے کہ اس کردار کے بغیر اجتماعی کام دو دن نہیں نہیں چل سکتے، اور چلتے ہیں تو ایسے کردوں میں کدورت رہتی ہے۔ کاش! ہم اس سے سبق لیں۔

حوادث کے ذیل میں آپ حضرت شیخ کا یہ مزاج بھی دیکھیں گے کہ رسمی تعزیت سے بہت بُعد، صدمہ خواہ کیسا ہی شدید ہو، اللہ کے فیصلہ کے سامنے فوراً سر جھکا دینا اور فوری طور پر دُعائے مغفرت، ایصالِ ثواب اور فکرِ آخرت کی طرف توجہ اور دوسروں کو بھی اسی طرف متوجہ ہونے کی تلقین۔

یہی سادگی اور تصنع و تکلف سے دُوری جو حضرت شیخ کا وصفِ راسخ تھا، تقریبات اور شادیوں میں بھی کارفرما نظر آتی ہے۔ اس پر غور کیجیے اور صحابہ کرام کے بارے میں کسی کہنے والے کے

اس قول کو دل میں تازہ کریجئے کہ "وَأَقلهم تکلفاً" "تکلّف ان کے اندر بہت کم تھا"
اس سرگزشت میں ان سب پُرکشش اوصاف کے تذکرہ کے بعد یہ تذکرہ بالکل صحیح جگہ پر آیا ہے کہ حضرت شیخ بزان کے زمانہ کے علماء ربانیین کی کیسی عنایتیں اور شفقتیں تھیں اور کردار ہے ہی ایسی مقناطیسی کشش والا کہ صالحین کی محبت ومودت کو ہزاروں میل کے فاصلے سے کھینچ لے۔!

اس کے بعد آپ مخدومنا حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کا مضمون ملاحظہ فرمائیں گے جو حضرت مولانا مدظلہ کے قلم سے حضرت شیخ کی زیرِ تصنیف سوانح حیات کا ایک جزو ہے۔ اس مضمون کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ حضرت شیخ کی شخصیت کے کچھ ایسے اہم گوشے سامنے آئے ہیں جو غالباً بہت سے لوگوں کے لئے نئے ہوں گے۔ حق کی شہادت میں اپنوں اور غیروں کا فرق کئے بغیر ایک ہی انداز، درد والم، صراحت واستقامت اور قوت وعزیمت سے بھرپور، بے نفسی اور خلوص کے ساتھ، اور انسانی مزاج اور عصرِ حاضر کے رُخ کی صحیح تشخیص کرتے ہوئے صالحین سے محبت واستفادہ بزرگوں، دین اور علم سے نسبت رکھنے والے ہر کام کی قدر دانی، اپنے اکابر واسلاف کے ساتھ احسان شناسی اور مکمل وفاشعاری کا اور خدام واحباب کے ساتھ غیر معمولی شفقت ومحبت کا تعلق، مدارس عربیہ سے گہرا شغف اور قلبی ربط۔ یہ ہیں وہ اہم گوشے جو اس مضمون سے پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آئے ہیں ____ اور اس کا یہ امتیاز الگ ہے کہ یہ سب حضرت شیخ کے مکتوبات ہی سے اخذ کیے گئے ہیں، اور کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مولانا مدظلہ کے پاس ان کے نام حضرت شیخ کے جن تقریباً چار سو خطوط کا انتہائی قیمتی ذخیرہ محفوظ ہے، اس مختصر اور انتہائی مفید مضمون میں ان کا عطر آگیا ہے۔

اس سلسلہ کا پانچواں مضمون جناب مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی مدظلہ کے قلم سے ہے۔ اس مضمون میں خصوصیت کے ساتھ ذاتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے حضرت شیخ کی والہانہ محبت، اتباعِ سنت کا غیر معمولی اہتمام اور احادیثِ نبویہ کی خدمت پر روشنی ڈالی گئی ہے ____ اور آخر میں اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی مرجعیت ومحبوبیت کا تذکرہ اور آنکھوں دیکھا حال بھی ہے ____ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جن دنوں میں مولانا موصوف نے یہ مضمون لکھا، وہ ان دنوں اپنے جوان عمر داماد کے اچانک انتقال کے صدمہ سے دوچار تھے۔ ناظرینِ کرام مرحوم کے لئے مغفرت کی اور پسماندگان خصوصاً مولانا کی صاحبزادی صاحبہ کیلئے صبر ورضا کی توفیق کی دُعا فرمائیں۔

چھٹا مضمون استاذ گرامی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی زید مجدہ کے قلم سے ہے، اسمیں حضرت شیخ کی متعدد صفات امتیازات کا تذکرہ ہے، مثلاً علمی مشغولیت، دینی تربیت، اخلاق و محبت مہمان نوازی، صبر و سکون اور فہم و فراست۔ اس مضمون کا اختتام بھی ان صفات حسنہ کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے مقام محبوبیت کے تذکرہ پر ہوا ہے۔

اس کے بعد مولانا شمس تبریز صاحب کا مضمون ہے جس میں بڑے مدلل اور واضح انداز میں حضرت شیخ کے امتیازی وصف " وسعت قلبی اور توازن و اعتدال" کا تذکرہ ہے ضرورت ہے کہ اس مضمون کے مشتملات کو غور و تدبر سے پڑھا جائے اور یہی کشادہ دلی اور بلند نظری اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جس کے نتیجہ میں بقول مولانا شمس تبریز " حضرت شیخ الحدیث مختلف مذاق و مشرب کے معاصر علماء و مشائخ کی قدردانی، مرتبہ شناسی و حفظ مراتب میں بھی بے نظیر تھے، جس کی وجہ سے متضاد طبائع کے بزرگ آپ کو اپنا معتمد علیہ اور متفقہ شخصیت سمجھتے تھے "۔۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ مختلف دینی اداروں اور " اخلاص کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی جو خدمت بھی کی جائے .... ان سب ہی کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھنے کے طرز عمل اور باہمی نزاع اور ایک دوسرے کی آبروریزی کو انتہائی مہلک سمجھنے کے ساتھ ساتھ محض اختلاف رائے کو مضر نہ سمجھنا " یہ سب وہ اوصاف ہیں جنھوں نے حضرت شیخ کو تاریخ کی ان شخصیتوں کی صف میں نمایاں مقام بخشا جنھوں نے اختلافات کی ظاہری اور مصنوعی ہیبت ناک شکل سے متاثر نہ ہونے بلکہ عملی طور پر ان کی خلیج کو پاٹنے کی سعی کرتے رہنے اور مختلف المزاج اشخاص سے بیک وقت استفادہ کرنے کا اسوہ قائم کیا، جو ولی اللہی طریقہ کا مابہ الامتیاز وصف ہے۔ مجھ جیسا ایک ادنیٰ مسلمان اگر حضرت کے اہل تعلق سے اسی روش پر استقامت اور اس طرز عمل کی ترویج و اشاعت کی سعی کی تمنا کرے تو امید ہے کہ اسے خلاف ادب سمجھا جائیگا اور نہ اپنی حدود سے تجاوز!

اس سوانحی سلسلہ کا خاتمہ جناب افتخار احمد فریدی صاحب کے مضمون پر ہوا ہے جسمیں موصوف نے بڑے سادہ مگر موثر انداز میں حضرت کی بعض اہم صفات و خصوصیات کا تذکرہ کیا ہے۔

دوسرے عنوان " حضرت شیخ ایک عالم و محدث " کے تحت تین مضامین ہیں، پہلا مضمون جناب مولانا تقی الدین ندوی مظاہری کا ہے۔ مولانا موصوف خود محدث کے جید عالم، ایک عربی یونیورسٹی میں حدیث کے استاذ

علم حدیث میں متعدد عربی اور اُردو کتابوں کے مصنف اور حضرت شیخ کے خاص تلامذہ اور متوسلین میں ہیں علوم دینیہ خصوصاً حدیث کے اساتذہ و طلباء کے لئے یہ مضمون بڑے قیمتی فوائد پر مشتمل ہے۔ درس میں حبِ رسول ؐ اور سوز و گداز کی محسوس کیفیت، تمام ائمہ مجتہدین اور محدثین کرام کے ساتھ نہایت ادب و احترام کا معاملہ، عربی الفاظ کا بامحاورہ ترجمہ، حشو و زوائد سے اجتناب کے ساتھ مسائل کا اجمالی ذکر، پھر تفصیلی تشریح اور علمی نکات کے بیان کے ساتھ ساتھ تربیتی اشارے۔ حضرت شیخ کے درس کی یہ خصوصیات بلاشبہ قابل تقلید ہیں۔

دوسرے مضمون میں جو مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے قلم سے ہے، فاضل مضمون نگار نے حضرت شیخ کی دُواہم علمی تصنیفات کا جائزہ لیا ہے، اور بڑے معروضی انداز میں ان کی خصوصیات اور حضرت شیخ کے طرزِ تصنیف پر روشنی ڈالی ہے۔

تیسرا مضمون استاذ گرامی مولانا بُرہان الدین سنبھلی زید مجدہ کے قلم سے ہے، جسمیں مولانا موصوف نے درس، تصنیف اور تربیت میں حضرت شیخ کے مخصوص طرز کا ذکر فرمایا ہے، بڑی وضاحت کے ساتھ حضرت شیخ کی جامع علم و تربیت شخصیت کا تعارف اس مضمون سے ہوتا ہے۔ اس سے بلکہ ان تینوں مضامین کے مطالعہ سے امید ہے کہ حضرت کی زندگی کا وہ گوشہ ناظرین کرام کے سامنے بڑی حد تک واضح ہو جائے گا جس کی وجہ سے بقول مولانا تقی الدین ندوی "زبانِ خلق نے نقارہ خدا بن کر انھیں شیخ الحدیث کا لقب و خطاب عطا کیا اور پھر یہ لقب ان کے اصل نام کا لازمی جزو اور اس کی علامت بن کر رہ گیا۔"

مولانا بُرہان الدین صاحب کے اس مضمون کے بعد تیسرا عنوان شروع ہوتا ہے "حضرت شیخ ایک عارف و مصلح"۔ اس کے تحت سب سے پہلے آپ والد ماجد مدظلہ کے نام حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود گنگوہی دامت برکاتہم کا ایک مکتوب ملاحظہ فرمائیں گے جو انھوں نے والد ماجد کے نام ان کے اس خط کے جواب میں بطور معذرت ارسال فرمایا تھا جس میں انھوں نے حضرت ممدوح سے حضرت شیخ کے متعلق کچھ تحریر فرمانے کی درخواست کی تھی ___ اس معذرت نامہ میں نہایت عمیق اور بیش بہا نکات و معانی آگئے ہیں جن سے حضرت شیخ کے مقام کی بھی وضاحت ہوتی ہے اور بہت سے حقائق کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے ___ ایسا لگتا ہے کہ جیسے ذکرِ شیخ شروع ہوتے ہی صاحب مکتوب کا قلم بے ارادہ ہی چل پڑا ___ خصوصیت سے اہلِ علم و ذوق حضرات اس مکتوب سے انشاء اللہ خوب مستفید و محظوظ ہوں گے۔

اس کے بعد آپ حضرت شیخ کے ملفوظات کا ایک جدید انتخاب ملاحظہ فرمائیں گے۔

جیسا کہ ناظرین الفرقان واقف ہیں حضرت شیخ کے ملفوظات کے متعدد مجموعے آپ کی حیات ہی میں شائع ہو چکے تھے لیکن ہم نے ان مطبوعہ ملفوظات سے انتخاب کرنے کے بجائے غیر مطبوعہ ملفوظات کی اشاعت کو ترجیح دی ـــــ متعدد حضرات نے ملفوظات کے مجموعے ازراہ عنایت ارسال کئے تھے ہم ان سب کے ممنون ہیں۔ البتہ اشاعت کے لئے انتخاب ہم نے ایک ہی مجموعہ کا کیا ہے جو آپ ملاحظہ فرمائیں گے ـــــ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔

ملفوظات کے بعد آپ حضرت شیخ کے مکتوبات ملاحظہ فرمائیں گے۔ مکتوبات کے سلسلہ میں بھی ہماری یہی کوشش تھی کہ ان کا بھی جدید انتخاب ہی اس اشاعت میں شائع ہو، اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے غیر مطبوعہ مکتوبات شیخ کے متعدد مجموعے ہمیں حاصل ہو گئے۔ ایک گراں قدر مجموعہ تو ہمیں ان ہی مخلص بھائی نے بھیجا جنھوں نے ملفوظات کا مجموعہ ارسال کیا تھا۔ پھر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے نام حضرت شیخ کے خطوط کا ایک ضخیم اور بیش قیمت مجموعہ بھی راقم سطور کی نظر سے گزرا۔ پاکستان سے جناب نفیس الحسینی صاحب نے مولانا عبدالجلیل صاحب (برادر زادہ و خلیفہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ) کے نام حضرت شیخ کے مکتوبات کے مجموعہ سے انتخاب کر کے چند مکتوبات ارسال کئے۔ علاوہ ازیں مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کے نام مکتوبات کا مجموعہ بھی ان کے صاحبزادے مولانا سید محمد حمزہ حسنی کی عنایت سے ہمیں مل گیا تھا۔ اس اشاعت کی محدود گنجائش اور عام افادیت کے پیش نظر اس پورے ذخیرہ سے صرف چند منتخب مکتوبات آپ کے ملاحظہ کے لئے پیش کئے گئے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس اشاعت میں شائع ہونے والے متعدد مضامین میں حضرت شیخ کے بہت سے دوسرے مکتوبات بھی نقل کئے گئے ہیں۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اس اشاعت میں شامل مکتوبات شیخ یا ان کے اقتباسات کی تعداد ۵۰ کے لگ بھگ ہے۔

ملفوظات و مکتوبات کے مطالعے سے آپ حضرت شیخ کی جامعیت علمی مقام و مسلک تزکیہ و تربیت میں ان کا طرز، توازن و اعتدال اور حکمت و تفقہ وغیرہ متعدد اوصاف کا براہ راست مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

اس عنوان کے تحت شائع ہونے والا تیسرا اور آخری مضمون، گویا مسک الختام برادر معظم مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کا وہ مضمون ہے جو انھوں نے ۳ سال قبل حضرت شیخ کے سفر برطانیہ کے بعد لکھا تھا جس میں اس دیار غیر میں حضرت شیخ کے قیام کے حالات اور اپنے تاثرات قلم بند کئے تھے۔ امید ہے کہ اس سے حضرت شیخ کی مصلحانہ زندگی کے آخری دور کا ایک ورق سامنے آجائے گا۔ بھائی صاحب مدظلہ گزشتہ ۳، ۴ سال

مسلسل زیادہ علیل رہے۔ اسی وجہ سے اس نمبر کیلئے لندن سے کچھ لکھ کر نہ بھیج سکے۔ امید ہے کہ اس مضمون سے یہ کمی بھی پوری ہوگی۔ ناظرین کرام سے ان کی صحت کے لئے دعاؤں کی درخواست ہے۔

اِس اشاعت میں بڑی کمی

عارف باللہ حضرت مولانا محمد اشرف خاں صاحب کے مضمون کی ہے حضرت والد ماجد مدظلہ نے رمضان المبارک ہی میں ان کو لکھ دیا تھا۔ جواب میں یہ اطلاع بھی مل گئی تھی کہ وہ مضمون تحریر فرما رہے ہیں ___ اس کے بعد طویل عرصہ تک نہ مضمون ملا نہ کوئی اطلاع ملی، بالآخر لاہور سے بذریعہ فون اطلاع ملی کہ حضرت مدظلہ کی شدید علالت کے باعث تاخیر ہوگئی، اب مضمون جلد ہی روانہ ہوجائے گا، چنانچہ پھر بڑے شوق کے ساتھ اس کا انتظار شروع ہوگیا ___ ادھر پریس والوں کا یہ کہنا تھا کہ اگر آپ نے نومبر کے آخر تک تیار فلمیں نہ دیں تو پھر ہم ماہ دسمبر کے بعد ہی چھاپ سکیں گے ___ باقی تمام مضامین کی کتابت ہوچکی تھی، مجبوراً آج یہ فیصلہ کیا گیا کہ اب مزید انتظار نہ کیا جائے کیونکہ کتابت شدہ کاپیوں کی فلم سازی کا کام دہلی میں ہونا ہے اس کے لیے بھی کافی وقت درکار ہے۔ بہرحال واقعہ یہ ہے کہ ان کے مضمون کی کمی بہت محسوس کی جائے گی لیکن اللہ کی مشیت!

دو اور مضمون ایسے ہیں جن کے بارے میں ہمیں پوری توقع تھی اور جن کی کمی محسوس ہورہی ہے، ایک مخدوم گرامی جناب مولانا سعید احمد اکبرآبادی مدظلہ کا تھا جو ہمارے ملک کے محکمۂ ڈاک کی خوش انتظامی کی نذر ہوگیا اور اپنی شدید مصروفیتوں اور مختلف ذمہ داریوں کی وجہ سے مولانا موصوف دوبارہ نہ لکھ سکے ___ دوسرا مضمون حضرت شیخ کے اپنے اہل خانہ سے تعلق کے موضوع پر مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی صاحب کے قلم سے متوقع تھا، مگر اس اشاعت میں مولانا کا جو بسوط مقالہ شائع ہورہا ہے، اس کے لکھنے میں کافی وقت لگ گیا اور یہ دوسرا مضمون مکمل نہ ہوسکا ان شاء اللہ یہ تینوں مضامین اور آپ بیتی کے انتخابات کا باقی حصہ مستقل کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا جو اس نمبر کا حصہ دوم ہوگا۔

جون کے شمارے میں اس خصوصی اشاعت کے اعلان کے بعد متعدد دیگر حضرات نے مضامین، نظمیں، اور قطعاتِ تاریخ ارسال کئے۔ ہم ان سب حضرات کے ممنون ہیں اور گنجائش نہ ہونے کے باعث ان کے مرسلہ تحفوں کی عدم اشاعت کے لئے معذرت خواہ بھی ہیں، امید ہے کہ وہ سب حضرات ہمیں معذور تصور فرمائیں گے۔ حضرت والد ماجد مدظلہ نے بھی اپنا مستقل مضمون اسی وجہ سے روک لینے کا حکم دیا اور راقم سطور نے اپنی

بسا اطا کے مطابق جو کچھ لکھا تھا وہ بھی شائع نہیں کیا جارہا ہے۔ اس شمارہ میں گنجائش باقی نہ رہنے ہی کی وجہ سے حضرت شیخ کی تحریر کا عکس بھی شائع نہیں کیا جارہا ہے۔

بعض مضامین کے خاتمہ پر جو جگہ خالی بچی، اس میں حضرت شیخ کی شخصیت اور صفات و امتیازات کے متعلق کچھ مفید اشارات آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ امید ہے کہ اہل نظر ان کی اہمیت کا ادراک کرلیں گے۔ یہ میں عرض کردوں کہ ان اشارات کا انتخاب حضرت والد ماجد مدظلہ نے فرمایا ہے۔

آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ جیسا کہ ناظرین کرام واقف ہیں، یہ ناچیز راقم سطور رسائل و مجلات کی ترتیب و ادارت کے کاموں میں بالکل نومشق ہے اور اس قفس میں اک دم نو وارد ہے، اور قدرت کا کرشمہ دیکھیے کہ اسی نومشقی کے دور میں حضرت شیخ الحدیث جیسی عالی مرتبت شخصیت کے متعلق الفرقان جیسے معیاری رسالہ کی خصوصی اشاعت کی ادارت کی نازک ذمہ داری اسکے کندھوں پر آپڑی اور وہ بھی اس طرح کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ !!

بس جو بھی کمی یا خامی اس اشاعت میں آپ کو نظر آئے اسے میری ناتجربہ کاری اور نومشقی ہی کا نتیجہ سمجھیے، اور اگر کوئی پہلو اطمینان بخش ہو تو یہ سب فضل ہے اللہ کا، برکت ہے صاحب تذکرہ کی اور ثمرہ ہے صاحب الفرقان کی رہنمائی اور شرکاء بزم کے اخلاص کا۔

کسی عام شخص کا بھی ایسا تعارف کرانا ممکن نہیں جو کہ خود قریب رہ کر اس کے مشاہدہ و ادراک سے بے نیاز کردے یا سو فیصد اس کے قائم مقام ہو جائے، چہ جائیکہ اس جیسی کسی شخصیت کا جس کے متعلق آپ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے ـــــ ایسی شخصیت کے تعارف کی کامیابی کے لیے یہی کافی ہے کہ اس سے لوگوں میں عدم واقفیت کا اعتراف اور صحیح واقفیت حاصل کرنے کا طالبانہ جذبہ پیدا ہو جائے۔ اس سے زیادہ کی توقع ۵۰۰ صفحات کے رسالہ سے نہیں کی جانی چاہیے ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار
گلچین بہارِ تو ز تنگی داماں گلہ دارد

باقی صفحہ ۱۷۰ پر

سوانح حیات اور صفات و امتیازات

(۱) ایک عظیم شخصیت، ایک اجمالی مطالعہ — مولانا نسیم احمد فریدی

(۲) حضرت شیخ کی آپ بیتی (انتخاب و تلخیص) — حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

(۳) حضرت شیخ الحدیث کے اجداد، صحیح نسب نامہ اور حالات — مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی

(۴) حضرت شیخ کی زندگی کے کچھ اہم پہلو — حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

(۵) عاشقِ رسول — مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

(۶) اِس زمانہ کی ایک عظیم جامع شخصیت — مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(۷) حضرت شیخ کا توازن و اعتدال — مولانا شمس تبریز

ایک عظیم شخصیت ــــ ایک اجمالی مطالعہ

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

نسیمے از حجاز آید کہ ناید ۔۔۔ سرود رفتہ باز آید کہ ناید
سر آمد روزگار "آں فقیہے" ۔۔۔ وگر دانائے راز آید کہ ناید

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کی سوانح حیات کے بہت سے گوشے الفرقان کے شیخ الحدیث نمبر میں آئیں گے۔ لکھنے والے حضرت اقدسؒ کے تمام اہم حالات و وقائع پیش کریں گے۔ ان کے تدریسی، تبلیغی، مذہبی، سیاسی، اصلاحی اور معاشرتی کارناموں پر واقفان حال سیر حاصل روشنی ڈالیں گے اور حضرت قدس سرہ کے زہد و تقویٰ اور روحانیت و فراست کا ایمان افروز تذکرہ کریں گے۔ مجھ ناکارہ نے چاہا کہ اس بزم خاص میں میری بھی شرکت ہو جائے۔ حضرت مولانا نعمانی کو اپنے مختصر مقالے کی اطلاع دے کر تاخیر کے ساتھ اس بے کیف اور بے ربط تحریر کو پیش کر رہا ہوں۔ اختصار پیش نظر تھا اور ایک عظیم شخصیت کے واقعات زندگی تفصیل چاہتے تھے۔ اس کشمکش کے عالم میں اور معذوری و بے بضاعتی کی شمولیت میں یہ مختصر اور اجمالی سوانحی خاکہ پیش کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری اس حقیر کوشش کو شرف قبول بخشے اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کو بھرپور جزائے خیر اور جنت الفردوس سے نوازے۔ آمین۔

پیدائش : جناب محمد یوسف کاندھلوی کی صاحبزادی کے بطن سے حضرت مولانا یحییٰ کاندھلوی کا ایک صاحبِ کمال فرزند پیدا ہوا جو آگے چل کر ملت اسلامیہ کا ایک روشن چراغ اور نور کا مینارہ بننے والا تھا، جس کا نام محمد زکریا رکھا گیا اور جو جوانی ہی میں اپنے جواہر علیہ کے باعث شیخ الحدیث کہلایا۔ حضرت شیخ الحدیث کی پیدائش ۱۱ رمضان ۱۳۱۵ھ کو شب پنجشنبہ میں ہوئی۔ تراویح کے بعد مبارکباد دینے والوں کا ایک بڑا مجمع مولانا محمد یحییٰ صاحب کے مکان پر موجود تھا۔ حضرت شیخ الحدیث آگے چل کر حافظ قرآن، مفسر قرآن، محدث بے نظیر، فقیہ بے بدل اور شیخ طریقت و معرفت ہوئے۔ حضرت شیخ کے دادا کا اسم مبارک مولانا محمد اسماعیل تھا۔ آپ کے تایا مولانا محمد میاں اور چچا مولانا محمد الیاس تھے۔

ابتدائی تعلیم و تربیت : گنگوہ میں آپ کی ابتدائی تعلیم ہوئی اور آپ کی تربیت کا بھی وہیں پورا پورا خیال رکھا گیا۔ عجیب بات ہے کہ آپ نے ، برس کی عمر تک کسی مکتب میں سبق نہیں لیا۔ باپ کی تربیت اسی وقت سے شروع ہوگئی جب کہ آپ کا شعور بیدار ہو رہا تھا۔ ، برس کی عمر میں قرآن حفظ کرنا شروع کیا اور تھوڑی مدت میں حافظ قرآن ہو گئے۔ بہشتی زیور اور فارسی کی کچھ کتابیں اپنے چچا جان سے پڑھیں۔ حضرت گنگوہیؒ اس وقت گنگوہ میں آفتاب لب بام تھے اور عمر کا آخری زمانہ طے کر رہے تھے۔ ۱۳۲۳ھ میں ان کا وصال ہوا۔ حضرت شیخ عالم طفلی میں ہی اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ حضرت گنگوہیؒ کی مجلس میں جاتے تھے۔ اس وقت کے بہت سے واقعات حضرت شیخ الحدیثؒ نے "آپ بیتی" میں نقل فرمائے ہیں اور زبانی بھی سنائے جو بڑے دلچسپ ہیں۔ بعد میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کے ساتھ آپ سہارنپور آ گئے اور خود مولانا یحییٰ صاحب نے اپنے ہونہار فرزند کو محنتی بننے کی ترغیب دی۔ حضرت مولانا یحییٰ کا انداز تعلیم و تربیت عجیب و غریب تھا۔ مولانا عبداللہ گنگوہی بھی حضرت مولانا یحییٰ کے شاگرد تھے اور چار سال کے قریب مدت میں انھوں نے مولانا عبداللہ گنگوہی کو تمام علوم دینیہ کی تکمیل کرادی تھی۔ یہی وہ مولانا عبداللہ ہیں جن کی دو

کتابیں[1] آج کل مدارسِ عربیہ کے ابتدائی نصاب میں داخل ہیں۔ کامیاب درس وتدریس کا دوسرا تجربہ خود اپنے فرزند شیخ الحدیث پر ہوا اور یہ انہی کی تعلیم وتربیت کا فیض تھا کہ حضرت شیخ الحدیث آفتابِ علم بن کر چمکے۔ قطبِ عالم حضرت گنگوہیؒ کے روحانی فیوض وبرکات اور گنگوہ کی نورانی فضا اور اس وقت کے مشائخ کا تذکرہ کے اثرات کو بھی شیخ الحدیث کی سیرت سازی میں بڑا دخل ہے۔ حضرت شیخ الحدیث کے والد ماجد نے آپ کی بڑی سخت نگرانی کی اور آپ کے اخلاق واطوار کی درستگی میں بڑی دور بینی اور بلند نظری سے کام لیا۔ خود حضرت شیخ الحدیث اپنی مشہور کتاب "الاعتدال فی مراتب الرجال" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"میری ابتدائی تربیت جن اصولوں کے ماتحت ہوئی ہے وہ یہ تھے کہ مجھے سترہ سال کی عمر تک نہ کسی سے بولنے کی اجازت تھی نہ بلامعیّت والد صاحب یا چچاجان کے کہیں جانے کی اجازت تھی اور اس کی بھی اجازت نہ تھی کہ میں اپنے اکابر کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی مجلس میں بلا والد صاحب اور چچاجان کے ساتھ ہوئے بیٹھ سکوں کہ مبادا میں سبق کی جماعت میں یا حضرت کی مجلس میں کسی پاس بیٹھنے والے سے کوئی بات کرلوں۔ مجھے دو تین آدمیوں کے سوا کسی سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ تنہا مکان جانے کی اجازت نہ تھی، یہاں تک کہ جماعت کی نماز میں بھی مخصوص حضرات کی زیرنگرانی شرکت کرتا تھا۔ اس دور کی آپ بیتی اگر میں سناؤں تو الف لیلیٰ بن جائے کہ کس قدر حکیمانہ اور مصلحت آمیز تشدد مجھ پر رہا اور کس قدر سخت مجرم قیدیوں کی سی زندگی گزری کہ زہریلی فضاؤں اور صحبتوں سے محفوظ رکھا جاسکے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے فضل نے مجھے نبھانے کی

---

[1] ا۔ تیسیر المبتدی ۲۔ تیسیر المنطق

توفیق عطا فرمائی، جس کی برکات اب دنیا ہی میں پا رہا ہوں"۔

متوسط وانتہائی عربی تعلیم : حضرت شیخ الحدیث کے والد ماجد کا تقرر ۱۳۲۸ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں ایک مدرس و معلم کی حیثیت سے ہوا۔ اسی سال آپ سہارنپور آکر مظاہر علوم میں داخل ہوگئے جبکہ آپ کی عمر ۱۲ سال کی تھی۔ اور صرف میر، پنج گنج، فصول اکبری، کافیہ، مجموعہ اربعین، ترجمہ بارہ عم قصیدہ بردہ، قصیدہ بانت سعاد۔ یہ کتابیں اپنے والد صاحب کی نگرانی میں تکمیل کو پہنچیں کتب معقول کے استاذ حضرت مولانا عبد اللطیف ناظم مظاہر علوم اور مولانا عبد الوحید صاحب سنبھلی تھے۔ ۱۳۳۲ھ میں دورۂ حدیث شریف کی ابتدا ہوئی اور ابن ماجہ کے علاوہ تمام کتابیں اپنے والد ماجد سے پڑھیں۔ ابن ماجہ مولانا ثابت علی صاحب کے پاس پڑھی۔ ۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ حجاز مقدس چلے گئے تھے۔ حضرت مولانا خلیل احمدؒ کی ہندوستان واپسی پر ان سے دوبارہ بخاری شریف و ترمذی شریف پڑھی۔ شعبان ۱۳۳۳ھ میں آپ حدیث شریف کے علاوہ تمام درسیات سے فارغ ہوچکے تھے۔ شوال ۱۳۳۳ھ میں آپ نے دورۂ حدیث اپنے والد محترم سے پڑھا کیونکہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب حج کے لیے تشریف لے گئے تھے، اور واپسی نہیں ہوئی تھی۔ دورہ کی تعلیم کا زمانہ بڑے انہاک کے ساتھ مطالعہ میں گزارا، اور دو باتوں کا خصوصی اہتمام رکھا۔ ایک یہ کہ ناغہ نہ ہونے پائے۔ دوسرے بغیر وضو حدیث نہ پڑھی جائے۔

والد ماجد کا سانحۂ ارتحال : ۱۳۳۴ھ میں آپکے والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اب تمام تر ذمہ داریاں گھر کی اور متعلقین کی آپ پر آگئیں والد صاحب کے اوپر جو قرض تھا اس کو بھی ادا کرنے کا تہیہ کیا، چنانچہ وہ ادا ہوا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے سایۂ عاطفت اور ان کی رہنمائی میں اپنے ایام گزارنے لگے۔

عقدِ نکاح : حضرت مولانا محمد یحییٰ کی وفات کے بعد حضرت شیخ کی والدہ ماجدہ کی سخت علالت کا سلسلہ بڑھتا گیا اور ان کی یہ خواہش ہوئی کہ اپنے اکلوتے فرزند کی تقریب شادی اپنے سامنے کرا دیں۔ چنانچہ آپ کا نکاح مولانا رؤف الحسن صاحب کاندھلوی کی دختر نیک اختر سے ہوا۔ مولانا رؤف الحسن صاحب کی دوسری دختر حضرت مولانا الیاس صاحب کے عقد نکاح میں تھیں جو حضرت مولانا محمد یوسف کی والدہ ماجدہ تھیں۔ حضرت مولانا الیاس صاحب سے حضرت شیخ کے چار رشتے تھے۔ ایک یہ کہ دونوں چچا بھتیجے تھے، دوسرے دونوں آپس میں ہم زلف تھے یعنی مولانا رؤف الحسن صاحب کی ایک صاحبزادی حضرت مولانا الیاس صاحب کے عقد میں آئیں اور دوسری صاحبزادی شیخ الحدیث کی زوجہ بنیں۔ تیسرے دونوں آپس میں سمدھی بھی تھے اور وہ اس طرح کہ مولانا محمد الیاس صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی شادی حضرت شیخ کی صاحبزادی سے ہوئی۔ مولانا محمد ہارون مرحوم اسی رشتہ سے حضرت شیخ کے نواسے تھے۔ چوتھے یہ کہ مولانا محمد الیاسؒ خسر اور حضرت شیخ داماد تھے۔ مولانا محمد طلحہ سلمہ اسی رشتہ سے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے نواسے ہیں۔

اولاد : حضرت شیخؒ کی پہلی شادی مولانا رؤف الحسن کاندھلوی کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے پانچ صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے ہوئے[1]۔ صاحبزادیوں میں سے سب سے بڑی مولانا محمد یوسفؒ کے نکاح میں آئیں۔ مولانا محمد ہارون مرحوم ابن مولانا

---

[1] مولانا محمد شاہد سلمہٗ ربہ نے احقر کے استفسار پر جو گرامی نامہ بھیجا اس میں یہ تحریر ہے: "پہلی اہلیہ مرحومہ سے تین صاحبزادے تھے۔
۱۔ محمد موسیٰ۔ یہ رمضان ۱۳۴۳ھ میں پیدا ہوئے، ۸ ماہ حیات رہ کر ۹ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ کو انتقال ہوا۔ (۲) محمد ہارون۔ رجب ۱۳۴۹ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔ مختصر عمر میں انتقال ہوا۔
۳۔ محمد یحییٰ۔ ۶ جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ میں تولد ہوئے اور مختصر عمر میں انتقال ہوا۔
(مکتوب مولانا شاہد بنام احقر)

محمد یوسفؒ ان ہی کے بطن سے تھے۔ دوسری مولانا انعام الحسن صاحب کی اہلیہ محترمہ ہیں۔ جن کے بطن سے مولانا زبیر سلمہ ہیں۔ تیسری مولانا حکیم الیاس صاحب سہارنپوری کو ہوئیں اُن کے صاحبزادوں میں مولانا محمد شاہد سلمۂ اوران کے بھائی بہن ہیں چوتھی لڑکی کا شادی کے بعد انتقال ہوگیا۔ پانچویں اور سب سے چھوٹی صاحبزادی کا نکاح مولانا محمد یوسف صاحب سے بڑی صاحبزادی کے انتقال کے بعد ہوا۔

حضرت شیخ کی دوسری زوجہ مولانا محمد الیاس صاحب کی صاحبزادی ہیں۔ ان کے بطن سے دو لڑکیاں اور ایک صاحبزادے میاں محمد طلحہ ہیں۔ ان میں سے ایک لڑکی کا نکاح مولانا محمد عاقل صاحب استاذ مظاہر علوم اور دوسری کا نکاح مولانا حافظ محمد سلمان صاحب استاذ مظاہر علوم سے ہوا۔

مظاہر علوم کی مدرسی : یکم محرم ۱۳۳۵ھ کو مظاہر علوم کے پندرہ روپے ماہوار پر استاذ مقرر ہوئے اس وقت حضرت شیخ کی عمر بیس سال کی تھی۔ کئی درس گاہوں کی طرف سے بڑی بڑی تنخواہوں کی پیش کش کی گئی مگر آپ کو مظاہر علوم چھوڑنا گوارا نہ ہوا اور اپنے استاذ و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے زیر سایہ رہنا ہی پسند کیا۔

پہلے سال اصول الشاشی اور علم الصیغہ اور چار پانچ سبق نحو و منطق اور فقہ کی ابتدائی کتابوں کے پڑھانے کے لیے سپرد ہوئے، بڑی محنت اور توجہ سے اپنے اسباق متعلقہ کو پڑھایا۔ جس کی وجہ سے تمام طلبہ نہایت خوش رہے۔ آپ کا طریقۂ تعلیم بھی بڑا دلکش، جاذب توجہ اور اثر آفرین وذوق افزا تھا۔ تمام حلقۂ درس آپ کی طرف ہمہ تن متوجہ رہتا تھا اور بات بہت سہل اور آسان کر کے پیش کرتے تھے۔ تمام ضروری باتیں جو قابل یادداشت ہوتی تھیں ان کو اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان فرما دیتے تھے۔ اپنے والد ماجد سے جو طریقۂ تعلیم آپ نے حاصل کیا تھا اس کا کامیاب تجربہ آپ برابر کرتے رہے۔

حضرت سہارنپوری ؒ سے بیعت : شوال ۱۳۳۳ھ میں جب حضرت اقدس سہارنپوری حجاز میں طویل قیام کے ارادے سے جارہے تھے اور بکثرت لوگ بیعت ہورہے تھے تو حضرت شیخ الحدیثؒ نے حضرت سہارنپوری سے بیعت ہونے کا ارادہ کرلیا اور اپنے مربّی و آقا سے درخواست کی۔ اس پر حضرت سہارنپوری نے ارشاد فرمایا کہ جب مغرب کے بعد نوافل سے فارغ ہوجاؤں تو آجانا مولانا عبداللہ گنگوہی نے بھی جو خلافت واجازت سے مشرف ہوچکے تھے تجدید بیعت کی درخواست کی تھی، دونوں حضرات وقت مقررہ پر حاضر ہوکر حضرت اقدس سہارنپوری سے بیعت ہوگئے۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری نے بھی اس بیعت کے منظر کو دیکھا اور حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری بھی اس موقع پر حاضر تھے۔

۱۳۴۴ھ میں حضرت اقدس سہارنپوری نوراللہ مرقدہٗ مستقل قیام کے ارادے سے حجاز تشریف لے گئے، شیخ بھی آپ کے ہمراہ تھے، حضرت سہارنپوری کا ہر مرتبہ کا سفر حجاز اس امید کے ساتھ ہوا کرتا تھا کہ شاید اس بار جنت البقیع کی مٹی نصیب ہو ۱۳۴۴ھ کا یہ سفر حج آپ کا آخری سفر ثابت ہوا اور آپ ۱۳۴۶ھ میں جنت البقیع میں سپرد خاک ہوئے۔ حضرت شیخ کی ہندوستان کو واپسی حضرت اقدس کی حیات میں ہوچکی تھی۔ وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ میں حضرت اقدس سہارنپوریؒ نے بڑے اہتمام سے چاروں سلسلوں میں بیعت وارشاد کی آپ کو اجازت مرحمت فرمائی۔ اور اپنے سر سے عمامہ اتار کر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نوراللہ مرقدہٗ کے برادر اکبر حضرت مولانا سید احمد فیض آبادیؒ ثم مدنی کو دیا تاکہ وہ حضرت شیخ کے سر پر باندھ دیں جب وہ عمامہ سر پر باندھا گیا تو شیخ کی شدت گریہ سے چیخیں نکل گئیں۔ حضرت پیرومرشد سہارنپوری بھی آبدیدہ ہوگئے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اس موقع پر بھی موجود تھے اور ان کو اس پورے واقعہ کی اطلاع تھی۔ ہندوستان میں تشہیر ہوجانے کے خوف سے حضرت شیخؒ نے حضرت رائے پوریؒ کے پاؤں پکڑے اور ان سے اس بات کا عہد

لینا چاہا کہ وہ ہندوستان پہنچ کر اس اجازت کی اطلاع نہ کریں، مگر حضرت رائے پوری اس حقیقت کے اخفاء پر تیار نہ ہو سکے اور آپ کے ذریعہ اس کی تشہیر ہو گئی۔ پھر بھی حضرت شیخ نے عرصہ تک بیعت لینے سے پہلوتہی کی اور جو کوئی اس نیت سے آتا اس کو دوسرے مشائخ سے بیعت کراتے۔ بالآخر حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے حکم فرمانے سے یہ سلسلہ جاری ہوا اور ان ہی کے حکم سے سب سے پہلے آپ نے کاندھلہ میں اپنے خاندان کی مستورات کو بیعت کیا۔

شیخ الحدیث اور بذل المجہود: درحقیقت بذل المجہود کی ترتیب و طباعت کا کام بھی حضرت شیخ الحدیثؒ کا ایک زرّیں کارنامہ ہے جس نے ان کے اندر علم حدیث کا اعلیٰ درجہ کا ذوق پیدا کیا، اور ان کے درس حدیث کو بھی کامیاب سے کامیاب تر بنایا۔ مولانا محمد شاہد سلمۂ حضرت شیخ کے متعلق تاریخ مشائخ چشت میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ نے جس طرح کامل طور سے اپنے آپ کو اپنے حضرت کے سپرد کیا اور اپنی دماغی اور علمی صلاحیتوں کو حضرت کی خاطر قربان کیا، اس کا ایک نمونہ بذل المجہود کی شکل میں آج ہزاروں صفحات پر بکھرا ہوا موجود ہے۔ حضرت شیخ کو اپنی دماغی صلاحیت، ذہنی ذکاوت اور اپنے بیش قیمت اوقات کا لحظہ لحظہ اور لمحہ لمحہ اس کی نذر کرنا پڑا۔ خود حضرت سہارنپوریؒ نے اس کا بار بار اعتراف کیا اور بذل المجہود کی موجودہ شکل و صورت کو شیخ کا مرہون منت بتلایا۔ واقعہ یہ ہے کہ بذل المجہود، ابوداؤد کی ایک ایسی عظیم الشان شرح ہے جس نے حدیث پاک کی بالاتری کو برقرار رکھتے ہوئے مسلک حنفی کی حقانیت کو بھی اظہر من الشمس کیا ہے۔

تصنیفات و تالیفات: حضرت شیخ کی تصنیفات بڑی تعداد میں ہیں۔ ان سب کا ذکر کرنا مختصر سوانح حیات اور مختصر واقعات زندگی کے ساتھ مناسب نہیں۔ اس لیے چند اہم اور مشہور و معروف اور قابل ذکر کتب کے اسماء پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ کی تصنیفات وتالیفات عربی اور اُردو دونوں زبانوں میں ہیں اور ان کی تاثیر، جاذبیت، شہرت و مقبولیت حافظ شیرازی کے اس مصرعے کی مصداق ہے۔ ع

قبول خاطر ولطف سخن خدا داد است

۱۔ خصائل نبوی : شمائل ترمذی کی وجد آفرین اور عشق انگیز اردو شرح ہے۔
۲۔ اوجز المسالک : موطا امام مالک کی ایک مستقل مقدمہ کے علاوہ چھ جلدوں میں بہترین عربی شرح ہے جس کو ۱۳۴۵ھ میں شروع کر کے ۱۳۷۹ھ میں ختم کیا گیا۔ حجاز کے مالکی علماء و مشائخ نے بھی اس شرح کو بہت پسند کیا۔
۳۔ لامع الدراری۔ تین جلدیں[۱] ۴۔ حاشیہ کوکب الدری۔ دو جلدیں[۲]
۵۔ الاعتدال فی مراتب الرجال ۶۔ حکایات صحابہ ۷۔ فضائل نماز
۸۔ فضائل ذکر۔ ۹۔ فضائل تبلیغ ۱۰۔ فضائل قرآن ۱۱۔ فضائل رمضان
۱۲۔ فضائل صدقات ۱۳۔ فضائل حج ۱۴۔ فضائل درود شریف
۱۵۔ قرآن اور جبریہ تعلیم ۱۶۔ حجۃ الوداع والعمرات۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع اور چاروں عمروں کا مفصل و مبسوط تذکرہ جو عربی زبان میں ہے اور بعد میں اس کا اُردو ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔

---

[۱] یہ کتاب حضرت گنگوہی کی تقاریر بخاری شریف کی تعریب ہے جس کو حضرت مولانا محمد یحییٰ نے معرب و مرتب اور حضرت شیخ نے حواشی اور مقدمہ سے مزین فرمایا ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔ اس کے اختتام پر حضرت شیخ نے ایک دعوت کا اہتمام کیا جس میں ایک ہزار سے زائد علماء، صلحاء، طلباء اور عقیدت مند عوام دور و نزدیک کے شریک ہوئے۔ اندرون خانہ بھی مہمان مستورات کو اس تقریب میں کھانا کھلایا گیا۔
[۲] یہ قطب عالم حضرت گنگوہیؒ کی تقریرات ترمذی کا مجموعہ ہے، اس کی تعریب بھی حضرت مولانا محمد یحییٰؒ نے کی تھی اور اس کتاب پر حضرت شیخ الحدیثؒ نے حاشیہ لکھا ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔

ان کے علاوہ بہت سے علمی وفنی نوادر ہیں جن میں سے بعض کو مکتوبات علمیہ اور مکتوبات تصوف وغیرہ سے موسوم کرکے مولانا شاہد میاں سلمہٗ نے شائع کرایا ہے۔ آئندہ بھی امید ہے کہ وہ حضرت شیخؒ کے تمام غیر مطبوعہ علمی سرمایہ کو اسی طرح سے طبع سے آراستہ کردیں گے جن میں کتب درسیہ کی شروح بھی ہیں اور اہم رسالے بھی ہیں جن کی رہنمائی میں طلبہ ومدرسین اپنے منازل تحقیق ومطالعہ کو بآسانی طے کرسکتے ہیں۔

یہ بات بھی عرض کردینا ضروری ہے کہ حضرت شیخ کی بہت سی تالیفات متعدد بار مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوکر شائع ہوئی ہیں۔ فضائل قرآن دس زبانوں میں، فضائل رمضان گیارہ زبانوں میں، فضائل تبلیغ چودہ زبانوں میں، حکایات صحابہ تیرہ زبانوں میں، فضائل نماز چودہ زبانوں میں، فضائل ذکر سات زبانوں میں، فضائل حج چار زبانوں میں، فضائل صدقات چھ زبانوں میں، فضائل درود شریف چار زبانوں میں۔

آخر میں صرف فضائل تبلیغ کے تراجم کی زبانوں کی تفصیل جو چودہ ہے پیش کرتا ہوں۔

١۔ عربی ٢۔ برمی ٣۔ انگریزی ٤۔ ہندی ٥۔ مدراسی ٦۔ ملیالم ٧۔ تامل ٨۔ گجراتی ٩۔ ملیشیائی ١٠۔ بنگالی ١١۔ فارسی ١٢۔ تیلگو ١٣۔ افریقہ میں بولی جانے والی ایک زبان سہالی (سہیلی) ١٤۔ فرانسیسی۔

اسفار حج اور ہجرت : حضرت اقدسؒ نے مدینہ منورہ کا قیام اختیار کرنے اور ہجرت کی نیت[1] کرنے سے پہلے سات حج ادا کرلیے تھے جن کی تفصیلات کو میاں محمد شاہد سلمہٗ نے اپنے قلم سے لکھے ہوئے حالات شیخ میں درج کردیا ہے

---

[1] مولانا محمد شاہد سلمہٗ بجواب استفسار رقمطراز ہیں: "حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے ایک گرامی نامہ میں جو بندہ کے پاس محفوظ ہے تحریر فرمایا ہے کہ میں نے تابعیہ کی خبر سن کر ہجرت کی نیت کرلی۔ حضرتؒ نے اپنے ایک روزنامچہ میں ١٢ جون ٧٣ء پنجشنبہ کی تاریخ میں تحریر فرمایا ہے کہ "آج کی تاریخ میں زکریا کا تابعیہ ملا"۔ ان دونوں باتوں کو ملانے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ١٢ جون ٧٣ء مطابق ٥ رجب ١٣٩٣ھ میں ہجرت کی نیت فرمائی صراحتاً کہیں تاریخ نیت ہجرت نہیں ملی۔" (مکتوب شاہد بنام احقر)

ان سات حجوں کے بعد بھی کئی حج ادا فرمائے۔

اعتکاف : آپ بیتی ۶ میں حضرت شیخ الحدیث نے لکھوایا ہے کہ۔
"اس ناکارہ کے پاس احباب کے رمضان گزارنے کا سلسلہ تو تقریباً ۳۰۔ ۴۰ سال سے ہے۔ شروع میں تو دس بارہ آدمی ہوتے تھے اور اس ناکارہ کا یہ معمول تھا کہ رمضان کے چند روزان مہمانوں کو اپنے پاس رکھ کر رائے پور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں رمضان گزارنے کے واسطے بھیج دیتا اور ایک پرچہ بھی لکھ دیتا کہ ان کو حضرت کی خدمت میں رمضان گزارنے کے واسطے بھیج رہا ہوں، اس کی وجہ سے حضرت قدس سرہٗ کی توجہات عالیہ میرے مہمانوں پر خصوصی رہتی تھیں۔
"اس کے بعد مجمع ہر سال بڑھتا رہا، اس لیے رائے پور بھیجنے کا مستقل اہتمام تو چھوٹ گیا کہ حضرت قدس سرہ کے بھی رمضان پاکستان وغیرہ میں ہونے لگے۔ ۱۳۸۲ھ میں حضرت رائے پوریؒ کے وصال کی وجہ سے مجمع میں اور اضافہ شروع ہو گیا۔ ۱۳۸۴ھ میں تو مولانا یوسف صاحبؒ کی معیت کا اعتکاف چھوڑ کر ۱۵ نفر سہارنپور پہنچے، مگر یہاں جگہ نہیں تھی۔ ان بیچاروں کا اعتکاف بھی رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمائے۔ زکریا نے اس سال پورے ماہ کا اعتکاف مدرسہ قدیم کی مسجد میں کیا تھا۔ اس وجہ سے جگہ کی اور تنگی ہو گئی۔ اس لیے ۱۳۸۵ھ سے دار الطلباء جدید کی مسجد میں رمضان گزارنا شروع کیا، وہاں بھی ہر سال مجمع بڑھتا ہی چلا گیا۔ چنانچہ اس سال ۴۰ نفر معتکف تھے۔ آخر میں ۲۰۰ تک تعداد پہنچ گئی۔ ۱۳۸۶ھ میں معتکفین ۲۰۰ تک شروع ہی سے ہو گئے۔ ۱۳۸۷ھ میں تقریباً ۵۰ نفر کو یہ کہہ کر انکار کرنا پڑا کہ مسجد میں جگہ نہیں رہی۔ دار الطلباء جدید میں خیمے لگانے پڑے۔ طلباء کے جو حجرے خالی تھے ان میں مہمانوں کا ٹھہرانا شروع کیا۔

۱۳۸۹ھ میں اس ناکارہ کا حرمین شریفین میں رمضان گزرا۔ چونکہ ۱۳۹۳ھ کا رمضان بھی اس ناکارہ نے حرمین شریفین میں گزارا تھا اس لیے احباب کا اندازہ یہ تھا کہ ۱۳۹۴ھ میں مجمع بہت ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس سال شروع رمضان ہی سے آٹھ نو سو کا اندازہ تھا اور آخر رمضان میں عزیزی مولوی نصیرالدین نے کہا کہ آج اٹھارہ سو مہمان ہیں۔"

عمر کے آخری دور میں ایک مرتبہ فیصل آباد (لائل پور) میں اور دوسری مرتبہ جنوبی افریقہ میں بڑے مجمع کے ساتھ اعتکاف کیا۔ رمضان کی آخر تاریخوں میں خصوصاً ۲۷ کی شب میں سہارنپور میں ایک بڑا ہجوم ہوتا تھا۔ معتکفین میں سیکڑوں علماء، ہزاروں حفاظ و قراء، تہجد گزار، شب بیدار اور ذاکرین و شاغلین موجود ہوتے تھے۔ ہندوستان کے متعدد صوبوں اور علاقوں کے علاوہ بیرون ہند سے حتیٰ کہ حجاز مقدس سے بھی وابستگان حضرت شیخ رمضان میں سہارنپور آجاتے تھے۔

احقر کئی سال رمضان المبارک کے آخیر عشرہ میں ایک دو دن کے لیے خدمت بابرکت میں گیا ہے۔ عجیب نورانی عالم ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بارش کی طرح برستی محسوس ہوتی تھیں۔ حضرت شیخ کی وفات کے بعد جب امسال پہلا رمضان آیا تو احقر دیوبند سے سہارنپور پہنچا۔ حضرت شیخ بہت یاد آئے اور ان کی مجالس بھی تصور میں آتی رہیں۔ حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی دامت برکاتہم نے امسال حضرت شیخ کی نیابت میں اعتکاف کیا اور ایک اچھا خاصا مجمع ان کی توجہ سے بھی جمع ہوگیا۔ ہر طرح کا انتظام معتکفین اور واردین کے لیے ان کی طرف سے کیا جاتا رہا جس کی وجہ سے آستانہ شیخ الحدیث سے تعلق رکھنے والے مہجورین کو بہت کچھ تسلی و تشفی کا سامان بہم پہنچا۔

وفات: یکم شعبان ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۴ مئی ۱۹۸۲ء کو پیر کے دن شام کے پانچ بج کر چالیس منٹ پر مدینہ منورہ میں حضرت اقدس کا وصال ہوا۔ کچھ کم ۸۰ سال کی عمر ہوئی۔ قبل نماز عشاء جنازہ باب السلام سے حرم شریف لے جایا گیا۔ بعد نماز

عشار حرم شریف کے امام شیخ عبداللہ زاحم نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنازہ کو باب جبرئیل سے جنت البقیع[1] کی طرف لے کر چلے۔ بقول ڈاکٹر اسماعیل میمنی مدنی بے پناہ ہجوم تھا۔ ایسا ہجوم کسی اور شخص کے جنازے میں شاید ہی دیکھا گیا ہو۔ قبر شریف حضرت شیخ کی منشار کے مطابق اہل بیتؓ کے احاطہ اور حضرت سہارنپوریؒ کی قبر شریف کے قریب تیار کی گئی تھی۔ وہیں حضرت رحمۃ اللعالمین صلعم کے ظل عاطفت میں اور صحابہؓ واہل بیتؓ اور اکابر امتؒ کے زیر سایہ قیامت تک کے لیے آسودۂ خاک ہوئے، اور عمر بھر کی وہ تمنا پوری ہوئی جس کی خاطر روز و شب بے قرار و بے چین رہے اور بقول جگر مرادآبادی ؎

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بیقراری کو قرار آ ہی گیا

حضرت شیخؒ کے تلامذہ اور خلفاء : حضرت شیخؒ کے تلامذہ اور درس حدیث کے مستفیدین کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ مظاہر علوم کی روئدادوں کو مطالعہ کیے بغیر ان کو احاطۂ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ ان میں بکثرت مشاہیر علماء و فضلاء اور درس و افتاء کے بہت سے ماہرین اور صاحب تصانیف حضرات بھی ہیں جنھوں نے ہند و بیرون ہند میں اپنے فیوض علمیہ سے طلبہ اور تشنگان علوم کو سیراب کیا ہے اور ان کے شاگردوں کے شاگرد بھی مسند درس پر متمکن ہو کر تمام اطراف عالم میں سلسلۂ فیض جاری کیے ہوئے ہیں۔

آپ کا سلسلۂ طریقت بھی دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ افراد جنھوں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی ہے، ان کی تعداد بلا مبالغہ لاکھوں تک پہنچ

---

[1] حضرت شیخؒ نے مولانا حاجی خورشید صاحب رامپوری کو مولانا ذوالفقار رامپوری مرحوم کی خبر وفات سے مطلع ہو کر ایک خط میں تحریر فرمایا ہے: "مولانا ذوالفقار صاحب کے حادثۂ انتقال پر قلق تو طبعی چیز ہے مگر موت کی جو کیفیت آپ نے لکھی اور جنت البقیع کا مستقل قیام قابل مسرت ہے۔"

گئی ہے۔ آپ کے مجازین کی تعداد صوفی محمد اقبال مدنی کی فہرست کے مطابق ۱۰۹ ہے۔ اس ناکارہ کے علاوہ سب کے سب صاحبانِ علم وفضل اور حاملان زہد وتقویٰ ہیں۔ ان میں چند حضرات وہ ہیں جو شریعت وطریقت کے آفتاب وماہتاب کہے جاسکتے ہیں۔ حضرت شیخ کو مسجدوں، درسگاہوں، کتب خانوں اور خانقاہوں کے آباد کرنے کا جس قدر خیال تھا اس کا اندازہ وہ اشخاص بخوبی لگا سکتے ہیں جنھوں نے براہِ راست حضرتِ والاؒ سے ملاقاتیں کی ہیں اور حضرت کی تصنیفات وتالیفات اور ملفوظات کا مطالعہ کیا ہے۔

صدیقی فطرت، صدیقی نسبت:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کی فطرت میں ترحم اور نرمی ودیعت رکھی ہے اور بعض کی فطرت میں شدت اور سختی، اس کا بہترین نمونہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بھی دونوں کے اس مزاجی فرق کا بار بار ظہور ہوا۔ ہر موقع پر صدیق اکبر کی طرف سے "ارحم امتی بامتی" کی شان ظاہر ہوئی۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض قبائل نے جو اسلام قبول کر چکے تھے ادائے زکوٰۃ سے انکار کیا تو صدیق اکبر نے اس کو دین میں فتنہ اور رخنہ سمجھا اور فرمایا "اینقص الدین وانا حیٌّ" (کیا میری زندگی ہی میں دین میں تراش خراش ہوگی) اور ان کے خلاف ایسا متشددانہ فیصلہ فرمایا کہ شروع میں فاروق اعظم نے بھی اس سے اتفاق نہیں کیا تو صدیق اکبر کو ان پر ایسا غصہ آیا کہ فرمایا "اجبارٌ فی الجاھلیۃ وخوارٌ فی الاسلام" (یہ کیا ہے تم کفر کی حالت میں تو بڑے بہادر اور تیس مار خاں تھے اور اسلام میں آکر بزدل ہوگئے۔)

حضرت شیخ الحدیث نسباً بھی صدیقی تھے اور مزاجاً بھی، لیکن جس چیز کو انھوں نے دین میں فتنہ اور رخنہ سمجھا اس کے بارے میں ان کے اندر وہی شدت پیدا ہوئی جو ان کے جدامجد صدیق اکبر میں پیدا ہوئی تھی۔ ـــــــــ (محمد منظور نعمانی)

مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی
(مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ)

حضرت شیخ الحدیثؒ کے اجداد

صحیح نسب نامہ اور حالات

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ، اور خانوادۂ حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کا تعلق کاندھلہ (ضلع مظفر نگر یو. پی) کے ایک معزز و ممتاز صدیقی خاندان سے ہے، جو حضرت شیخ نظام الدین بدایونی دہلوی کے نامور معاصر حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی کی اولاد میں ہے مگر اس وقت تک غلطی سے حضرت شیخ قطب شاہ علوی کیرانوی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ آئندہ صفحات میں اس خاندان کا صحیح نسب نامہ، اور اس نسب کے متعلق مشہور مگر بے اصل روایتوں کی تحقیق اور حضرت شیخ الحدیث کے اجداد کا نسبتہً مفصل تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

تحقیق نسب

اس خاندان کا مشہور شجرۂ نسب، جس کی نقلیں اہل خاندان میں مروج ہیں، اور اس خاندان سے متعلق تمام تذکروں میں بھی موجود ہے، اس طرح ہے:

"حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، بن مولانا محمد یحییٰ، بن مولانا محمد اسمٰعیل،

ابن حکیم غلام حسین، بن کریم بخش، بن مولانا حکیم غلام محی الدین، بن مولانا محمد صالح بن مولانا فیض محمد، بن مولانا شاہ محمد شریف، بن حضرت مولانا محمد اشرف، بن مولانا شیخ جمال محمد، بن شیخ نور محمد عرف بابن شاہ، بن مولانا بہار الدین، بن مولانا شیخ محمد بن شیخ محمد فاضل، بن شیخ قطب شاہ۔

مگر شجرہ کی یہ ترتیب درست نہیں ہے صحیح یہ ہے کہ شجرہ کے آخر میں مذکورہ دو شخصیتوں شیخ محمد فاضل، اور شیخ قطب شاہ کا اس خاندان سے تعلق نہیں ہے۔ صدیقیان کاندھلہ کے نسب نامہ میں یہ دونوں نام بلا شبہ الحاقی ہیں۔ قدیم دستاویزات اور راقم سطور کی معلومات کے مطابق خانوادۂ مولینا محمد اشرف جھنجھانوی حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی کی اولاد میں ہے، اور اس کا صحیح سلسلۂ نسب اس طرح ہے:-

مولانا محمد اشرف بن مولانا شیخ جمال محمد شاہ، بن شیخ نور محمد عرف بابن شاہ، بن مولانا بہار الدین، بن مولانا شیخ محمد، بن مولانا کریم الدین مذکر، بن امام تاج مذکر، بن امام حاج مذکر، بن حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی[1]

معروف شجرہ کے صحیح نہ ہونے کی وجوہات صحیح شجرہ کے مآخذ، اس خاندان کو کچھ اور نسب ناموں سے وابستہ کرنے کی کوشش۔ ان سب پہلوؤں پر قدیم دستاویزات، فرامین اور نسب ناموں کی روشنی میں ضروری معلومات نذر قارئین ہیں۔

---

[1] مولانا شیخ محمد سے قاضی ضیاء الدین سنامی تک یہ سلسلۂ نسب فرمان محمد بن فیروز شاہ تغلق مکتوبہ ۲۲ رجب ۷۹۳ھ کی پشت پر لکھا ہوا ہے۔ امام تاج، تاج الدین کا مخفف ہے۔ تاج الدین کے ایک صاحبزادے شیخ شہاب الدین تھے، ان کی اولاد کاکوری (لکھنؤ) میں آباد ہے۔ اس شاخ کے شجرہ کے لئے رجوع فرمایئے عباسیان کاکوری، محمد حسن عباسی ص ۲۶۶ (لکھنؤ ۱۳۶۴ھ)

قاضی ضیاء الدین سنامی کے متعدد لائق صاحبزادے تھے، احمد علی خیر آبادی کا قول ہے:-

"قاضی (ضیاء الدین سنامی) چندیں پسران لائق داشت۔ نام یکے زین العابدین، پسرش قاضی معین الدین ایرجی"۔ قصر عارفاں۔ مرتبہ ڈاکٹر آغا محمد باقر ص ۱۸۱ (لاہور ۱۹۶۵ء)

(۱)

حضرت قاضی قطب الدین عرف شیخ قطب شاہ، جو اس وقت تک خانوادہ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی و مولانا محمد اسمٰعیل جھنجھانوی کاندھلوی کے جد اعلیٰ لکھے جاتے ہیں، نویں صدی ہجری کے علماء میں ہیں۔ ان کے نام ایک فرمان مکتوبہ ۸۳۷ھ حاجی محمد محسن کاندھلوی (متوفی ۱۳۷۲ھ) کے پاس موجود تھا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے تحریر فرمایا ہے،

"ان (قطب شاہ) کے نام تغلق کا فرمان ۸۳۷ھ کا حاجی محسن کے پاس موجود ہے"[۱]

شجرہ علویان جھنجھانہ[۲] سے اس بیان کی ضمناً تصدیق ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ قاضی قطب الدین کیرانوی کو سلطان بہلول لودھی کے دور میں ۹ پرگنوں کا قاضی مقرر کیا گیا تھا[۳] لیکن اگر مذکورہ سن کتابت صحیح ہے تو یہ فرمان تغلق عہد حکومت کے بعد، اور سلطان بہلول لودھی کے زمانے سے کچھ پہلے کا ہوگا۔ ۸۳۷ھ میں مبارک شاہ بن خضر خاں کا بھتیجہ محمد شاہ بن فرید خاں تخت نشین تھا[۴] غالباً دو بادشاہوں محمد بن فیروز شاہ تغلق اور محمد بن فرید خاں میں ناموں کی یکسانیت اور آبائی نسبت میں لفظی مماثلت کی وجہ سے ان دونوں میں التباس ہوا، اور اس غلط فہمی کی وجہ سے

---

[۱] "بیاض کبیر" تالیف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ص۲۴ (فوٹو اسٹیٹ کاپی مملوکہ راقم سطور)

[۲] یہ شجرہ "صحیفۂ ابرار" (ترجمہ خیر البیان و ملفوظات رزاقیہ) مترجمہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی کیرانوی صدر شعبہ اردو دلی یونیورسٹی، دہلی، کے آخر میں شامل ہے ص۵۳۵ تا ص۵۶۸ (مطبوعہ ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء) یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ شجرہ ڈاکٹر تنویر صاحب کا مرتب کیا ہوا نہیں ہے۔ ناشر کا اضافہ ہے اور ڈاکٹر صاحب بھی اس سے متفق نہیں ہیں۔

[۳] شجرہ ملحقہ صحیفۂ ابرار ص۵۳۶

[۴] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ، ملا محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ ص۱۲۹ جلد اول (کانپور ۱۳۰۱ھ) اور منتخب التواریخ، ملا عبد القادر بدایونی، اردو ترجمہ محمود احمد فاروقی ص۱۱۲-۱۹۶ (لاہور ۱۹۶۲ء)

شیخ قطب شاہ کے نام فرمان مکتوبہ سنہ ۸۳۶ھ کو فرمان محمد بن فیروز شاہ تغلق مکتوبہ سنہ ۷۹۳ھ خیال فرما کر حضرت نے اس جگہ اس کا حوالہ ذکر فرما دیا ہے۔ مگر حاجی محمد محسن کی فرامین کے اس امتیاز پر نظر تھی اسی لیے حاجی محسن مرحوم نے خاندان کے مفصل نسب نامہ[1] میں شیخ قطب شاہ اور اس فرمان مکتوبہ سنہ ۸۳۶ھ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

(۲)

قاضی قطب الدین کیرانوی[2] عرف شیخ قطب شاہ، اور شیخ محمد فاضل کے نام شجرۂ خاندان مفتی الٰہی بخش و مولانا محمد اسمٰعیل کے شجرہ میں کس طرح شامل ہوئے، اس کی تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ مولانا محمد اشرف جھنجھانوی کے والد ماجد تین بھائی تھے۔ مولانا شیخ جمال محمد، مولانا کمال محمد اور شیخ منصور۔ موخر الذکر یعنی شیخ منصور جھنجھانہ سے ترک سکونت کر کے کیرانہ آ گئے تھے ان کے دو صاحبزادے ہوئے ابو محمد اور محمد فاضل[3] محمد فاضل کے ایک صاحبزادے تھے روشن علی، ان کے تین لڑکے ہوئے — قاسم علی، مردان علی اور فضل علی — مگر خاندان میں مروج شجرہ میں (حاجی محمد محسن کا شجرہ مستثنیٰ ہے) شیخ روشن علی، اور شیخ محمد کو حقیقی بھائی، اور محمد فاضل کا صاحبزادہ لکھا گیا ہے، اور بعد کا تمام سلسلہ شیخ محمد سے وابستہ دکھایا گیا ہے۔

---

[1] یہ شجرہ کئی سال کی مسلسل محنت و تحقیق کے بعد سینکڑوں فرامین و دستاویزات کی روشنی میں، ہر اندراج کے ماخذ اور تفصیلات کے ساتھ سنہ ۱۳۶۳ھ میں مرتب ہوا ہے اور ڈور جسٹروں کے ۲۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ شجرہ ہمارے ذخیرہ کتب میں محفوظ ہے اور راقم سطور نے اس سے رہنمائی حاصل کی ہے۔

[2] قاضی قطب الدین عرف قطب شاہ کے صرف ایک صاحبزادے محمد سعید تھے، ان کی اولاد کی تفصیل کے لیے شجرہ علویان جھنجھانہ ملاحظہ ہو۔

[3] بی بی لاڈو بنت محمد فاضل بن شیخ منصور، بن شیخ بابن، اور شیخ حسن ولد ابو محمد بن شیخ منصور ساکن کیرانہ کی طرف سے "دو بیگھہ پنج بسوہ زمین، خرید مولانا جمال برادران فرزندان میاں بابن" کا بیعنامہ بنام مولانا محمد شریف جھنجھانوی۔ مکتوبہ ۱۰ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۰۳۲ھ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔

اس اندراج سے غلطی کی بنیاد صاف معلوم ہو رہی ہے۔

معروف شجرہ کے سب سے پہلے مرتب یا تو شیخ منصور سے واقف نہیں تھے، یا غلطی سے ان کا نام شجرہ میں درج ہونے سے رہ گیا تھا اور ناقلِ شجرہ نے ناواقفیت کے سبب سے ابومحمّد اور محمّد فاضل کو ایک مرکب نام یعنی ابومحمد کو محمّد فاضل کی کنیت خیال کرتے ہوئے شیخ محمد کے بعد محمد فاضل کے نام کا اضافہ کر دیا۔ اس کے بعد کسی اور ناقل نے اس شاخ کی کیرانوی نسبت کی وجہ سے قاضی قطب قطب الدین عرف قطب شاہ کا اضافہ کیا، اور یہی شجرہ اور اس کی نقلیں اہلِ خاندان کے سامنے رہیں، اور اس شجرہ پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کی وجہ سے کبھی قدیم دستاویزات سے رجوع نہیں کیا گیا، اسی لئے اس کا غلط و بے اصل ہونا بھی معلوم نہیں ہوا۔

صحیح یہی ہے کہ مولانا قاضی شیخ محمد، حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی کے پرپوتے ہیں۔ قاضی ضیاء الدین تک سلسلہ نسب فرمان محمد بن فیروز شاہ تغلق مکتوبہ ۷۹۳ھ کے حوالے سے گزر گیا ہے مگر ایک بار پھر تازہ کر لیجئے۔

"مولانا محمد اشرف، بن مولانا جمال محمد بن شیخ نور محمد عرف بابن شاہ، بن مولانا بہاء الدین شاہ، بن مولانا شیخ محمد بن مولانا کریم الدین مذکر، بن امام تاج مذکر، بن امام حاج بن قاضی ضیاء الدین سنامی" اور اس کے بعد دونوں شجرے بیک نظر ملاحظہ ہوں۔

۱۔ صحیح شجرہ جو مطابق دستاویزات ہے:—

۱۔ قاضی کریم الدین مذکر

۲۔ مولانا شیخ محمد

۳۔ مولانا قاضی بہاء الدین

۴۔ نور محمد عرف بابن شاہ

۵۔ مولانا جمال محمد — مولانا کمال محمد — شیخ منصور

۶۔ مولانا محمد اشرف (بن مولانا جمال محمد) — ابومحمد — محمد فاضل (بنانِ شیخ منصور)

۷۔ مولانا محمد شریف — روشن علی

۸۔ مولانا فیض محمد (جدِ مولانا محمد اسمٰعیل) — مولانا عبدالقادر (جدِ مفتی الٰہی بخش) — قاسم علی — مردان علی — فضل علی

۲۔ شجرہ جو غلط مگر معروف و مطبوعہ ہے:

۱۔ شیخ قطب شاہ
۲۔ شیخ محمد فاضل
۳۔ مولانا شیخ محمد — شیخ روشن علی اول
۴۔ مولانا شیخ بہاء الدین — قاسم علی — مردان علی
۵۔ نور محمد عرف بابن شاہ
۶۔ مولانا جمال محمد
۷۔ مولانا محمد اشرف
۸۔ مولانا محمد شریف
۹۔ مولانا فیض محمد — حکیم عبدالقادر

(جد مولانا اسمٰعیل) (جد مفتی الٰہی بخش)

سرسید احمد خاں کی ایک غیر مطبوعہ تحریر سے بھی خاندان مفتی الٰہی بخش کے مولانا قاضی شیخ محمد کی اولاد میں ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ سرسید احمد مولانا علاء الحسن کاندھلوی (م ۱۳۴۱ھ) کو عطا کئے گئے سرٹیفکیٹ میں لکھتے ہیں:

"یہ خاندان حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ اوّل رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسل میں ہے (اب سے) پانسو برس گزرے بعہد سلطنت فیروز شاہ تغلق یہ خاندان ہندوستان کے اس حصہ میں آکر آباد ہوا۔ یہ خاندان اب تک ان اراضیات پر قابض ہے جو ان کو بموجب اصلی فرمان رجب ۷۹۲ھ عطا کردہ محمد شاہ تغلق، جس کا زمانۂ سلطنت بہت قلیل رہا ہے عطا کئے گئے ہیں۔" [1]

---

[1] یہ سرٹیفکیٹ ۱۸۹۳ء میں سرسید احمد خاں کے حسب ہدایت جسٹس سید محمود نے تحریر کیا، اور اس پر تصحیح اور اضافات غالباً سرسید احمد کے قلم سے ہیں۔ یہ مسودہ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔ میر ولایت حسین مولوی علاء الحسن کو یہ سرٹیفکیٹ عطا کرنے پر جسٹس سید محمود سے سخت خفا ہیں معلومات کے لئے ملاحظہ فرمایئے: آپ بیتی میر ولایت حسین بی اے، ایم اے۔ اے۔ او کالج کی کہانی ص ۱۱۱ (علی گڑھ ۱۹۷۰ء)

سرسیّد احمد کے گھرانے کے خانوادۂ مفتی الٰہی بخش سے بہت پُرانے اور کئی نسلوں سے تعلقات تھے، سرسیّد احمد نے اسی سند میں لکھا ہے :۔

" اس خاندان اور میرے خاندان سے کئی نسلوں سے بہت زیادہ تعارف رہا ہے۔"

اور خود سرسید کو اسی خاندان کے ایک ممتاز فرد مولانا نورالحسن کاندھلوی سے تلمذ تھا[1]، اس لیے سرسیّد کا مذکورہ بالا بیان بہت اہم ہے اور یقیناً معتبر اطلاعات پر مبنی ہوگا۔

(۳)

اس خاندان کے متعلق ایک اور بے سند روایت یہ مشہور ہے کہ اس کا سلسلۂ نسب حضرت امام فخرالدین رازی کے واسطہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے، مگر یہ روایت بھی درست نہیں ہے۔ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی لکھتے ہیں :۔

اعلم ان سلسلۃ نسبہ تصل الی الامام فخرالدین الرازی من جہۃ الجدات والام من جہۃ الاجداد فلیس فیہ الامام المذکور[2]	جان لو کہ ان (مفتی الٰہی بخش) کا سلسلہ نسب ناننہال کی طرف سے امام فخرالدین رازی تک پہونچتا ہے، مگر ددھیال کے شجرہ میں امام موصوف نہیں ہیں۔

حضرت امام رازی سے خاندانی نسبت کی پہلی اطلاع مولانا ریاض الحسن محمد سلیمان کاندھلوی (م ۱۳۲۵ھ) کی تحریر سے ملتی ہے۔ مولانا سلیمان کی اصل تحریر تو میری نظر سے نہیں گزری مگر اس کا فارسی ترجمہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے :۔

بدانکہ سلسلۂ نسب مفتی صاحب رح ۔۔۔ واضح ہو کہ حضرت مفتی صاحب رح کا

---

[1] سرسید کے مولانا سے تلمذ و استفادہ کی تفصیل اور مولانا کے نام سرسیّد کے خطوط کے لئے رجوع فرمایئے حیات سرسید کا ایک گم شدہ ورق۔ از نورالحسن راشد، ماہنامہ آج کل دہلی۔ مئی ۱۹۷۵ء

[2] تذکرہ، ملحقہ شرح قصیدہ بانت سعاد از حضرت مفتی الٰہی بخش ص۵ (دہلی ۱۳۰۴ھ)

سلسلۂ نسب حضرت امام رازی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے	بامام رازی، وحضرت صدیق اکبرؓ می رسد"[1]

غالباً مولانا سلیمان نے یہ خیال اس شجرہ سے اخذ کیا ہے جو مولانا امام الدین کاندھلوی (م ۱۲۰۰ھ) کی تالیف رسالہ نسب اربعہ کے آخری صفحہ پر لکھا ہوا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ مولانا نے اس شجرہ کی وجہ سے مفتی الٰہی بخش کے حضرت امام رازی کی اولاد میں ہونے کا ذکر فرما دیا، اور یہ خیال نہیں کیا کہ کاتب شجرہ نے اس پر "نسب جد فاسد" کا عنوان دیا ہے، جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ شجرہ ننھیال کا ہے اور نسب کے معاملہ میں مادری سلسلہ پر اعتماد نہیں کیا جاتا ہے، یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ "نسب اربعہ" بر تحریر نسب نامہ حضرت مفتی الٰہی بخش کی والدہ ماجدہ کا نہیں ہے اور بعض شواہد کی وجہ سے راقم سطور کو اس میں بھی شبہ ہے کہ یہ شجرہ مولانا امام الدین کی والدۂ محترمہ کا ہو، کیونکہ حضرت مفتی الٰہی بخش کی والدہ محترمہ کا نام عظمت النساء اور مولانا امام الدین کی والدہ صاحبہ کا نام خانم ہے اور جو سلسلۂ نسب نسب اربعہ پر نقل ہوا ہے وہ مفتی الٰہی بخش اور مولانا امام الدین کی سوتیلی والدہ (مولانا محمد عرف شیخ الاسلام کی تیسری اہلیہ) بی بی ماہن کا ہے اور نسب نامہ یا فرائض کی تحریرات سے ان کی کسی اولاد کا سراغ نہیں ملا ہے۔

اور اگر مفتی الٰہی بخش کی والدہ ماجدہ کا سلسلۂ نسب بھی محترمہ بی بی ماہن کی شاخ سے وابستہ ہو تو اس وقت بھی حضرت مفتی صاحب کو امام رازی کی اولاد میں ذکر کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ شجرۂ منقول بر نسب اربعہ کے آخری نام اس طرح ہیں:۔

"قاضی ابو بکر بن امام فخر الدین بن امام قطب الدین بن میر احمد رازی بن سلطان

---

[1] تذکرہ مفتی الٰہی بخش، مولانا احمد حسن کان پوری ص۹، (شامل اختتام مثنوی مولانا روم، مطبوعہ کان پور ۱۳۱۹ھ) یہ تذکرہ مولانا سلیمان کی تالیف حالات مفتی الٰہی بخش کا فارسی ترجمہ ہے، اصل اردو نسخہ مولف کے قلم سے ہمارے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے مگر اس کے کچھ اوراق ضائع ہو چکے ہیں۔

حضرت امام رازی کی اولاد میں ہونے کی روایت نزہۃ الخواطر مولانا عبدالحی حسنی ص۳۰۰ جلد ۷ (حیدر آباد ۱۳۷۸ھ) میں بھی نقل ہوئی ہے، غالباً اس کا ماخذ یہی تذکرہ مشمولہ اختتام مثنوی ہے۔

ابوسعید۔

مگر حضرت امام فخر الدین رازی، مؤلف تفسیر کبیر (م ۶۰۶ھ) کے والد ماجد کا نام عمر اور لقب ضیاء الدین ہے، اور سلسلۂ نسب اس طرح ہے "محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین"[1] حضرت امام کا صحیح سلسلۂ نسب معلوم ہو جانے کے بعد مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

(۴)

شجرۂ علویان جھنجھانہ میں خاندان مولانا محمد اشرف جھنجھانوی کو علوی، اور مفتی ابوسعید رازی کی اولاد میں لکھا ہے اور مرتب شجرہ نے مفتی الٰہی بخش کے والد ماجد مولانا محمد عرف شیخ الاسلام کے کاندھلہ منتقل ہونے کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ

> "اس کے بعد شیخ الاسلام نے اپنے حصہ کی کل جدی جائداد جو جھنجھانہ میں تھی، اپنے بھائیوں محمد شائخ وغیرہ کو دے دی۔ اس تقسیم کے بعد مولانا محمد بخش عرف شیخ الاسلام نے مستقل طور پر کاندھلہ کی سکونت اختیار کر لی[2] آپ کی دختر بی مہرو کی شادی شیخ کریم الدین بن شیخ خیر الدین تھانوی سے ہوئی، اس طرح یہ حضرات اور ان کی اولاد کاندھلہ کے صدیقی خاندان میں رشتہ داری اور سکونت کی وجہ سے اپنے آپ کو صدیقی لکھنے لگے"[3]

---

[1] رجوع فرمایئے الفوائد البہیہ، مولانا عبدالحئی فرنگی محلی ص۹۰ (لکھنؤ ۱۲۹۳ھ) اور الاعلام، خیر الدین زرکلی ص۳۱۳ ج ۶ (بیروت ۱۹۷۹ء)

[2] یہ اطلاع بھی درست نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ اس خاندان کی شاخ مولانا محمد عرف شیخ الاسلام کی ولادت سے پہلے جھنجھانہ سے ترک سکونت کر کے کاندھلہ آگئی تھی، مولانا محمد شیخ الاسلام کی دو مفصل تحریرات اس کے پس منظر اور وجوہات پر مشتمل ہمارے یہاں محفوظ ہیں، اور ان تحریرات پر ۲۸۔ ۳۰ شہادتیں بھی ثبت ہیں، ان دونوں تحریروں میں مولانا شیخ الاسلام نے وضاحت کی ہے کہ "تولد من سائل در قصبہ کاندھلہ اتفاق افتاد"۔

[3] شجرہ ملحقہ صحیفہ ابرار ص۵۶

اس عبارت سے مرتب شجرہ نے یہ تاثر دیا ہے کہ اس خاندان کے اکابر نے کاندھلہ میں موجود حقیر جائداد حاصل کرنے کے لئے اپنی اصل نسبت ترک کر کے صدیقی لکھنا شروع کیا تھا، مگر یہ خیال غلط اور بہتان کے مترادف ہے، ہم اس رائے کو درست سمجھتے، اگر صدیقی لکھنے میں مولانا محمد عرف شیخ الاسلام، اور ان کے اخلاف منفرد ہوتے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ مولانا فیض محمد، ان کے صاحبزادے مولانا محمد ساجد، اور ان کے اہل خاندان جو ہمیشہ جھنجھانہ میں رہے اور حکیم شریف الدین جھنجھانوی کی اولاد جس میں مولوی وجاہت حسین وجاہت جھنجھانوی ایڈیٹر ماہنامہ لسان العصر، و زمیندار (لاہور) بھی شامل ہیں خود کو صدیقی لکھتے تھے[1] حالانکہ ان میں متعدد افراد مولانا شیخ الاسلام سے پہلے ہیں، اور جو بعد کے ہیں ان کی کاندھلہ میں کوئی عزیزداری نہیں تھی، اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ پورا سلسلہ شیخ نور محمد عرف بابن شاہ کے ذریعہ سے حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی سے منسلک ہے اور قاضی صاحب کا صدیقی ہونا مورخین اور ماہرین انساب کے نزدیک معتبر ہے۔

(۵)

خانوادۂ مولانا محمد اشرف جھنجھانوی کا خاندان علویان سے نسبی رابطہ نہ ہونے کی تفصیلات گزر گئی ہیں، مگر مشائخ کاندھلہ کے پہلے ایڈیشن[2] اور صحیفۂ ابرار میں منقول اہل جھنجھانہ کے صدیقی و علوی خاندان کے مشترک نسب نامہ سے غلط فہمی کا بہت امکان ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جھنجھانہ کے علوی خاندان کے معروف و مطبوعہ شجرہ کے متعلق بھی اپنی ناچیز معلومات یہاں پیش کر دی جائیں۔

---

[1] مثلاً ملاحظہ ہو رسالہ اختلاف اللسان، وجاہت حسین وجاہت جھنجھانوی (لاہور ۱۹۰۶ء)

[2] مولانا احتشام الحسن کاندھلوی نے مشائخ کاندھلہ (۱۹۴۰ء طبع اول۔ دہلی) میں حضرت ابوبکر صدیق تک سلسلۂ نسب درج کیا ہے اگرچہ یہ بعینہٖ وہی شجرہ ہے جو صحیفۂ ابرار میں شامل ہے اور ان اطراف کے علوی گھرانوں میں مروج و مستعمل ہے۔ مولانا نے اس میں صرف یہ ترمیم فرمائی ہے کہ میر حسن ریاسی بن ابوالقاسم محمد الاکبر کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے وابستہ کر دیا ہے مگر مولانا نے اس رائے اور اندراج سے رجوع فرما لیا تھا۔ مشائخ کاندھلہ کے بعد کے ایڈیشنوں میں یہ عبارت موجود نہیں ہے۔

خانوادۂ حضرت شاہ عبد الرزاق جھنجھانوی (م ۹۴۹ھ) کے نسلاً علوی ہونے کی سب سے پہلی اساسی روایت خیر البیان تالیف جمال محمد مرکی بن حضرت شاہ عبد الرزاق جھنجھانوی (مولفہ ۱۰۲۴ھ تا ۱۰۳۴ھ) کی ہے جو خیر البیان کے قدیم ترین مخطوطے مکتوبہ ۱۰۹۰ھ کا جو اقتباس صحیفۂ ابرار (ترجمہ خیر البیان) میں نقل کیا گیا ہے اس میں بھی "جمال محمد بن عبد الرزاق العلوی القادری" تحریر[1] ہے مگر ہمارے ذخیرہ میں اہل جھنجھانہ کا ایک بیع نامہ مکتوبہ ۱۰۴۹ھ محفوظ ہے، اس دستاویز پر شاہ جمال محمد مرکی کی مہر اور ان کے صاحبزادے مرکی محمد کی دستخط' اور اس خاندان کی متعدد ممتاز شخصیتوں شاہ نجم الدین مرکی شاہ ابو الحیات مسلم، شاہ بختیار، عبد الرحمٰن عبد المومن کے دستخط یا مہریں ثبت ہیں[2] ایک مہر کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے صاف نہیں پڑھی گئی، جو حروف سمجھ میں آئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مہر شاید شاہ عبد الرزاق کے دوسرے صاحبزادے افضل جھنجھانوی (مولف بکٹ کہانی) کی ہو[3]، مگر ان میں سے کسی بھی مہر یا دستخط میں علوی نسبت مذکور نہیں ہے، دو شہادتوں الواقع کذا الک مرتضیٰ میران کتبہ بخطہ' اور سبحان میران کتبت بخطہ' کاتبین کے سید یا علوی ہونے کا خیال ہوتا ہے، لیکن ان دونوں کا شجرۂ علویان جھنجھانہ میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ خانوادہ شاہ عبد الرزاق کے کسی بھی دستخط یا مہر میں علوی نسبت کا ذکر نہ ہونے سے شبہ ہوتا ہے کہ مخطوطہ خیر البیان میں علوی نسبت کا اندراج کسی ناقل و کاتب کا اضافہ نہ ہو۔؟

ہمارے خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ خود حضرت شاہ عبد الرزاق[4] اور ان کے قریب العہد و معاصر تذکرہ نگاروں[5] نے بھی خاندان و نسب کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، اور شاہ عبد الرزاق کے

---

[1] صحیفۂ ابرار ص۱۱۵ مذکورہ بالا مخطوطہ آصفیہ لائبریری حیدر آباد میں محفوظ ہے۔

[2] ان شخصیات کے متعلق معلومات کے لئے ملاحظہ فرمایئے، شجرہ ملحقہ صحیفۂ ابرار ص۵۳۶ تا ص۵۴۲ اور مقدمہ صحائف معرفت مرتبہ ڈاکٹر تنویر احمد صاحب علوی ص۸ (جھنجھانہ ۱۳۸۸ھ)

[3] افضل جھنجھانوی، اُردو ادب و تاریخ کی قدیم ترین اور نا قابل فراموش شخصیت ہیں تفصیلات کے لیے مراجعت کیجئے پنجاب میں اُردو، پروفیسر محمود خاں شیرانی، اور بکٹ کہانی افضل جھنجھانوی مرتبہ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی

[4] صحائف معرفت، شاہ عبد الرزاق جھنجھانوی۔ اُردو ترجمہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی ص۳

[5] ملاحظہ ہو: اخبار الاخیار شیخ عبد الحق محدث دہلوی ص۲۷۱-۲۷۶ (احمدی دہلی ۱۲۷۰ھ) آئین اکبری ابوالفضل ص۲۱۴

مزار پر کندہ کتبات میں بھی خاندان و نسب کی جانب کوئی اشارہ نہیں ہے[1]

اس خاندان کے تمام قلمی اور قدیم ترین مطبوعہ شجرہ کے نسخوں میں شیخ ابوسعید اور ان سے اوپر کے چار ناموں (جن کی ترتیب میں اختلاف ہے) کے ساتھ سلطان کا لاحقہ موجود ہے۔ مثلاً سلطان ابوسعید، سلطان اسحٰق اور سلطان محمد شریف، اور ایک نام جس پر تمام قلمی اور مطبوعہ نسخے متفق ہیں سلطان فرخ شاہ کا ہے مگر اس ترتیب سے شاہان عراق کا کوئی سلسلہ راقم سطور کو معلوم نہیں ہے۔

سلطان ابوسعید نامی دو معروف حکمراں سلطان ابوسعید بن اولجائیتو خاں خدا بندہ، اور سلطان ابوسعید بن محمد بن میراں شاہ بن تیمور گزرے ہیں۔ مگر شاہ ابوسعید رازی کا ہندوستان میں ورود ۶۰۲ھ سے پہلے بیان کیا جاتا ہے[2] جو ان سلاطین کے عہد سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا ہے، تاہم سلطان ابوسعید بن محمد بن میراں بن تیمور، اور شجرۂ علویان میں مذکور سلطان ابوسعید بن مرجان شاہ[3] میں لفظی مناسبت اور اشتراک کی وجہ سے اس پر غور و فکر کی ضرورت ہے، مگر اس نسب کے بعد علوی نسبت کیونکر درست ہو سکتی ہے؟

ایک اور نام جو اختلاف ترتیب کے ساتھ تمام نسخوں میں موجود ہے سلطان فرخ شاہ کا ہے، مگر معروف فرخ شاہ فاروقی ہیں، حضرت بابا فرید گنج شکر، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت حاجی امداد اللہ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی انہی کی اولاد میں ہیں[4] ان فرخ شاہ

---

[1] یہ کتبات شاہ عبد الرزاق کے صاحبزادگان کی نگرانی میں نصب ہوئے ان کے متن اور تفصیلات کے لئے دیکھئے صحائف معرفت ص ۵۵-۵۹

[2] ملفوظات رزاقیہ بتمہید از مولوی اشفاق حسین جھنجھانویؒ (فیروز پور ۱۳۰۳ھ)

[3] از شجرۂ مکتوبہ (۱۲۰۰ھ) بر صفحۂ آخر رسالہ نسب اربعہ، مولانا امام الدین کاندھلوی۔

[4] تفصیلات کے لئے رجوع کیجئے، مرأۃ الانساب ص۳۵، اشرف السوانح (سوانح حضرت تھانوی) خواجہ عزیز الحسن مجذوب ص۱۳ تا ۱۴، جلد اول (دہلی ۱۳۵۴ھ)۔ اشرف السوانح ص۱۱۶ تا ص۱۲۱ جلد سوم (لکھنؤ، ۱۳۵۰ھ) حضرت مجدد الف ثانی، مولانا زوار حسین شاہ ص۲۵ تا ۴۲ (کراچی ۱۳۹۲ھ) مقامات خیر (سوانح شاہ ابوالخیر) مولانا زید ابوالحسن فاروقی ص۲۴ تا ۳۴ (دہلی ۱۹۶۵ء)

کے علاوہ کوئی اور شاہ فرخ جن کا سلسلہ ایسا وسیع ہو' کتب انساب میں مذکور نہیں ہیں۔

علویان جھنجھانہ کا سلسلۂ نسب حسن جاسی یا رباسی (؟) بن محمد بن الحنفیہ کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے مگر علمائے انساب نے تصریح کی ہے کہ:۔

"سوائے جعفر بن محمد اور علی بن محمد کے محمد بن حنفیہ کے کسی بیٹے کی اولاد موجود نہیں ہے۔"[1]

نسب نامہ علویان جھنجھانہ کے آٹھ قلمی، (مکتوبہ ۱۲۰۰ھ تا ۱۳۵۶ھ) اور چار مطبوعہ[2] نسخے راقم سطور کے سامنے ہیں' ان میں مفتی ابوسعید قادری سے محمد بن حنفیہ تک ۱۸ سے ۲۵ تک واسطے مذکور ہیں' اور ناموں کی ترتیب میں بھی یکسانیت نہیں ہے۔ اور ایسا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں جس کی بنیاد پر کسی ایک کو صحیح قرار دیا جاسکے۔

مولانا قاضی شیخ محمدؒ کا کاندھلہ میں تقرّر

حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی کے پرپوتے، مولانا کریم الدین ذکر، مراسم دینی کی نگہبانی اور امامت کے لئے کاندھلہ میں متعین تھے' اور رجب ۷۹۳ھ سے پہلے وفات پا چکے تھے' اور ان کے صاحبزادے مولانا قاضی شیخ محمد کاندھلہ ہی میں مقیم تھے، اور جب سلطان ابوالفتح محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق کا ۲۲ رجب ۷۹۳ھ میں کاندھلہ نزول ہوا تو سلطان نے ایک فرمان

---

[1] حاشیہ ترجمہ منتخب التواریخ۔ ملا عبدالقادر بدایونی ترجمہ محمود احمد فاروقی ص۱۶۳ (لاہور ۱۹۶۲ء) بحوالہ عمدۃ المطالب فی انساب آل ابی طالب۔ نیز ملاحظہ ہو تحقیق الانساب، محمود احمد عباسی امروہوی ص۱۲۵-۱۲۶ ماہنامہ اصلاح کھجوہ بہار ص۳۹ جلد ۲۵ شمارہ اول، اور المعارف لابن قتیبہ ص۹۵ تحقیق محمد اسمٰعیل عبداللہ انصاری (قاہرہ ۱۳۵۳ھ)۔

[2] حسام عبرت منظوم، منشی امداد علی تھانوی ص۹ (بریلی، ۱۳۲۷ھ) نور محمدی (سوانح میاں جیو نور محمد جھنجھانوی) جناب نسیم احمد علوی ص۳۲ (طبع سوم) حالات مشائخ کاندھلہ ص۹-۱۰ (طبع اول) شجرہ مشمولہ صحیفہ ابرار۔

جاری کر کے مولانا شیخ محمد کو' ان کے والد ماجد کی جگہ پر مقرر و متعین کیا۔ اس موقع پر جو فرمان جاری ہوا تھا اس کی ضروری عبارت حسبِ ذیل ہے:

"چوں حضرت فلک رفعت درگاہ عالی پناہ' آسمان جاہ بادشاہانہ' ماحدیث کہ بر ظہر فرمان ہمایوں اعلیٰ مسطور است' بموقف عرض رسانیدند' ازراہ وفور مرحمت ثبت شد۔

عاطفت خسروانہ فرمودہ امر باصحاب مناصب دولت علی فرمان' وامر علیہا وکارکنان شق مسائل دولت ومعاملہ کادھلہ[1] شیخ امام افضل لتعالی المذکور آں از نقل فرمین بموجب حجبتہا پدر امام محمد' در قصبہ تعین داشت' واو برحمت حق پیوستہ مہر آں جملہ لتعالی المذکور فرمان از نقل فرمین مذکور ر(؟) محمد پسر او مقرر و مستقر گیرند' وحکم فرمان مثبت شد۔"[2]

مظفر نگر گزیٹیر[3]' حالات مشائخ کاندھلہ[4]' اور کاندھلہ کی شخصیات و تاریخ سے متعلق جملہ کتابوں میں فرمان تغلق مکتوبہ رجب ۹۳۰ھ کے حوالے سے تحریر ہے کہ سلطان نے ایک مسجد

---

[1] اس فرمان (مکتوبہ ۲۲ رجب ۹۳۰ھ) میں اور اس کے بعد سے جمادی الاولیٰ ۱۰۷۴ھ تک تحریر شدہ تمام فرامین و دستاویزات میں کادھلہ (بغیر نون کے) لکھا ہوا ہے' اس کے بعد کی لکھی ہوئی صرف ایک تحریر (فرمان عالمگیر مکتوبہ ۲۵ محرم ۱۱۰۲ھ) میں کادھلہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ تمام تحریرات میں کاندھلہ ہے۔ اچانک کادھلہ سے کاندھلہ کیوں ہوا' کچھ سراغ نہیں ملتا۔

[2] اس فرمان کو اس کے نادر و کمیاب رسم خط کی وجہ سے صاف پڑھنا اور استفادہ کرنا بہت دشوار ہے راقم سطور نے اس کے متن کے لئے اس نقل پر اعتماد کیا ہے جو اس فرمان کی پشت پر لکھی ہوئی ہے۔ یہ نقل تقریباً پچاس سال پہلے متعدد اہل علم اور اصحابِ ذوق کی مدد سے کرائی گئی تھی' اور راقم سطور کو اس کا بھی اعتراف ہے کہ وہ منقولہ بالا عبارت کے بعض الفاظ کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہا ہے۔

[3] Muzaffar Nagar Gazetteer Page No 278 Allahabad 1903

[4] حالات مشائخ کاندھلہ ص۱۸

قعمیر کرنے کا حکم دیا، اور قاضی شیخ محمد کو ۲۲ ہزار بیگھ زمین کا فرمان عطا فرماکر کاندھلہ میں متعین کیا مگر اس فرمان مکتوبہ ۲۲ رجب ۹۲۳ھ سے قاضی شیخ محمد کو قاضی کریم الدین ندکر کے قائم مقام مقرر کرنے کی اطلاع تو ملتی ہے لیکن اس فرمان میں عطائے اراضی اور تعمیر مسجد کا کوئی ذکر نہیں ہے مذکورہ بالا عبارت کے علاوہ تمام فرمان سلطان کے القابات و خطابات سے پر ہے. ممکن ہے کہ عطائے اراضی اور تعمیر مسجد کا واقعہ اس سے پہلے ہوا ہو، یا اسی وقت دو فرمان جاری ہوئے ہوں مگر اب کوئی فرمان جس میں اراضی اور تعمیر مسجد کا ذکر ہو، راقم سطور کے علم میں نہیں ہے.

مولانا شیخ محمد کے پوتے شیخ نور محمد عرف بابن شاہ کاندھلہ سے ترک وطن کر کے جھنجھانہ چلے گئے تھے، اس ترک وطن کی وجوہات وتفصیلات معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے تاہم بابن شاہ کے نام ۲۰۰ بیگھہ آراضی کا ایک فرمان مکتوبہ ۹۸۱ھ حاجی محمد محسن کاندھلوی کی نظر سے گزرا تھا. حاجی محسن مرحوم نے نسب نامہ خاندان میں اس کا حوالہ درج کیا ہے، مگر اس وقت اس فرمان کی نسبت کوئی اطلاع نہیں ہے.

اور مولانا شیخ جمال محمد کے نام شاہجہاں کا ایک فرمان مکتوبہ ۱۹ ربیع الثانی ۱۰۵۲ھ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے. اس فرمان کے ذریعہ جمال محمد وغیرہ کو مساۃ لہری (؟) ساکن کاندھلہ کے ترکہ میں سے انچاس بیگھہ زمین مدد معاش کے لئے عطا کی گئی ہے. افسوس اس فرمان سے مزید معلومات نہیں ملتی ہیں.

ہر چند کہ مولانا قاضی شیخ محمد، مولانا شیخ بہار الدین شاہ اور مولانا جمال محمد شاہ کی نسبت مفصل یا مختصر معلومات دستیاب نہیں ہیں، مگر قدیم سے قدیم تر دستیاب کاغذات میں ان تینوں شخصیتوں کے نام کے ساتھ "مولانا شیخ" کا تعظیمی لاحقہ موجود ہے، اور علماء وصوفیاء کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد (دسویں گیارھویں صدی) میں، مولانا کا تعظیمی لفظ بہت احتیاط سے صرف ان افراد کے لئے استعمال ہوتا تھا جو علم وفضل میں یگانہ، اور درس وتدریس میں شہرۂ آفاق ہوں[1]

---

[1] اخبار الاخیار، شیخ عبد الحق محدث دہلوی (مؤلفہ ۹۹۹ھ)، اور تذکرۂ گلزار ابرار، محمد غوثی شطاری (مولفہ ۹۹۸ھ تا ۱۰۱۲ھ) کے مطالعہ سے اس کا واضح اندازہ ہوتا ہے.

مولانا محمد اشرف جھنجھانوی

مولانا محمد اشرف کی تعلیم وتربیت کی نسبت مفصل معلومات کا فقدان ہے۔ مولانا کے متعلق معلومات کا واحد ذریعہ وہ واقعات ہیں، جو مولانا کے پرپوتے مولانا محمد ساجد (م ۱۲۰۸ھ) کی تالیف "غرائب الہند" کے حوالے سے مفتی الٰہی بخش کاندھلوی نے اپنی بیاض میں نقل کئے ہیں، اس بیاض کے حوالے سے یہ واقعات مشائخ کاندھلہ میں بھی نقل ہو چکے ہیں۔ مگر راقم الحروف نے استفادہ کے لئے اصل بیاض[1] کو سامنے رکھا ہے، اور واقعات کو جوں کا توں مگر ترتیب میں معمولی سی ترمیم کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اور لفظی ترجمہ پر آزاد ترجمہ کو ترجیح دی ہے۔

مولانا محمد اشرف، علم وفضل، درس واستفادہ، معرفت وسلوک، استغنا اور ترک دنیا میں فرد فرید تھے۔ مولانا سے قریب العہد بعض بیعاضوں میں مولانا کے لئے "شیخت پناہ، فضائل وکمالات دستگاہ" کے تعظیمی الفاظ موجود ہیں، جو اس وقت اعتراف کمال کی بڑی سند سمجھے جاتے تھے۔

علم وفضل اور درس وتدریس

مولانا محمد اشرف کا علم وفضل میں مقام کتنا بلند، کس قدر شہرت، اور درس وتدریس میں مشغولیت کا کیا عالم تھا، اس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ علامہ عصر ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ) نے مولانا کے فضل وکمال کا شہرہ سنا تو دہلی جاتے ہوئے جھنجھانہ آئے جس وقت علامہ سیالکوٹی پہونچے تو مولانا محمد اشرف مطوّل کا درس دے رہے تھے۔ مولانا نے علامہ کی پذیرائی فرمائی، اور مختصر مدارات کے بعد دوبارہ سبق شروع فرمادیا۔ علامہ نے مولانا سے علمی مکالمہ شروع کیا۔ بحث کا سلسلہ طویل ہوا، اور مختلف مباحث پر گفتگو ہوئی۔ منقولات بھی زیر بحث آئے، پھر سلسلہ کلام اصول علوم پر پہونچا تو مولانا نے فرمایا، ہاں! اب ہمارے

---

[1] بیاض حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، ورق ۱۴، الف تا ورق ۱، ب (بیاض متفرقات اول)

موضوع پر آئے ہو۔! مولانا کے اس ارشاد پر علامہ نے شاید یہ خیال کیا کہ مولانا دوسرے مباحث میں بھی کسی سے کم نہیں ہیں، اور اس موضوع پر جس کو اپنا موضوع قرار دے رہے ہیں، ممکن ہے کہ مجھے خاموش کردیں، اس لئے اسی مقام پر گفتگو ختم کردی اور کہا:

"منکر نفوس قدسیہ بودم، حالا معلوم شد کہ دریں جہاں موجود اند۔" [1]	میں نفوس قدسیہ کے وجود کا منکر تھا مگر اس وقت معلوم ہوا کہ اس دُنیا میں موجود ہیں۔

اس گفتگو کے بعد علامہ نے حقہ کی حرمت میں اپنا تالیف کیا ہوا ایک رسالہ مولانا کے سامنے پیش کیا اور فرمایا:۔

درعلم ظاہر و باطن کامل ہستند، دریں باب چہ می فرمایند۔؟	جناب، علم ظاہری و باطنی میں کامل ہیں اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔؟

مولانا نے فرمایا، مُباح ہے، کیونکہ اشیاء میں اصل اباحت ہے اور حقہ خاص و عام میں رائج ہوچکا ہے [2] اس کو حرام کہنا زیادتی ہے، اس پر علامہ سیال کوٹی نے فرمایا، اگر حلال ہے تو میرے سامنے پیجئے۔ مولانا نے جواب میں فرمایا۔ میں ضعف دماغ کی وجہ سے اس سے سخت نفرت

---

[1] اسی طرح کا ایک واقعہ مولانا عبدالرحمٰن جامی (متوفی ۸۹۸ھ) کے ساتھ پیش آیا تھا۔ ہراۃ میں مُلا علی قوشچی نے مولانا جامی کے سامنے چند مشکل سوالات پیش کئے۔ مولانا نے فی البدیہہ معقول جواب سے نوازا تو ملّا قوشچی خاموش ہوگئے اور کہا: "ازاں روز باز را معلوم شد کہ نفس قدسی دریں عالم موجود بودہ است۔" رشحات ملا حسین واعظ کاشفی ص۱۳۵ (لکھنؤ ۱۳۰۸ھ) نیز ملاحظہ فرمایئے الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ" مولانا عبدالحی فرنگی محلی ص۳۸ (لکھنؤ ۱۲۹۳ھ)

[2] اس وقت حقہ پینے کی وبا حد سے گزر گئی تھی، بقول ڈاکٹر محمد عمر:۔

"ہر کس و ناکس تمباکو استعمال کرنے لگا تھا، یہاں تک کہ امراء، وزراء، شرفاء، صلحاء زہاد، فضلاء، شعراء، فصحاء، حکماء اور فقراء سب ہی اس کی طرف راغب ہوچکے تھے، اور دیگر اشیاء خوردنی اور نوشیدنی پر اسے ترجیح دینے لگے تھے۔ تمباکو پینے کی لوگوں میں

کرتا ہوں، اور علماء کا قول کافی ہے، ہر مسئلہ پران کا عمل شرط نہیں ہے۔ علامہ پھر گویا ہوئے اگر قول کے ساتھ عمل بھی ہو تو کیا حرج ہے۔ ؛ اس پر مولانا نے ایک طالب علم کو طلب فرماکر حقہ پینے کا حکم دیا اور فرمایا،

دراجماع شرط اجماع مجتہدین است	اجماع میں علماء مجتہدین کا اجماع شرط ہے
اجماع علماء معتبر نیست، و برتقدیر	عام علماء کا اجماع معتبر نہیں ہے اگر علماء کا
فرض وتسلیم اجماع راسند از کتاب یا	اجماع بھی سند تسلیم کرلیا جائے تو اسکے لئے
سنت درکار است، و در آنجا سند	کتاب وسنت سے سند کی ضرورت ہے اور اس
حرمت از کے خواہید۔	مسئلہ پر حرمت کی دلیل کہاں سے آئے گی۔ ؛

مولانا کی تقریر کے بعد علامہ نے اپنا رسالہ چاک کر دیا۔

وادئ معرفت میں

مولانا ایک ندائے غیبی کا اشارہ پاکر شیخ ومرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور بالآخر سلسلۂ قادریہ کے ایک بزرگ تک پہنچے، ان کے باطنی حالات کے کچھ تجربہ ومشاہدہ سے دل میں ان کی عقیدت پیدا ہوئی، مولانا نے ان سے کچھ علمی سوالات بھی کیے جس سے ان بزرگ کا علمی مقام بھی ان پر منکشف ہوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اتنی بری لت پیدا ہو چکی تھی کہ اس کے عادی کھانا پینا ترک کر سکتے تھے لیکن تمباکو ترک کرنا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔"

______ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر ص۲۲۹ (دہلی ۱۹۷۵ء)

عہد جہانگیری میں تمباکو کا پینا قانونی طور پر ممنوع قرار دے دیا گیا۔ مگر شاہی حکم بھی اس فعل سے باز نہیں رکھ سکا، ایسے مجرموں کو شہر میں گشت کرایا جاتا، اور بعض کے ہونٹ تک کٹوا لیے گئے مگر اس سختی کے باوجود یہ مرض روز بروز بڑھتا گیا۔

بالآخر اس علمی مذاکرہ کے بعد مولانا، ان بزرگ سے بیعت ہوگئے، اور طریق قادریہ کے مطابق مجاہدے اور ریاضتیں کرتے رہے، دو سال کے بعد ان بزرگ نے ارشاد فرمایا، تمھارا باقی حصہ فلاں کے پاس ہے، اس ارشاد کے بعد بغدادی پیر سے رخصت ہوکر موخر الذکر بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے استفادہ کیا۔ ان بزرگ نے ایک اور شخصیت کی جانب رہنمائی فرمائی اور فرمایا جاؤ فلاں شخص سے کسب کمال کرو۔ ان کی خدمت میں نیاز حاصل کیا تو انھوں نے فرمایا۔ اب تم ہر طرح سے کامل ہوگئے ہو، وطن واپس جاؤ اور رُوحانی دولت کو اگر ظاہر کرنا چاہو تو مخلوق خدا کو بیعت کرو اور راہِ ہدایت دکھاؤ، اور اگر چھپانا چاہو تو درس میں مشغول رہو، مولانا نے عرض کیا میں علمِ شریعت کی خدمت کرنا زیادہ پسند کرتا ہوں، اس پر ان بزرگ نے مولانا کو دُعا سے نوازا اور فرمایا۔

"تاقیامت علم ظاہری از خاندان تو نخواہد رفت"	قیامت تک ظاہری علم تیرے خاندان سے نہیں جائے گا۔

اس اجازت کے بعد پیرِ و مرشد سے رخصت ہوکر وطن آئے اور درس و تدریس میں مشغول ہوگئے اور کمال تربیت و سلوک اور اجازت بیعت کے باوصف بہت کم کسی کو بیعت فرماتے تھے۔ مولانا کا یہ معمول سن کر تھانیسر کے ایک بزرگ نے اپنے خادم کے ذریعہ جبہ اور ٹوپی مولانا کی خدمت میں روانہ کیا مگر زبانی کوئی پیغام نہیں بھیجا حضرت مولانا نے اس عطیہ پر، پرانے جوتے رکھ کر واپس فرما دیا۔ حاضرین مجلس نے اس کا راز جاننا چاہا تو مولانا نے فرمایا، ان بزرگ کا مقصد یہ تھا کہ تم سلوک کی تکمیل کرچکے ہو، ہر طرح سے لائق بیعت و ارشاد ہو، لوگوں کو بیعت کرو اور خلافت و اجازت دو، میں نے اس کا جواب یہ بھیجا ہے کہ میں تو خود کو پرانے جوتوں سے بھی کمتر و حقیر سمجھتا ہوں اور بیعت و ارشاد کا اہل نہیں ہوں۔

لے مولف تفسیر کشّاف کے متعلق ان بزرگ کا ارشاد حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے ایک ارشاد اور واقعہ کی بازگشت تھا جو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی نے نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص۱۹۱ (لکھنؤ ۱۳۰۲ھ)

توکّل واستغنا

شاہجہاں (دور حکومت ۱۰۳۸ھ تا ۱۰۶۹ھ) کے دور حکومت میں مولانا کے کمالات کا غلغلہ قلعہ معلیٰ تک پہونچا، تو شاہجہاں نے مولانا کو طلب کرنے کے لئے پالکی اور سوار جھنجھانہ بھیجے مولانا کو اس کی خبر ملی تو ایک روز صبح سویرے دہلی کے لئے روانہ ہوگئے۔ سوار فجر کے بعد مولانا کے دروازہ پر پہونچے اور مولانا کے منتظر رہے، جب ان کو مولانا کی دہلی کے لئے روانگی کا حال معلوم ہوا تو جھنجھانہ سے فوراً کوچ کیا اور دہلی واپس ہوئے۔ اس وقت مولانا بھی دہلی پہونچ چکے تھے مولانا نے اپنے معتقد ایک امیر کے توسط سے شاہجہاں سے ملاقات کی۔ بادشاہ نے (جملۃ الملک علامی) سعد اللہ خاں سے کہا کہ مولوی صاحب کا امتحان لو۔ سعد اللہ خاں نے مختلف علوم کے متعلق مسائل وسوالات دریافت کئے۔ جوابات سے مولانا کے تبحر علم کا اندازہ ہوا، تو بادشاہ کے حضور میں کہا:

"شیخ را دریائے یافتم کرکنارہ او پیدا نیست۔"	میں نے شیخ کو علم کا ایک ایسا دریا پایا ہے جس کا ساحل معلوم نہیں۔"

اس علمی مذاکرہ کے بعد بادشاہ نے دو ہزار بیگھہ آراضی کا فرمان تیار کرا کے مولانا کی خدمت میں پیش کیا، مگر مولانا نے اس فرمان کو قبول کرنے سے معذرت فرمائی اور کہا:

خدا رازق ماست نہ بادشاہ، من برائے عمل برآیۃ "اطیعوا اللہ واطیعوا الرّسول و اولی الامر منکم" آمدہ بودم نہ برائے تحصیل املاک۔	ہمارا رازق خدا ہے بادشاہ نہیں، میں تو اس آیت "تم اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو، اور رسول کا کہنا مانو، اور تم میں جو اہل حکومت ہیں ان کا بھی" (سورہ نساء ۵۹) پر عمل کرنے کی نیت سے آیا تھا، جائداد حاصل کرنے نہیں آیا۔

مولانا کے انکار فرمانے پر، مولانا کے متوسل امیر نے وہ فرمان مولانا کے صاحبزادگان کے نام منتقل کرا دیا تھا۔ اس فرمان کی نسبت مولانا احتشام الحسن کا یہ بیان درست نہیں کہ،

"شاہجہاں بادشاہ کا وہ فرمان مولانا محمد ساجد کے نام جاری ہوا جو آج بھی موجود ہے"[1]

مولانا محمد ساجد کی ولادت (۱۱۲۰ھ) سے پہلے عالمگیر کی بھی وفات ہو چکی تھی، اس لئے کس طرح ممکن ہے کہ مولانا محمد ساجد کے نام شاہجہاں کا فرمان جاری ہوتا۔ صحیح یہ ہے کہ مولانا محمد اشرف کے صاحبزادگان کے نام شاہجہاں کا یہ فرمان ۱۰۵۶ھ میں جاری ہوا تھا[2] اور عالمگیر کے بہت بعد بارھویں صدی ہجری کے وسط میں دربار شاہی سے اس کی توثیق و تجدید ہوئی تھی۔ یہی فرمان، یا توثیق نامہ مولانا احتشام الحسن کے پاس تھا، اور راقم سطور کی نظر سے بھی گذرا ہے، مگر اس کی تفصیلات قلم بند کرنے میں تساہل ہوا، اور اس وقت وہ فرمان میری دسترس سے دور ہے۔

حضرت مولانا کے ترک دنیا اور توکل و استغنا کا ایک اور واقعہ بھی ناقابل فراموش ہے۔ حضرت مولانا کے گھر میں اکثر فقر و فاقہ اور تنگ دستی کا بسیرا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ مولانا کا ایک مرید تقریباً دو سیر سونا لے کر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں کیمیا جانتا ہوں آپ کے یہاں فقر و فاقہ رہتا ہے، بادشاہ کا وظیفہ قبول نہیں فرماتے ہیں، اس لئے میں یہ سونا طلبار کے خرچ کے لئے لایا ہوں۔ مولانا نے فرمایا، مسجد کی محراب میں دفن کر دو ضرورت ہوگی تو لے لوں گا کچھ دن کے بعد وہ مرید پھر آیا تو دیکھا کہ فقر و فاقہ اسی طرح ہے۔ اس حال کو دیکھ کر آنسو بھر آئے اور کہا کہ اگر وہ سونا خرچ میں آ گیا ہے تو اور سونا موجود ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا، تم نے وہ سونا کس جگہ دفن کیا تھا۔ کہا، محراب میں۔ مولانا نے فرمایا، اسی جگہ دیکھو۔ دیکھا تو وہ سونا اسی طرح موجود تھا۔ مزید افسردہ و غمگین ہوا اور عرض کیا، حضرت اس کی قدر نہیں کرتے، لوگ کیمیا کی تلاش میں پھرتے ہیں، اگر حکم ہو تو حاضر کر دوں۔ ؟ حضرت اس وقت ڈھیلے سے استنجا کر رہے تھے۔ وہی ڈھیلا ایک پتھر پر مارا، جو ڈھیلے کے اثر سے سونے میں تبدیل ہو گیا، اس پر حضرت

---

[1] حالات مشائخ کاندھلہ ص۱۶

[2] یہ فرمان (مکتوبہ ۱۰۵۶ھ) حاجی محمد محسن کاندھلوی (م ۱۳۶۲ھ) کی نظر سے گذرا تھا۔ حاجی محسن نے شجرۂ نسب کی ترتیب میں اس سے استفادہ کیا ہے اور اس فرمان کا حوالہ ذکر کیا ہے۔

مولانا نے فرمایا:

"ایں ہر دو را بخانہ خود ببر، فقرِ ما برائے متابعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقر اختیاری است نہ اضطراری"

ان دونوں کو اپنے گھر لے جاؤ، ہمارا فقر فاقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں، فقر اختیاری ہے فقر اضطراری نہیں ہے۔

مولانا محمد اشرف کی کوئی علمی تحریری یادگار راقم سطور کے علم میں نہیں ہے۔ مولانا کی تحریر فرمائی ہوئی دو کتابیں شرح عقائد (نسفی ؟) اور حاشیہ خیالی ایام طالب علمی میں حضرت مفتی الٰہی بخش (ولادت ۱۱۶۲ھ۔ وفات ۱۲۴۵ھ) کی نظر سے گزری تھیں مفتی صاحب نے اپنی بیاض میں ان کا ذکر کیا ہے۔

حضرت مولانا کا صحیح سنہ وفات معلوم نہیں ہے، مگر بعض دستاویزات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سنہ ۱۰۶۰ھ کے قریب وفات ہو چکی تھی۔ مزار جھنجھانہ (مظفر نگر یوپی) میں موجود ہے۔

مولانا محمد اشرف کے دو صاحبزادے تھے، مولانا شاہ محمد شریف اور عبد المقتدر، موخر الذکر کے متعلق اس کے علاوہ کچھ معلوم نہیں کہ وہ سنہ ۱۰۹۶ھ تک حیات تھے، مولانا محمد شریف کا ذکر آئندہ سطور میں پڑھئے۔

مولانا محمّد شریف جھنجھانوی

مولانا محمد شریف کی نسبت بھی معلومات کا فقدان ہے۔ مگر مولانا کے دو اہم عہد ناموں میں مولانا کا نام جس طرح تحریر ہوا ہے اس سے یہ اندازہ کرنا غلط نہ ہوگا کہ مولانا بھی اپنے والد ماجد کی طرح علم و فضل اور سلوک و تصوف میں یگانہ تھے۔ ایک بیع نامہ میں "مشیخت و فضیلت پناہ"[1] اور دوسرے میں صرف "مشیخت پناہ میاں محمد شریف"[2] تحریر ہے۔

---

[1] بیع نامہ مکتوبہ ۱ ر جمادی الاولیٰ سنہ ۱۰۸۲ھ منجانب شیخ اللہ یار بن عبد الرحیم کیرانوی (وکیل بی بی لاڈو)

[2] بیع نامہ مکتوبہ ۱۴ ر جمادی الاخریٰ سنہ ۱۰۸۸ھ منجانب بی بی ہدیہ بنت حضرت مولانا محمد اشرف جھنجھانوی۔

مولانا محمد شریف کی نسبت خاندانی ذخیرہ میں کوئی اور معلومات راقم سطور کی نظر سے نہیں گزریں[1] مگر صوفیا و مشائخ کے ایک معروف تذکرہ "تاریخ الاولیا" میں محدث جلیل حضرت شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (م ۹۹۸ھ) کے خلفا کی فہرست میں "شاہ صوفی شریف جھنجھانی" کا ذکر ہے[2]۔ مؤلف "تاریخ الاولیا" نے اپنے آخذ کی جو طویل فہرست دی ہے اس سے یہ تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب محنت اور وسیع مطالعہ سے مرتب ہوئی ہے مگر جب تک اس روایت کا ماخذ معلوم نہ ہو یقین سے کچھ کہنا دشوار ہے، اگر یہ روایت درست ہے تو مولانا محمد شریف کی عمر یقیناً سو سال سے زائد ہوئی ہے، کیونکہ ہبہ نامہ مسماۃ بی بی ہریہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ مولانا ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۰۳۰ھ تک حیات تھے۔

مولانا محمد شریف کے تین صاحبزادے تھے۔ مولانا شیخ ابوالحسن جو ۱۰۸۳ھ تک حیات تھے اور لاولد فوت ہوئے، دوسرے مولانا حکیم عبدالقادر جو مفتی الٰہی بخش کے جد ہیں، اور مولانا فیض محمد جو مولانا محمد الیاس و حضرت شیخ الحدیث کے اجداد میں ہیں۔

مولانا فیض محمد جھنجھانوی

مولانا فیض محمد[3] کے حالات بھی معدوم ہیں، مگر مولانا محمد ساجد نے اپنے مجموعہ مکتوبات میں (تعارف آئندہ سطور میں آرہا ہے) مولانا فیض محمد کے خطوط نقل کرتے ہوئے یہ الفاظ لکھے ہیں:۔

---

[1] رضا لائبریری رام پور کی فہرست مخطوطات فارسی میں ایک مخطوطہ خلاصۃ الاسرار در کشف مشرب شطار، مکتوبہ ۱۰۶۶ھ تالیف شیخ صوفی ..... جھنجھانوی، کا ذکر ہے۔ افسوس ہے کہ مولف کا نام اس میں موجود نہیں، اس سے مولانا محمد شریف تو مراد نہیں ہیں۔؟

[2] تاریخ الاولیا، تالیف سید امام الدین گلشن آبادی ص ۲۶۶ (بمبئی ۱۲۹۱ھ)

[3] مولانا کی معاصر دستاویزات اور مولانا کے صاحبزادے مولانا محمد ساجد کی تمام تحریرات میں "فیض محمد" ہے۔ متاخر دستاویزات و تحریرات میں محمد فیض بھی ہے۔ راقم نے معاصر بیان پر اعتماد کیا ہے۔

"جامع العلوم الظاہریۃ والباطنیہ عالم الفارسیۃ والعربیۃ مجمع الفضائل والفواضل؛ حاوی محاسن الشمائل فیض محمد بن محمد شریف بن محمد اشرف القادری الجنجھانوی"۔

اس تعارف سے یہ قیاس غلط نہ ہوگا کہ مولانا فیض محمد بھی علم و عمل میں یگانہ، اور روحانیت و معرفت میں اپنے اسلاف کے قدم بہ قدم تھے۔

مولانا فیض محمد کی قلمی یادگار وہ خطوط ہیں جو مولانا کے صاحبزادے مولانا محمد ساجد نے اپنے مجموعہ مکتوبات میں نقل کئے ہیں، ایک خط تبرکاً ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

یکے از فضولیہائے بوالفضولانہ ایں خلوت نشین دشت گرد و عزلت گزین صحرانورد کہ مانند عنقا چشم جہاں از خود بربستہ، و چوں عندلیب بر شاخسار ہر چمن نشستہ از ہمہ بیگانہ و باہمہ آشنا، از کمن خود پا بیروں نکشیدہ، و عالم را بچشم جہان خود دیدہ، پشت در گوشۂ تنہائی فرسودہ، و چوں گدا بردر ہر حلقہ زدہ و چوں صیاد سست قدم خطا کار در کمین ہر صید شدہ، آنست کہ در ہر بزم جرعہ از جام وحشت خوردہ، و ایں طفل نوزاد، دارد ئے تلخ از دواخانہ ہستی بکام و زبان خود برد، و بسادہ لوحیہا کہ مناسب وقت اوست، چہرہ حال خویش بیاراید، و ازیں جام طمعیہا کہ سموم قاتل جنس اوست باز آید، و از لوازم طبیعت و ظلمت کدہ ہرزہ گردیہا برآمدہ بکار پردازیہائے شائستہ پرواز خود اشتغال نماید، و کامے چند بوئے ذرۂ نورانیت فرساند کہ چوں آئینہ اہل خطا مجازات نقش و نگار رنگین آں بت چیں پرداز۔

و باشد کہ در نظر ظاہر پنہاں لباس صورت اگرچہ دم ستائیہا زند، اما در محفل نغمہ پردازاں ثنا خوانی اصل خویش آغاز زد، و از آنجا کہ آں رم آموز غزالان معنی بلند فراموشی پیوند، رماں رماں ازیں نخچیر خانہ بیگانہ وش بے تابانہ می گذرد، ایں تمنائے دیرینہ است نمید ہد، و ازیں زندان بے پایاں پریشان ساعتے نمی رہد بوالعجبہا است کہ بایں سرکشان حلقۂ زلف ناکردہ پریشان خاطران ناکامی بر دوش

باحلقہ حلقہ کمان ابروان ہم آغوش، بایں سہل پیوندا آماجگاہ تیر ملامت ساختند،
دمے بآرام بخشی ایں ناکام بے آرام نیر داختند۔
مسرت کردم بایں نازک مزاجی ظلم کمتر کن"۔[1]

مولانا فیض محمد کے چار صاحبزادے تھے، مولانا محمد ساجد، محمد سجاد[2]، غلام قادر، قادر بخش۔

مولانا محمدؐ ساجد جھنجھانوی

مولانا محمد ساجد ۱۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے، خواجہ اکرم دہلوی نے لفظ "خورشید" سے تاریخ نکالی، تعلیم کی تفصیلات نظر سے نہیں گزریں، حکیم محمد ساجد کی بیاض میں ایک نسخہ پر "ازاستاذی حکیم شرف الدین" تحریر ہے، مگر یہ کون بزرگ تھے اور ان سے کیا پڑھا، کچھ سراغ نہیں ملتا ہے۔

مولانا محمد ساجد متبحر عالم، وسیع النظر فقیہ، تجربہ کار حکیم، خوش کلام شاعر، نجوم و جفر میں کامل اور تعویذات و کیمیا سازی میں ماہر تھے۔ تذکرہ نگار حکیم محمد ساجد کی نیک نفسی کے قائل اور ان کے فضل و کمال کے معترف ہیں۔ قدرت اللہ شوق کا قول ہے "حکیم ساجد از مغتنمات روزگار است"[3] اور میر محمد سرور لکھتے ہیں:۔

---

[1] مجموعہ مکتوبات، مؤلف و مکتوب مولانا محمد ساجد۔ ورق ۵۲۔ب

[2] محمد سجاد، ذی علم شخص اور مشہور شاعر تھے، تاریخ، موسیقی اور شعر گوئی میں کمال رکھتے تھے۔ قدرت اللہ شوق نے لکھا ہے، "ذہنش بسیار مناسب و طبعش درست" آخر میں کہتے ہیں "از نوادرات روزگار بود" مگر اس علم و صلاحیت کے باوجود معاشرے کے پست اثرات سے محفوظ نہیں تھے، افسوس ہے مطبوعہ و دستیاب کلام کا اکثر حصہ ہزل سے پُر ہے۔ تذکرہ نگاروں کو سجاد کے اس عیب کا بجا طور پر شکوہ ہے۔

[3] طبقات الشعراء، قدرت اللہ شوق (تالیف ۱۱۸۸ھ) مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ص ۳۷۵ (لاہور ۱۹۶۸ء)

"مولوی ساجد کہ فاضل کامل و بر اکثر علوم عالم بود" [1] — مولوی ساجد جو فاضل کامل اور اکثر علوم کے عالم تھے۔

اور لالہ سری رام نے لکھا ہے:۔

"حکیم ساجد علی اٹھارھویں صدی کے آخر میں اپنے ہم عصروں میں خوش خلقی اور نیک طینتی کے باعث ممتاز تھے" [2]

مولانا محمد ساجد کی زندگی کا بیشتر حصہ امراء اور نوابوں کی مصاحبت اور ملازمت میں گزرا، طویل ترین رفاقت نواب سعد اللہ خاں والی روہیل کھنڈ کے ساتھ رہی۔ نواب سعد اللہ کی ولی عہدی کے دور میں نواب صاحب سے مجالست و ہم نشینی تھی جو نواب سعد اللہ کی وفات ۱۱۷۶ھ [3] تک رہی۔ اس ملازمت کی وجہ سے اٹھارہ سال تک ریاست روہیل کھنڈ کے صدر مقام (آنولہ) میں مقیم رہے۔ نواب سعد اللہ کی وفات کے بعد ۱۱۷۶ھ میں ہی ترک ملازمت کر کے وطن واپس آ گئے تھے۔ آنولہ سے واپسی کے تقریباً دو سال بعد ۱۹ر ذی الحجہ ۱۱۷۹ھ کو اہل وعیال کے ہمراہ الٰہ آباد کے لئے روانہ ہوئے، یہ سفر جو کسی نجی ضرورت سے ہوا تھا سخت پریشانی کا سبب ہوا، جس مقصد کے لئے سفر ہوا تھا وہ تو پورا نہیں ہوا، مگر بے سروسامانی اور زحمتوں کا قدم قدم پر ساتھ رہا، اور واپسی میں بھی غیر معمولی تاخیر ہوئی۔ اس مصیبت و پریشانی کے عالم میں کئی سال تک الٰہ آباد میں مقیم رہے۔ اس سفر کے زمانے میں حرارت کی سخت گرفت

---

[1] تذکرۂ عمدۂ منتخبہ، میر محمد خاں سرور (تالیف ۱۲۱۶ھ) مرتبہ خواجہ احمد فاروقی ص۵۴۴ (دہلی ۱۹۶۱ء)

[2] خمخانۂ جاوید لالہ سری رام ص۵ جلد سوم (دہلی ۱۹۲۶ء)

[3] نواب سعد اللہ خاں کی وفات کی نسبت ایک روایت ۱۱۷۵ھ میں وفات کی بھی نقل کی جاتی ہے۔ یہ روایت فرح بخش تالیف محمد فیض بخش کاکوروی کے حوالے سے مولوی نجم الغنی رام پوری نے بھی نقل کی ہے، اور ان کے انداز سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ اسی کو راجح سمجھتے ہیں۔ ص۲۵۶ اخبار الصنادید، جلد اول۔ مگر صحیح یہ ہے کہ نواب سعد اللہ نے ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی۔ اس وقت مولانا محمد ساجد خود آنولہ میں موجود تھے اور مولانا ساجد نے نواب سعد اللہ کا قطعہ تاریخ وفات بھی لکھا تھا۔

اور مولانا کی بے کسی اور مجبوری مولانا کے خطوط سے عیاں ہے[1]
مولانا کے متوسل عماد الملک ہونے کی بھی ایک روایت[2] ہے، مگر اس کی تفصیل دستیاب نہیں ہے
ممکن ہے سعد اللہ خاں کے دور رفاقت میں عماد الملک سے بھی تقرب رہا ہو، تاہم اس سلسلہ میں
کوئی واضح اطلاع راقم کی نظر سے نہیں گزری ہے۔

اخیر میں نواب فیض اللہ خاں والی رام پور کی سرکار سے وابستہ ہو گئے تھے[3] اسی ملازمت
کے دوران وفات پائی۔ مولوی محمد شاہ تمہید شرح زلیخا میں رقم طراز ہیں۔

" واز بوقلمونی روزگار ناہنجار حضرت	نیرنگیٔ زمانہ سے حضرت مخدوم (مولانا
مخدوم از بلدۂ دارالسرور رام پور عازم	محمد ساجد) دارالسرور رام پور سے وطن
وطن شدہ متوجۂ بعالم قدس گردیدند[4]	گئے اور سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔

درس اور مطب کی مصروفیات

مولانا محمد ساجد، سرکاری مصروفیات سے فارغ اوقات درس اور مطب میں صرف
کرتے تھے، ایک دوست کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

باعث عدم نامہ و پیغام تا ایں ایام	اس وقت تک نامہ و پیام نہ ہونے

---

[1] شاید ان مشکلات اور مصائب کے لئے شجاع الدولہ کی روہیلوں اور ان کے متعلقین و لازمین سے نفرت و
عداوت ذمہ دار ہو، شجاع الدولہ نے روہیلوں اور ان کے متوسلین کو کس بری طرح بر باد و پامال کیا ہے۔
تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو، اخبار الصنادید جلد اول ص۵۲۳ تا ص۵۲۵، اور تاریخ اودھ، مولوی نجم الغنی خاں
رام پوری ص۲۲۵ تا ص۲۵ جلد دوم (کراچی ۱۹۷۸ء)

[2] لکھنؤ کا دبستان شاعری، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ص۹۶ (دہلی ۱۹۷۵ء)

[3] تذکرہ کاملان رام پور، احمد علی خاں شوق ص۱۲۷ (دہلی ۱۹۲۹ء)

[4] شرح زلیخا، از مولانا محمد ساجد، مرتبہ مولوی محمد شاہ ص۳ (کان پور ۱۲۹۹ھ)

نہ انقباض در محبّت و اخلاص	کی وجہ محبت و اخلاص کے رشتہ کا
است حاشا و کلا، بل دو چیز	کمزور ہونا نہیں ہے قسم بخدا! اس کی
یکے کثرت مشاغل از ہجوم	وجہ صرف دو چیزیں ہیں، مریضوں کے
بیماراں، و آمد و رفت سبق	ہجوم کی وجہ سے فرصت کا نہ ہونا، اور
خوانان"[1]	سبق پڑھنے والوں کا ہر وقت آنا جانا۔

بیعت و استفادہ

مولانا محمد ساجد نے حضرت شاہ عبدالرسول بیجاپوری انبالوی[2] سے بیعت ہو کر مقامات سلوک و تصوف طے کئے۔ مولانا محمد ساجد کو شاہ عبدالرسول سے والہانہ محبت تھی۔ پیر و مرشد بھی مولانا کو یاد فرماتے رہتے تھے۔

ذوقِ شعر و سخن

اہل علم و فضل خصوصاً متبحر، اور جامع فنون شخصیات کے لئے شاعری کبھی وجہ امتیاز، اور ذریعہ عزت نہیں رہی، مگر مولانا کے اس وصف کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ مولانا میر دسود اکے معاصر، اور اردو زبان کے بلند پایہ اساتذہ کے ہم صفیر ہیں، اور کم از کم دو نسلوں تک متعدد ممتاز شعرا کے ذوق ہجوگوئی کے تختۂ مشق اور عنوان خاص رہے ہیں۔

مولانا محمد ساجد کا عاشق تخلص تھا، اور اردو فارسی دونوں زبانوں میں مشق سخن کرتے تھے مگر اردو کلام بہت قلیل دستیاب ہے۔ ہر چند کہ مولانا کا کلام شعر و ادب کے ذخیرے میں اہم

---

[1] مکتوب مولانا محمد ساجد بنام شکر اللہ خاں، بنتی، ورق   مجموعہ مکتوبات مولانا محمد ساجد

[2] مولانا محمد میاں نے، شیخ عبدالرسول بیجاپوری انبالوی کو مشہور اولیاء اللہ میں شمار کیا ہے (پانی پت اور بزرگان پانی پت ص۱۴۱ دہلی ۱۹۶۳ء)، بحوالہ شرف المناقب تالیف شیخ محمد بن احمد۔ اس مبہم و ناتمام تذکرہ کے علاوہ شاہ عبدالرسول کی نسبت کچھ معلوم نہیں ہوا۔

اور بلند پایہ اضافہ نہیں کر رہا ہے۔ تاہم ایک ادبی اور تاریخی یادگار کی حیثیت سے اس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں نمونہ کلام پیش ہے :-

ہر زمان نازیم ما بر فطرت والائے خویش
نیست مارا با کسے پروا بجز مولائے خویش

گر نباشد مہرباں آں یار بر من گو مباش
گوہرم دارد چو از صد ہا بزیر پائے خویش

روزی ما میسر سازند آنکہ مارا آفرید
مائی جنبیم خود با اضطراب از جائے خویش

پیش استاذ قضا باب توکل خواندہ ام
کردم اسباب معیشت را بدرانہ رائے خویش

میدھاند حق از آنکس کو دہد روزی مرا
ورنہ ابنہا کے دہند انگندہ ...... خویش

ماچو ایں بدگو ہراں ہرگز خوشامد کو نیم
پادشاہی چوں ہما داریم در پرہائے خویش

خواہ عاشق آنچہ خواہی از جناب پیر خویش
بندۂ صادق نمی خواہد زجز مولائے خویش

عاشق جھنجھانوی کے اُردو کلام کا اندازہ سعد اللہ خاں کے قطعہ تاریخ وفات سے ہوگا، جو درج ذیل ہے :-

صد حیف اس کٹھیر کا ایک بادشاہ گیا ‏ افسوس اسکے مرنے سے ... خلق بہہ گیا
سعد اللہ کو کیا کہوں چشمہ سخا فیض کا ‏ افسوس کہ یہ چشمہ اب بہنے سے رہ گیا

لہ کٹھیر، جو بعد میں روہیل کھنڈ کے نام سے مشہور ہوا۔ اخبار الصنادید، مولوی نجم الغنی رام پوری ص ۱۳۵ جلد اوّل۔

فیاض ذات اس کی سے روشن جہان تھا — اب کیوں نہ ہو اندھیر کہ عالم سے مر گیا
تاریخ فوت اس کی جو پوچھی میں عقل سوں — کہتی تھی رو، رو کہ خورشید گہہ گیا

مولانا محمد ساجد اپنے علم وفضل اور امراءِ عہد کے یہاں تقرب و اختصاص کی وجہ سے معاصر شعراء کے تختۂ مشق رہے، متعدد نامور شعراء نے مولانا کی ہجو پہ طبع آزمائی کی ہے، اس ہجوگو قافلہ کے میر کارواں سوداؔ تھے۔ سوداؔ نے مولانا کی متعدد ہجو لکھی ہیں۔ میر ضاحک، میر حسن اور قائم چاندپوری کے کلام میں بھی مولوی ساجد کی ہجو موجود ہے۔ ہجوگوئی سوداؔ کا تو معمول اور خاص موضوع سخن تھا، دوسرے شعراء کی ہجو لکھنے کے مختلف وجوہات تذکروں اور ان شعراء کے کلام سے معلوم ہوتی ہیں، مگر یہ ادبی بحث ہے اور پیش نظر صفحات اس گفتگو کا محل نہیں ہیں۔

متعدد تذکرہ نگاروں کو مولانا کے وطن کی تعیین میں مغالطہ ہوا۔ شاہ کمال مانک پوری نے شاہجہاں آبادی لکھا ہے[1] سعادت خاں ناصر شاہ آبادی کہتے ہیں[2] اور احمد علی شوقؔ نے شاہجہاں پوری لکھا ہے[3]۔ مگر قدرت اللہ شوقؔ[4] اور لالہ سری رام وغیرہ نے جھنجھانوی[5] لکھا ہے۔

تصنیفات وتالیفات

مولانا محمد ساجد امراء کی رفاقت، اور درس ومطب کی مصروفیات کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی رکھتے تھے۔ متعدد تالیفات یادگار ہیں۔ اس وقت تک دریافت آٹھ تالیفات اور دو بیاضوں کا تعارف نذر قارئین ہے۔

---

[1] تلخیص مجمع الانتخاب۔ شامل تین تذکرے مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ص۲۶ (دہلی ۱۹۶۸ء)
[2] تذکرہ خوش معرکۂ زیبا۔ سعادت خاں ناصر۔ مرتبہ ڈاکٹر شمیم انہونوی ص۱۵ (لکھنؤ ۱۹۷۱ء)
[3] کاملانِ رام پور، احمد علی خاں شوق ص۱۳۶ (دہلی ۱۹۲۹ء)
[4] طبقات الشعراء، قدرت اللہ شوق مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ص۳۶ (لاہور ۱۹۶۸ء)
[5] خمخانہ جاوید، لالہ سری رام، ص۳ جلد سوم (دہلی ۱۹۲۶ء)

۱۔ غرائب الہند۔ حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (م ۱۲۴۵ھ) نے اپنی مختلف بیاضوں میں متعدد مقامات پر "غرائب الہند مولوی ساجد" کے حوالے سے مختلف معلومات نقل فرمائی ہیں مثلاً احوال مولانا محمد اشرف، طریق عقد انامل، سایۂ اصلی کی تحقیق اور اس کی رفتار، ہندی مہینوں کے حساب سے نقوش پُر کرنے کے قواعد اور اس کی تحقیق، تحقیق اعداد متحابہ، اور کچھ نسخے بھی غرائب الہند کے حوالے سے نقل کئے ہیں، افسوس اس کتاب کا کوئی نسخہ ہمارے علم میں نہیں ہے۔

۲۔ فتاویٰ العجائبُ الغرائب۔ حضرت مفتی الٰہی بخش کی بیاضوں میں "فتاویٰ عجائب الغرائب مولوی ساجد" کے ایک سے زائد اقتباسات موجود ہیں، اور اس کی جلد کا ایک گتہ (پٹھا) بھی اتفاق سے محفوظ ہے، اس کی چیٹ پر "فتاویٰ عجائب الغرائب مولوی ساجد" تحریر ہے، اور یہ تحریر غالباً مولانا نورالحسن کاندھلوی (م ۱۲۸۵ھ) کی ہے۔ مگر اصل کتاب کے متعلق معلومات کا فقدان ہے[۱]

۴۔ شرح یوسف زلیخا۔ مولانا محمد ساجد نے یوسف زلیخا کے حاشیہ پر اپنی تحقیقات و افادات قلم بند کئے تھے، اس حاشیہ کی تکمیل ۱۴ ذی الحجہ ۱۱۵۷ھ کو ہوئی۔ پھر مؤلف نے اپنے شاگرد محمد شاہ سے اس حاشیہ کو شرح کی ترتیب پر نقل کرنے کی ہدایت کی۔ مگر مولوی محمد شاہ مؤلف کی حیات میں اس خدمت کو سرانجام نہ کرسکے، مؤلف کی وفات کے بعد اس ہدایت پر عمل ہوا۔ مولوی محمد شاہ سے اس کی تفصیل سنیئے:۔

---

[۱] عجائب الغرائب کے نام سے اُردو اور فارسی میں متعدد کتابیں تالیف ہوئی ہیں، اُردو میں عجائب الغرائب تالیف محمد سرفراز خاں دہلوی، مؤلفہ ۱۲۸۱ھ مطبع مرتضوی دہلی سے ۱۲۸۳ھ میں شائع ہوچکی ہے اور فارسی کی عجائب الغرائب کے دو نسخے رضا لائبریری رام پور، اور ادارہ مشرقیہ ٹونک میں محفوظ ہیں۔ رام پور کی (غیر مطبوعہ) فہرست مخطوطات فارسی میں مؤلف کا نام غلام محی الدین منیر، تحریر ہے۔ مولانا محمد ساجد کے صاحبزادے کا نام بھی غلام محی الدین ہے۔ مگر ان کا تخلص گریاں ہے، اور ٹونک کی فہرست مخطوطات، قصر علم مرتبہ صاحبزادہ شوکت علی ٹونک ۱۹۸۰ء) میں مصنف کا نام مذکور نہیں ہے۔

"بردانش وراں باریک بیں مخفی نماند کہ شرح عجیب حال المتن ایں کتاب و بوستاں تصنیف ساختہ و مرقومہ بر متن بطریق تحشیہ بتاریخ چہاردہم شہر ذی الحجہ سال ایک ہزار و یک صد و پنجاہ ہفت ہجری مطابق سنہ بست جلوس محمد شاہی از دست مبارک فضیلت مآب، حکمت اکتساب، مظہر اسرار ربانی، مصدر آثار انسانی مخترع نکات رنگیں مبدع اشارات نوآئیں، واضع دقائق سخن، شارح مضامین نو وکہن، مقبول درگاہ واجد حضرت حکیم محمد ساجد بن فیض محمد القادری الجھنجھانوی نور اللہ مضجعہ بود۔

پس بایما رفیض انتما حضرت موصوف، خاک پائے آل محمد بلا اشتباہ محمد شاہ، نقل حواشی ایں کتاب و بوستاں بطور کتاب بجز تمام بر روئے قلم آورد۔" [۱]

شرح یوسف زلیخا کے خطی نسخے رضا لائبریری رام پور، دیال سنگھ (ہارڈنگ) لائبریری دہلی اور ذخیرۂ پروفیسر محمود خاں شیرانی، لاہور میں موجود ہیں [۲] شرح یوسف زلیخا ڈ مرتبہ شائع بھی ہو چکی ہے۔ پہلا ایڈیشن مطبع منظر کلکتہ سے ۱۲۶۴ھ میں چھپا، دوسرا ایڈیشن مطبع نول کشور کان پور نے ۱۲۹۹ھ میں طبع کرایا۔ اول الذکر کا ایک نسخہ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کی لائبریری میں راقم سطور کی نظر سے گزرا ہے۔ اور دوسری اشاعت کا ایک نسخہ ہمارے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے۔

۴۔ **شرح بوستان** ۔ شرح یوسف زلیخا کے تعارف سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ مؤلف نے شرح زلیخا کے ساتھ ہی بوستاں کا حاشیہ بھی لکھا تھا، اس حاشیہ کو بھی مولف کے شاگرد مولوی محمد شاہ نے شرح کے طرز پر مرتب کیا تھا۔ اس شرح کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:۔

"بنام جہاں دار، مضمون ایں بیت قائم مقام ترجمہ بسم اللہ است۔"

---

[۱] شرح یوسف زلیخا مرتبہ مولوی محمد شاہ ص۳ (کان پور ۱۲۹۹ھ)

[۲] فہرست مخطوطات فارسی (غیر مطبوعہ) بہ تصحیح مولانا امتیاز علی عرشی ص۱۸۳ ۴۔
رجسٹر مخطوطات فارسی (ہردیال لائبریری) نمبر۱۵۱۳ ادب۔
فہرست مخطوطات ذخیرہ شیرانی (پنجاب یونیورسٹی، لاہور) ص۴۵۵ جلد سوم

شرح بوستاں کے دو قلمی نسخے رضا لائبریری رام پور میں[1] اور ایک نسخہ ٹونک میں[2] ہے۔

۵۔ شرح سکندر نامہ ۔ احمد علی خاں شوق نے مولانا محمد ساجد کے تذکرہ میں لکھا ہے:

"موصوف نے بوستاں، زلیخا، اور سکندر نامہ کی شرح بھی لکھی تھی[3]"۔

مگر راقم سطور کو اس کتاب کے مندرجات و تفصیلات، یا اس کے نسخوں کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے۔

۶۔ مجموعہ مکتوبات ۔ اس مجموعہ مکتوبات میں سلاطین عصر، والیان ریاست، علماء و مشائخ، دوستوں اور اعزہ کے نام مولانا محمد ساجد کے اسّی خطوط موجود ہیں۔ یہ مجموعہ فارسی انشاء پردازی کا اچھا نمونہ ہے۔ اگرچہ ان خطوط میں مسائل و معارف اور فنی مباحث نہیں ہیں، مگر اس مجموعہ کے ذریعے مولانا محمد ساجد کے طبیعت و مزاج، ذاتی مسائل، اور مصروفیات کا علم ہوتا ہے۔ مشاہیر ہند خصوصاً ممتاز تاریخی اور سیاسی شخصیات کے نام خطوط کی فہرست یہاں درج کی جاتی ہے۔

(۱) بنام احمد شاہ ابدالی دو خط۔ ایک عربی میں دوسرا فارسی میں ہے۔ یہ خطوط قاضی ادریس (؟) کے ذریعہ حضور سلطانی میں پیش ہوئے۔

(۲) بنام نواب سعد اللہ خاں والی روہیل کھنڈ	۴ خطوط
(۳) بنام محمد یار خاں خلف نواب سعد اللہ خاں	۱، خط
(۴) بنام شجاع الدولہ (جلال الدین حیدر بن صفدر جنگ)	۱، خط
(۵) بنام علی گہر خلف نواب شجاع الدولہ[4]	۱، خط

---

[1] نسخہ نمبر ۱ بخط غلام حسن، مکتوبہ سنہ ۱۲۴۹ھ، تعداد اوراق ۲۰۷، نمبر ۴۰۸۱/۸۱ ادب
نسخہ نمبر ۲ مکتوبہ سنہ ۱۲۵۷ فصلی / ۱۲۴۶ھ، نمبر ۴۰۸۲/۸۲ ادب، فہرست مخطوطات فارسی (غیر مطبوعہ)

[2] قصر علم (فہرست ادارہ مشرقیہ ٹونک) مرتبہ صاحبزادہ شوکت علی خاں ص ۲۵۹ (ٹونک ۱۹۸۰ء)

[3] کاملان رام پور، احمد علی خاں شوق۔ ص ۱۳۷ (دہلی ۱۹۲۹ء)

[4] غالباً اس سے نواب معین الدولہ سعادت علی خاں مراد ہوں گے۔

(۶) بنام سالار جنگ اوّل — ایک خط
(۷) بنام انجمن نسار دختر نواب قمرالدین وزیر ہند — ”
(۸) بنام مدار الدولہ (؟) — ”
(۹) بنام نواب منیر الدولہ (نواب رضا قلی خاں) — ”
(۱۰) بنام خان علی شان (؟) — ۲۱ خطوط
(۱۱) بنام مولانا شاہ عبدالرسول بیجاپوری انبالوی — ایک خط

اس کے علاوہ دوستوں، عزیزوں، اور اہلِ خاندان (مولانا محمد عرف شیخ الاسلام، اور غلام محی الدین گریاں وغیرہ) کے نام خطوط شامل ہیں۔ اس مجموعہ کا واحد ناقص الطرفین نسخہ مؤلف کے قلم سے ہمارے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے۔

۷۔ سراپا۔ محبوب کے خط وخال، لب ورخسار، اور سر سے پیر تک تمام اعضا کی تعریف اور محاسن پر ہندوستان اور ایران کے نامور فارسی اساتذہ کے منتخب اشعار کا دلآویز مجموعہ۔ اس مجموعہ میں تقریباً چالیس عنوانات کے تحت اشعار جمع کیے گئے ہیں۔ اور اس میں موقعہ بہ موقعہ مولانا محمد ساجد عاشق کے شعر بھی شامل ہیں اور ان کے پہلو بہ پہلو تھانہ بھون، جھنجھانہ اور دہلی کے چند غیر معروف شعرا کا کلام بھی موجود ہے۔ اس سراپا کا واحد نسخہ جو مجموعہ مکتوبات کی طرح ناقص الطرفین مگر مؤلف کے قلم سے ہمارے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے۔

۸۔ کتاب معالجات۔ مؤلف تذکرہ کاملان رام پور نے مولانا محمد ساجد کے تذکرہ میں لکھا ہے:

”ان کی کتاب معالجات سے صاحب فصول فیض اللہ خانی نے مضامین اخذ کیے ہیں“[1]

راقم سطور کو اس کتاب کی نسبت بھی معلومات نہیں ہیں۔

---

[1] کاملان رام پور، احمد علی خاں شوق ص۱۲۵ (دہلی ۱۹۲۹ء)

۹۔ بیاض (علمی وفقہی) اس بیاض کا اکثر حصہ فقہ کی مستند کتابوں سے اہم معاملات ومسائل کے متعلق فقہی جزئیات کے اقتباسات پر مشتمل ہے۔ جزئیات فقہ کے قدم بہ قدم تفسیر قرآن کے نکات، احادیث کے معارف وتحقیقات، سلوک کے مباحث، عروض کی فنی تفصیلات کے علاوہ متفرق علمی افادات بھی موجود ہیں۔ اقتباسات وحوالجات کے علاوہ تین رسائل بھی اس میں نقل کئے گئے ہیں۔

(الف) احتساب کے فرائض اور ذمہ داریوں کی تفصیلات (عربی) نام کتاب ومؤلف ندارد۔

(ب) فرائض (میراث) پر ایک رسالہ۔ اس رسالہ پر مولانا ساجد کے قلم سے حواشی بھی ہیں۔

(ج) تحقیق مذاہب متکلین (فارسی) تالیف شیخ ابوالنصیر پیر محمد بن نصب شاہ ادہمی بہاری۔

یہ بیاض بہت ضخیم ہوگی مگر اس وقت اس کے تقریباً ڈیڑھ سو ورق ۲۱۱ سے ورق ۶۲ تک، متفرق اوراق کی شکل میں ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہیں۔

۱۰۔ بیاض متفرقات۔ یہ بیاض سائز، اور ترتیب میں پہلی بیاض سے بہت مختلف ہے، اس بیاض میں ذاتی یادداشتیں، مجرب وآزمودہ نسخے، تعویذات وعملیات، کچھ اشعار اور تاریخیں لکھی ہوئی ہیں۔ اس بیاض کے ۴۴ ورق ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہیں، مگر ان اوراق پر نمبر شمار نہیں ہیں اس لئے یہ قیاس بھی ممکن نہیں کہ یہ بیاض کے کس حصے سے متعلق ہیں۔[1]

---

[1] اس بیاض میں مولانا محمد ساجد اور ان کے صاحبزادگان کی تحریرات سے مختلف قلم سے ایک دُعا، ایک عمل، اور ایک نسخہ لکھا ہوا ہے۔ ان تحریرات میں سے ایک تحریر پر "از نور محمد پیر زادہ جھنجھانہ" ایک مقام پر صرف نور محمد، اور آخری تحریر پر کاتب کا نام نہیں ہے۔ اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ تحریرات حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی (م ۱۲۵۹ھ) کے قلم سے ہیں، کیونکہ حضرت میانجیو کی والدہ محترمہ بی بی نجابت النساء حکیم صدرالدین کی صاحبزادی، اور مفتی الٰہی بخش کی عم زاد تھیں، اس لئے ممکن ہے یہ بیاض میانجیو کے مطالعہ میں رہی ہو۔

مولانا محمد ساجد نے ۱۲۰۵ھ میں جھنجھانہ میں وفات پائی۔ چار صاحبزادے غلام محی الدین گریاں، غلام نبی، غلام علی، شاہ خیرالدین اور تین صاحبزادیاں یادگار چھوڑیں۔ غلام محی الدین کی اولاد کا سلسلہ اس وقت تک چل رہا ہے۔

مولانا حکیم غلام محی الدین گریاںؔ جھنجھانوی

مولانا حکیم غلام محی الدین گریاں کے حالات، اور تاریخ ولادت و وفات بھی نامعلوم ہے۔ شعراء کے تذکروں میں مولانا کا بہت مختصر تعارف ملتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گریاں عالم فاضل، اور رشد و ہدایت سے آشنا تھے۔ میر محمد سرور لکھتے ہیں:۔

گریاں تخلص، غلام محی الدین خلف مولوی ساجد، کہ فاضل کامل بود، و بر اکثر علوم عالم، احوال فرزندش مفصلاً معلوم نیست، مقطع از تصنیفاتش بنظر رسیدہ ثبت نمودہ شد۔

گریاں، غلام محی الدین خلف مولوی ساجد جو فاضل کامل، اور اکثر علوم کے عالم تھے، ان کے فرزند کا مفصل حال معلوم نہیں ہے، ان کا لکھا ہوا ایک مقطع نظر سے گزرا، اور یہاں درج کیا گیا۔

گریاں کروڑ کوس سے عنقا ہے میرا یار
معشوق کا مکان ہے وہ لامکاں کے بس[1]"

قدرت اللہ قاسم کا قول ہے:۔

گریاں، غلام محی الدین خاں، خلف مولوی ساجد مرحوم، کہ بحلیہ علم و حلم آراستہ، و بزیور صلح و

گریاں، غلام محی الدین خاں خلف مولوی ساجد مرحوم، جو علم و حلم کے کمالات سے مزین، اور رشد و ہدایت

---

[1] عمدۂ منتخبہ میر محمد سرور، مرتبہ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی ص ۵۴۷ (دہلی ۱۹۶۱ء)

صلاح پیراستہ۔ ایں شعر اد   کی خوبیوں سے آراستہ ہیں۔ یہ شعر
است ،   ان کا ہے :-

گریاں کروڑ کوس ہے عنقا سے باراہ
اس شوخ کا مکان ہے وہ لامکاں کربس" [1]

گریاں کے نام "بخشی الممالک' امیر الامراء' نجف خاں بہادر فدوی محمد شاہ" کے فرمان (مکتوبہ ۹ ربیع الاول سنہ ۱۱۷۶ھ) سے معلوم ہوتا ہے کہ گریاں بھی نواب سعد اللہ خاں روہیلہ کے رفیق و مصاحب تھے' اس فرمان کے ذریعہ غلام محی الدین بہادر کو جھنجھانہ کی جاگیر کی آمدنی سے "باون ہزار ایک سو ستر دام" دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ پروانہ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔

مولانا غلام محی الدین گریاں کے صرف ایک صاحبزادے حکیم کریم بخش تھے' حکیم کریم بخش کے دو صاحبزادے ہوئے غلام حسن اور غلام حسین۔ ان تینوں کے متعلق کوئی معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ غلام حسین کے دو صاحبزادے تھے حضرت مولانا محمد اسمٰعیل اور مولوی محمد اسحٰق۔ تذکرۃ الرشید [2] میں مولانا اسمٰعیل کے والد ماجد کا نام حسین بخش لکھا ہوا ہے جو صحیح نہیں ہے۔

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل جھنجھانوی کاندھلوی

مولانا محمد اسمٰعیل کی ولادت و طفولیت اور تعلیم کی نسبت معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ نواب وزیر الدولہ وزیر محمد خاں والی ٹونک سے تلمذ حدیث کی اطلاع امیر شاہ خاں خورجوی کی روایت سے ملتی ہے۔

---

[1] مجموعہ نغز، قدرت اللہ قاسم۔ مرتبہ پروفیسر محمود خاں شیرانی صـ ۱۳۷ جلد دوم (دہلی ۱۹۷۳ء)
[2] تذکرۃ الرشید، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی صـ ۱۹۸ جلد اول (طبع اول، ساڈھورہ)

امیر شاہ کا قول ہے۔

"مولوی اسمٰعیل صاحب حدیث میں نواب وزیر الدولہ کے شاگرد تھے۔"[1]

اس تلمذ کی تفصیل اور خود نواب وزیر الدولہ کا سلسلۂ سند بھی راقم سطور کو معلوم نہیں ہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل علوم عقلیہ و نقلیہ میں کامل اور زہد و تقویٰ اور اتباعِ سنّت میں یکتائے روزگار تھے۔ مولانا کے معاصر و ہم وطن عبد الرحمٰن حیرت جھنجھانوی لکھتے ہیں۔

"جناب حاجی مولوی اسمٰعیل صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ از علمائے نامدار و مشائخ کبار حضرت جھنجھانہ است، در علم و عمل یکتائے زمانہ، تقویٰ و طہارت غاشیہ بردار درگاہ اوست، ورع و ریاضت آفتابہ بردار عالی پائگاہ اوست، عالم کامل و عابد فاضل شب بیدار، زندہ درون والا درجۂ تقدس مشحون است، انوار حب ایزدی در خزینۂ سینہ او مکنون، از زیارت مدینہ و حج کعبہ شرف کونین اندا ختہ، واز برکات دیگر زیارات شمع بہروزی در انجمن ذات ستودہ صفات خود افروختہ، در خیابان گیتی آزادانہ با ہمہ یگانہ واز ہمہ بیگانہ می زید، دل بستگی غیر از خالق اکبر از

جناب حاجی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب، اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے، جھنجھانہ شریف کے نامور علماء اور بڑے مشائخ میں ہیں، علم و عمل میں یکتائے زمانہ، اور تقویٰ و طہارت ان کے مطیع اور فرمانبردار ہیں، اور پرہیزگاری و نیکی ہر وقت ان کے پاس حاضر و موجود رہتے ہیں، عالم کامل عابد شب بیدار، ان کا اندرون نیکوکاری سے لبریز اور حق تعالیٰ کی محبت کا نور ان کے سینہ میں چھپا ہوا ہے، زیارت مدینہ اور حج کعبہ کا شرف حاصل کیا ہے، اور دوسری زیارات کی برکات کی شمع اپنی ذات نیک صفات کے ذریعہ محفل میں روشن کئے ہوئے ہیں، دنیا کے جھگڑوں سے آزاد، سب کے دوست، مگر سب سے جدا

[1] ارواحِ ثلثہ مرتبہ مولانا ظہور الحسن کسولوی ص ۳۶۵ (تھانہ بھون)

کسے نداردؔ"۔ [1]

زندگی گزارتے ہیں، اور خدائے برتر کے علاوہ کسی سے دل کو وابستہ نہیں رکھتے۔

مولانا مظفرؔ حسین کاندھلوی سے اجازت وخلافت

مولانا محمد اسمٰعیل، حضرت مولانا مظفر حسین سے بیعت تھے، اور مولانا مظفر حسین کے فیض صحبت سے مولانا محمد اسمٰعیل میں تواضع و انکساری، اتباع سنّت کا ذوق، بدعات اور رسومات کی بیخ کنی، اور خدمتِ خلق کے جذبات موجزن ہوئے اور مسلمانوں کی اصلاح اور نماز روزہ سے غافل افراد میں تبلیغ کا شوق پیدا ہوا[2] میوات کے نوجوانوں کے ذریعہ اس ذوق کی آبیاری ہوئی، اور حضرت مولانا محمد الیاس کے توسط سے یہ دولت عام ہوئی، اور اس وقت پوری دنیا میں تبلیغی تحریک کے نام سے یہ دینی جد وجہد جاری ہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل کے حالات میں ارواحِ ثلٰثہ کی ایک روایت[3] کے حوالہ سے نقل کیا جاتا ہے کہ مولانا نے "حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی سے طریق سلوک کے حصول کی خواہش کی حضرت نے فرمایا، آپ کو اس کی حاجت نہیں"۔ اس روایت سے شبہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل سفر سلوک مکمل نہیں کرسکے تھے۔ مولانا کی رُوحانی کیفیات کی وجہ سے حضرت محدث گنگوہی نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ آپ کو مزید تعلیم کی ضرورت نہیں، مگر یہ روایت

---

[1] سفینۂ رحمانی، حکیم عبدالرحمٰن حیرتؔ جھنجھانوی ص۱۱ (لکھنؤ ۱۸۸۲ء)

[2] مولانا مظفر حسین کی عادت تھی کہ اپنا کھانا ساتھ لے کر تین چار روز کے لئے دیہات اور مختلف قصبات کی مسجدوں میں قیام کرتے، لوگوں کو نماز اور دینی امور سکھاتے اور عمل کی ترغیب دیتے تھے۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو تذکرۃ الخلیل مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ص۹۶ تا ۱۰۲ (سہارن پور ۱۳۹۵ھ) ارواح ثلٰثہ ص۱۹۵-۱۹۶ اور مشائخ کاندھلہ۔

[3] ارواح ثلٰثہ مرتبہ مولانا ظہور الحسن کسولوی ص۲۸۲-۲۸۳، نیز ملاحظہ ہو حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ص۳۱ (لکھنؤ ۱۳۶۶ھ)

صحیح نہیں ہے۔ شاید اس روایت میں امیر شاہ خاں کو سہو ہوا، حضرت مولانا محمد اسمٰعیل نے یہ کچھ اور فرمایا ہوگا جس کو خاں صاحب "طریق سلوک کے حصول کی خواہش" سمجھے۔

مولانا محمد اسمٰعیل تو خود صاحب سلسلہ شیخ تھے، مولانا کو مولانا مظفر حسین کاندھلوی سے طریق نقشبندیہ میں اجازت و خلافت حاصل تھی، اور مولانا مظفر حسین کی وفات کے بعد مولانا اسمٰعیل کو حضرت مولانا کا جانشین منتخب کیا گیا تھا، اور سب عوام و خواص مولانا اسمٰعیل کو جانشین مولانا مظفر حسین کی حیثیت سے جانتے تھے۔ مدرسہ عربیہ (دارالعلوم) دیوبند کی رُوداد ۱۳۱۳ھ میں، مولانا اسمٰعیل کو جانشین مولانا مظفر حسین لکھا ہے، مرتب روداد لکھتے ہیں۔

"۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ کو بتشریف آوری حضرت گنگوہی، مولانا اسمٰعیل صاحب کاندھلوی جانشین حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی و نواب چھتاری، امور ذیل مدرسہ میں قرار پائے"۔[1]

اور سید احمد ولی اللّٰہی کے قول سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، وہ نظام الدین (دہلی) کے آثار و مقابر، اور مرزا غالب کے مدفن کی نشان دہی کے بعد لکھتے ہیں۔

"اس سے آگے مشرق کی جانب ایک مسجد میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب جھنجھانوی نقش بندی علیہ الرحمۃ کا مزار ہے، آپ کا وطن قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر ہے۔ قصبہ کاندھلہ میں بھی مکان ہے، اس لئے آپ کہیں جھنجھانوی مشہور ہیں، کہیں کاندھلوی۔ نہایت کامل بالشرع گزرے ہیں۔ مولانا مظفر حسین صاحب نقش بندی علیہ الرحمۃ کاندھلوی کے خلیفہ تھے، مدت سے اس مسجد میں مقیم تھے"۔[2]

---

[1] وہ امور یہ ہیں: تجویز ممبران ذیل، مولانا احمد حسن امروہوی، نواب مولوی محی الدین خاں مہتمم مدرسہ مرادآباد مولوی عبدالحق وکیل رتلام، شاہ منظر حسن گنگوہی، حکیم اسمٰعیل صاحب گنگوہی، شاہ ابوسعید انہٹوی نیز مولانا حافظ احمد صاحب کا تقرر بعہدہ اہتمام قرار پایا۔ (روداد ۱۳۱۳ھ) نقل از بیاض کبیر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا۔

[2] یادگار دہلی، سید احمد ولی اللّٰہی ص ۲۰۷-۲۰۸ (مولفہ ۱۹۰۳ء)

مولانا محمد اسمٰعیل کے متعلق عبدالرحمٰن حیرت جھنجھانوی کے یہ الفاظ گزر چکے ہیں کہ "از علمائے نامدار و مشائخ کبار حضرت جھنجھانہ است"۔ اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھی فرماتے ہیں کہ "مشہور شیخ تھے"[۱] مولانا کے مریدین و متوسلین کا میوات دہلی اور مظفر نگر وغیرہ میں وسیع حلقہ تھا اور مولانا نے متعدد اہل دل کو خلافت و اجازت سے بھی نوازا۔ ایک ممتاز مجاز بیعت مولانا محی الدین عظیم آبادی عرف مولانا ٹکلی والے تھے[۲] مولانا محی الدین نے حافظ مشیت اللہ (موضع ز برٹا منظفر نگر) کو اجازت دی۔ موخرالذکر کا بھی چار پانچ سال گزرے انتقال ہو چکا ہے۔

مولانا سے حضرت گنگوہی کے مراسم، اور حضرت کا ایک خط

مولانا کے حضرت محدث گنگوہی سے بہت قریب کے مراسم تھے، مولانا کے صاحبزادگان مولانا محمد میاں اور مولانا محمد یحییٰ نے حضرت گنگوہی سے حدیث کا درس لیا تھا، جب مولانا کی خواہش اور اصرار پر مولانا محمد یحییٰ کو حدیث پڑھانے کی منظوری عطا فرمائی، اس وقت حضرت گنگوہی نے مولانا کو جو گرامی نامہ تحریر فرمایا تھا، وہ سطور ذیل میں پہلی بار منظر عام پر آ رہا ہے۔

"از بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ، بعد سلام مسنون، مطالعہ فرمایند آپ کا عنایت نامہ آیا، حسب حکم آپ کے مولوی محمد صدیق کو دہلی جانے کا بھی مشورہ دیا جائے گا، آپ مطمئن رہیں۔

درباب مولوی محمد یحییٰ جیسے آپ کی رضا ہو، بندہ کو عذر نہیں، اگر قلیل کثیر کا

---

[۱] تذکرۃ الرشید ص۱۱۳ جلد اوّل (طبع اوّل ساڈھورہ)

[۲] مولانا محی الدین عظیم آباد (پٹنہ) کے رہنے والے تھے، دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ مولانا محمد میاں صاحبزادۂ مولانا محمد اسمٰعیل کے ہم درس رہے۔ زہد و تقویٰ اور اتباع سنت میں سلف کا نمونہ تھے بہت موثر و دل نشین سادہ وعظ کہتے تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاس جب کاندھلہ تشریف لاتے تو دیر تک مولانا محی الدین کے پاس بیٹھے تھے۔ مولانا محی الدین کا قیام کبھی پانی پت میں اور کبھی کاندھلہ میں رہتا تھا، ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ / ۲۴ جنوری ۱۹۴۱ء کو پانی پت میں انتقال ہوا۔

خیال نہ لاویں نفس شرکت منظور ہے تو بندہ کی طرف سے اجازت ہے تشریف لاویں، اور ایسی حالت میں جس قدر بندہ کو صرفِ وقت کرنا منظور ہے وہ صرف کرتا ہوں، اس سے زیادہ سے بہرحال عاجز ہوں۔"

فقط والسلام۔[1]

مرزا الٰہی بخش کی ملازمت اور مدرسہ کاشف العلوم کی ابتداد

مولانا محمد اسمٰعیل کی ابتدائی زندگی کی کیا مصروفیات و مشغولیات اور کیا معمولات تھے اس کے متعلق کوئی معلومات نہیں ہیں، مولانا ۱۸۵۵ء/ ۷۲-۱۲۷۱ھ میں اپنے بھائی محمد اسحٰق کے ہمراہ دہلی آگئے تھے۔ دہلی میں بہادر شاہ ظفر کے سمدھی مرزا الٰہی بخش (م ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء) کے بچوں کی تعلیم کے لئے بہت معمولی تنخواہ پر ملازم ہوئے۔

دہلی میں ملازمت کے بعد مولانا کے پہلے شاگرد مرزا الٰہی بخش کے بیٹے مرزا سلیمان جاہ اور مرزا ثریا جاہ تھے، پھر مرزا الٰہی بخش بھی مولانا کے تلامذہ میں شامل ہو گئے تھے اور مرزا الٰہی بخش نے بھی مولانا سے قرآن شریف پڑھا۔ مولانا کے شاگردوں کی تعداد میں ۱۸۵۷ء کے بعد بہت تیزی سے اضافہ ہوا۔ خانوادۂ تیموری کے خانماں برباد شہزادے جن کو گردشِ زمانہ قلعۂ معلّٰی سے نظام الدین کے ویرانے میں لے آئی تھی، تعلیم حاصل کرنے کے لئے مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے لگے تھے، ان شہزادوں نے ناز و نعمت کے گہوارے میں آنکھیں کھولیں تھیں، مگر اس وقت نانِ شبینہ کے محتاج اور حسرت و بے کسی کی تصویر تھے۔ مولانا ان کو تعلیم دیتے تھے اور ممکنہ حد تک ان کی مدد فرماتے تھے، حضرت مولانا کے آخری دور میں دس بارہ میواتی طالب علم بھی رہتے تھے، ان کے لئے مصارف اور کھانے کا انتظام مولانا خود فرماتے تھے۔

---

[1] خط کے لفافہ پر صرف ۵ رشوال لکھی ہوئی ہے سنہ نہیں ہے، لفافہ پر گنگوہ کے ڈاک خانہ کی مُہر ۱۲ راپریل ۱۸۹۴ء (۱۳۱۱ھ) کی ثبت ہے۔

________ "بیاض کبیر حضرت شیخ الحدیث" ص ۴۵ (فوٹو اسٹیٹ کاپی)

چند طلبار کا کھانا مرزا الٰہی بخش کے یہاں سے آتا تھا، جو مولانا کی وفات کے بعد بھی جاری رہا۔
ملازمت کے ابتدائی دَور میں مولانا کا مرزا الٰہی بخش کے یہاں کچھ خاص احترام نہیں تھا مگر انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد جب مرزاجی پریشانیوں میں مبتلا ہوئے[1] اور اس سے نجات پانے کے لئے دربدر پھرے تو ایک عارف کامل نے مولانا کی طرف رہنمائی فرمائی۔ مرزاجی مولٰینا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو مولانا کے مستجاب الدعوات ہونے کا ذاتی تجربہ ہوا، تو مولانا کے مرتبہ و مقام کو پہچانا، اور مولانا کا خاص احترام کرنے لگے[2]

مولانا کی تنخواہ پانچ روپے مہینہ سے شروع ہوئی تھی جو ترقی کرتے ہوئے آخر میں پندرہ روپے تک پہونچ گئی تھی، خوراک کے لئے چار روپے گیارہ آنہ کا مستقل وظیفہ تھا۔ تمام عمر اسی تنخواہ میں بسر فرمائی۔ نواب دوجانہ نے بہت اصرار سے سَو روپے ماہوار پر بُلانا چاہا، مگر یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ جو مِل رہا ہے گزار سے کو وہ بھی کافی ہے[3]

مدرسہ کی ابتدا قرآن شریف کی تعلیم سے ہوئی تھی مگر مولانا محمد اسمٰعیل کی سعی اور جانفشانی سے چند سال کے قلیل عرصہ میں اعلیٰ درسی کتابوں کے اسباق بھی شروع ہوگئے تھے۔ خواجہ حسن نظامی اور مولوی یٰسین علی نظامی نے ابتدائی کتابوں سے تفسیر جلالین اور مشکوٰۃ المصابیح تک تمام کتابیں مولانا اور ان کے صاحبزادگان سے پڑھیں۔ مولوی یٰسین علی نظامی اپنی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"تمام ابتدائی کتابیں میزان الصرف سے لے کر شرح وقایہ' اور مشکوٰۃ شریف' اور قطبی تک حضرت مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب جھنجھانوی اور ان

---

[1] یہ پریشانی اس وقت پیش آئی ہوگی' جب انگریزوں نے مرزا الٰہی بخش کی دہلی سے جلاوطنی کے احکام جاری کردیے تھے' بعد میں یہ احکامات واپس لے لئے گئے تھے۔ ملاحظہ ہو ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی ص۱۷۹ (دہلی ۱۹۵۸ء)

[2] ملاحظہ فرمایئے: مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت، ص۲۶ حالات مشائخ کاندھلہ ص۱۱

[3] تذکرۃ الرشید ص۱۹۷ جلد اوّل۔

کے دونوں صاحبزادوں کی خدمت میں تمام کیں۔[1]

اور خواجہ حسن نظامی کا قول ہے :۔

"میرے قدیمی استاد حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بھی کاندھلہ کے رہنے والے تھے، جن سے میں نے ابتدائی کتابیں مشکوٰۃ شریف، اور جلالین تک پڑھی تھیں، اور جن کا مزار بھی میرے یہاں درگاہ کے قریب ہے۔"[2]

بنگلہ والی مسجد کا مدرسہ خادم تاریخ وادب

اس مدرسہ کی علمی و دینی خدمات بلاشبہ ہندوستان کی ملت اسلامیہ کے لئے وجہ نازش وافتخار، اور ایک مستقل مقالہ کا موضوع ہیں، مذہبی اور دینی خدمات کے علاوہ اس مدرسہ کا ایک بہت بڑا کارنامہ تاریخ، اور اردو زبان وادب کو اس کا سدابہار اور ناقابل فراموش تحفہ ۱۸۵۷ء کی زخم خوردہ لٹی پٹی بےکس و بے آسرا بیگمات، شہزادیوں اور شہزادوں کے دل سوز دلا ویز قصے اور خواجہ حسن نظامی کا قلم ہے۔

اس مدرسہ میں جو تیموری شہزادے پڑھنے کے لیے آتے تھے ان میں سے ہر شہزادے کی بپتا، ایک نیا فسانہ، نئی تاریخ اور سراپا الم داستان ہوتی۔ خواجہ حسن نظامی نے جو اسی مدرسہ کے طالب علم تھے، ان شہزادوں سے ان کی آپ بیتی سنی، اور ان کی زبان بھی سیکھی، اور پھر ان واقعات اور اس زبان کے امتزاج سے ۱۸۵۷ء کے المیہ پر متعدد کتابیں لکھیں۔ خواجہ صاحب کی زبان اور تالیفات پر اس مدرسہ کے گہرے اثرات کا ملا واحدی نے بھی اعتراف کیا ہے۔

واحدی صاحب لکھتے ہیں :۔

" ان (مرزا الٰہی بخش) کے بعض لواحقین مستقلاً بستی حضرت نظام الدین میں

---

[1] سیرت نظامی (سوانح حضرت نظام الدین اولیاء) مولوی یٰسین علی نظامی ص۳۰ (دہلی ۱۳۴۶ھ)

[2] ہفتہ دار روزنامچہ، ایڈیٹر خواجہ حسن نظامی، ۲۴ دسمبر ۱۹۳۰ء، ص۲ نیز ملاحظہ ہو سوانح خواجہ حسن نظامی، ملا واحدی ص۲۹

رہنے لگے تھے۔ ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کاندھلہ ضلع مظفر نگر کے مولانا محمد اسمٰعیل فرماتے تھے، خواجہ صاحب کو بھی مولانا کے پاس بٹھا دیا گیا، خواجہ صاحب کی زبان کو جو آپ آئنالو چدار پاتے ہیں، یہ ہم سبق اور ہم مکتب شہزادوں کی صحبت کا نتیجہ ہے۔

زبان قلعہ معلّیٰ سے نکل کر بستی حضرت نظام الدین جا بسی تھی، ہم سبقوں اور ہم مکتبوں کے ساتھ کوچہ چیلان دہلی کے ہزار ہا پریشان حال شہزادوں سے بھی ملنے جلنے کا موقع ملا کرتا تھا، اس نے ان کے دل میں شہزادوں کی ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھر دی۔ دکھا ہوا دل شہزادوں کے دکھ سے تڑپ اٹھا، اور خواجہ صاحب کے قلم سے بارہ تیرہ کتابیں شہزادوں کے متعلق لکھا گیا۔[1]

اس مدرسہ میں زبان کے معاملہ میں کس قدر احتیاط، اور تربیت و اصلاح پر کتنی نظر تھی، اس کا علم جناب ابوالخیر مودودی کے اس بیان سے ہوتا ہے کہ۔

"ان دنوں مولوی الیاس صاحب کاندھلوی کے والد صاحب ایک مسجد میں بچوں کو قرآن حکیم پڑھایا کرتے تھے، قرآن کی تعلیم دینے کا وہ کوئی معاوضہ نہیں لیا کرتے تھے اور اپنا گزارا ٹوپیاں بُن کر کرتے تھے، جب مجھے داخل کیا گیا تو وہاں ستر لڑکے زیرِ تعلیم تھے، مولوی صاحب سر جھکائے ٹوپیاں بنتے رہتے اور قرآن پڑھاتے جاتے میری شکل انھوں نے ہفتہ بھر بعد دیکھی، چونک کر دوبارہ دیکھی، اور بھانپ گئے کہ یہ بچہ شہری ہے۔ بڑی بی کو بُلا کر ہدایت کی کہ اس بچہ کو یہاں مت لاؤ۔ اس کی زبان اور عادات میں فرق آجائے گا، میں گھر آکر پڑھا دیا کروں گا۔"[2]

---

[1] سوانح حضرت خواجہ حسن نظامی۔ ملا واحدی ص۲۵

[2] انٹرویو جناب ابوالخیر مودودی، آتش فشاں لاہور (سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نمبر) نومبر ۱۹۷۹ء ص۱۸ ابوالخیر صاحب کا یہ انٹرویو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے متعلق خاص شماروں میں اہتمام سے چھپا ہے۔ اور سب میں یہی روایت نقل کی گئی ہے۔ اس اطلاع میں ابوالخیر صاحب سے سہو ہوا (بقیہ صفحۂ آئندہ پر)

مگر اس روایت کی یہ اطلاع صحیح نہیں ہے کہ اس وقت مولانا الیاس کے والد صاحب پڑھاتے تھے۔ کیونکہ مودودی صاحب کے والد ماجد جناب سید احمد حسن ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں اورنگ آباد سے ترکِ سکونت کر کے دہلی آئے تھے، اور اس سے کئی سال پہلے ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء میں مولانا محمد اسمٰعیل کی وفات ہو چکی تھی۔ اور مودودی برادران کے اس مدرسہ میں داخلہ کے وقت ۱۳۲۲ھ میں مولانا محمد میاں پڑھاتے تھے، اور ابوالخیر صاحب کے بیان کی آخری سطور سے ہمارے اس قول کی تائید ہوتی ہے، جس میں ابوالخیر صاحب نے کہا ہے کہ "ایک مرتبہ ان کی جگہ ان کے چھوٹے بھائی پڑھانے آگئے"۔ تاہم اس روایت سے یہ ضرور معلوم ہو رہا ہے کہ مولانا کے اخلاف نے بھی زبان کی روایات، اور اس کے آداب کو کس طرح محفوظ رکھا ہے۔

مآثر و مکتوبات

حضرت مولانا کی پوری زندگی زندہ تصنیفات پر محنت میں صرف ہوئی، اس لئے قلمی تصنیفات کی طرف توجہ نہیں فرما سکے۔ راقم سطور کی معلومات میں مولانا کی واحد مطبوعہ تحریر "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" کا ورد ناجائز ہونے کا فتویٰ ہے، یہ فتویٰ جناب ہدایت اللہ خاں مراد آبادی کے نام ایک خط کی صورت میں ہے، اور اس کا متن حسب ذیل ہے:-

> "از فقیر محمد اسمٰعیل، بعد السلام علیکم و رحمۃ اللہ، آنکہ آپ کے چند عنایت نامہ بطلب استفتار در باب استفسار یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ آئے، مفتخر فرمایا، اوّل تو میں عدم تحریر جواب کی معافی مانگتا ہوں، بعد اس کے عذر اور سبب دیر کا بیان کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ میں نے آپ کا خط دہلی برخوردار کے پاس بھیج دیا تھا، اس کا جواب لکھا کر مولوی محمد حسین کے پاس مہر کے لئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جناب غازی محمود (ادارۂ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد، پاکستان) نے راقم سطور سے نقل کیا کہ میں نے یہ روایت خود ابوالخیر مودودی صاحب سے اسی طرح سنی ہے۔

لے گیا، وہ کہیں رکھ کر بھول گئے، وہ نہ ملا بہت بار طلب کیا، وعدہ تلاش کر دینے کا ہوا، پھر ظہور میں نہ آیا۔ اس عرصہ میں آپ کے کئی خط آئے جب اس کے ملنے سے مایوسی ہوئی تب یہ کہا گیا کہ لکھواؤ۔ پھر لکھا گیا، اور دو تین مہر جب ہو کر میرے پاس آیا، لیکن وہ بہ نسبت مطابقت سوال مجھ کو پسند نہیں۔ لہٰذا ترسیل میں تاخیر ہوئی، اور اب ایک استفتا اس وظیفے کے جواز میں دیکھنے میں آیا اور سنا ہے کہ اس کا رد بھی چھپ رہا ہے، سو میں اس کا منتظر ہوں، اگر وہ اچھا ہو تو وہی بھیج دوں، ورنہ جو میں سمجھ رہا ہوں وہ تو مجمل یہ ہے کہ ہرگز اس وظیفہ کا پڑھنا درست نہیں ہے اور اس کے پڑھنے والے کے حق میں قیل یکفر درمختار میں لکھا ہے۔ اگر خوانندہ بیان کرے کہ میں حاضر و ناظر جان کر نہیں پڑھتا۔ اگر سچا ہے تب بھی خاطی ہے کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دع ما یریبك الی مالا یریبك' اور فرمایا۔ اتقوا مواضع التھمۃ اور ایسے شخص کی امامت بھی بہتر نہیں، اور اگر حاضر و ناظر جان کر پڑھے تو ہرگز جائز نہیں۔" فقط [1]

مولانا کا ایک غیر مطبوعہ مکتوب بنام مولانا ریاض الحسن محمد سلیمان کاندھلوی (مکتوبہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۰۲ھ/ ۷ فروری ۱۸۸۵ء) ہمارے ذخیرۂ مکتوبات میں موجود ہے۔ اس مکتوب کا عکس پیش نظر اشاعت میں شامل ہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل اور ان کے اخلاف کا کتابوں کی اشاعت کا ذوق

مولانا کی فرمائش و ہدایت پر مولانا کے بھتیجے مولوی محمد یعقوب جھنجھانوی[2] نے ۱۳۰۲ھ

---

[1] رسالہ عدم جواز یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ۔ مرتبہ ہدایت اللہ خاں ص ۱۰۱ (مراد آباد ۱۸۹۳ء)

[2] مولوی محمد یعقوب، مولانا کے حقیقی بھتیجے اور مولانا کے شاگرد تھے، مولوی یعقوب 'گلی اڈان' بموجلہ مہاڈری دہلی میں مقیم تھے اسی گلی اڈان سے محرم ۱۳۲۱ھ/ اپریل ۱۹۰۳ء میں ایک ماہنامہ (بقیہ حاشیہ صفحۂ آئندہ پر)

میں رسالہ جہادیہ (جہاد بالنفس وشیطان تالیف حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی) شائع کرایا تھا۔[1] اس مختصر مگر مفید و بابرکت کتاب کی اشاعت سے نشر و طباعت کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ ایک صدی گزر جانے کے باوجود اس وقت تک جاری ہے۔

مولانا کے نامور اخلاف کو اسلامی کتابوں کی نشر و طباعت سے نہایت دلچسپی اور گہرا شغف رہا، مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد میاں کی چھپوائی ہوئی ایک کتاب "تفسیر پارہ تبارک الذی" ہمارے ذخیرہ کتب میں موجود ہے۔ افسوس ہے کہ اس اشاعت پر مؤلف کا نام اور سنہ طباعت مذکور نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) رسالہ کاشف العلوم شائع ہونا شروع ہوا۔ اس کے مرتب و ایڈیٹر کا نام بھی محمد یعقوب ہے مگر وہ مرزا محمد یعقوب بیگ ہیں، خیال ہوتا ہے کہ شاید دونوں ایک ہی ہیں، مگر مرزا اور بیگ کا لاحقہ کیوں ہے؟

ایک اور سوال جو توجہ طلب ہے یہ ہے کہ ماہنامہ کاشف العلوم، اور مدرسہ کاشف العلوم کے ناموں میں یکسانیت کیوں ہے، اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے جب یہ حقیقت معلوم ہو کر دونوں نام ایک ہی زمانہ میں رکھے گئے ہیں۔؟

ماہنامہ کاشف العلوم سنجیدہ و باوقار دینی رسالہ تھا، اس میں صرف اعلیٰ علمی کتابوں کے معیاری ترجمے شائع کئے جاتے تھے۔ الترغیب والترہیب امام منذری، تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پتی، رسائل الارکان علامہ عبدالعلی بحرالعلوم، اور اربعین امام غزالی کے ترجمے قسط وار شائع ہوئے، کلید مثنوی حکیم الامت مولانا تھانوی بھی اس میں شائع ہوئی۔ ماہنامہ کاشف العلوم کے ابتدائی چھ شمارے محرم تا جمادی الاخریٰ (جناب امداد صابری کی عنایت سے) نظر سے گزرے۔ رسالہ کے ادارہ سے دیگر مطبوعات کا بھی سلسلہ تھا۔ آخری تینوں شماروں میں ۴۳ کتابوں کا اشتہار شامل ہے۔ اس اشتہار میں مذکورہ کتابوں میں سے ایک کتاب رسالہ اصول حدیث حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (مطبوعہ ذی قعدہ ۱۳۲۱ھ) ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔ اس سنہ اشاعت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس ادارہ نے رسالہ اصول حدیث کے ایک سے زائد ایڈیشن شائع کئے ہیں۔

[1] اس کا ایک نسخہ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے، اور مولانا محمد یحییٰ کی شائع کی ہوئی اکثر کتابیں بھی ہمارے ذخیرہ میں ہیں۔

اور مولانا محمد یحییٰ نے تو گنگوہ میں دورۂ حدیث کی تکمیل کے فوراً بعد تجارتی کتب خانہ قائم کر لیا تھا جو کتب خانہ یحیوی کے نام سے اس وقت تک موجود ہے، اور نشر و اشاعت کا کام کر رہا ہے۔ اس کتب خانہ کا خاص وصف جس میں کوئی اور تاجر و ناشر اس کا شریک نہیں ہے سلسلہ عالیہ امدادیہ کے اکابر و علماء کی تصنیفات کی اشاعت ہے۔

اور مولانا محمد الیاس بھی اس سلسلہ سے نامانوس نہیں تھے۔ مولانا الیاس نے بھی متعدد کتابچے، اشتہارات اور رسائل شائع کئے تھے یا شائع کرائے تھے۔ مولانا نے ۱۳۴۶ھ میں جبریہ تعلیم کے متعلق اہم علماء کے فتاویٰ شائع کرائے۔ اس رسالہ پر مولانا کی تمہید بھی ہے اور ایک سے زائد مرتبہ حالات تعلیم و تبلیغ مدرسہ کاشف العلوم واقع بستی حضرت نظام الدین دہلی، شائع ہوئے۔ مدرسہ کاشف العلوم کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ کے موقع پر جو رُوداد مرتب ہوئی تھی، وہ اسی وقت شائع ہوئی تھی، ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے اور اس کے علاوہ بھی مدرسہ کی رُوداد چھپی ہے اور میوات میں تبلیغی کام کے ابتدائی دور میں اجتماعات کے لئے اشتہارات بھی شائع ہوتے رہے۔ ایسے دو اشتہار ہمارے ذخیرے میں محفوظ ہیں اور بھی متعدد اشتہار راقم کی نظر سے گزرے ہیں۔

ازدواج و اولاد

حضرت مولانا کی پہلی شادی جھنجھانہ میں ہوئی۔ اہلیہ محترمہ کا نام مریم تھا، ان سے صرف ایک صاحبزادہ مولانا محمد تولد ہوئے، مولانا محمد میاں کا نکاح مولانا ضیاء الحسن صادق کاندھلوی کی صاحبزادی آمنہ سے ہوا، ان سے ایک دختر تولد ہوئیں فاطمہ، ان کا نکاح مولانا علاء الحسن کاندھلوی ان کے صاحبزادے مولانا ظہیر الحسن کاندھلوی سے تھے۔

دوسرا نکاح مولانا ضیاء الحسن صادق کاندھلوی کی صاحبزادی صفیہ سے ہوا، ان سے دو صاحبزادے مولانا محمد یحییٰ اور مولانا محمد الیاس، اور دو صاحبزادیاں حمیرہ اور امت الحنان تولد ہوئیں۔ حمیرہ کا نکاح مولانا رضی الحسن کاندھلوی سے ہوا، مولانا رضی الحسن کے ایک صاحبزادے مولانا اکرام الحسن، اور دو صاحبزادیاں مسماۃ امۃ الودود، اور امت المعبود

تھیں۔ مولانا اکرام الحسن کے صاحبزادے مولانا انعام الحسن مدظلہ امیر جماعت تبلیغ بستی نظام الدین دہلی ہیں۔ امت الودود کی شادی حاجی محمد محسن کاندھلوی سے اور امت المعبود کی مولانا لطیف الرحمٰن کاندھلوی سے ہوئی۔

امت الحنان بنت مولانا اسمٰعیل کا نکاح مولانا فضل الرحمٰن (برادر مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی) سے ہوا، ایک لڑکی تولد ہوئی جو کم سنی میں فوت ہوگئی تھی۔

مولانا محمد یحییٰ کا پہلا نکاح امت اللہ بنت حافظ مولوی محمد یوسف کاندھلوی سے ہوا، لاولد فوت ہوئیں، دوسرا نکاح ان کی چھوٹی ہمشیر امت الحیٔ سے ہوا، ان سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، اور ایک دختر عائشہ تولد ہوئیں، عائشہ کا نکاح مولوی محمد شعیب ابن مولوی حافظ محمد یونس کاندھلوی) سے ہوا۔ ایک صاحبزادی عامرہ (زوجہ مفتی محمد یحییٰ سہارن پوری) یادگار ہیں۔

مولانا محمد الیاس کا نکاح جویرہ بنت مولانا رؤف الحسن کاندھلوی سے ہوا۔ مولانا محمد یوسف اور ایک صاحبزادی عطیہ بیگم ہیں۔ مولانا محمد یوسف کا پہلا نکاح ذکیہ بنت شیخ الحدیث اور مولانا محمد زکریا سے ہوا۔ ان کی وفات کے بعد دوسرا نکاح حضرت شیخ الحدیث کی دوسری صاحبزادی سے ہوا۔ اوّل الذکر سے مولوی محمد ہارون تولد ہوئے، موخر الذکر کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اور عطیہ بیگم کا نکاح حضرت شیخ الحدیث سے ہوا، دو صاحبزادیاں صفیہ خدیجہ اور ایک صاحبزادہ مولوی محمد طلحہ ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث کا پہلا نکاح امت المتین بنت مولانا رؤف الحسن کاندھلوی سے ہوا اور پانچ صاحبزادیاں یادگار چھوڑیں، ذکیہ (زوجہ اولیٰ مولانا محمد یوسف) ذاکرہ (زوجہ مولانا انعام الحسن مدظلہ)، شاکرہ (زوجہ مولوی حسن بن حاجی محمد محسن)، راشدہ (زوجہ مولوی سعید الرحمٰن بن مولانا لطیف الرحمٰن کاندھلوی، ان کی وفات کے بعد مولانا محمد یوسف سے نکاح ہوا)، شاہدہ (زوجہ مولوی حکیم محمد الیاس سہارن پوری)

وفات

مولانا محمد اسمٰعیل کو باؤلے کتّے نے کاٹ لیا تھا، بہت دنوں کے بعد اس کا اثر ظاہر ہوا اور اسی مرض میں ۴ر شوال ۱۳۱۵ھ / ۲۶ر فروری ۱۸۹۸ھ کو کھجور والی مسجد نزاہا بہرام خاں دہلی میں وفات ہوئی۔ جنازہ نظام الدین لایا گیا۔ جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کا اتنا ہجوم تھا کہ اگرچہ جنازہ میں دونوں طرف بلّیاں بندھی ہوئی تھیں تاکہ لوگوں کو کاندھا دینے میں سہولت ہو، مگر اس کے باوجود بہت سے لوگوں کو دہلی سے نظام الدین تک (جو تقریباً ۳½ میل ہے) کاندھا دینے کا موقع نہیں ملا۔[1]

جس وقت مولانا کا وصال ہوا، نوشاہ ابوالخیر مجددی نے اپنی خانقاہ کے بعض حاضرین سے فرمایا، "دیکھو کسی نیک بندہ کی رُوح کو فرشتے لے جا رہے ہیں"۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مولانا اسمٰعیل کا انتقال ہو گیا ہے۔[2]

جنازہ کے ہجوم کی وجہ سے بار بار نماز پڑھی گئی، اور اس کی وجہ سے دفن میں بھی تاخیر ہوئی تو ایک صاحب کشف و ادراک بزرگ نے دیکھا کہ مولانا اسمٰعیل فرماتے ہیں کہ مجھے جلدی رخصت کر دو، میں بہت شرمندہ ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ میرے انتظار میں ہیں۔[3]

چونسٹھ کھمبہ کی تاریخی عمارت کے دروازے کے سامنے بنگلہ والی مسجد کی جنوبی سمت میں دفن ہوئے رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

---

[1] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت

[2] مقامات خیر۔ مولانا زید ابوالحسن فاروقی ص ۲۹۹ (دہلی ۱۹۷۵ء)

[3] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت

مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
کی چند اہم اردو مطبوعات
سوانح مولانا محمد یوسف رح
قیمت ۳۰/-
تذکرہ فضل رحمن
قیمت ۶/-
۱۵/-
سیرۃ مولانا محمد علی مونگیری
قادیانیت
ایک تبصرہ، ایک جائزہ، قادیانی مذہب کا آپریشن۔
مؤلفہ: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، زیرِ طبع، قیمت ۶/-
صدیار جنگ
نواب حبیب الرحمن خاں شیروانی رح کے حالات زندگی پر مبسوط تاریخ
مؤلفہ: مولانا شمس تبریز صاحب ۱۵/-
صحبتے با اولیاء
حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات دین و دنیا دونوں کی رہنمائی۔ ایمان و یقین کی کیفیت پیدا کرنے والے دلنشین انداز میں ۹/-
روداد چمن
ندوۃ العلماء کے ۸۵ سالہ جشن تعلیمی کی مفصل روداد۔ ایک دستاویز، ایک بیان، ایک پیغام۔ تین سو سے زائد صفحات، بہت خوبصورت گرد پوش
تعلیمی نمائش کی تصاویر، نماز جمعہ کا ایک منظر قیمت ۱۵/-

حضرت شیخ کی آپ بیتی
انتخاب و تلخیص
از
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ کی "آپ بیتی" جس کا انتخاب ان صفحات میں پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے اس کے تعارف میں اپنی طرف سے کچھ لکھنے کے بجائے یہ مناسب معلوم ہوا کہ اسی کے آخری حصہ (ے) کے شروع میں جو تعارفی نوٹ لکھا گیا ہے بس وہی نقل کردیا جائے۔

"آپ بیتی" ایک نظر میں

حضرت شیخ مدظلہٗ بچپنے سے پیرانہ سالی تک حق تعالیٰ شانہٗ کے جن گوناگوں خصوصی الطاف وعنایات کے مورد رہے ہیں وہ اس دور میں نادرالوجود ہیں۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کی سوانح مولانا محمد ثانی حسنی نے مرتب کی، اس کے باب اول میں، جو حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں زید مجدہم کے قلم سے تھا حضرت شیخ مدظلہٗ کے حالات وسوانح اور آپ پر الطاف ربانی کا مختصر تذکرہ آیا، حضرت شیخ مدظلہٗ نے اس کی اشاعت پر مؤلف "سوانح یوسفی" کے نام ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا کہ جو باتیں لکھنے کی تھیں وہ چھوڑ دیں اور جو نہ لکھنے کی تھیں وہ لکھ دیں۔ یہ گرامی نامہ "آپ بیتی ۱" قرار پایا۔ اس کے بعد احباب کے تقاضوں سے مزید واقعات لکھوانا شروع کیے گئے اور انھیں ابواب وفصول پر مرتب فرمایا۔ چنانچہ اب تک اس کے سات نمبر طبع ہو چکے ہیں۔

سیر وسوانح میں آپ بیتی سب سے دلچسپ اور مبنی برحقائق تصنیف ہے۔ اور کسی نابغہ شخصیت کی آپ بیتی تمام تر سادگی، جذبہ خمول وکسر نفسی کے باوجود محض دلچسپ ہی نہیں، حکمت آگیں اور سبق آموز بھی ہوتی ہے۔ آپ بیتی سے مصنف کی شخصیت، اُس کے اخلاق وعادات اور نفسیات کے دقیق سے

دقیق پہلو بھی بلا حجاب سامنے آجاتے ہیں اور پھر حضرت شیخ مدظلہ کی آپ بیتی
صرف آپ بیتی ہی نہیں بلکہ اپنے اکابر کے حالات و سوانح کا حسین مرقع
اور مختصر سا انسائیکلو پیڈیا ہے جس کے مطالعہ سے نہ صرف دل و دماغ اور
قلب و نظر کی بہت سی گرہیں کھلتی ہیں بلکہ قاری کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ
ان ملکوتی صفت اہل اللہ کی محفلِ علم و عرفان سے مستفیض ہو رہا ہے۔"
(آپ بیتی ۷ صہ ۲)

اس آپ بیتی کا قصہ :

اس آپ بیتی کا قصہ جس کی طرف مندرجہ بالا تعارفی نوٹ میں بھی اشارہ کیا گیا ہے یہ ہے
کہ جب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد اُن کی سوانح
حیات حضرت شیخ الحدیث ہی کے ایما پر (مرحوم و مغفور) مولانا محمد ثانی حسنی صاحب نے لکھی تو اس میں
حضرت شیخ کا تذکرہ بھی لکھنا تھا، اس کے لیے انھوں نے اپنے خال معظم مولانا سید ابوالحسن
علی ندوی سے لکھنے کی درخواست کی، چنانچہ وہ مولانا ممدوح ہی نے تحریر فرمایا اور جیسا
کہ چاہیے تھا ناظرین کو حضرت شیخ کی شخصیت سے واقف کرانے کے لیے ان کی زندگی کے
وہ حالات و واقعات اور امتیازات و کمالات اور خداوندی انعامات خاص طور سے ذکر کیے
جو قارئین کے لیے سبق آموز اور ہدایت افروز ہو سکتے تھے۔ طباعت و اشاعت کے بعد جب
اس کو حضرت شیخ نے (بینائی کی کمزوری کی وجہ سے) پڑھوا کر سنا تو سوانح یوسفی کے مؤلف مولانا
محمد ثانی حسنی مرحوم کو ایک مکتوب لکھوایا کہ بھئی جو واقعات لکھنے کے نہیں تھے وہ تو مولانا
علی میاں نے لکھ دیے اور جو لکھنے کے تھے وہ نہیں لکھے یا بہت مجمل لکھے۔ پھر اسی مکتوب میں
اپنے بچپن اور ابتدائی تعلیم و تربیت کے دور کے وہ واقعات لکھائے جو حضرت شیخ کے نقطۂ نظر
سے لکھنے کے قابل تھے (اور یقیناً کوئی دوسرا لکھنے کے لیے اُن کا انتخاب بھی نہیں کر سکتا
تھا) یہ مکتوب ایک چھوٹا سا رسالہ ہو گیا تھا لیکن اشاعت کی نیت سے نہیں لکھا گیا تھا۔
بعد میں بعض مخلصین کے مشورے اور اصرار سے اس کی اشاعت کا فیصلہ کر لیا گیا۔ اور یہی آپ بیتی ۱"

قرار پایا۔

اس کے بعد مختلف اوقات اور مختلف مقامات کے قیام میں اس سلسلۂ آپ بیتی کے بعد کے نمبر اس طرح مرتب ہوئے کہ حضرت واقعات بیان فرماتے تھے اور کوئی خادم ساتھ ساتھ قلمبند کرتا چلتا تھا۔ اس طرح اس سلسلہ کے ساتؔ نمبر تیار ہو کر شائع ہو گئے۔ نمبر ۱ جو مرحوم ومغفور مولانا محمد ثانی حسنی صاحب کے نام حضرت شیخ کا مکتوب ہے اس کے آخر میں تاریخ ۶ر شعبان ۱۳۸۶ھ اور آخری نمبر ۷ کے آخر میں یکم ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ (مطابق ۵ر فروری ۱۹۸۱ء) پڑی ہوئی ہے۔ اس طرح تقریباً ۱۴-۱۵ سال کے عرصہ میں مختلف اوقات میں اور مختلف مقامات کے قیام میں یہ آپ بیتی مرتب ہوئی۔ اس کے صفحات کی مجموعی تعداد ساڑھے سولہ سو کے قریب ہے۔

راقم سطور نے اس خاص نمبر کے محدود صفحات کی گنجائش کو پیش نظر رکھ کر جستہ جستہ حالات وواقعات کے انتخاب کا ارادہ کیا ہے۔ خود احساس ہے کہ میرے لیے انتخاب کا یہ کام بہت مشکل ہے، کیونکہ "آپ بیتی" کے قریباً سارے ہی مضامین کا حال یہ ہے کہ: "کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجاست"۔ اللہ تعالیٰ اس مشکل کو آسان فرمائے اور ایسی چیزیں اس انتخاب میں آجائیں جو خود اس عاجز کے لیے اور ناظرین کرام کے لیے نافع ہوں۔

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ اس عاجز راقم سطور کے نیازمندانہ تعلق کی عمر چالیس سال سے بھی زیادہ ہے، اس مدت میں سیکڑوں ہی بار تھوڑے وقت کے لیے یا دو چار دن اور کبھی کبھی کئی کئی ہفتوں تک بھی خدمت میں حاضری اور مجالست نصیب ہوئی، اس آپ بیتی میں حضرت شیخ نے جو کچھ لکھوایا ہے اس کا خاصا حصہ وہ ہے جو راقم سطور نے حضرت سے براہ راست بھی مختلف صحبتوں اور مجلسوں میں سنا ہے۔ اس کو پڑھتے ہوئے بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت گویا فرما رہے ہیں اور ہم سن رہے ہیں۔ اس کی زبان بھی تصنیفی نہیں ہے بلکہ بے تکلف مجلسی گفتگو کی زبان ہے۔ امید ہے کہ ناظرین کرام بھی ایسا ہی محسوس کریں گے۔ اللہ تعالیٰ اس عاجز کے لیے بھی اس کو نافع بنائے اور عام قارئین کے لیے بھی اور قبول فرمائے۔

محمد منظور نعمانی

۲۱ر ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۸۲ء

انتخاب آپ بیتی نمبر (۱)

جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے "آپ بیتی ۱" درحقیقت حضرت شیخؒ کا ایک مکتوب ہے جو "سوانح حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ" کی اشاعت کے بعد اس کے مؤلف مرحوم مغفور مولانا سید محمد ثانی حسنی کے نام لکھا گیا تھا۔ اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

عزیز گرامی قدر و منزلت ! عافاکم اللہ وسلمہ۔ بعد سلام مسنون۔

تمہاری کتاب سے بہت ہی مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ دونوں جہاں میں بہترین جزا عطا فرمائے۔ امید سے زیادہ بہتر لکھی ....کاش میری آنکھیں قابل نظر ہوتیں تو ایک دو شب ہی میں نمٹا دیتا۔ مجھے اکابر کی سوانح پڑھنے کا ساری عمر سے شوق ہے، شروع کرنے کے بعد چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا، دن میں تو کبھی فرصت ملی ہی نہیں، عشاء کے بعد ضروری مطالعے سے فراغت کے بعد شروع کیا کرتا تھا اور اکثر صبح بھی کردی مجھے شباب کے زمانے میں تمام رات جاگنا بہت آسان تھا۔ اکابر کی سوانح ہمیشہ ایک شب یا دو شب میں پوری کی، حضرت گنگوہی، حضرت سہارنپوری، حضرت شیخ الہند حضرت تھانوی، حضرت سید صاحب، حضرت چچا جان وغیرہم نور اللہ مراقدہم کی سوانح اور مکاتیب اسی ذوق شوق سے پورے کیے۔ لیکن اب آنکھوں کی معذوری نے دوسروں کا محتاج بنا دیا اور دوسروں کے لیے

وصل ہویا فراق ہو غالب ‌ ‌ ‌ ‌ جاگنا ساری رات مشکل ہے

آگے حضرت شیخ نے "سوانح یوسفی" کے اس باب کے بارہ میں جو خود انہی کے متعلق مولانا علی میاں کا لکھا ہوا ہے، اظہار خیال فرمایا ہے جس کی حیثیت "استدراک" کی ہے۔

اس باب میں۔ "دو نازک امتحان اور توفیق الٰہی" کے زیر عنوان شیخ کی زندگی کے دو واقعے ذکر کیے گئے ہیں۔ ایک یہ واقعہ کہ جب ابتداءً مدرسہ مظاہر علوم میں پندرہ روپے ماہوار پر مدرس کی حیثیت سے شیخ کا تقرر ہوا تو ان کے خاندان کے ایک بزرگ مولوی بدر الحسن صاحب نے (جو لکھنؤ میں سول جج تھے اور علی گڑھ کالج سے ان کا خاص تعلق تھا) کالج میں ناظم دینیات کے عہدہ کے لیے اصرار بلکہ حکم فرمایا (جس کی ابتدائی تنخواہ تین سو روپے تھی) تو شیخ نے تعمیل سے معذرت کردی۔ (یہ واقعہ چونکہ پوری تفصیل سے "آپ بیتی ۲" کے انتخاب میں ناظرین کرام آگے پڑھیں گے اس لیے یہاں صرف اس اجمالی بیان ہی پر اکتفا کیا جارہا ہے۔)

دوسرا واقعہ اس سلسلہ کا اسی طرح کا مولانا علی میاں نے یہ ذکر کیا ہے کہ کرنال میں نواب عظمت علی خاں صاحب کے مشہور وقف کی جانب سے ایک بڑا تبلیغی دارالعلوم قائم کیا گیا تھا۔ جس کی خاص غرض وغایت یہ تھی کہ اسلام کی تبلیغ اور اس کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے ایسے فضلاء تیار کیے جائیں جو عربی وانگریزی دونوں سے واقف ہوں اور علوم قدیم وجدید دونوں کے جامع ہوں، اس کے لیے بڑے وظائف دے کر مستند عربی مدارس کے فضلاء کو انگریزی اور کالجوں یونیورسٹیوں کے فارغین کو عربی پڑھائی جائے۔ مولانا سر رحیم بخش صاحب مرحوم (جو ریاست بھاولپور کے صدر کونسل تھے) اس تحریک کے خاص علمبرداروں میں تھے، ان کا تعلق گنگوہ، رائے پور، سہارنپور سے خادمانہ اور مخلصانہ تھا۔ اس دارالعلوم کے لیے انھوں نے شیخ کا انتخاب کیا اور مستقل سفر کرکے سہارنپور آئے اور بڑی شفقت کے ساتھ شیخ کے سامنے اپنا منصوبہ رکھا اور ضابطہ کی تین سو ماہوار تنخواہ کے علاوہ بہت سی رعایتوں اور سہولتوں کا ذکر فرمایا اور چونکہ وہ مظاہر علوم کے بھی سرپرستوں (یعنی ارکان شوریٰ) میں سے تھے اور اس بناپر ان کے لیے مناسب نہیں تھا کہ وہ مظاہر علوم کے کسی استاذ کو کسی دوسری جگہ کے لیے ترغیب یا دعوت دیں، اس لیے انھوں نے شیخ سے یہ بھی کہا کہ تم خود ہی حضرت سہارنپوری سے اپنی ضروریات ظاہر کرکے اجازت

لے لو۔ شیخ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ۔

... آپ تو فرماتے ہو کہ میں حضرت سے اجازت لوں لیکن اگر (بالفرض) آپ کے براہ راست کہنے پر حضرت مجھے حکم بھی فرمائیں گے تو میں عرض کروں گا کہ اس حکم کی تعمیل سے معذور ہوں (مجھے تو یہیں پڑا رہنا ہے) یہ جواب سن کر مولانا سر رحیم بخش صاحب نے (جو حضرت شیخ کے بڑوں میں تھے) فرمایا کہ مولوی زکریا میں تمھارا معتقد تو پہلے سے تھا لیکن اس جواب سے اور زیادہ معتقد ہو گیا۔

حضرت شیخ نے اسی قسم کے اس سے بھی زیادہ سخت امتحان کے دو واقعے اور بھی بیان فرمائے ہیں۔

ایک یہ کہ ان کے ایک شاگرد مولوی محمد عادل گنگوہی کا "دائرۃ المعارف" (حیدر آباد) سے تعلق ہو گیا اور پھر وہاں کے ذمہ دار حضرات کا ان کو خاص اعتماد حاصل ہو گیا۔ ایک دن اُن کا بہت طویل خط آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ یہاں "دائرۃ المعارف" کی مجلس میں بیہقی کے رجال پر کام کرانے کا فیصلہ ہو گیا ہے اور اس کے لیے صرف دو حضرات کا انتخاب کیا گیا ہے، ایک حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اور دوسرے آپ۔ اور چونکہ کام طویل ہے اور شاہ صاحب کی ضعیفی کی وجہ سے ان سے کام پورا ہونا مشکوک ہے اس لیے ترجیح آپ کو ہے۔ تنخواہ آٹھ سو ماہوار، رہنے کے لیے مکان اور سواری کے لیے موٹر معہ اس کے سارے اخراجات کے سرکار کی جانب سے ۔۔۔ مولوی محمد عادل صاحب نے اس کے علاوہ علم و مطالعہ کی لائن کی بھی متعدد ایسی چیزیں لکھی تھیں جو شیخ کے لیے بھی کشش کا باعث ہو سکتی تھیں۔ شیخ فرماتے ہیں۔

جواب میں اس ناکارہ نے صرف ایک کارڈ لکھا جس میں صرف یہ مصرعہ لکھ دیا تھا

ع "مجھ کو جینا ہی نہیں بندۂ احساں ہو کر" فقط زکریا

دوسرا اور آخری واقعہ اسی سلسلہ کا اس سے بھی بڑے امتحان کا شیخ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ملک کی تقسیم سے دو تین سال پہلے مشرقی بنگال کی کسی بڑی درسگاہ کی طرف سے

ایک دن جوابی تار ملا کہ "آپ کے جواب کا شدید انتظار ہے۔ میں نے سمجھ لیا کہ کوئی خط مجھے لکھا گیا ہوگا جو ابھی نہیں ملا ہے۔ پھر تار کے بعد خط بھی مل گیا، اس میں اطلاع دی گئی تھی کہ صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے بارہ سو ماہوار پر آپ کا تقرر تجویز کیا گیا ہے آپ فوراً منظوری سے مطلع کریں، خط بہت لمبا تھا اور اس میں تجویز کی منظوری پر بہت اصرار کیا گیا تھا، شیخ فرماتے ہیں کہ۔

"تار کا جواب تار سے تو میں نے صرف یہ دیا کہ "معذوری ہے"۔ خط میں میں نے لکھا کہ جن دوستوں نے آپ سے میرا نام .... لیا ہے انھوں نے محض حسن ظن سے غلط روایات آپ کو پہنچائی ہیں، یہ ناکارہ نہ اس کا اہل ہے نہ متحمل"۔ (آگے حضرت شیخ فرماتے ہیں) اللہ کا احسان ہے کہ پھر کوئی واقعہ اس قسم (کے امتحان) کا پیش نہیں آیا"۔

راقم سطور (محمد منظور) عرض کرتا ہے کہ اب سے قریباً ۲۵ سال پہلے اس عاجز نے اپنے ایک ذاتی مسئلہ میں (جس کا کچھ تعلق معاش سے بھی تھا) حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشورہ چاہا تو حضرت نے جو میرے حق میں بہتر سمجھا مشورہ دیا اور توکل کی تلقین فرمائی، میں نے عرض کیا کہ الحمدللہ توکل کے بارہ میں عقیدہ تو صحیح ہے لیکن میرا حال وہ نہیں ہے۔ میں تو اسباب کا گرفتار ہوں، تو حضرت شیخ نے اپنے بعض ذاتی تجربات کا ذکر فرمایا۔ اس سلسلہ میں مذکورہ بالا چاروں واقعے بھی ذکر فرمائے۔ مجھے الحمدللہ ان کے سننے سے کچھ نہ کچھ نفع ہوا۔ میں نے حضرت شیخ کی اس پوری گفتگو کو امکانی حد تک شیخ ہی کے الفاظ میں قلم بند کر لیا، میرا خیال تھا کہ اس کی اشاعت سے اللہ کے بہت سے بندوں کو نفع ہوگا اور کم از کم دل میں توکل اور اعتماد علی اللہ کی تمنا پیدا ہوگی، اس لیے میں نے الفرقان میں اس کو شائع کر دینے کا بھی ارادہ کر لیا۔ لیکن جب میں نے خط لکھ کر شیخ سے اس کی اجازت چاہی تو سختی سے منع فرما دیا ـــ غالباً اس کی وجہ یہ رہی ہوگی کہ حضرت شیخ کو اس وقت اپنے نفس کے بارہ میں اطمینان نہ رہا ہوگا۔ عُجب جیسی کیفیات کا خطرہ ہوگا، پھر جب اللہ تعالیٰ کے فضل خاص سے یہ حال ہو گیا کہ مخلوق

کی رضا وعدم رضا اور مدح ومذمت کا قلب ونفس پر کوئی مضر اثر نہ ہو تو اللہ کے بندوں کے نفع کی امید پر اس طرح کے احوال وواقعات خود ہی آپ بیتی کے اس سلسلہ میں قلم بند کرا کے شائع کرا دینے کا فیصلہ فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اللہ تعالیٰ ان احوال وواقعات کو ہم جیسوں کے لیے نافع بنائے ان سے سبق آموزی کی توفیق دے اور حضرت شیخ کو اس کی بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے۔

بچپن کا ایک قابل ذکر واقعہ:

اسی سلسلۂ کلام میں شیخ نے اپنے بچپن کا ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مرزا ثریا جاہ جو دلی کے آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کے سمدھی مرزا الٰہی بخش کے فرزند تھے وہ اور ان کے والد مرزا الٰہی بخش بھی حضرت شیخ کے دادا مولانا اسماعیل صاحب کے شاگرد تھے اور ان کو حضرت مولانا سے انتہائی درجہ کی عقیدت ومحبت تھی، اسی بنا پر انھوں نے مولانا سے اپنی اس خواہش کا اظہار اور اس پر اصرار فرمایا کہ ان کی صاحبزادی شہزادی قیصر جہاں بیگم کا نکاح مولانا موصوف کے صاحبزادے (شیخ کے والد ماجد مولانا محمد یحییٰ صاحب) سے ہو جائے۔ (جب کہ وہ کم سن صاحبزادے ہی تھے) مولانا نے عذر بھی کیا لیکن ان کا اصرار جاری رہا تو مولانا نے صاحب زادے (مولانا محمد یحییٰ صاحب) سے بھی ان کی اس خواہش اور فرمائش کا ذکر کیا۔ انھوں نے بھی معذرت کی اور عرض کیا کہ۔

"ان شہزادی سے نکاح کے بعد بوریئے پر لیٹنا بیٹھنا تو نصیب نہ ہوگا۔"

پھر ان شہزادی کا نکاح اپنے ہی طبقہ کے مرزا محمد شاہ صاحب سے ہو گیا، مگر ہمارے گھرانے سے قیصر جہاں بیگم کا تعلق ویسا ہی رہا جیسا ان کے والد مرزا ثریا جاہ کا تھا (یا اس سے بھی زیادہ) شیخ نے اس سلسلہ میں بیان فرمایا ہے کہ میں جب ۶-۷ سال کا تھا تو وہ مجھے اپنے گھر لے جاتیں اور مجھے اولاد کی طرح لپٹا کر اپنے پاس ہی سلاتیں۔ پھر ایک وقت پر انھوں نے اپنی بیٹی کا نکاح میرے ساتھ کرنے کے لیے والد صاحب سے اصرار فرمایا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ۔

"مرحومہ نے کئی مرتبہ میرے سامنے میرے والد صاحب سے اصرار کیا کہ مجھے تو آپ نے قبول نہ کیا مگر زکریا میرا بچہ ہے، میں اس کو اپنا بیٹا بناؤں گی، اپنے پاس رکھوں گی اور اپنی لڑکی سے اس کا نکاح کر دوں گی۔ والد صاحب کا جواب تو یہ ہوتا تھا کہ جس چیز کو میں نے اپنے لیے پسند نہ کیا اس کے لیے کیسے پسند کروں۔ مگران کا شدید اصرار خود رفتہ تھا۔ اس کی بنا پر ایک دفعہ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے امتحاناً مجھ سے بھی دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا کہ پاندان لیے لیے پھرنا میرے بس کا نہیں۔ (آگے شیخ فرماتے ہیں) اس کی شرح یہ ہے کہ مرحومہ کے شوہر مرزا محمد شاہ کو مرحومہ سے عشق تھا۔ وہ نہایت نفیس مسہری پر بیٹھی رہتی تھیں اور مرزا شاہ مرحوم پاندان ان کے پاس لا کر رکھتے اور کہتے کہ بیگم ایک پان کھلا دو۔ (آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ) میرے اس جواب پر والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے خود اپنا قصہ مجھے سنا کر یہ ارشاد فرمایا کہ میرے والد صاحب نے بھی مجھ سے بچپن میں قیصر جہاں کے نکاح کے متعلق دریافت فرمایا تھا تو میں نے یہ جواب دیا تھا کہ ان شہزادی سے نکاح کرنے کے بعد بوریئے پر لیٹنا تو کبھی نصیب نہیں ہوگا۔ اور یہ قصہ سنا کر فرمایا کہ میرے اور تیرے جواب میں آسمان زمین کا فرق ہے، تیرے جواب سے تکبر کی بو آتی ہے۔"

تربیت کی تکمیل:

حضرت شیخ نے تربیت اور نگرانی کے معاملہ میں اپنے والد ماجد نور اللہ مرقدہٗ کی شدت پسندی اپنی قیدیوں والی زندگی اور غلطیوں کوتاہیوں پر سخت مضروبیت کے بہت سے واقعات بھی مزے لے لے کر بیان فرمائے ہیں اور اس کو والد ماجد کا عظیم احسان بتلایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"اللہ جل شانہٗ والد صاحب کو ان ضربات کی بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے اور ہر مار پر لاکھوں رحمتیں نازل فرمائے... حالت تو اپنی خراب ہی رہی، لیکن ان تنبیہات

اور اللہ کے فضل و احسان کی وجہ سے آدمیوں میں شمار ہونے لگا ورنہ نہ معلوم کس جون میں ہوتا...

پھر شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ ایک وقت آیا کہ ان ضربات و تنبیہات اور ہمہ وقتی نگرانی کا مرحلہ ختم ہوگیا۔ فرماتے ہیں۔

> یہ سارے مراحل والدصاحب نوراللہ مرقدہ کے وصال سے قریبًا ایک سال پہلے ختم ہو گئے.. انتقال سے تقریبًا ایک سال پہلے حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب قدس سرہٗ جن کا شدید اصرار والدصاحب کے بلانے پر رہتا تھا، ان کے خط کے جواب میں والدصاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میرے ہی قلم سے تحریر کرایا کہ ''اب تک عزیز زکریا کی بیڑی میرے پاؤں میں ایسی زنجیر بنی ہوئی تھی کہ میں اس کی وجہ سے کہیں آجا نہیں سکتا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب اس کی طرف سے اطمینان ہوگیا (آگے حضرت شیخ بیان فرماتے ہیں) والدصاحب رائے پور طویل قیام کے لیے تشریف لے گئے، اس ناکارہ نے اُن کی تشریف بری کے بعد مکاری سے ان کی یاد اور ان کی غیبت سے اپنے نقصان کا اظہار کیا، تو جواب میں تحریر فرمایا کہ۔ ''بڑوں کی نگرانی کی حاجت اس وقت تک رہتی ہے جب تک تعلق مع اللہ پیدا نہ ہو، اس کے بعد ضرورت نہیں رہتی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کے فضل سے تمھارے اندر پیدا ہوگیا، اب میری ضرورت نہیں رہی۔'' (شیخ فرماتے ہیں) کاش اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور لطف و احسان سے والدصاحب کے اس حسن ظن کو اور ان کے بعد میرے دوسرے اکابر اور احباب و اصاغر کے حسن ظن کو ''انا عند ظن عبدی بی'' عالی شان فرمان ہی کی وجہ سے صحیح فرمادے تو اس کے لطف و کرم اور ان احسانات عظیمہ سے بعید نہیں جو ہمیشہ ہی میری ناپاکیوں کے باوجود رہے۔ فقط

''آپ بیتی ۲'' جس مکتوب کا نام ہے اُس کا مضمون ان سطروں پر ختم ہوگیا۔ لیکن جب اس کی مستقل اشاعت کا ارادہ کیا گیا تو حضرت شیخ نے اس کے ساتھ اپنا ایک اور مضمون شامل کرانے

کا فیصلہ فرمایا جو مدرسہ مظاہر علوم کے مدرسین و ملازمین کے لیے خصوصاً اور تمام ہی دینی مدارس کے اساتذہ و ملازمین اور ذمہ داروں کے لیے عموماً اسی زمانے میں لکھا گیا تھا، اس میں بتلایا گیا تھا کہ دینی مدارس کے بارے میں خاص کر مالیات کے معاملہ میں ہمارے اکابر کا نقطۂ نظر اور طرزِ عمل کیا تھا اور اس سلسلہ میں متعدد اکابر کے ارشادات و واقعات لکھے تھے۔ یہاں ان میں سے صرف دو چار ہی نذرِ ناظرین کیے جا رہے ہیں۔ سب سے پہلے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم کے سرپرست (یعنی رکن مجلس شوریٰ) حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے کہ۔

"مجھے مدارس کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے اتنا کسی چیز سے نہیں لگتا، اگر کوئی شخص کسی کے یہاں ملازم ہو وہ مالک کے کام میں کچھ کوتاہی کرے، خیانت کرے وہ ملازمت سے علیحدہ ہوتے یا مرتے وقت مالک سے معاف کرالے تو معاف ہو سکتا ہے لیکن مدرسوں کا روپیہ جو عام غربا اور مزدوروں کا چندہ ہوتا ہے ہم سب سرپرستانِ مدرسہ (یعنی ارکان شوریٰ وانتظامیہ) اس کے مالک تو ہیں نہیں، امین ہیں، اگر اس مال کے اندر افراط اور تفریط ہو تو ہم لوگوں کے معاف کرنے سے معاف تو ہو نہیں سکتا۔ اتنا ضرور ہے کہ ہم اگر مصالحِ مدرسہ چشم پوشی کریں تو اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ ہم سے درگزر فرمائے۔ لیکن اگر اپنے ذاتی تعلقات کی وجہ سے ہم لوگ تسامح کریں تو ہم بھی جرم کے اندر شریک ہیں۔ لیکن جرم کرنے والے سے کسی حال میں بھی معاف نہیں ہو سکتا کہ حقوق العباد ہے۔ اور جن کا مال ہے وہ اتنے کثیر ہیں کہ ان سے کسی طرح معاف نہیں کرایا جا سکتا۔"

آخر میں اس سلسلہ میں حضرت شیخ نے اپنے ہی زمانے کے چند وہ واقعات بیان فرمائے ہیں جو ان کے چشم دید ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"مظاہر علوم کا جب سالانہ جلسہ ہوتا تھا، میں نے اکابر مدرسین و ملازمین میں سے کسی کو جلسہ کے کھانے یا چائے یا پان کو کھاتے نہیں دیکھا، جملہ مدرسین حضرات

اپنا اپنا کھانا کھاتے تھے، جب بھی وقت ملے، البتہ حضرت (سہارنپوری) قدس سرہٗ مہانوں کے ساتھ کھاتے تھے، لیکن حضرت کے مکان سے دس بارہ آدمیوں کا کھانا آتا تھا جو متفرق مہانوں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا، اسی میں سے حضرت نوش فرماتے تھے .... مولانا عنایت الٰہی صاحب مہتمم مدرسہ دو شب و روز مدرسہ کے اندر رہتے اور ظہر کے وقت اور رات کو بارہ بجے اپنے دفتر کے کونے میں بیٹھ کر اپنا ٹھنڈا اور معمولی کھانا تنہا کھاتے تھے ــ مولانا ظہور الحق صاحب مدرس مدرسہ اس زمانے میں مطبخ کے منتظم ہوتے تھے۔ لیکن سالن چاول وغیرہ کا نمک کسی طالب علم سے چکھواتے تھے، خود نہیں چکھتے تھے، جب وقت ملتا اپنے گھر جاکر کھانا کھا آتے۔ اسی طرح دیگر اکابر مدرسین کو میں نے کوئی شے مدرسہ کی چکھتے نہیں دیکھا۔ ان سب احتیاطوں کے باوجود حضرت سہارنپوری قدس سرہ جب ۱۳۴۴ھ میں مستقل قیام کے ارادہ سے حجاز تشریف لے گئے تو اپنا ذاتی کتب خانہ یہ فرماکر مدرسہ کے اندر وقف کر گئے تھے کہ نہ معلوم مدرسہ کے کتنے حقوق ذمّہ رہ گئے ہوں گے۔"

اس کے بعد شیخ نے خود اپنے والد ماجد نور اللہ مرقدہ کے بارے میں لکھا یا ہے کہ:

"میرے والد صاحب قدس سرہٗ کے زمانے میں مدرسہ کا مطبخ جاری نہیں ہوا تھا۔ مدرسہ کے قریب کسی طباخ کی دکان تھی، گھر والوں کے نہ ہونے کے زمانے میں جامع مسجد کے قریب کی ایک طباخ کی دکان سے کھانا آیا کرتا تھا۔ سردی کے زمانے میں وہاں سے آتے آتے خصوصاً شام کو ٹھنڈا ہو جاتا تھا تو سالن کے برتن کو مدرسہ (کی مسجد) کے حمام کے سامنے (اندر نہیں بلکہ باہر) رکھوا دیتے تھے، اس کی تپش سے وہ تھوڑی دیر میں گرم ہو جاتا تھا۔ تو یہ فرماکر دو تین روپے ہر ماہ چندہ میں داخل فرمایا کرتے تھے کہ مدرسہ کی آگ سے استفاع ہوا ہے۔[1]"

---

[1] چند مہینے پہلے لندن کے ایک دینی ماہنامہ کے حضرت شیخ ہی سے متعلق ایک مضمون میں یہ واقعہ اس عاجز (بقیہ آگے)

تنخواہ تو میرے والد صاحب نے اپنے سات سالہ قیام مدرسہ میں کبھی نہیں لی"۔
آخر میں حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ ہمارے اکابر واسلاف نے کیسے افلاس وفقر اور صبر وشکر کے ساتھ زندگی گزاری، اس سلسلہ میں دو واقعے اپنے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس نوراللہ مرقدہٗ کے ذکر فرمائے ہیں۔ اور انہی پر یہ مضمون ختم کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

میرے چچا جان نوراللہ مرقدہٗ نے مجھے ایک مرتبہ کارڈ لکھا کہ کئی دن سے تم کو ایک ضروری خط لکھنے کا تقاضا تھا مگر میرے پاس کوئی پیسہ نہیں تھا۔ قرض لینے کو دل نہ چاہا، آج اللہ نے پیسے عطا فرمائے ہیں تو تم کو خط لکھ رہا ہوں"۔

دوسرا واقعہ اپنے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس نوراللہ مرقدہٗ کا جو اس موقع پر حضرت شیخ نے ذکر فرمایا ہے وہ اس عاجز راقم سطور نے خود بھی براہ راست صاحب واقعہ (مولانا لطیف الرحمن کاندھلوی مرحوم) سے کئی بار سنا ہے۔ اس لیے بہ نظر اختصار اس کو اپنے الفاظ میں عرض کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔

یہ مولانا لطیف الرحمن مرحوم حضرت شیخ اور حضرت مولانا محمد الیاس نوراللہ مرقدہما کے قریبی عزیز تھے، دہلی شہر میں قیام تھا، کسی مسجد کے امام بھی تھے۔ ایک دفعہ رمضان مبارک میں وہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی خدمت میں حاضری اور ایک آدھ دن قیام کے ارادہ سے دہلی سے نظام الدین آئے۔ عصر کے وقت پہنچے تھے۔ اس زمانے میں حضرت مولانا کا معمول عصر سے مغرب تک خلوت میں ذکر بالجہر کا تھا، افطار کے قریب ہی باہر تشریف لاتے تھے۔ اپنے معمول

(بقیہ حاشیہ) راقم سطور محمد منظور نعمانی) کی روایت اور الفرقان کے حوالہ سے حضرت شیخ کی طرف منسوب ہو کر شائع ہوا ہے، صاحب مضمون کو (جو اس عاجز کے عزیز دوستوں میں ہیں) سہو ہوا ہے۔ اس عاجز نے خود حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ سے بار بار اسی طرح سنا ہے جس طرح آپ بیتی میں لکھا گیا ہے۔ اور اگر کبھی نقل کرنے کی نوبت بھی آئی ہے تو اسی طرح نقل کیا ہے۔ بہر حال یہ واقعہ حضرت شیخ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نوراللہ مرقدہ ہی کا ہے۔ ۱۲

کے مطابق تشریف لائے اور مدرسہ کے طلبا اور خدام جو ساتھ رہتے تھے ان سے پوچھا کہ افطار کے لیے کچھ ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت بس کل کے بچے ہوئے گوڑ ہیں۔ فرمایا واہ واہ، لاؤ! لوٹا سامنے رکھ دیا گیا جس میں گوڑ تھے، دو چار گوڑ خود حضرت نے کھائے، پانی پیا اور اللہ کا شکر ادا کیا اور سب نے اور مولوی لطیف الرحمٰن صاحب نے بھی بس وہ گوڑ ہی کھائے۔ بس وہی افطاری تھی اور وہی کھانا۔ اس کے بعد حضرت نے مغرب کی نماز پڑھائی اور اپنے معمول کے مطابق نوافل میں مشغول ہوگئے، عشار کی اذان کے قریب تک حضرت نوافل میں مشغول رہے۔ اس کے بعد نماز عشار اور تراویح۔ پھر سحر میں بھی وہ گوڑ ہی تھے۔ اس وقت بھی افطار کی طرح دو چار گوڑ کھا کر پانی پی لیا۔ مولوی لطیف الرحمٰن صاحب نے اگلے دن واپسی کا ارادہ کیا، ان کو ڈر تھا کہ آج بھی بس گوڑوں ہی پر اکتفا کرنا ہوگا۔ اور یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ انھوں نے حضرت سے اجازت چاہی، حضرت نے اجازت نہیں دی، مجبوراً ٹھہر جانا پڑا (مولوی لطیف الرحمٰن صاحب مرحوم فرماتے تھے) کہ اُس دن بھی افطار کا وقت قریب آنے لگا اور میں نے محسوس کیا کہ آج بھی کھانے پینے کی کوئی تیاری نہیں ہے۔ بعض طالب علم آج بھی گوڑ لینے کے لیے جنگل کی طرف گئے تھے۔ میری جان سوکھنے لگی جب افطار کا وقت بالکل قریب آیا تو شہر سے ایک دیگچی بریانی کی ایک دیگ آئی، بہت ہی اعلا درجہ کی بریانی تھی، اس کی خوشبو سے ساری مسجد مہک گئی۔ حضرت نے فرمایا، لطیف! تم سے گوڑ نہیں کھائے جا رہے تھے یہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری ہی وجہ سے بھیجی ہے خوب کھاؤ۔ مرحوم مولوی لطیف الرحمٰن صاحب فرماتے تھے، اس دن جیسی لذت سے وہ بریانی کھائی زندگی بھر ایسی لذت سے کھانا یاد نہیں۔

"آپ بیتی ۱۰" کا انتخاب اِن سطروں پر ختم ہوگیا۔ والحمدللہ۔

آپ بیتی کے پہلے نمبر کے بعد

جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہو چکا، آپ بیتی کا پہلا نمبر دراصل ایک خط تھا جو اشاعت کی نیت سے نہیں لکھا گیا تھا، بعد میں اشاعت کا فیصلہ کیا گیا۔ لیکن اس کے بعد جو نمبر لکھے گئے وہ اشاعت ہی کی نیت سے لکھے گئے۔ ان کا آغاز وافتتاح حضرت شیخ الحدیث نے (آپ بیتی ۲ لکھاتے ہوئے) قرآن مجید کی بعض ان آیات سے کیا ہے جن میں اخلاص للّٰہ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اس کے بعد اسی موضوع سے متعلق مشہور حدیث "انما الاعمال بالنیات الخ" ذکر فرمائی ہے اور اس کی تشریح اور وضاحت فرما کر اخلاص اور تصحیح نیت کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اچھی سے اچھی باتیں اور اپنے یا اپنے اکابر واسلاف کے سبق آموز واقعات ایک آدمی ریاکاری کے طور پر اور لوگوں کو اپنا معتقد بنانے کے لیے بھی بیان کر سکتا ہے اور تحدیث نعمت اور اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی اور ثواب اخروی اور بندگان خدا کی اصلاح وتربیت کی نیت سے بھی۔ اگر خدانخواستہ پہلی بات ہو تو سخت ترین گناہ بلکہ ایک درجہ کا شرک ہے اور اگر دوسری صورت ہے تو اعلیٰ درجہ کی عبادت اور نائبین انبیا والا عمل ہے۔ حضرت شیخ نے شروع ہی میں اخلاص سے متعلق آیات واحادیث لکھ کر پہلے خود اپنے کو اور اس کے ساتھ ناظرین وقارئین کو بھی نیت کی تصحیح کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ اس کے بعد اس آپ بیتی کے تحریر میں آنے کا یہ قصہ بیان فرمایا ہے کہ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۰ھ (اگست ۱۹۷۰ء) میں آنکھوں کے علاج کے سلسلہ میں حضرت کو علی گڑھ کچھ طویل قیام

فرمانا پڑا۔ آنکھ کی معذوری کی وجہ سے لکھنے پڑھنے کا کوئی کام کیا نہیں جا سکتا تھا تو حضرت نے آپ بیتی لکھانے کا مشغلہ تجویز فرمایا جس کے لیے خدام و مخلصین کا اصرار بھی تھا جو وقت خالی ہوتا خاص کر رات کے وقت حضرت اپنی سرگزشت، حالات و واقعات بیان فرماتے اور کوئی خادم ساتھ ساتھ قلم بند کرتے جاتے۔ علی گڑھ کے اس قیام میں آپ بیتی ۲ و ۳ اسی طرح مرتب ہوئیں، بعد میں ان میں اضافہ اور تنقیح کا عمل بھی ہوا۔ آگے کے نمبر بھی اسی طرح مختلف اوقات میں اور مختلف مقامات کے قیام میں قلم بند ہوئے اور شائع ہوتے رہے۔

راقم سطور صفحات کی محدود گنجائش کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو منتخب مضامین اور اقتباسات پیش کرے گا اس کی حیثیت غالباً "مشتے نمونہ از خروارے" کی بھی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس عاجز کو بھی اور ناظرین و قارئین کو بھی علم و عمل کے لحاظ سے اس سے نفع پہنچائے۔

انتخاب آپ بیتی ۲

اوپر عرض کیا گیا ہے کہ حضرت شیخ نے آپ بیتی ۲ کا آغاز اخلاص اور تصحیح نیت کے مضمون سے کیا ہے اور مشہور حدیث "انما الاعمال بالنیات الخ" بھی ذکر فرمائی ہے۔ آگے اس سلسلہ میں کچھ واقعات بھی بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سب سے پہلا واقعہ یہ ہے۔

"ایک مرتبہ ۱۰ بجے صبح میں اوپر اپنے کمرے میں نہایت مشغول تھا۔ مولوی نصیر[۱] نے اوپر جا کر کہا کہ رئیس[۲] الاحرار آئے ہیں، رائے پور جا رہے ہیں، صرف مصافحہ کرنا ہے میں نے کہا جلدی بلا دے، مرحوم اوپر چڑھے اور زینے پر چڑھتے ہی سلام کے بعد مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا کر کہا، رائے پور جا رہا ہوں اور ایک سوال

---

[۱] مولوی نصیر الدین مرحوم حضرت شیخ کے خاص معتمد، سارے کاموں کے ذمہ دار، گویا مدار المہام تھے اور [۲] رئیس الاحرار سے مراد مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم ہیں جو مجلس احرار اسلام ہند کے صدر تھے۔

آپ سے کر کے جا رہا ہوں، پرسوں صبح واپسی ہے۔ اس کا جواب واپسی میں لوں گا۔ یہ تصوف کیا بلا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟ میں نے مصافحہ کرتے کرتے جواب دیا کہ "صرف تصحیح نیت، اس کے سوا کچھ نہیں۔ جس کی ابتدا انما الاعمال بالنیات" سے ہوتی ہے اور انتہا ان تعبد اللہ کانک تراہ ہے۔" (آگے اس سلسلۂ کلام میں فرمایا ہے کہ) اسی کو نسبت کہتے ہیں، اسی کو یادداشت کہتے ہیں، اسی کو حضوری کہتے ہیں۔

حضوری گر ہمی خواہی از و غافل مشو حافظ
متی ماتلق من تھویٰ دع الدنیا واہملھا

میں نے کہا مولوی صاحب سارے پاپڑ اسی لیے بیلے جاتے ہیں، ذکر بالجہر بھی مجاہدہ مراقبہ بھی اسی واسطے ہے اور جس کو اللہ جل شانہٗ کسی بھی طرح سے یہ دولت عطا کر دے۔ اس کو کہیں کی بھی ضرورت نہیں۔

اخلاص اور تصحیح نیت کا بیان گویا آپ بیتی ۲ کا باب اوّل تھا۔

باب دوم میں حضرت شیخ نے اپنی تعلیم اور فراغت کے بعد مظاہر علوم میں مدرسی اور تصنیفات کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلے اپنے بچپنے اور ابتدائی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اس ناکارہ کی پیدائش ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ کی شب میں رات کو ۱۱ بجے تراویح کے بعد ہوئی .... ڈھائی برس کی عمر تک یہ ناکارہ کا ندھلہ رہا۔ سنا ہے کہ اس قدر نالائق تھا کہ میرا کھیل توڑ پھوڑ تھا.... ڈھائی برس کی عمر میں گنگوہ حاضری ہوئی تو وہاں حضرت قطب عالم گنگوہی کے سب خدام کے یہاں والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی وجہ سے لاڈ ہی لاڈ اور پیار تھا۔"

آگے اپنی تعلیم کے آغاز کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے ایک عاشق خادم ڈاکٹر عبدالرحمٰن مظفر نگری تھے، جنھوں نے حضرت کی خدمت کی سعادت حاصل کرنے ہی کے لیے گنگوہ میں قیام اختیار کر لیا تھا۔ ان کی اہلیہ سے قاعدہ بغدادی شروع ہوا۔ اس کے بعد سیپارہ شروع ہونے کا اور پھر حفظ قرآن کا سلسلہ شروع ہو جانے کا اور

اس زمانے کی اپنی شوخیوں کا بھی بڑی بے تکلفی سے ذکر فرمایا ہے پھر ختم حفظ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"سارا قرآن پاک اسی طرح پڑھ کر ختم کر دیا اور حافظ ہو گئے۔ میری دادی صاحبہ نور اللہ مرقدہا حافظ تھیں اور بہت اچھا یاد تھا۔ سال بھر کا معمول خانگی مشاغل کھانے پکانے کے علاوہ ایک منزل روزانہ کا تھا اور رمضان میں چالیس پارے روزانہ کا۔ ان کے کچھ حالات "تذکرۃ الخلیل" میں بھی ہیں۔ جب وہ گنگوہ ہوتیں تو میرا سبق سننا ان کے ذمہ تھا (اسی سلسلہ میں آگے فرماتے ہیں) قرآن شریف کی یاد تو کما حقہ اب تک بھی نصیب نہیں ہوئی لیکن ۳۳ھ ماہ مبارک میں ایک قرآن روزانہ پڑھنے کا معمول شروع ہوا تھا جو تقریباً ۵۰ھ تک رہا ہوگا بلکہ اس کے بھی بعد تک۔ ابتدائی معمول یہ تھا کہ سوا پارہ جس کو تراویح میں سنانا ہوتا تھا اس کو تراویح کے بعد شب میں قرآن پاک دیکھ کر اور اکثر ترجمے کے ساتھ سحر تک چار پانچ دفعہ پڑھتا تھا۔ گرمیوں کی شب میں کچھ کم، سردیوں میں کچھ زائد، اس کے بعد تہجد میں اسی کو دو مرتبہ اس کے بعد سحر کھانے کے بعد سے لے کر صبح کی نماز تک اور نماز کے بعد سونے تک ایک دفعہ۔ اور پھر صبح کو سونے کے بعد اٹھ کر جو عموماً دس بجے ہوا کرتا تھا چاشت کی نماز میں۔ سردیوں میں ایک مرتبہ، گرمیوں میں دو دفعہ۔ اس کے بعد ظہر کی اذان سے ۱۵ منٹ پہلے تک ایک یا دو مرتبہ دیکھ کر۔ پھر ظہر کی سنتوں میں ابتداءً دو مرتبہ (اول کی سنتوں میں ایک دفعہ اور آخر کی دو سنتوں میں دوسری دفعہ) اور بعد میں ہر دو سنتوں میں ایک ہی مرتبہ رہ گیا۔ ظہر کے بعد دوستوں میں سے کسی کو ایک مرتبہ سنانا اور پھر عصر تک موسم کے اختلاف کی وجہ سے ایک یا دو دفعہ پڑھنا۔ عصر کے بعد کسی دوسرے اونچے آدمی کو سنانا.... مغرب کے بعد نفلوں میں ایک دفعہ پڑھنا۔ تراویح پر یہ پارہ ختم ہو جاتا تھا اور اگلے کا نمبر شروع ہو جاتا تھا۔ ۲۴ گھنٹوں میں اس کی تشکیل ضروری تھی کہ (مجموعی

طور پر تیس پارے پورے ہوجائیں ۔ سالہا سال یہی معمول رہا۔ اخیر زمانے میں بیماریوں نے چھڑادیا۔"

ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں اس مسلسل مشغولیت کی وجہ سے آنے جانے والوں سے ملاقات اور بات چیت کا وقت نہیں مل سکتا تھا۔ روزانہ صرف تراویح کے بعد قریباً گھنٹہ آدھ گھنٹہ پون گھنٹہ کا وقت حضرت نے اس کے لیے رکھا تھا، اس وقت مخلصین اور خدام آجاتے اور اس وقت کچھ ناشتہ سا بھی ہوتا۔ اسی دور کے ایک رمضان کا یہ دلچسپ واقعہ بھی حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے

"میرے عزیز مخلص دوست حکیم طیب رامپوری کی اس زمانہ میں آمد و رفت بہت کثرت سے تھی اور چونکہ بہت مختصر وقت کے لیے آتے تھے اور سیاسیات کی خبریں بہت مختصر الفاظ میں جلدی جلدی سنا جاتے تھے اس لیے (عام دنوں میں) ان کی آمد پر میرے یہاں کوئی پابندی نہیں تھی۔ ایک مرتبہ رمضان میں ۸-۹ بجے صبح کو آئے، مولوی نصیر سے کہا کواڑ کھلوا دو، اس نے کہا رمضان ہے، خود زنجیر کھڑکھڑانے کا ارادہ کیا، اس نے منع بھی کیا اور یہ بھی کہا کہ یا تو وہ سو رہا ہوگا، تو نیند خراب ہوگی اور اگر اٹھ گیا ہوگا تو نفلوں کی نیت باندھ لی ہوگی، کھڑکھڑاتے رہو۔ اس پر خفا ہو کر مدرسہ چلے گئے، راستہ میں مولانا منظور احمد خاں صاحب ملے، انھوں نے کہا، حکیم جی تم کہاں آگئے، شیخ کے یہاں تو رمضان ہے۔ اس پر کچھ سوچ پیدا ہوا اور نصیر پر سے غصہ کچھ کم ہوا۔ اس کے بعد حضرت ناظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے وہ ڈاک لکھوا رہے تھے۔ فرمایا حکیم جی کہاں آگئے، شیخ کے یہاں تو رمضان ہے، وہاں سے اٹھ کر مفتی محمود صاحب کے حجرہ میں گئے، مفتی جی نے بھی یہی فقرہ دوہرادیا، حکیم جی نے پوچھا، آخر رمضان میں کوئی وقت بات کا ملاقات کا ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مفتی جی نے کہا کہ تراویح کے بعد آدھ گھنٹہ۔ حکیم جی نے کہا کہ مجھے تو رامپور واپس جانا ہے، تب مفتی جی نے کہا کہ ظہر کی نماز سے

۱۵ منٹ پہلے (مسجد) تشریف لائیں گے اُس وقت مل لینا یا ظہر کی نماز کے بعد گھر جاتے ہوئے راستہ میں مل لینا۔ وہ ظہر سے پہلے مسجد میں آئے تو میں نیت باندھ چکا تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد میں نے پھر سنتوں کی نیت باندھ لی، بڑی دیر تک انتظار کیا مگر جب دیکھا کہ رکوع کا ذکر ہی نہیں، اس لیے کہ ان دنوں میں دو دفعہ پارہ پڑھنے کا معمول تھا، وہ بڑی دیر تک انتظار دیکھ کر چلے گئے، واپس آئے تو میں اپنے کمرہ پر پہنچ کر قرآن پاک سنانے میں مشغول ہو گیا تھا، وہ کھٹ کھٹ کرکے اوپر چڑھے اور جاتے ہی بہت زور سے بھائی جی سلام علیکم بات نہیں کرتا۔ صرف ایک فقرہ کہوں گا، رمضان اللہ کے فضل سے ہمارے یہاں بھی آتا ہے، مگر یوں بخار کی طرح کہیں نہیں آتا۔ سلام علیکم جا رہا ہوں عید کے بعد ملوں گا۔ میں نے کہا وعلیکم السلام اور پھر قرآن سنانے میں مشغول ہو گیا۔"

۱۳۳۸ھ کے بعد سے رمضان مبارک میں قرآن پاک کی تلاوت میں اس طرح کی ہمہ وقتی مشغولیت کا یہ ذکر تو اپنے بچپنے کے حفظ قرآن کے تذکرہ کے ساتھ استطراداً آ گیا۔ اس کے بعد شیخ نے اپنی اردو فارسی تعلیم کا ذکر فرمایا ہے جو زیادہ تر گنگوہ ہی میں ہوئی، پھر گنگوہ سے سہارنپور منتقلی اور عربی تعلیم کے آغاز کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

رجب ۱۳۲۸ھ میں یہ ناکارہ سہارنپور آ گیا اس لیے کہ دو تین ماہ قبل والد صاحب قدس سرہٗ مستقل قیام کے ارادے سے گنگوہ سے سہارنپور منتقل ہو گئے تھے.... سہارنپور آ کر باقاعدہ عربی تعلیم شروع ہوئی۔

اس کے آگے حضرت شیخ نے مظاہر علوم میں رمضان ۱۳۲۸ھ سے شعبان ۱۳۳۶ھ تک پورے دس سال کی اپنی تعلیم کا سال وار نقشہ درج کرایا ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کس سال میں کون کون کتابیں زیر درس رہیں ــــ اس کے بعد قریباً ۱۵ صفحے پر ان کتابوں کے درس اور ان کے پڑھانے والے اساتذہ سے متعلق کچھ تفصیلی معلومات ہیں جن سے صرف ہمارے عربی مدارس کے اساتذہ یا ذی استعداد منتہی طلبہ ہی مستفید اور محظوظ ہو سکتے ہیں۔

حضرت شیخ نے اپنی تعلیم کے ساتھ والد ماجد قدس سرہٗ کی تربیت کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"میری ابتدائی تربیت قیدیوں کی طرح ہوئی۔ بغیر والدصاحب اور چچا جان کے کہیں جانے کی اجازت نہ تھی، میرا ابتدائی کھیل، یا انتہائی کھیل بیت بازی تھی، ہم تینوں (ہم سبق) ساتھی، مظہر اور حکیم محفوظ گنگوہی ثم الدیوبندی جب بھی اباجان کی نگاہ سے ذرا اوجھل ہوتے تو بیت بازی شروع کر دیتے، ایک دفعہ حماقت سوار ہوئی کہ بیت بازی کا کھیل قرآن پاک کی آیات سے شروع کر دیا، ایک شخص آیت پڑھے اور آیت شریف کا آخری حرف جو ہو دوسرا شخص وہ آیت پڑھے جس کے شروع میں یہ حرف ہو۔ میرے دونوں ساتھی حافظ نہیں تھے اور میں بھی صرف نام کا حافظ تھا، مگر خوب یاد ہے کہ نہ معلوم آیتیں کس طرح سوچ لیا کرتے تھے، یہ حماقت تین چار دفعہ ہوئی اور پھر بالکل چھوٹ گئی۔ اور منشا اس کا یہ ہوا کہ عجیب بات تھی کہ جس دن یہ حرکت ہوتی اُس دن بلا کسی معقول وجہ کے پٹائی ہوجاتی، اس تجربہ نے دو تین دفعہ کے بعد ہی توبہ کرادی۔"

حدیث کی باقاعدہ تعلیم شروع ہونے کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ نے بیان فرمایا۔

"۲ محرم ۱۳۲۸ھ کو ظہر کی نماز کے بعد میری مشکوٰۃ شریف شروع ہوئی، والدصاحب نے خود ہی ظہر کی امامت بھی کی تھی کہ اس زمانہ میں نماز وہی پڑھایا کرتے تھے اور نماز کے بعد غسل فرمایا اور اس کے بعد اوپر کے کمرہ میں جو آج کل مہمان خانہ ہے اس میں دو رکعت نفل پڑھی پھر میری طرف متوجہ ہوکر مشکوٰۃ شریف کی بسم اللہ اور خطبہ مجھ سے پڑھوایا پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر ۱۵، ۲۰ منٹ تک بہت ہی دعائیں مانگیں۔ مجھے معلوم نہیں کیا کیا دعائیں مانگیں، لیکن میں اس وقت ان کی معیت میں صرف ایک ہی دعا کرتا رہا

کریا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا۔ اس کو مرنے تک
میرے ساتھ وابستہ رکھئے۔ اللہ جل شانہٗ نے میری ناپاکیوں، گندگیوں
سیئات کے باوجود ایسی قبول فرمائی کہ محرم ۳۲ھ سے رجب ۹۰ھ تک
تو اللہ کے فضل سے کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا جس میں حدیث پاک کا مشغلہ
نہ رہا ہو۔

آگے دور تک بس اس کی تفصیل ہے کہ مشکوٰۃ شروع ہونے کے بعد سے زندگی کے آخری
دنوں تک حدیث کا مشغلہ کس طرح مسلسل جاری رہا، اس میں پہلے کئی سال تک دورۂ حدیث
کی کتابیں پڑھنے کا ذکر ہے۔ پھر اسی دور میں آپ کے شیخ و مرشد حضرت سہارنپوری نور اللہ
مرقدہٗ نے ابوداؤد شریف کی شرح "بذل المجہود" کی تالیف کا کام شروع فرمایا اور حضرت شیخ الحدیثؒ
کو پہلے دن سے اس میں اپنا شریک اور معاون بنالیا۔ پھر مظاہر العلوم میں حدیث کے
خاص استاذ کی حیثیت سے حدیث کی کتابیں پڑھانے کا بھی سلسلہ شروع ہوگیا۔ اسی کے
ساتھ حدیث سے متعلق تالیف و تصنیف کا سلسلہ بھی، اور یہ دونوں سلسلے جاری رہے۔
(حضرت شیخ نے یہ سب اپنی طالب علمی کی سرگزشت کے ضمن میں بیان فرمایا ہے۔ (آگے
مظاہر علوم کی مدرسی کا بیان شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اب مدرّسی کی سنو! محرم ۳۵ھ کے شروع میں یہ ناکارہ مدرّس
ہوا۔ (آگے تنخواہ کے بارہ میں فرمایا ہے کہ) میرا ابتدائی تقرر میرے حضرت
قدس سرہٗ کی تجویز سے ۱۵؍ پر ہوا تھا۔ اعلیٰ حضرت (مولانا شاہ عبدالرحیم
رائے پوریؒ نے (جو مظاہر علوم کے سرپرستوں یعنی ارکان شوریٰ میں سے تھے)
فرمایا، قرضہ بہت ہے، شادی بھی عنقریب ہونے والی ہے، کم سے کم تنخواہ
۲۵؍ ہونی چاہیے۔ اس پر اصرار بھی فرمایا۔ مگر میرے حضرت نے فرمایا کہ مدرسہ
کی روایات کے یہ بھی خلاف ہے، اس لیے کہ مولانا منظور احمد صاحبؒ سہارنپوری
میرے سے پانچ برس پہلے کے مدرس تھے اور اُن کی اس وقت تنخواہ ترقیات
ہو کر ۱۲؍ تک پہنچی تھی، جو میرے تقرر کے ساتھ میری وجہ سے ۱۵؍ ہوئی تھی۔"

اس کے آگے حضرت شیخ نے اپنی مدرسی کے پہلے سال ۳۵ھ سے مظاہر علوم میں باقاعدہ تدریس کے آخری سال ۸۸ھ تک پورے ۵۴ سال کی اپنی پڑھائی ہوئی کتابوں کی سال وار فہرست لکھائی ہے کہ فلاں سنہ میں فلاں کتابیں پڑھائیں، اس میں قریبا ہر فن کی درسی کتابوں کا ذکر ہے۔ ابتدائی چند سالوں کے بعد ہی درس حدیث کا سلسلہ شروع ہوگیا، جو مظاہر علوم میں تدریس کے آخری سال ۸۸ھ تک مسلسل جاری رہا۔ (اس کے بعد حضرت شیخ کا مدینہ منورہ میں طویل قیام کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا اور مظاہر العلوم میں تدریس کا سلسلہ ختم ہوگیا تھا) اسباق کے سلسلہ میں مدرسی کے دوسرے ہی سال ادب کی دو کتابوں "مقامات حریری" اور "سبعہ معلقہ" کے سبق کا واقعہ جو دلچسپ بھی ہے، شیخ نے مزے لے لے کر بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے لیکن یہ عاجز محدود گنجائش کے پیش نظر اختصار و تلخیص پر مجبور ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ نے مدرسی کے دوسرے ہی سال ۳۶ھ میں اس وقت کے مظاہر علوم کے مہتمم صاحب سے اپنی یہ خواہش ظاہر کی کہ کوئی مضائقہ نہ ہو تو "مقامات حریری" کا سبق مجھ سے متعلق کر دیا جائے۔ مہتمم صاحب نے جو حضرت شیخ کے بزرگوں میں تھے۔ اس خواہش کو قبل از وقت سمجھتے ہوئے فرمادیا کہ ابھی تو دوسرا ہی سال ہے، خدا نے چاہا تو وقت آئے گا۔ مقامات بھی پڑھاؤ گے اور حدیث بھی پڑھاؤ گے۔ شیخ مایوس ہو گئے۔ مظاہر علوم میں اس دور میں مدرسین پر اسباق کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ مہتمم صاحب تعلیمی سال کے شروع میں اسباق کا نقشہ لے کر حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ کے سامنے بیٹھ جاتے (جو مظاہر علوم کے گویا انتظامی اور تعلیمی سربراہ تھے) اساتذہ بھی موجود ہوتے۔ مہتمم صاحب کتاب کا نام لیتے اور جس استاذ کے لیے مناسب سمجھا جاتا، ان کے نام پر وہ کتاب لکھ دی جاتی۔ اس دستور کے مطابق جب تقسیم اسباق کا کام ہونے لگا اور مہتمم صاحب نے "مقامات حریری" کا نام لیا تو مظاہر علوم کے پرانے اساتذہ میں جو مقامات وغیرہ ادب کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے، اتفاق سے ان میں سے کسی کا وہ گھنٹہ خالی نہیں رہا تھا جس میں مقامات کا سبق ہوتا تھا۔ اساتذہ میں سے ایک صاحب نے از خود شیخ الحدیث کا نام لے کر کہا کہ مقامات ان کے نام لکھ دی جائے۔ ایک دوسرے

استاد نے تائید فرمادی، بالآخر لکھ دی گئی۔ اس کے بعد جب "سبعہ معلقہ" کا نام لیا گیا تو اس وقت بھی یہی صورت پیش آئی، یہاں بھی قرعہ فال شیخ ہی کے نام پر نکلا وہ بھی ان کے نام پر خود مہتمم صاحب کے قلم سے لکھا گیا۔ (واضح رہے کہ سبعہ معلقہ ہمارے قدیم عربی مدارس کے ادبی نصاب کی آخری اور انتہائی کتاب ہے) اس موقع پر شیخ نے لکھا یا ہے کہ۔

"مقامات" پر تو کوئی شور شغب نہیں ہوا اس لیے کہ یہ جماعت مشکوٰۃ والوں کی جماعت تھی لیکن سبعہ معلقہ کی جماعت دورے کے بعد کی جماعت تھی اور یہ وہ لوگ تھے جو گزشتہ سال دورے میں میرے ساتھی تھے، اس لیے معلقہ کی جماعت نے بہت زور شور میرے خلاف ابتداءً کیا۔ (آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ) اس سیہ کار نے ایک تو مکاری یہ کی کہ کوئی نسخہ معلقہ کا مدرسہ سے نہیں لیا اور شرح بھی اپنے نام پر کوئی نہیں لی، ایک آدھ مولانا ظفر احمد صاحب اور ایک چچا جان کے نام پر (نکلوائی) اور معلقہ کے چند نسخے مختلف مطابع کے میرے تجارتی کتب خانہ میں تھے" (ان کا مطالعہ کر کے سبق کی تیاری کرتا تھا۔)

پھر اس معلقہ کے پڑھانے کا شیخ نے یہ انداز اختیار کیا تھا کہ سامنے کتاب بھی نہیں ہوتی تھی، معلقہ کے اشعار خود ہی حفظ پڑھتے اور ان کا ترجمہ اور حل لغات اور تحقیق و تشریح فرماتے۔ اس سلسلہ میں کبھی یہ بھی فرما دیتے کہ اس شعر کا مطلب معلقہ کے فلاں شارح نے یہ بیان کیا ہے لیکن میرے نزدیک یہ مطلب زیادہ اچھا ہے۔ اس طرز نے شیخ کی ادبیت کی دھاک بٹھا دی اور دھوم مچ گئی

اسی زمانہ کا ایک واقعہ جو ہم جیسوں کے لیے بڑا سبق آموز ہے۔ حضرت شیخ نے یہ بھی لکھایا ہے کہ انہی دنوں میں جب سبعہ معلقہ کے سبق کی وجہ سے میری ادب دانی کا چرچا ہوگیا تھا۔ ہمارے خاندانی بزرگ مولوی بدر الحسن صاحب جو لکھنؤ میں سب جج تھے، وطن کاندھلہ جاتے ہوئے سہارنپور تشریف لائے، انھوں نے بھی میری ادب دانی کی شہرت سنی تو

مرحوم کو بہت ہی مسرت ہوئی اور مجھ سے از راہ شفقت فرمایا کہ تیرے ادب کی بڑی تعریف سنی ہے۔ تیرے لیے مولوی فاضل کا امتحان دینا بہت آسان ہے، جلد از جلد امتحان کا فارم بھیج دے، اس میں تیری کامیابی یقینی ہے، اس کے بعد تجھے اپنے ساتھ لکھنؤ لے جاؤں گا اور چند مہینے انگریزی پڑھا کر زبان کا امتحان بی اے کا دلوا دوں گا، اس کے بعد علی گڑھ کالج کی ناظم دینیات کی ملازمت جو میری ایک تحریر پر مل سکتی ہے، تین سو روپے تنخواہ ہے، تجھے مل جائے گی — وہ خاندان میں سب سے بڑے شمار ہوتے تھے، ان کے سامنے سب اہل خاندان ادب کی وجہ سے چپ رہتے تھے، میں نے بہت ادب سے معذرت کر دی کہ سہارنپور چھوڑنے کا تو ارادہ نہیں۔ انھیں گراں ہوا، فرمایا بے وقوف ہے .... اگلے دن کاندھلہ جا کر میرے والد کے حقیقی ماموں اور میری اہلیہ مرحومہ کے حقیقی تایا مولوی شمس الحسن صاحب کو مجھے سمجھانے کے لیے بھیجا.... مغرب سے لے کر عشار کی اذان تک وہ مجھے سمجھاتے رہے، ان کے ارشاد کا خلاصہ یہ تھا کہ شادی ہو چکی ہے، ہمشیر کی شادی بھی کرنی ہے، ۸ ہزار کا قرضہ بھی ہے۔ پندرہ روپے تنخواہ میں کیا کیا کرے گا؛ میرے جواب کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ تو ہمیشہ سنا اور پڑھا اور جناب کو بھی اس سے انکار نہ ہوگا کہ مقدر میں جو ہے وہ تو مل کر رہے گا اور جو مقدر میں نہیں ہے وہ کہیں نہیں مل سکتا۔ میں جس ماحول میں ہوں اس میں اگر اپنی گندگیوں سے محفوظ ہوں۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہوگا، اس کم عمری میں عنفوان شباب میں علی گڑھ کے ماحول میں میرا محفوظ رہنا ناممکن ہے — وہ فرماتے تھے دنیا دار الاسباب ہے۔ اسباب کا حاصل کرنا ضروری ہے، محض مقدر پر نہیں رہا جا سکتا۔ میں نے عرض کیا بالکل صحیح فرمایا، اس میں ذرا تامل نہیں لیکن اسباب کے درجے میں دو سبب موجود ہیں، ایک مدرسہ کی ملازمت جو یقیناً محدود ہے

دوسرے کتابوں کی تجارت جس میں اللہ جل شانہ جتنا بھی عطا فرمادے کوئی تحدید نہیں۔ عشار کی اذان پر میرے مخدوم ومکرم نے یوں فرمایا۔ تو نے جو کچھ کہا اگر دل سے ہو تو تیرا منہ چوم لینے کے قابل ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ تو نے سب کچھ زبان زوری سے کہا ہے، میں نے عرض کیا دعا فرمادیں کہ اللہ جل شانہ اس کو دل سے بھی کردے"۔

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ بڑی بڑی تنخواہوں کی پیش کش کے سلسلہ کا حضرت شیخ کا یہ پہلا امتحان تھا، اس کے بعد بھی اس سے بہت بڑی بڑی تنخواہوں کی پیش کش سامنے آئی لیکن شیخ نے اس کو کبھی قابل غور بھی نہیں سمجھا اور مظاہر علوم کی مدرسی پر قانع رہے اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مدرسہ سے تنخواہ لینا بھی چھوڑ دیا اور بعد میں تو یہ کیا کہ ابتدائی چند سالوں میں جو تنخواہ لی تھی وہ بھی خوبصورتی کے ساتھ مدرسہ کو واپس فرمادی۔ اس کی کچھ تفصیل ناظرین کو گزشتہ صفحات سے معلوم ہو چکی ہے کچھ انشاء اللہ آئندہ معلوم ہو جائے گی۔

آپ بیتی میں بیان مظاہر علوم میں شیخ کی مدرسی کا چل رہا تھا۔ اس میں سبعہ معلقہ کے ذکر کے سلسلہ میں مولوی بدر الحسن صاحب اور مولوی شمس الحسن صاحب کے واقعہ کا تذکرہ آگیا تھا۔ آگے حضرت شیخ نے مدرسی کے سلسلہ کے اور بھی متعدد واقعات بیان فرمائے ہیں ان میں ایک واقعہ بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے جس کو راقم سطور اختصار کے ساتھ اپنے الفاظ میں ادا کرنے پر مجبور ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ مدرسی کے چھٹے ہی سال ۱۳۴۲ھ میں جب کہ ابھی مشکوٰۃ شریف پڑھانے کی بھی نوبت نہیں آئی تھی حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ نے خصوصی طور پر تجویز فرمایا کہ بخاری شریف کے چند پارے شیخ پڑھائیں، شیخ کو اس میں اس خیال سے تامل ہوا کہ بعض اساتذہ کو اس سے گرانی ہوگی۔ اس بنا پر مدرسہ کے مہتمم صاحب سے معذرت کردی، حضرت سہارنپوری کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے شیخ پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا کہ میرا کہنا نہیں مانا۔ شیخ نے معذرت کی اور عرض کیا کہ۔

"مجھے تو یہ خیال ہوا کہ مدرسہ کی بڑی بدنامی ہوگی، دوسرے مدرسہ والے کہیں گے

کر نوعمر لڑکے کو جس نے مشکوٰۃ بھی نہیں پڑھائی، بخاری دے دی۔ حضرت نے فرمایا کہ نوعمر لڑکے کو میں جانوں، دوسرے لوگ کیا جانیں... آج تک از ۱۳ تا ۱۵ پاروں کا اعلان اس سیہ کار کے نام ہوا۔"

اس واقعہ کے ذکر کے ساتھ ہی شیخ نے اپنی مدرسی کے اس دور کے مدرسین اور مدرسہ کے چھوٹے بڑے ملازمین کا یہ حال بیان فرماکر قلمبند کرایا ہے کہ۔

اس زمانے کے تقریبًا ہر مدرس اور ملازم کا یہ قانون اور طے شدہ مفروضہ تھا کہ ہمارا کوئی حق مدرسہ پر نہیں، جو مدرسہ کی طرف سے مل رہا ہے وہ اوّلاً اللہ کا احسان اور اس کا عطیہ ہے اور ثانیاً مدرسہ کا احسان ہے اور مدرسہ کا کام چاہے کتنا ہی معمولی سا ہو حتیٰ کہ درسگاہ میں جھاڑو تک دینے سے بھی مدرس کو عار نہیں تھا۔ اس زمانہ میں یاد نہیں کہ اسٹیج کے ڈھیلوں یا حمام کی لکڑیوں کو (گاڑیوں سے اتارنے) کے لیے کسی ملازم یا مزدور کو بلانے کی کبھی ضرورت پیش آئی ہو۔ میں نے دربان سے کہہ رکھا تھا کہ جب ڈھیلوں یا لکڑیوں کی گاڑی آوے اوپر درسگاہ میں مجھے اطلاع کردے۔ میں گھنٹے کے ختم پر ایک طالب علم کو مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیتا تھا کہ (ڈھیلوں یا لکڑیوں کی گاڑیاں آئی ہوئی ہیں، میں نیچے جارہا ہوں مولانا مرحوم بھی فورًا نیچے پہنچ جاتے اور ہم دونوں کو جاتے دیکھ کر دونوں کے یہاں کی (طلبہ کی) جماعتیں ایسی دوڑتیں کہ ہم سے پہلے وہاں پہنچ جاتے۔ ہم دونوں کو تو ایک پھیرا بھی مشکل سے کرنا ہوتا تھا کہ راستہ میں کوئی طالب علم چھین لیتا تھا۔ دو تین منٹ سے زائد گاڑیوں کے خالی ہونے میں نہیں لگتے تھے۔ بہت سی جزئیات اس نوع کی ملیں گی۔" (اس کے آگے بڑے دکھ کے ساتھ شیخ نے فرمایا ہے کہ) اب اس کے مقابل یہ منظر دیکھ کر کہ کسی ملازم سے یوں کہیں کہ پنکھا اٹھا دے تو وہ یہ سوچ کر کہ یہ میرا کام نہیں، اس کا معاوضہ کیا ہوگا، کسی کا یہ شعر یاد آجاتا ہے۔

ان نینوں کا یہی بسیکھ وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ

مظاہرعلوم کی صدرمدرسی اور عہدۂ نظامت سے گریز :

حضرت شیخ الحدیث کی ایک مزاجی خصوصیت یہ بھی رہی کہ عہدہ سے اور باضابطہ اقتدار کی ذمہ داری قبول کرنے سے ہمیشہ گریزاں رہے۔ مظاہرعلوم کی مدرسی کے زمانے کے واقعات بیان فرماتے ہوئے شیخ نے ذکر فرمایا ہے کہ جب حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ نے ۱۳۴۴ھ میں قیام کی نیت سے مع اہل وعیال حجاز مقدس جانے کا ارادہ فرمالیا تو اپنے زمانہ غیبت کے لیے مظاہرعلوم کے بارے میں جو انتظامات لکھوائے، ان میں شیخ الحدیثؒ کو صدرمدرس اور حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب کو (جو پہلے صدرمدرس تھے) ناظم مقرر فرمایا گیا تھا۔ اگرچہ یہ تحریر بصیغۂ راز لکھوائی گئی تھی، لیکن کسی طرح وہ شیخ کے علم میں آگئی۔ شیخ کے لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ اپنے شیخ ومرشد کی تجویز کو قبول کرنے سے انکار کرکے اُن کی ناراضی مول لیں، انھوں نے اس سے گریز اور فرار کی بڑی خوبصورت تجویز سوچی۔ صورتحال یہ تھی کہ ابوداؤد شریف کی شرح "بذل المجہود" جو حضرت سہارنپوری تالیف فرمارہے تھے، وہ اختتام کو نہیں پہنچی تھی۔ آخری جلدیں باقی تھیں اور حضرت مصنف پیری کی وجہ سے ایسے حال میں تھے کہ خود اس کی تکمیل نہیں فرما سکتے تھے، شیخ نے اس صورتحال کا صحیح اندازہ فرمالیا۔ فرماتے ہیں کہ :-

> میں نے بہت سوکھا سا منہ بنا کے یوں عرض کیا کہ حضرت بذل کا کیا ہوگا؟ حضرت قدس سرہٗ نے بہت قلق کے ساتھ فرمایا کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا ہوگا؟ تمھارے بغیر تو میں لکھ نہیں سکتا اور تمھارے جانے کی کوئی صورت نہیں۔ اہل وعیال ساتھ ہیں۔ طویل قیام ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت اب تو یہ خیال ہے کہ میں حجاز چلوں، حضرت قدس سرہٗ کا چہرہ مجھے خوب یاد ہے اس وقت خوشی سے کھل گیا.... فرمایا تمھارے خرچ کا کیا ہوگا ؟ میں نے عرض کیا حضرت اس کی تو بالکل فکر نہیں، میں ۳۸ھ میں بھی

قرض لے کر گیا تھا اب بھی لے لوں گا۔ فرمایا مدرسہ میں تمھاری تنخواہ بھی تو کچھ جمع ہے۔ (شیخ فرماتے ہیں) اس کی شرح یہ ہے کہ ۳۵ھ میں جب میں ملازم ہوا اور میری تنخواہ ۱۵ ہوئی تھی۔ اس وقت بڑے حضرت اقدس رائپوری شاہ عبدالرحیم صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے مدرسہ میں تو سفارش کی تھی کہ ۱۵ بہت کم ہے، کم از کم ۲۵ ہونی چاہیے اور مجھ سے یوں ارشاد فرمایا تھا کہ جب اللہ توفیق دے۔ مدرسہ کی تنخواہ چھوڑ دیجو۔ جس کا اثر یہ تھا کہ میرا حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کے ارشاد کی وجہ سے تو تنخواہ لینے کو بالکل جی نہیں چاہتا تھا مگر میرے حضرت قدس سرہٗ لیتے تھے۔ اگرچہ میرے والد صاحب نے کبھی نہیں لی، پھر بھی چونکہ میرے حضرت لیتے تھے اس لیے میں نہ لینا بے ادبی سمجھتا تھا، اس لیے کسی ماہ میں اِس کا غلبہ ہوتا کسی ماہ میں اُس کا بہرحال محرم ۳۵ھ سے شعبان ۴۴ھ تک نو سو پینتالیس روپے میری تنخواہ کے جمع تھے جو اس زمانے میں حج کے اخراجات سے بہت زائد تھے۔ حج کا خرچ اس زمانہ میں زیادہ سے زیادہ چھ سو روپے تھا۔ حضرت کے ذہن میں یہ تھا کہ "بقدر اخراجات لے کر بقیہ اہل و عیال کے خرچ کے لیے دے دئے جاویں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اس کا فکر نہ فرماویں خرچ کا انتظام ہو جائے گا، اس تنخواہ کا لینا تو جائز نہیں۔ حضرت نے فرمایا کیوں ؟ میں نے عرض کیا، جن مہینوں کی تنخواہ نہیں لی ان میں اس نیت سے پڑھایا کہ تنخواہ نہیں لوں گا، اب اس کے لینے کا کیا حق ہے۔ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تم نے کوئی درخواست مدرسہ کو دی ؟ تم اجیر تھے مدرسہ مستاجر تھا۔ تمھیں یک طرفہ فسخ اجارہ کا کیا حق جب تک کہ ہم قبول نہ کریں۔ (اس موقع پر شیخ نے اپنے کئی بزرگوں سے اس مسئلہ کے بارے میں اپنی بحث کا ذکر فرمایا ہے لیکن شیخ اپنے موقف پر قائم رہے۔ آگے فرماتے ہیں) تو میرے حضرت قدس سرہٗ نے بہت ہی شفقت سے فرمایا کہ بذل میرا ذاتی کام

تو نہیں۔ اگر میں سرپرستان (یعنی ارکان شوریٰ مظاہر علوم) کی منظوری سے میں تمھیں بکار مدرسہ اپنے ساتھ لے جاؤں اور آمدورفت کے خرچ کے علاوہ وہاں کے قیام کی تنخواہ مدرسہ سے دلواؤں تو تم کیا کہو گے؟ میں نے عرض کیا حضرت یہ عرض کروں گا کہ بالکل جائز ہے، ذرا تردد نہیں۔ حضرت نے فرمایا، تمھاری جمع شدہ تنخواہ تو اس سے بہت کم ہو گی جتنا کہ مدرسہ تم کو اس صورت میں دے گا میں نے کہا بالکل صحیح ہے۔ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا تم پھر یہی سمجھ لو۔ اس پر میں نے تنخواہ تو لے لی لیکن حضرت رائپوری کی نسبت کا اثر کچھ ایسا غالب تھا کہ مدینہ منورہ پہنچ کر میں نے سب سے پہلے مہتمم صاحب کو ایک خط لکھا جس میں اس تنخواہ کا تو کوئی ذکر نہیں کیا، البتہ یہ لکھا کہ میرا ارادہ ایک عرصہ سے مدرسہ کے ان حقوق کے معاوضہ میں جو مجھ پر ہیں مدرسہ میں ایک بڑی رقم پیش کرنے کا ہو رہا ہے، مگر آپ کو معلوم ہے مجھ سے جمع ہونا ناممکن ہے، اس لیے بالفعل میری طرف سے ایک ہزار روپے کا وعدہ اس طرح تحریر فرمائیں کہ اس ماہ جمادی الاولیٰ سے مبلغ پانچ روپے ماہانہ میری واپسی تک میرے کارکن مولوی نصیرالدین سے اور بعد واپسی کے تو دمجھ سے وصول فرماتے رہیں، اگر اس کے پورا ہونے سے قبل میرا انتقال ہو جائے تو اس وقت جس قدر رقم باقی ہو وہ میری وصیت ہے جو کہ متروکہ سے وصول کی جائے۔" الخ محررہ از مدینہ منورہ ۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ۔

اللہ کے فضل سے جب یہ رقم ادا ہو گئی تو مجھے رائے پوری غلبہ سے یہ خیال ہوا کہ اس سے پہلے زمانہ میں جو تنخواہیں لی ہیں وہ بھی واپس کر دی جائیں۔ اللہ نے وہ بھی واپس کرا دیں۔ فللہ الحمد والمنۃ۔"

یہاں ناظرین کے ذہنوں سے یہ بات اوجھل نہ ہونا چاہیے کہ حضرت شیخ الحدیث نے اس سفر حجاز کا اچانک فیصلہ دراصل صدر مدرسی کے عہدہ سے گریز و فرار ہی کے لیے کیا تھا، اگرچہ اس کی یہ برکت بھی ہوئی کہ حج کی سعادت کے علاوہ شیخ کو اپنے محبوب مرشد

حضرت اقدس سہارنپوری قدس سرہٗ کی معیت میں مدینہ منورہ طویل قیام کا موقع مل گیا۔ اور بذل المجہود بھی مکمل ہو گئی اور صدر مدرس حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوریؒ کو تجویز کر دیا گیا۔

عہدۂ نظامت سے گریز کا قصہ "آپ بیتی" میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

یہاں واپسی کے دو تین سال بعد (مظاہر علوم کے اہم ارکان شوریٰ اور مظاہر کی خاص اصطلاح میں سرپرستان) حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ شیخ رشید احمد صاحبؒ اور مولانا سر رحیم بخش صاحب تینوں کا مشورہ بعض امور کی بنا پر یہ ہوا کہ نظامت کے دو حصے کیے جائیں، ایک ناظم تعلیمات اور دوسرا ناظم مالیات۔ ناظم مالیات کا عہدہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ کے سپرد رہے (جو حضرت اقدس سہارنپوری قدس سرہٗ کے حجاز تشریف لے جانے کے بعد سے ان کی جگہ ناظم عمومی تھے) اور ناظم تعلیمات کا عہدہ اس ناکارہ کی طرف منتقل کیا جائے، اس تجویز کے وقت بھی اس ناکارہ نے بہت شدت سے اختلاف کیا مگر ان تینوں بزرگوں نے میرے شدید اختلاف کے باوجود یہ تجویز پاس کر کے احکام سرپرستان میں لکھ کر بقیہ حضرات سرپرستان سے بھی منظور کرالی، ان کی تشریف بری کے بعد میں نے الحاج شیخ رشید احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کو ایک زوردار خط لکھا جس میں میں نے لکھا کہ میرے اور ناظم صاحب (حضرت مولانا عبداللطیف صاحب) کے تعلقات اس قدر مضبوط اور بہتر ہیں کہ اگر ایک جان دو قالب کہا جائے تو بے محل نہیں ہوگا، ناظم صاحب میرا اس قدر لحاظ فرماتے ہیں کہ گویا مجھے بڑا بنا رکھا ہے اور وہ تو میرے استاذ ہیں۔ اس تجویز کے بعد تعلقات میں وہ خوشگواری ہرگز نہیں رہ سکتی جو پہلے تھی۔ یا تو اس تجویز کو منسوخ فرما دیں ورنہ انشاءاللہ آپ حضرات تلاش کرتے پھریں گے کہ زکریا نامی بھی کوئی شخص مظاہر علوم میں کبھی تھا۔

میرے اس خط پر شیخ صاحب کو اللہ ان کو بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے بہت غصہ آیا۔ ان کا والا نامہ آیا کہ "حکم نامہ پہنچا، ہم تو یہ سمجھے کہ سرپرست بھی آپ ہیں، ناظم بھی آپ ہی ہیں، جس سے جو کام لینا ہوا حکم نامہ لکھ دیا، آپ کے حکم کی تعمیل کردی گئی، میں نے مولانا عاشق الٰہی صاحب اور سر رحیم بخش صاحب کو لکھ دیا کہ یہ تجویز بعض مصالح کی بنا پر قابل عمل نہیں آئندہ اجتماع پر اس پر دوبارہ غور ہو جائے گا۔"

(یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد شیخ فرماتے ہیں) ان سب باتوں کے باوجود معلوم نہیں اس سیہ کار کے متعلق بعض احمقوں کو یہ خیال کیوں ہوتا تھا کہ میں نظامت پر قبضہ کرنا چاہتا ہوں۔"

تالیفات

حضرت شیخ الحدیث نے مظاہر کی مدرسی کے واقعات کے بعد آپ بیتی کے اسی دوسرے نمبر میں تاریخی ترتیب کے لحاظ سے اپنی تالیفات وتصنیفات کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ تعداد میں ۸۳ ہیں اور جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہوگا۔ ان میں مطبوعہ بھی ہیں اور غیر مطبوعہ بھی۔ ہر کتاب کے ذکر کے ساتھ حضرت شیخ نے اس کا مختصر تعارف اور زمانہ تالیف بھی لکھا یا ہے۔ یہاں ان کتابوں کے صرف نام ہی لکھے جاسکیں گے اور حسب گنجائش بعض کا بہت مختصر تعارف بھی۔

۱۔ شرح الفیہ اردو (غیر مطبوعہ) :۔ "الفیہ ابن مالک" نحو کی انتہائی اور مشکل کتاب ہے، منظوم ہے۔ اس میں ہزار شعر ہیں، شیخ نے اس کے پڑھنے ہی کے زمانے میں اس کی یہ شرح تین جلدوں میں لکھی تھی۔

۲۔ شرح سلّم اردو (غیر مطبوعہ) :۔ سلّم العلوم منطق کا مشکل ترین متن ہے۔ شیخ

نے ۱۳۳۲ھ میں اس کے پڑھنے ہی کے زمانے میں اس کی اردو میں یہ شرح لکھی تھی۔

۳۔ اضافہ براشکال اقلیدس ۔ (غیر مطبوعہ) :۔ ۱۳۳۳ھ میں اقلیدس پڑھنے ہی کے زمانے میں اقلیدس کی درسی کتابوں میں مذکور اور معروف شکلوں پر شیخ نے اپنی ذہانت وطباعی سے بہت سی نئی نئی شکلوں کا اضافہ کیا تھا۔

۴۔ تقریر مشکوٰۃ ۔ (غیر مطبوعہ) :۔ پہلے مشکوٰۃ شریف پڑھنے کے زمانہ میں اس کی مختصر شرح لکھی تھی، اس کے بعد مشکوٰۃ پڑھانے کے دور میں اس کی شروح وغیرہ سے اس میں بہت اضافے ہوتے رہے اور وہ ایک حد تک مکمل شرح ہوگئی۔

۵۔ تقاریر کتب حدیث : (غیر مطبوعہ) :۔ شیخ نے کتب صحاح اولاً اپنے والد ماجدؒ سے پڑھیں اس کے بعد مکرر حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ سے، اور ہر دو حضرات کی تقریریں لکھنے کا اہتمام فرمایا۔ یہ وہی مجموعہ ہے۔

۶۔ مشائخ چشتیہ : (غیر مطبوعہ)

۷۔ احوال مظاہر علوم : (غیر مطبوعہ)

۸۔ تلخیص البذل : (غیر مطبوعہ)

۹۔ شذرات الحدیث : (غیر مطبوعہ)

۱۰۔ جزء حجۃ الوداع والعمرات : (مطبوعہ) :۔ یہ حضرت شیخ کی اہم محققانہ تصانیف میں ہے اُردو میں ترجمہ بھی شائع ہوگیا ہے۔

۱۱۔ خصائل نبوی (مطبوع) : شمائل ترمذی کی اردو میں مقبول عام شرح ہے۔

۱۲۔ حواشی بذل المجہود (غیر مطبوع) ۱۳۔ تحفۃ الاخوان (مطبوع)

۱۴۔ شرح عربی جزری (غیر مطبوع) ۱۵۔ رسالہ دراحوال قراء سبعہ (غیر مطبوع)

۱۶۔ اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک چھ جلد (مطبوع)

۱۷۔ فضائل قرآن (مطبوع) ۱۸۔ فضائل رمضان (مطبوع)

۱۹۔ قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم (مطبوع) ۲۰۔ فضائل تبلیغ (مطبوع)

۲۱۔ الکوکب الدری (مطبوع)
۲۲۔ حکایات صحابہ (مطبوع)
۲۳۔ الاعتدال (مطبوع)
۲۴۔ مقدمات کتب حدیث (غیر مطبوع)
۲۵۔ فضائل نماز (مطبوع)
۲۶۔ فضائل ذکر (مطبوع)
۲۷۔ فضائل حج (مطبوع)
۲۸۔ فضائل صدقات (مطبوع)
۲۹۔ لامع الدراری ۳ جلد (مطبوع)
۳۰۔ فضائل درود شریف (مطبوع)
۳۱۔ اسٹرائک (مطبوع)
۳۲۔ آپ بیتی ۱ (مطبوع)
۳۳۔ اصول حدیث علی مذہب الحنفیہ (غیر مطبوع)
۳۴۔ الوقائع والدہور (غیر مطبوع)
۳۵۔ المؤلفات والمؤلفین (غیر مطبوع)
۳۶۔ تلخیص المؤلفات والمؤلفین (غیر مطبوع)
۳۷۔ جزء المعراج (غیر مطبوع)
۳۸۔ جزء وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم (غیر مطبوع)
۳۹۔ جزء افضل الاعمال (غیر مطبوع)
۴۰۔ جزء روایات الاستحاضۃ (غیر مطبوع)
۴۱۔ جزء رفع الیدین (غیر مطبوع)
۴۲۔ جزء الاعمال بالنیات (غیر مطبوع)
۴۳۔ جزء اختلافات الصلوٰۃ (غیر مطبوعہ)
۴۴۔ جزء اسباب اختلاف الائمہ (غیر مطبوع) [بعد میں طبع ہوگیا]
۴۵۔ جزء المبہمات فی الاسانید والروایات (غیر مطبوع)
۴۶۔ رسالہ التقدیر (غیر مطبوعہ)
۴۷۔ سیرت صدیقؓ (غیر مطبوع)
۴۸۔ رسالہ فرائد حسینی (غیر مطبوعہ)
۴۹۔ حواشی کلام پاک (غیر مطبوع)
۵۰۔ حواشی الاشاعۃ (غیر مطبوعہ)
۵۱۔ حواشی وذیل التہذیب (غیر مطبوعہ)
۵۲۔ حواشی اصول الشاشی وہدایہ وغیرہ (غیر مطبوع)
۵۳۔ حواشی مسلسلات (غیر مطبوعہ)
۵۴۔ جزء مکفرات الذنوب (غیر مطبوع)
۵۵۔ جزء ملتقط المرقاۃ (غیر مطبوعہ)
۵۶۔ جزء ملتقط الرواۃ عن المرقاۃ (غیر مطبوع)
۵۷۔ معجم المسند للامام احمد (غیر مطبوع)
۵۸۔ جزء المناط (غیر مطبوع)
۵۹۔ رسالہ مجددین ملت (غیر مطبوعہ)
۶۰۔ جزء صلوٰۃ الاستسقاء (غیر مطبوع)
۶۱۔ جزء صلوٰۃ الخوف (غیر مطبوع)
۶۲۔ جزء صلوٰۃ الکسوف (غیر مطبوع)
۶۳۔ جزء ما قال المحدثون فی الامام الاعظم (غیر مطبوع)
۶۴۔ تقریر نسائی شریف (غیر مطبوع)
۶۵۔ جزء تخریج حدیث عائشہ فی قصۃ بریرۃ (غیر مطبوع)

۶۶۔ جزاسرارالمدینہ (غیرمطبوع) ۶۷۔ جزطرق المدینہ (غیرمطبوع)
۶۸۔ جزمایشکل علی الحاجین (غیرمطبوع) ۶۹۔ جزالجہاد (غیرمطبوع)
۷۰۔ جزالنحۃ صلی اللہ علیہ وسلم (غیرمطبوع) ۷۱۔ مشائخ تصوف (غیرمطبوع)
۷۲۔ اولیات القیامہ (غیرمطبوع) ۷۳۔ محققات المشکوٰۃ (غیرمطبوع)
۷۴۔ ردّمودودیت (غیرمطبوع) ۷۵۔ مشرقی کا اسلام (غیرمطبوع)
۷۶۔ میری محسن کتابیں (غیرمطبوع) ۷۷۔ نظام مظاہرعلوم (غیرمطبوع)
۷۸۔ جامع الروایات والاجزا (غیرمطبوع) ۷۹۔ معجم تذکرۃ الحفاظ للذہبی (غیرمطبوع)
۸۰۔ تبویب تاویل مختلف الاحادیث لابن قتیبہ (غیرمطبوع)
۸۱۔ تبویب مشکل الآثار (غیرمطبوع)
۸۲۔ معجم الصحابۃ الذین اخرج عنہم ابو داوٗد الطیالسی فی مسندہ (غیرمطبوع)
۸۳۔ تبویب احکام القرآن للجصاص (غیرمطبوع)

مختصر تعارف کے ساتھ ان ۸۳ تالیفات کا ذکر فرمانے کے بعد حضرت شیخ نے لکھایا ہے کہ۔

"اب تک انھیں اجزا و رسائل کا پتہ چلا ہے۔ میرے اندازمیں پچیس[۲۵] تیس[۳۰] ابھی اور بھی ہیں، لیکن اپنی فضیلت کے اظہار کے واسطے اتنی بھی کافی ہیں، اللہ تعالیٰ اس ریاکاری کو معاف فرمائے۔"

آپ بیتی ۷ تالیفات کے بیان پر ختم ہوگئی ہے۔ اب آگے نمبر ۳ پر بھی اسی طرح ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے۔

انتخاب آپ بیتی نمبر(۳)

اس سیہ کار کی چند بری عادتیں :

یہ پہلا عنوان ہے جس کے تحت حضرت شیخ نے اپنی بعض عادات کا ذکر فرمایا ہے۔
اس سلسلہ میں سب سے پہلے اپنے اس طرز عمل کا ذکر فرمایا ہے کہ جس درجہ کے بھی احباب، اکابر یا اصاغر بطور مہمان تشریف لاتے تو پہلی ملاقات میں اکابر سے احترام وادب کے ساتھ اور اصاغر واحباب سے شفقت ومحبت سے دریافت فرماتے کہ "کیا نظام ہے ؟ (مطلب یہ ہوتا کہ کتنے قیام کا ارادہ ہے ؟) اس کا مقصد یہ ہوتا کہ ان کا نظام معلوم ہو جانے پر اُن کے حق اور مقام ومرتبہ کا لحاظ فرماتے ہوئے اپنا پروگرام بنا لیا جائے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی عام اصول ومعمول تھا کہ کسی سے مزید قیام کے لیے فرمائش نہ کرتے کہ ان کو گرانی یا کوئی حرج نہ ہو۔ ناواقفوں کو اس سے یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی اور ہوتی تھی کہ شیخ نہیں چاہتے کہ مہمان کچھ زیادہ قیام کرے۔ حالانکہ شیخ نے یہ اصول صاف دلی اور بے تکلفی کی بنیاد پر مہمانوں کی راحت ہی کے لیے اپنا رکھا تھا۔ اپنے اس معمول اور عادت کے بہت سے سبق آموز واقعات بھی شیخ نے لکھائے ہیں۔ ان میں سے صرف دوچار یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

شدید گرمی کا موسم جون کا مہینہ تھا، سہارنپور میں تبلیغی اجتماع بھی ہو رہا تھا، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب علیہ الرحمہ بھی تشریف لائے ہوئے تھے کہ حضرت رائے پوری قدس سرہٗ رات کی ٹرین سے پاکستان سے سہارنپور تشریف لائے (یہ ملحوظ رہے کہ شیخ کے دل میں حضرت ممدوح کی انتہائی عظمت ومحبت تھی، اس کے باوجود) شیخ نے اپنے اصول ومعمول کے مطابق حضرت قدس سرہٗ سے دریافت کیا کہ حضرت کیا نظام ہے ؟ فرمایا کہ کل اور پرسوں دو دن سہارنپور کے لیے طے کر کے آیا ہوں، تیسرے دن جیسا آپ کا

ارشاد ہو۔ شیخ فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کل کا قیام بھی نہیں، صبح کی اذان کے بعد اپنی جماعت کریں، چائے تیار ملے گی، مدرسہ کی جماعت سے پہلے تشریف لے جائیں لوگوں کو میرے اس طرز عمل پر غصہ بھی آیا لیکن میں نے صبح کی اذان کے بعد چلتا کر دیا۔ شیخ فرماتے ہیں۔

"میں نے حضرت سے عرض کیا جون کا مہینہ گرمی کی شدت، ہمارے ہاں راحت کی کوئی جگہ نہیں، اور یہ تبلیغ والے رات کو جلسے میں تھوڑی دیر کے لیے (برکت کے واسطے) شرکت کی خواہش اور درخواست مجھ سے کرائیں گے۔ پرسوں جلسہ ختم ہو جائے گا۔ ظہر کے وقت میں اور عزیز یوسف رائے پور حاضر ہوں گے دو دن قیام کریں گے۔ (آگے شیخ نے لکھایا ہے)۔ دو دن تک رائے پور سے ہر آنے والے سے سنتا رہا کہ حضرت اقدس نے لا تعد ولا تحصیٰ دعائیں دیں اور ہر آنے والے سے فرماتے کہ میرا تو (سہارنپور میں) دو دن قیام کا ارادہ تھا مگر شیخ نے نہ مانا، محبت اس کا نام ہے، میری راحت کو اپنی خواہش پر غالب کر کے رکھا۔ اللہ تعالیٰ بہت بلند درجے عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ اُن کو بھی ایسی ہی راحت دے۔"

حضرت شیخ کو معاصر بزرگوں میں سب سے زیادہ تعلق حضرت رائے پوریؒ اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے تھا اور جیسا کہ آپ بیتی سے معلوم ہوتا ہے (اور راقم سطور کا ذاتی علم و مشاہدہ بھی یہی ہے کہ) محبت اور بے تکلفی کا تعلق حضرت مدنی کے ساتھ سب سے زیادہ تھا۔ ان کے بھی متعدد واقعات شیخ نے اس سلسلہ میں لکھائے ہیں۔ ایک دو یہاں بھی پڑھ لیے جائیں۔ فرماتے ہیں۔

"ایک مرتبہ دسمبر کا مہینہ تھا، (ضلع سہارنپور ہی میں نانوتہ کے قریب ایک گاؤں) آبھ تشریف لے گئے، دوسرے دن مغرب کے بعد حضرت قدس سرہٗ آبھ سے واپس تشریف لائے، اس قدر زوردار طوفانی بارش کہ کمرہ سے باہر پاؤں رکھنا مشکل، اتنی ہی زوردار سردی اور حضرت کو شدت سے بخار آتے ہی فرمایا

کہ مغرب نہیں پڑھی ہے۔ بشلیہ وغیرہ کپڑے سب بھیگ رہے تھے۔ میں نے جلدی سے لنگی پیش کی، کپڑے اتارے، لنگی اور چادر میں حضرت نے نماز پڑھی۔ میں نے دو انگیٹھیاں بھروا کر منگوائیں اور عزیزم مولوی نصیر الدین بغیر کہے چائے تیار کر کے لے آیا، چائے کی پیالی پیش کی اور میں نے اپنی بری عادت کا مظاہرہ کیا، عرض کیا۔ حضرت نظام سفر؟ ارشاد فرمایا خیال تھا کہ اسی وقت ساڑھے دس کی گاڑی سے دیوبند چلا جاؤں۔ میں نے عرض کیا بہتر ہے۔ مگر ایک منٹ کے سکوت کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت بارش بڑی زور کی ہو رہی ہے، سردی بھی زوروں پر ہے، بخار بھی شدت سے ہے، معلوم نہیں کہ دیوبند اس گاڑی کی اطلاع بھی ہے یا نہیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اطلاع تو نہیں ہے لیکن اگر سواری نہ ملی تو اسٹیشن کی مسجد میں لوگ رہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا جیسی رائے ہو۔ مگر اس وقت میں اور صبح چھ بجے میں کوئی زیادہ فرق تو ہے نہیں۔ حضرت قدس سرہٗ نے نہایت تبسم سے ارشاد فرمایا۔ فرق تو کچھ نہیں ہے۔ یہ دیکھنا تھا کہ آپ ان حالات میں کیا ارشاد فرمائیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ وہ تو حضرت نے ملاحظہ فرما لیا، میں عرض کر چکا ہوں کہ بہتر ہے جیسی رائے ہو۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ نہیں صبح ہی کو جاؤں گا، صرف تمھیں دیکھنا تھا۔"

حضرت مدنی کا دوسرا ایک واقعہ یہ بھی بیان فرمایا ہے۔

"ایک مرتبہ حضرت قدس سرہٗ لکھنؤ سے تشریف لا رہے تھے، ۱۱ بجے رات کو تار ملا میں اسی وقت اسٹیشن حاضر ہوا۔ بارہ بجے گاڑی آئی، میں نے مصافحہ کے ساتھ پوچھا حضرت نظام؟ ۔ فرمایا اسی وقت ڈیڑھ بجے کی گاڑی سے دیوبند جانے کا ارادہ ہے۔ میں نے عرض کیا وہاں کوئی اطلاع ہے؟۔ فرمایا کہ وہاں کوئی اطلاع نہیں دی ہے کہ تار دیر میں پہنچتا ہے۔ میں نے پوچھا اس وقت دیوبند کے اسٹیشن پر سواری ملے گی؟۔ ارشاد فرمایا

نہیں ۔ میں نے کہا تو پھر مدرسہ (یعنی مکان پر) تشریف لے چلئے ۔ ارشاد فرمایا کہ تم اپنے اصول کے خلاف کیوں کہتے ہو ؟ میں نے عرض کیا حضرت میرا اصول اکابر اور مہمانوں کی راحت کے واسطے ہے ، کوئی مصیبت کے واسطے نہیں ۔ حضرت نے خوب تبسم فرمایا اور تشریف لے آئے ۔

شیخ نے اپنی عادات کے سلسلہ میں مٹھائی سے بے رغبتی اور گوشت کی انتہائی رغبت وشوق کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اس سلسلہ کے بھی متعدد دلچسپ واقعات بیان فرمائے ہیں ، صرف ایک یہاں بھی پڑھ لیا جائے ۔ فرماتے ہیں ۔

"اس ناکارہ کو ہمیشہ سے بہت بچپن سے ۹ ر ذی الحجہ کے روزے کی عادت رہی اور اس میں افطار کے بعد ایک پیالی چائے کے علاوہ کچھ نہیں کھاتا تھا ، اس لیے کہ کل کو اللہ تعالیٰ کے ہاں دعوت ہے ۔ میرے سب گھر والے بھی اس کے عادی ہو گئے تھے کہ ایام النحر ۱۰ تا ۱۲ ر ذی الحجہ میرے گھر میں روٹی نہ پکتی تھی نہ آتی تھی (اب تو ۸ - ۱۰ برس سے مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے یہ معمول چھوٹ گیا) اور میرا ایک تفریحی فقرہ بھی بہت مشہور تھا کہ اگر قربانی کے گوشت کے ساتھ روٹی بھی دعوت کا جز ہوتی تو صدقۃ الفطر بھی ایام اضحیٰ میں ہوتا ۔"

عادات ہی کے سلسلہ میں شیخ نے اس کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ اگرچہ میرے فلاں فلاں اکابر لوگوں کے معاملات میں سفارش کو کار خیر سمجھتے ہوئے اس کے بارے میں بڑے بڑے متوسع اور سخی رہے ہیں لیکن مجھ کو اس سے سخت وحشت ہے ، کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ جس کو آدمی کسی وجہ سے بڑا سمجھتا ہے اس کی سفارش کو حکم سمجھتا ہے اور بہرحال اس کی تعمیل کرنا چاہتا ہے اس لیے میں اس سے بہت بچتا اور پرہیز کرتا ہوں ۔ اس سلسلہ میں شیخ نے لکھا ہے کہ ۔

"ملک کی تقسیم (۱۹۴۷ء) سے پہلے (سہارنپور میں) مسلمان حاکم بکثرت آتے تھے اور جو مسلمان حاکم آتا وہ آنے سے پہلے کہیں سے اس سیہ کار کا

نام سن لیتا تھا اور بہت جلد ملاقات کے لیے آتا تھا۔ میرا ہمیشہ یہ دستور رہا کہ ابتدائی ملاقات میں اس کا بہت اعزاز کر کے بڑے اکرام واحترام کے ساتھ اس سے درخواست کرتا کہ آئندہ کرم فرماویں۔ وہ بہت تعجب سے پوچھتے کہ کیوں؟ میں اُن سے کہتا کہ آپ تو حاکم ہیں، آپ کے پاس تو لوگوں کی رسائی مشکل اور اس غریب پر ہر شخص مسلط ہوگا کہ جج صاحب، ڈپٹی صاحب، منصف صاحب تیرے یہاں آتے ہیں، ان کے لیے سفارش لکھ دے، یہ ناکارہ مصیبت میں پھنس جاوے گا۔

حوادث اور شادیاں : یہ آپ بیتی ۷ کا دوسرا عنوان ہے، اس سلسلہ میں شیخ نے فرمایا ہے، میری انھیں بری عادتوں میں سے ایک بری عادت شادیوں میں شرکت سے نفرت، لیکن اس کے بالمقابل جنازوں میں شرکت کی رغبت واہمیت ہے۔ (آگے شیخ نے اس سلسلہ کے چند واقعات لکھوائے ہیں۔ فرماتے ہیں۔)

والد صاحب کے انتقال اور میری ابتدائی مدرسی کے بعد سے لے کر ۱۹۴۷ء کے تقسیم ہند کے ہنگامے تک، مدرسہ کا کوئی طالب علم چاہے دارالطلبہ میں رہتا ہو چاہے شہر کی کسی مسجد میں، ایسا نہیں رہا ہو گا جس کو (انتقال کے بعد) نہلانے اور کفنانے میں یہ ناکارہ مستقلاً شریک نہ ہوا ہو۔ بالخصوص جن طلبہ کو چیچک نکلی ہو (اور اسی میں انتقال ہوا ہو) ان کو اپنے ہاتھ سے غسل دینا، اپنے ہاتھ سے کفن پہنانا، قبرستان میں دفن تک شریک رہنا۔

البتہ اس سلسلہ میں ایک بری عادت یہ بھی رہی کہ (سفر کر کے) تعزیت میں آنے والے اچھے نہیں لگے۔ الاماشاءاللہ۔ حضرت مدنی، حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدھما جیسے تو مستثنیٰ تھے کہ ان کی آمد سے واقعی تعزیت ہوتی تھی لیکن عام آدمیوں کو نہایت شدت سے منع کر دیتا تھا۔

میری زندگی کا سب سے اہم ابتدائی واقعہ میرے والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا حادثۂ انتقال تھا جو ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ کو ہوا۔ ان کے ذمہ انتقال کے وقت آٹھ ہزار روپے قرض تھے ... مجھ پر ان کے قرض کا بہت ہی بوجھ تھا کہ اللہ جل شانہٗ کے یہاں مطالبہ نہ ہو۔ میں نے چچا جان کے مشورہ سے دوستوں کو بہت سے کارڈ لکھے کہ میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ان کے ذمہ جو قرض تھا وہ آج سے میری طرف منتقل ہوگیا۔ یہاں آنے کی ہرگز ضرورت نہیں، وہیں سے دعائے مغفرت و ایصال ثواب اپنی وسعت کے مطابق کرتے رہیں[1]۔ جن سے کچھ لین دین تھا ان کے خط میں یہ اضافہ بھی ہوتا تھا کہ آپ کا والد صاحب کے ذمہ کچھ قرض ہو تو اس کی تفصیل سے مطلع کریں۔" (اس کے آگے شیخ نے کئی ورق میں تفصیل سے لکھا یا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرضہ کس سہولت سے کس طرح ادا کرایا۔)

آگے اپنی والدہ صاحبہ مرحومہ کے انتقال کے واقعہ کا ذکر فرماتے ہوئے (جو ۲۵ رمضان مبارک ۱۳۳۵ھ کو ہوا تھا) بیان فرمایا ہے کہ۔

اگلے دن میں نے بہت مخصوص لوگوں کو خط لکھوائے کہ میری والدہ کا انتقال

---

[1] حضرت شیخ نے آپ بیتی ہی میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت والد ماجد کی وفات پر تعزیت کی مد میں جو لوگ آتے رہے ہیں ان کے لیے بازار سے کھانا، پوری کچوری وغیرہ جو بازار میں دستیاب ہو سکا منگواتا رہا۔ قریباً چار سو روپے کا کھانا بازار سے منگوانا پڑا۔ راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اس وقت کے چار سو قوت خرید کے لحاظ سے آج کے دس ہزار سے کم نہ تھے۔ اس میں ذرا مبالغہ نہیں ہے حساب لگایا ہوا ہے۔ بلا شبہ اس طرح سفر کر کے تعزیت کے لیے آنے والے سکون و تسلی کے بجائے باعث زحمت ہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے۔)

ہوگیا۔ رمضان میں ہرگز آنے کا ارادہ نہ کریں، دعائے مغفرت ایصال ثواب سے مجھے ممنون و مسرور فرمائیں۔

حضرت شیخ نے اسی سلسلہ میں اپنے چچاجان حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے سانحۂ وصال کا ذکر کرتے ہوئے لکھایا ہے۔

جب میرے چچاجان نور اللہ مرقدہٗ کا ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ (۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء) وصال ہوا تو میں نظام الدین میں تھا۔ ایک مشترک کارڈ (مدرسہ مظاہر علوم کے اکابر اساتذہ) حضرت مولانا عبداللطیف صاحب، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کے نام لکھا کہ آپ حضرات میں سے کوئی نظام الدین تکلیف فرمانے کا ارادہ نہ کریں میں خود ہی کل یا پرسوں حاضری کا ارادہ کر رہا ہوں اور ایک تحریر اپنے مشہور معروف مضمون کی لکھواکر مدرسہ (مظاہر علوم) کے بورڈ پر لگوادی۔ نیز میرے نظریہ اور مضمون کی روشنی میں نظام الدین کے حضرات کی طرف سے آفاق عالم میں مختصر اور مفصل خطوط لکھے گئے کہ نظام الدین میں آنا محض رسمی تعزیت ہے۔ اصل تعزیت وہ کام ہے اور اس میں ہمارا ہاتھ بٹانا ہے جس میں (جان کھپاتے ہوئے) چچاجان تشریف لے گئے اس کا اللہ کے فضل سے بہت اچھا اثر ہوا کہ اتنی کثرت سے جماعتیں نکلیں کہ حضرت چچاجان کی حیات میں یک وقت اتنی نہ نکلی تھیں۔"

حضرت شیخ نے حوادث ہی کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے حادثۂ وفات کا ذکر فرمایا ہے۔ مولانا مرحوم مغفور اپنی تبلیغی جدوجہد کے سلسلہ میں پاکستان کے مختلف علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد لاہور پہنچے تھے۔ لاہور سے سہارنپور آمد کے لیے ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ (۲ اپریل ۱۹۶۵ء) یوم جمعہ کی اطلاع تھی۔ اسی جمعہ کے بارے میں شیخ نے لکھایا ہے۔

میں جمعہ کی نماز کے بعد کھانا کھاکر سونے کے لیے لیٹا تھا کہ ۴ بجے کے

قریب عزیز طلحہ نے مجھے اٹھایا اور کہا کہ صابری صاحب کا آدمی کھڑا ہے لاہور سے فون آیا ہے کہ ماموں حضرت کا انتقال ہوگیا۔ موت کے لیے تو نہ کوئی وقت ہے نہ اس میں کوئی استبعاد، میں اٹھ کر وضو کرکے مدرسہ کی مسجد میں جا بیٹھا اور نماز کی نیت باندھ لی، اس لیے کہ طلحہ کی اس اطلاع کے ساتھ ساتھ چاروں طرف سے ہجوم نے گھیرنا شروع کر دیا اور مجھے ایسے وقت میں اس طرح کی لغو باتوں سے کہ کیا ہو گیا، کیا بیمار تھے، کب ہوا، کون خبر لایا؟ بہت ہی وحشت ہوتی ہے۔ ایسا اہم قیمتی وقت بہت ہی مبارک ہوتا ہے جس میں طبیعت منقطع عن الدنیا مستقبل الی الآخرۃ ہوتی ہے۔ اس وقت کی تلاوت بھی قیمتی، ذکر و فکر بھی قیمتی۔ مجمع بڑھتا ہی چلا گیا اور میں نے تکبیر تک سلام پھیرنے ہی نہ دیا، عصر کی تکبیر پر سلام پھیرا اور گھر جاکر وہاں خبر پہنچ چکی تھی، میں نے زنانہ دروازہ پر آکر گھبرائی ہوئی آواز میں کہا کہ وہ حادثہ تو تم نے سن ہی لیا بہت مشغول رہنا۔ تمھارے پاس عشاء کے بعد آؤں گا۔ اس سے پہلے پڑھنے پڑھانے میں لگی رہو۔ (اسی سلسلہ میں شیخ نے لکھایا ہے) میرے گھر کی سب بچیوں کو اللہ بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائے، مرضیات پر عمل کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے نامرضیات سے حفاظت فرمائے وہ اس کی خوب عادی ہو چکی ہیں کہ وہ ایسے موقع پر تلاوت یا تسبیح لے کر بیٹھ جاتی ہیں اور ہر آنے والی کو زائد تسبیح رکھی ہو تو وہ ورنہ اپنے ہاتھ کی تسبیح دے دیا کرتی ہیں اور خود بغیر تسبیح کے شروع کر دیتی ہیں کہ اس کی عادی ہیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے حادثۂ وفات کے بعد شیخ نے اپنے ان خاص اکابر مشائخ کے حادثات وفات کا اور ہر ایک سے متعلق اپنے تاثرات اور اہم واقعات کا ذکر فرمایا ہے جن سے حضرت کا خاص تعلق رہا۔ ان میں سب سے پہلے حضرت اقدس گنگوہی

قدس سرہٗ کے حادثۂ وفات کا ذکر فرمایا ہے اور اس وقت آٹھ برس کی عمر میں جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا تھا وہ لکھوایا ہے۔ اس کے بعد حضرت اقدس کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ کے حادثۂ وفات کا اور اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت و توفیق سے جنازہ اور تدفین میں شرکت کی سعادت کا بیان فرمایا ہے۔

اس کے بعد ۱۳۳۹ھ میں حضرت شیخ الہندؒ کے وصال کے موقع پر ایسے طور پر جس کو لطیفۂ غیبی ہی کہا جا سکتا ہے حضرت کے پاس پہنچ جانے اور نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کا ذکر فرمایا ہے۔ بہت ہی عجیب وغریب اور اس وجہ سے قابل ذکر واقعہ ہے۔ (حضرت شیخ الہندؒ مرض وفات کے آخری ایام میں دہلی ڈاکٹر انصاری مرحوم کی کوٹھی پر تھے۔ ٹھیک انہی دنوں میں امروہہ (ضلع مرادآباد) میں شیعہ سنی مناظرہ طے ہو چکا تھا اور اس سلسلہ میں حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کے علاوہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ بھی وہاں تشریف لے گئے تھے۔ حضرت سہارنپوریؒ کو ایک خاص ضرورت سے حضرت شیخ الہندؒ کو ایک پیغام بھیجنے کی ضرورت پیش آئی۔ حضرت شیخ الحدیث بطور خادم ساتھ تھے۔ مختصر سا پرچہ لکھ کر انہی کو حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں دہلی بھیجا۔ (اللہ کی شان) یہ حضرت شیخ الہند کی دنیوی زندگی کا آخری دن تھا۔ شیخ فرماتے ہیں۔

> میں مغرب کے قریب حضرت کی قیام گاہ پر پہنچا تو حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ پر مرض کا شدید حملہ تھا (پرچہ) پیش کرنے کی نوبت بھی نہیں آئی، دوسرے دن صبح کو وصال ہو گیا۔ (آگے بیان فرمایا ہے کہ) حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی نماز جنازہ دہلی میں میرے چچا جان نے پڑھائی اور حضرت کے حقیقی بھائی مولانا حکیم محمد حسن صاحب نے اس نماز میں شرکت نہیں کی، انھوں نے دیوبند آنے کے بعد نماز جنازہ پڑھائی۔ (حضرت شیخ الحدیث) جنازہ کے ساتھ دہلی سے دیوبند بھی آئے اور تدفین میں بھی شرکت نصیب ہوئی، بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت

وعنایت ہی کا کرشمہ تھا۔)

حضرت شیخ الحدیث نے حضرت شیخ الہند کے حادثہ وفات کے ذکر کے بعد اپنے شیخ ومرشد حضرت سہارنپوری کے حادثۂ وصال کا ذکر فرمایا ہے جو مدینہ منورہ میں ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ میں ہوا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی شان "فعال لما یرید" کا بالکل دوسری طرح ظہور ہوا۔ شیخ فرماتے ہیں۔

یہ ناکارہ ۱۳۳۵ھ سے سفراً وحضراً ہر وقت کا حاضر باش لیکن وصال کے وقت دور کر دیا گیا کہ ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ میں مدینہ منورہ سے میری واپسی ہوئی اور ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ بروز چہارشنبہ جبکہ عرب میں ۱۶ اور ہندستان میں ۱۵ تاریخ تھی میرے حضرت قدس سرہٗ نے مدینہ پاک میں وصال فرمایا، مولانا طیب مغربی صدر مدرس مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ نے مصلی الجنائز میں نماز پڑھائی۔

اس کے بعد حضرت شیخ نے حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے حادثۂ وفات اور نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کا ذکر فرمایا ہے۔

حضرت کی علالت میں حاضری تو بار بار اور اکثر ہوتی رہی۔ ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ روز سہ شنبہ علی الصبح میں اپنے کمرہ میں تھا۔ بھائی اکرام نے اوپر پہنچ کر حادثہ کی اطلاع کی اور میں اسی حال میں اٹھا کہ سیدھا اسٹیشن دوڑ گیا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ گاڑی بس چھوٹ رہی ہے ٹکٹ لے کر چلتی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ مولانا ظفر احمد صاحب نے عیدگاہ میں نماز پڑھائی۔ وصال سے چند روز پہلے اس دار الحزن والمحن سے طبیعت اکتا گئی تھی۔ کئی مرتبہ فرمایا۔ یا اللہ میں اس سنڈاس میں کب تک پڑا رہوں گا۔"

اس کے بعد شیخ نے حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نور اللہ مرقدہٗ کے حادثۂ وفات کا ذکر فرمایا ہے۔ چونکہ اس کی نوعیت بھی بظاہر ایک لطیفۂ غیبی کی سی ہے، اس لیے اس کا

اقتباس بھی یہاں نذر ناظرین کیا جارہا ہے۔ فرماتے ہیں۔
حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہ ایک سفر سے سہارنپور واپس تشریف لائے اور اس ناکارہ سے ارشاد فرمایا کہ حضرت میرٹھی کی شدت علالت کی خبریں سنی جارہی ہیں خیال ہے کہ رائے پور جانے سے پہلے حضرت میرٹھی کی عیادت بھی کرتا جاؤں بشرطیکہ تو بھی ساتھ ہو، میں نے قبول کرلیا اور یہ قرار پایا کہ اتوار کے دن دیوبند چلیں شب کو وہاں قیام رہے۔ پیر کی صبح میرٹھ چلے جاویں۔ چنانچہ اتوار کے دن ظہر کے وقت دیوبند حاضری ہوئی اور پیر کی صبح کو حضرت مدنی سے میرٹھ جانے کی اجازت چاہی، حضرت نے اپنی عادت شریفہ کے مطابق اجازت میں تامل فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ آج عقیقہ ہے، ابھی بکرے کٹواتا ہوں، اس کا گوشت کھا کر دس بجے کی گاڑی سے چلے جانا، (یہ عقیقہ عزیزم مولوی ارشد سلمہٗ کا تھا) مگر نہ معلوم علی الصبح میرٹھ جانے کا فوری تقاضا میری طبیعت پر اور مجھ سے زیادہ حضرت رائے پوری کی طبیعت پر کیوں ہوا۔ اور بہت ہی گرانی اور طبیعت کے تکدر سے حضرت مدنی سے جانے کی اجازت لی۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ صبح ۲ بجے مولانا میرٹھی کا انتقال ہو چکا اور مجھے دو تار سہارنپور دئے جا چکے ہیں۔ ایک حادثہ کی اطلاع کا، دوسرا نماز جنازہ میں انتظار کا۔ جنازہ اس ناکارہ کے انتظار میں رکھا ہوا تھا۔ جنازہ کی نماز ہوئی۔ ظہر سے پہلے ہی تدفین ہو گئی (تاریخ یکم شعبان ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۵ اگست ۱۹۴۱ء تھی) معلوم ہوا کہ حضرت میرٹھی نے اس سیہ کار کے لیے نماز جنازہ کی وصیت فرمائی تھی۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب نوراللہ مرقدہ کے حادثۂ وفات کے تذکرہ کے بعد حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت منشی رحمت علی

کے حادثۂ انتقال کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

عجائب قدرت میں اس ناکارہ کا منشی رحمت علی صاحب کے انتقال میں شرکت بھی ہے، حالانکہ ان کی زندگی میں باوجود اپنی اور ان کی خواہش کے کبھی حاضری نہ ہوئی۔ ان کی شدت علالت کی خبر پر حضرت اقدس مولانا عبد القادر رائے پوری نے تشریف لے جانے کا ارادہ کیا اور اس سیہ کار کو بھی ہم رکاب چلنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ دس پندرہ روز پہلے حاضری ہوگئی۔ منشی صاحب رموز و اسرار پر بہت کلام فرماتے تھے، تعبیر خواب میں خاص ملکہ تھا۔ شب یکشنبہ ۱۲ رجمادی الاخری ۱۳۵۱ھ میں جالندھر میں وصال فرمایا۔

اس کے بعد حضرت شیخ نے حضرت مدنی قدس سرہٗ کے حادثۂ وفات کا ذکر بڑی تفصیل سے اور بڑے تاثر کے ساتھ فرمایا ہے۔ رمضان ۷۶ھ میں حضرت کا قیام بانسکنڈی (آسام) میں تھا وہیں سے مرض کا آغاز ہوا۔ درمیان میں افاقہ بھی ہوتا رہا اور حضرت نے اپنے خاص مزاج اور عالی ہمتی کے مطابق دار العلوم میں حسب معمول صحیح بخاری کا درس بھی دینا شروع فرمادیا، اسی حال میں اللہ کے بندوں کی دینی خدمت اور تذکیر کے لیے دور دراز کے اسفار بھی فرماتے رہے۔ پھر وہ وقت آیا کہ مرض اس درجہ غالب ہوا کہ حضرت صاحب فراش ہوگئے۔ بہت اہتمام سے ہر طرح کے علاج معالجہ کا سلسلہ بھی جاری رہا اور مرض میں کبھی تخفیف اور کبھی شدت ہوتی رہی، آخری ایام میں بظاہر افاقہ محسوس ہوتا تھا اور سب اہل تعلق کو اچھی امید تھی ۔ حضرت شیخ نے ان سب مرحلوں کو پوری تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ آخر میں حضرت شیخ نے لکھا ہے۔

روزانہ صحت کے اضافہ کی خبریں آتی رہیں۔ ۱۲ رجمادی الاولیٰ ۷۷ھ (مطابق ۵ دسمبر ۵۷ء) جمعرات کے دن زکریا دار الحدیث میں بخاری کا سبق پڑھا رہا تھا کہ عبد اللہ مؤذن نے جا کر کہا کہ حضرت مدنی کا انتقال ہوگیا۔ محمود علی خاں کے یہاں ٹیلی فون آیا ہے۔ زکریا وہاں سے اٹھ کر

سیدھا ریل پر پہنچ گیا کہ گاڑی کا وقت قریب تھا، بعد میں مولانا اسعد سلمہٗ کی بھیجی ہوئی کار بھی پہنچی مگر زکریا جا چکا تھا (معلوم ہوا کہ) صبح کو عزیزان مولوی اسعد، ارشد سلمہا کو آپس کے اتحاد و محبت کی نصیحتیں بھی فرمائیں اور دوپہر کو بلا سہارا کمرہ سے صحن میں کھانا کھانے کے لیے تشریف لے گئے تھے اور اہلیہ کو صبر علی المصائب کی تلقین فرماتے رہے۔ پون بجے سونے کے لیے لیٹے تھے، ڈھائی بجے تک خلاف معمول نماز کے لیے نہ اٹھنے پر اہلیہ محترمہ دیکھنے کے لیے گئیں تو بردا طراف پایا جس پر مولوی اسعد کو آدمی بھیج کر بلایا کہ آج سب بے فکر تھے کہ طبیعت بہت اچھی ہے، ڈاکٹر نے آکر کہا کہ تشریف لے گئے۔ اعلی اللہ مراتبہ نور اللہ مرقدہٗ۔

اس کے بعد حضرت شیخ نے حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کے حادثۂ وفات کا ذکر فرمایا ہے فرماتے ہیں۔

میرے اکابر نور اللہ مراقدہم کے حوادث میں میرے لیے آخری حادثہ سخت ترین حادثہ میرے حضرت حضرت شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہٗ کا حادثۂ وصال ہے۔

اس کے بعد حضرت شیخ نے اس وقت سے لے کر جب کہ وصال سے ۷-۸ سال پہلے (۱۳۷۳ھ ۱۹۵۵ء میں) مسوری کے زمانہ قیام میں حضرت اقدس پر مرض کا پہلا حملہ ہوا تھا۔ یوم وفات ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ (۱۷ اگست ۱۹۶۲ء) تک صحت اور مرض کے لحاظ سے حضرت اقدس کے جو احوال رہے اور اس مدت میں پاکستان کے بھی جو متعدد سفر ہوئے ان سب کا حال پوری تفصیل سے قریباً ۱۵-۱۶ صفحات پر لکھوایا ہے، خاص کر پاکستان کے آخری سفر اور قیام کا آخر میں مرض کی شدت و نزاکت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

شدت علالت نے مایوسی کی حالت تک پہنچا دیا تھا، ایک ایک دن میں مختلف احباب کے ۳-۴ تار زکریا کے نام صبح سے شام تک آتے تھے

"افاقہ ہے" ۔ "حالت خطرناک ہے" ۔ "افاقہ ہے" ۔ "حالت خطرناک ہے"۔ اس وقت غفلت ہے"۔ "اس وقت صحت ہے ۔ بالآخر مولانا یوسفؒ کے پاس ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۹ اگست ۱۹۶۴ء پنجشنبہ کو لاہور سے ٹیلی فون پہنچا کہ رات ۹ بجے وصال ہوگیا، اس وقت ۹ بجے جنازہ کی نماز ہوگی۔

اپنے اکابر ومشائخ کے مذکورہ بالا حادثات وفات کا ذکر فرمانے کے بعد شیخ نے اپنی دو صاحبزادیوں اور ایک پھوپھی کے حادثات وفات بھی بیان فرمائے ہیں اور اسی پر حوادث کے بیان کا سلسلہ ختم فرمایا ہے ۔ سب سے بڑی صاحبزادی (حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی پہلی اہلیہ مرحومہ) کے حادثۂ انتقال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

مرحومہ نے بہت ہی تکلیفیں اٹھائیں، اس کو تپ دق ہوگئی تھی، عین مغرب کی نماز کے دوران جبکہ وہ دوسری رکعت کے سجدہ میں تھی، اشارے سے نماز پڑھ رہی تھی، قبلہ کی طرف منہ تھا، ایسی قابل رشک حالت سے گئی ہے کہ اس کے چہرے کے انوارات تک یاد ہیں۔ (دوسری صاحبزادی کے حادثۂ انتقال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ) مولانا یوسف صاحب سورہ یٰسٓ پڑھ رہے تھے "سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ" پر ایسا جذبہ مولانا مرحوم کو آیا کہ تین دفعہ اس کو پڑھا۔ اور تیسری دفعہ میں روح بھی ساتھ چل دی۔

تیسرا عجیب واقعہ مجھے اپنی پھوپھی صاحبہ نور اللہ مرقدہا کے ساتھ پیش آیا... انتقال کی شب میں صبح صادق سے ذرا پہلے وہ لیٹی ہوئی تھیں، ایک دم گھبرا کر بیٹھنے کی کوشش کی اور دروازہ کی طرف دیکھ کر مجھے فرمایا کہ جلدی اٹھا کر مجھے سہارے سے بٹھا دے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، چوں کہ صبح کی اذان بالکل قریب تھی مجھے یہ خیال ہوا کہ نہ معلوم کتنی دیر لگ جائے، جماعت نہ فوت ہوجائے، میں نے حاجی

محسن صاحب مرحوم سے (جو پھوپھی صاحبہ مرحومہ کے داماد تھے اور ان کی تیمارداری کر رہے تھے) کہا کہ جلدی بیٹھو، میری پھوپھی مرحومہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تو بیٹھ۔ رحمہم اللہ کلہم رحمۃ واسعۃ۔

تقریبات اور شادیاں :

آپ بیتی ۳ کا دوسرا عنوان تھا "حوادث اور شادیاں"۔ اس عنوان کے تحت حادثات اور صدمات کا بیان فرمانے کے بعد حضرت شیخ نے تقریبات اور شادیوں کے زیرِ عنوان شادیوں سے متعلق بھی اپنے کچھ معمولات اور واقعات بیان فرمائے ہیں اس کی تمہید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"میں جب ابتدا میں (یعنی ۱۳۲۸ھ میں) سہارنپور آیا تو میں نے خواب دیکھا تھا کہ ہمارے مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب نور اللہ مرقدہ اس سیہ کار سے لپٹ گئے اور خوب بھینچا، میں نے اپنے حضرت مرشدی قدس سرہٗ سے اس خواب کا ذکر کیا تھا تو حضرت نے ارشاد فرمایا تھا کہ عنایت الٰہی تمہارے شامل حال ہے۔ یہ تعبیر ہر وقت میرے ساتھ رہی اور اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ہر ہر موقع پر اپنی عنایت کو اس سیہ کار پر بارش کی طرح برسایا۔ خدا کرے کہ استدراج نہ ہو.... ان میں سے ایک معمولی مسئلہ تقریبات اور شادیوں کا بھی ہے۔ میں نے دو اپنی اور ہمشیرہ اور ہمشیرزادی، اور بنات (بیٹیوں) اور ولد اور اسباط (نواسوں) کی تقریباً ۱۶-۱۷ شادیاں کیں اور ہر شادی میں مجھ پر اللہ تعالیٰ نے وہ کرم فرمایا کہ کبھی یہ پتہ نہ چلا کہ نکاح کیا یا دو رکعت نفل پڑھ لی۔ نکاح ایک عبادت تھی جس کو لوگوں نے ایک مصیبت بنا لیا۔ علماء نے لکھا ہے کہ دو عبادتیں ایسی ہیں جو آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر قیامت تک بلکہ جنت میں بھی باقی رہیں گی۔

ایک ایمان دوسرے نکاح۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح کو اپنی سنت قرار دیا اور ارشاد فرمایا کہ "نکاح میری سنت ہے، جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں"۔ مگر ہم لوگوں نے اس بابرکت سنت کو اس میں بے حد لغویات شامل کر کے ایک مصیبت عظمیٰ بنا لیا۔ حضور پاکؐ کا ارشاد ہے کہ جو نکاح بہت ہلکا پھلکا ہو وہ بہت مبارک ہے۔ مگر افسوس کہ ہم نے اس مبارک سنت کو اپنی رسوم کی بدولت مشکل ترین بنا دیا اور اس سے بڑھ کر مصیبت یہ ہے کہ انہی لغویات کی وجہ سے لڑکیاں لمبی عمر تک بیٹھی رہتی ہیں شادی کا انتظام نہیں ہو سکتا۔"

حضرت شیخ کی ایک بہن بھی تھیں جو والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰؒ کی وفات کے وقت غیر شادی شدہ بلکہ نابالغ تھیں، سب سے پہلے شیخ نے انہی کی شادی فرمائی جس کا حال "آپ بیتی" میں بہت تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ اسی سلسلہ میں شیخ نے یہ واقعہ بھی بیان فرمایا ہے۔

"عام گھروں کے دستور کے مطابق کہ بہنیں اپنی رضا و خوشی سے اپنا حصہ بھائیوں کو دے دیا کرتی ہیں، (میں نے) اُس کا حصہ لینے سے انکار کر دیا، مرحومہ نے بہت خوشامد کی، بہت روئی بھی کہ میں تو آخر تمہارے ہی ذمہ رہوں گی، کہاں جاؤں گی، ماں نہیں باپ نہیں۔ میں نے کہا ضرور (میرے ہی ذمہ) رہے گی، اور انشاء اللہ ماں باپ دونوں کا بدل کر کے دکھا دوں گا لیکن حصہ تیرا ضرور الگ کروں گا (چنانچہ شیخ نے ایسا ہی کیا، بلکہ بعد میں جائیداد کا اپنا حصہ بھی بہن ہی کو منتقل کر دیا۔)

آگے حضرت شیخ نے اپنی بڑی دو صاحبزادیوں کے نکاح کا ذکر فرمایا ہے جن میں سے ایک کا حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اور دوسری کا حضرت مولانا انعام الحسن صاحب (دامت فیوضہم) سے اس وقت ہوا جب کہ یہ دونوں حضرات مدرسہ مظاہر علوم میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ نسبت اور منگنی تو دونوں

کی خاندان کے عام رواج کے مطابق بالکل بچپنے ہی میں ہو گئی تھی۔ نکاح کا واقعہ شیخ نے اس طرح لکھایا ہے۔

چچا جان نور اللہ مرقدہٗ ہر سال مدرسہ مظاہر علوم کے جلسہ میں تشریف لایا کرتے تھے، حسب معمول مؤرخہ ۲ محرم ۴۵ھ مغرب کے قریب تشریف لائے اور فرمایا ہمارے یہاں میوات میں جلسوں میں نکاحوں کا دستور پڑ گیا۔ کل کے جلسہ میں حضرت مدنیؒ سے یوسف و انعام کا نکاح پڑھوا دوں؟ میں نے کہا شوق سے ضرور پڑھوا دیجئے، مجھ سے کیا پوچھنا۔ عشار کی نماز کے کچھ دیر بعد میں نے اہلیہ مرحومہ اور دونوں بچیوں کے کان میں ڈال دیا کہ چچا جان کا ارادہ یہ ہے ــــ میری اہلیہ نے کہا کہ "دو چار دن پہلے کہتے تو میں ایک ایک جوڑا تو ان کے لیے سلوا دیتی"۔۔۔۔ جامع مسجد آتے ہوئے حضرت مدنی سے میں نے عرض کر دیا کہ یوسف انعام کا نکاح پڑھنے کے لیے چچا جان فرمائے ہیں۔ حضرت نے بہت ہی اظہار مسرت فرمایا، کہا ضرور پڑھوں گا۔ اور جامع مسجد پہنچنے کے بعد بیٹھتے ہی فرمایا کہ مہر کیا ہوگا؟ میں نے عرض کیا ہمارے یہاں مہر مثل ڈھائی ہزار ہے۔ فرمایا کہ میں مہر فاطمی سے زیادہ پر ہرگز نہیں پڑھوں گا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو شرعی چیز ہے فقہار کے نزدیک مہر مثل سے کم پر سکوت کافی نہیں بالتصریح اجازت کی ضرورت ہے۔

آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ آخر میں چچا جان کے فرمانے پر یہ طے ہوا کہ مہر فاطمی ہی پر نکاح پڑھ دیا جائے۔ یہ نکاح موقوف ہوگا۔ بعد میں گھر جا کر بچیوں کو بتلا دیا جائے تو تکمیل ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حضرت مدنی نے وعظ کے درمیان ہی میں مہر فاطمی پر نکاح پڑھا دیا۔ آگے شیخ نے لکھوایا ہے کہ۔

نکاح تو ہو گیا مگر وہ گالیاں مجھ پر پڑیں کہ یاد رہیں گی، لڑکوں سے تو لوگ واقف نہیں تھے اور میری لڑکیاں ہونے کا اعلان ہو ہی گیا تھا۔ لڑکے دونوں حسین جمیل اور مدنی رومال دونوں کے سروں پر جو میں نے ہی

جلسہ میں جاتے ہوئے دے دیئے تھے۔ دو تین فقرے نقل کراتا ہوں۔
(کسی نے کہا) ان مولویوں کا بھی کچھ تک نہیں، دو خوبصورت لونڈے
دیکھے تھے لونڈیاں ہی حوالہ کردیں، (کسی نے کہا) بمبئی کے سیٹھوں
کے لونڈے جلسہ میں آئے تھے پیسے والا دیکھ کر لڑکیاں ہی دے دیں۔
(اسی سلسلہ میں آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ نکاح) چوں کہ خاندان
کی روایات کے خلاف تھا، اس لیے کاندھلہ میں بھی چہ میگوئیاں بہت
ہوئیں۔ ایک صاحب کا فقرہ مجھے پہنچا کہ زکریا نے اپنی بھی ناک کاٹ دی
اور ہم سب کی بھی۔ میں نے اس کا جواب اہتمام سے بھیجا کہ میری تو کٹی
نہیں اور قاصد سے کہا کہ تو بھی ہاتھ لگا کر دیکھ لے اور کہہ دیجئے کہ میں
دیکھ آیا ہوں اُس کی تو کٹی نہیں اوروں کی مجھے خبر نہیں۔
آگے حضرت شیخ نے اپنی دوسری متعدد صاحبزادیوں کی شادیوں کا ذکر فرمایا ہے اور خود اپنے
نکاح ثانی کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ صرف اسی کے سلسلہ کی بعض دلچسپ اور سبق آموز باتیں
ذیل میں نقل کی جارہی ہیں۔ فرماتے ہیں۔
میں نے اپنی پہلی اہلیہ مرحومہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی سے بہت
ہی شدت سے انکار کردیا تھا۔ ۲۰۔ ۲۵ جگہوں سے بہت ہی تقاضے
ہوئے جن میں بعض کے متعلق حضرت مدنی نے بھی سفارش فرمائی اور
ایک کے متعلق تو حضرت رائے پوری قدس سرہٗ بہت اہتمام سے تشریف لائے
مگر میں اپنی معذوریوں اور اس وجہ سے کہ ادائے حقوق نہیں کرسکتا،
شدت سے انکار کرتا رہا۔ لیکن جب چچا جان نور اللہ مرقدہٗ نے ہمشیرہ
مولوی محمد یوسف کے متعلق فرمایا (جن کی خاندان ہی میں دوسری جگہ نسبت
ہوچکی تھی اور چچا جان نے میرے بارے میں ارادہ ظاہر فرماکر ان لوگوں
سے اجازت لی تھی) تو مجھے انکار کی گنجائش نہیں رہی اور میں نے عرض
کیا کہ پھر نکاح پڑھتے جائیے۔ انھوں نے کہا کہ تغیر زوج کی وجہ سے

استیجار کی ضرورت ہے۔ میں دو تین دن میں خط لکھ دوں گا اس پر چلے آنا۔"

آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ میں نے کسی کو ساتھ لے جانے کا ارادہ نہیں کیا اور نہ کسی کو اطلاع دی۔ لیکن حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہٗ کو کسی طرح اطلاع ہوگئی اور حضرت، ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ بروز پنجشنبہ مطابق ۱۷/جون ۱۹۳۷ء علی الصباح خود سہارنپور تشریف لے آئے اور دہلی ساتھ چلنے پر اصرار فرمایا۔ سہارنپور سے دن کے ۱۰ بجے دہلی جانے والی ٹرین سے سفر کا پروگرام تھا۔ جب اسٹیشن پہنچے تو اچانک حضرت مدنی قدس سرہٗ اپنے قدیمی وطن ٹانڈہ سے تشریف لے آئے، آپ کے ساتھ اہل وعیال بھی تھے، آپ کو بھی اسی ٹرین سے دیوبند جانا تھا، اسٹیشن ہی پر ملاقات ہوئی، حضرت رائے پوری قدس سرہٗ نے حضرت مدنی کو بتلایا کہ یہ سفر شیخ کے نکاح کے سلسلے میں ہو رہا ہے۔ آگے حضرت شیخ بیان فرماتے ہیں۔

> حضرت مدنی قدس سرہٗ نے حضرت رائے پوری کے ہاتھ چچا جان کے پاس پیام بھیجا کہ مولوی الیاس سے کہہ دیں کہ نکاح میں پڑھوں گا، میرے بغیر نکاح نہ ہوگا، میں تو اسی گاڑی سے چلتا مگر مستورات بھی ساتھ ہیں ان کو (دیوبند) اتار کر اگلی گاڑی سے آجاؤں گا۔ میں نے اول تو رد کیا کہ حضرت تکلیف نہ فرماویں، ایک ڈانٹ پڑی میں آپ سے نہیں کہہ رہا ہوں، مولوی الیاس کے پاس پیغام بھیج رہا ہوں کہ نکاح میں پڑھوں گا۔ (آگے حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت مدنی اس ٹرین سے دیوبند کے اسٹیشن پر آگئے۔ پھر اپنے پروگرام کے مطابق دہلی تشریف لے آئے۔) اور اگلے روز بعد نماز جمعہ اس سیہ کار کا نکاح مہر فاطمی پر پڑھایا زکریا نے عرض کیا کہ مہر فاطمی مجمل ہے اور مختلف فیہ بھی ہے۔ سکۂ رائج الوقت سے اس کی تعیین فرمائی جائے۔ حضرت نے (ازراہ تفریح) نہایت تبسم سے اور زور سے فرمایا کہ دولھا شرمایا کرتے ہیں چپ رہ، میں نے

عرض کیا کہ دین کے معاملہ میں حیا نہیں، یہ مسئلہ کی بات ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ پانسو درہم، میں نے کہا کہ یہ بھی مختلف فیہ ہے۔ سکہ رائج الوقت بتلائیے۔ فرمایا کہ تقریباً ایک سو تینتیس (۱۳۳) روپے ہوتے ہیں۔ اس مناظرہ کو خواجہ حسن نظامی مرحوم نے اپنے کسی رسالہ میں جو اس وقت نکلتا تھا تفصیل سے لکھا ہے۔

شادیوں کا بیان ختم کرتے ہوئے حضرت شیخ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ۔

اس ناکارہ کے یہاں دیکھنے والوں کو سب ہی کو معلوم ہو کر مہمانوں کا ہجوم بعض اوقات دو سو ڈھائی سو تک ضرور پہنچ جاتا ہے، بلکہ بعض مرتبہ تو دس بارہ دیگوں کی نوبت بھی پکنے کی آئی، لیکن شادیوں کی مد میں ایک دفعہ بھی مجھے یاد نہیں کہ کوئی ایک دیگ پکوائی ہو۔

"آپ بیتی نمبر ۳" کے انتخاب و تلخیص کا کام ان سطروں پر ختم ہوگیا۔ والحمد للہ رب العلمین۔

انتخاب آپ بیتی نمبر (۴)

"آپ بیتی نمبر ۴" کا پہلا عنوان ہے "التحدیث بالنعمۃ" (اللہ تعالیٰ کے انعامات واحسانات کا بیان) اس باب میں حضرت شیخ نے اپنے ان اکابر ومشائخ اور ان کی خصوصی عنایتوں اور شفقتوں کا ذکر فرمایا ہے جن کو اپنی زندگی میں پایا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت اقدس گنگوہی قدس سرہٗ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"سب سے پہلا دور قطب عالم حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا دیکھا، میری عمر ڈھائی برس کی تھی جب گنگوہ حاضر ہوا۔ اور آٹھ برس کی تھی جب حضرت قدس سرہٗ کا وصال ہوا۔"

اس کے آگے حضرت شیخ نے اپنے بچپنے کے اس دور کی اپنی شوخیوں اور حضرت قدس سرہٗ اور حضرت کے خصوصی خدام کی غیر معمولی عنایتوں اور شفقتوں کے کچھ واقعات اور اس بارگاہ کے بعض مناظر کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے بعد حضرت شیخ نے اپنے شیخ و مرشد حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ کی عنایتوں اور شفقتوں کا ذکر خاصی تفصیل سے فرمایا ہے۔ ناظرین ایک دو واقعے یہاں بھی پڑھ لیں۔

"ایک مرتبہ حضرت کی غایت شفقت اور میری کثرت حاضری کو دیکھ کر ایک صاحب نے حضرت قدس سرہٗ سے میرے سامنے پوچھا کہ یہ حضرت کے صاحبزادے ہیں؟ تو حضرت قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ یہ بیٹے سے بڑھ کر ہیں۔" (اسی سلسلہ میں آگے یہ واقعہ لکھا ہے)

مدینہ پاک کے قیام میں جب یہ ناکارہ بذل لکھا کرتا تھا اور صبح کی چائے کے بعد سے مسلسل چھ گھنٹے حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی، تو ایک مرتبہ یہ نابکار ناپاک، سیہ کار بذل لکھتے ہوئے نہ معلوم کن کن خرافات اور واہی تباہی خیالات میں مستغرق تھا، میرے حضرت قدس سرہٗ نے عبارت لکھواتے ہوئے نہایت تیز و تند لہجہ میں ارشاد فرمایا۔ "من بتو مشغول و تو با عمرو زید"۔ میں حضرت کے اس ارشاد پر پسینہ پسینہ ہوگیا۔ میرا کرتا اور پاجامہ تک بھیگ گیا۔"

آگے حضرت شیخ نے حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ کی خصوصی عنایتوں، شفقتوں کے بہت سے واقعات بیان فرمائے ہیں۔ اس کے بعد اپنے اکابر میں سے حضرت شیخ الہندؒ کی عنایتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

اس سلسلے میں حضرت شیخ نے حضرت شیخ الہندؒ کے اس سفرِ حجاز سے پہلے کا جس میں آپ گرفتار کر کے مالٹا بھیجے گئے، مندرجہ ذیل واقعہ بھی بیان فرمایا ہے جو قابلِ ذکر ہے۔

"شوال ۱۳۳۳ھ سے پہلے جب ان دونوں حضرات (حضرت شیخ الہند اور حضرت سہارنپوری) کا حجاز کا سفر طے ہو رہا تھا، اس زمانے میں حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے ایک ہفتہ مستقل مدرسہ مظاہر علوم میں قیام فرمایا اور اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری اور مولانا الحاج احمد صاحب رامپوری کا قیام بھی اس زمانے میں سہارنپور ہی رہا۔ یہ چاروں حضرات صبح کی چائے کے بعد مدرسہ کے کتب خانے میں تشریف فرما ہوتے اس کی اندر کی زنجیر لگ جاتی اور کوئی شخص اندر نہیں جا سکتا تھا.... ظہر کی اذان کے قریب یہ حضرات اترتے اور جو کچھ ٹھنڈا یا گرم کھانا (ان حضرات کے انتظار میں) رکھا ہوتا، اس کو جلدی جلدی نوش فرماتے۔ اسی درمیان میں ظہر کی اذان ہو جاتی۔ نہایت اطمینان سے وضو اور فرائض اور سنتوں سے فراغ پر پھر کتب خانے میں پہنچ جاتے اور عصر کی اذان پر اترتے"..... جو لوگ اجمالاً حضرت شیخ الہند کی تحریک سے واقف تھے وہ تو اجمالاً ہی کچھ سمجھے ہوئے تھے کہ کس موضوع پر گفتگو ہو رہی ہے اس وقت یہ ناکارہ تحریک کا صرف نام ہی سنے ہوئے تھا..... انہی ایام میں اعلیٰ حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کے ذمہ حضرت شیخ الہند کی غیبت میں تحریک کی سرپرستی تجویز ہوئی تھی اور حضرت سہارنپوری کا حضرت شیخ الہند کے ساتھ جانا تجویز ہوا مگر اس طرح پر کہ علٰحدہ علٰحدہ سفر ہو۔ اس لیے کہ حکومت کی نگاہ میں دونوں مخدوش تھے، خیال یہ ہوا کہ اگر ایک گرفتار ہو جائے تو دوسرا حجاز پہنچ جائے۔"

اسی سلسلۂ بیان میں حضرت شیخ نے (اہلِ درس کی اصطلاح میں دفع دخل مقدر کے طور پر) یہ بھی لکھوایا ہے کہ۔

" شیخ الاسلام حضرت مدنی نے خود نوشت سوانح میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ حضرت سہارنپوری کو اس تحریک کا تفصیلی علم مدینہ منورہ میں ہوا جب کہ حضرت شیخ الہند نے حضرت سہارنپوری اور حضرت شیخ الاسلام سے اس کا تفصیلی حال بیان کیا، مگر میرا خیال ہے کہ حضرت شیخ الاسلام کو حضرت شیخ الہند نے تفصیلی احوال سنائے اور حضرت سہارنپوری چونکہ پہلے سے رازدار تھے اس لیے حضرت سہارنپوری کو بھی اس مکالمے میں شامل کیا (آگے شیخ فرماتے ہیں) اس کا بہت ہی قلق ہے کہ حضرت مدنی کی حیات میں اس پر گفتگو کرنے کی نوبت نہیں آئی، گو خیال کئی مرتبہ آیا ورنہ میں حضرت اقدس مدنی سے اس کی تفاصیل بیان کرتا، کیونکہ حضرت مدنی تو ان حضرات کے سفر حجاز سے پہلے مدینہ منورہ میں تھے اور یہ ناکارہ اس وقت سہارنپور میں تھا[1]

شیخ الحدیث نے حضرت شیخ الہند سے متعلق واقعات بیان فرمانے کے بعد مختصراً اس لطیفہ غیبی

---

[1] جن لوگوں کے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ حضرت شیخ الہند کی تحریک میں کس قدر اور کتنی کامیاب رازداری تھی، ان کے لیے یہ بات ناقابلِ فہم ہوگی کہ حضرت مدنی کو مالٹا کی طویل رفاقت اور پھر رہائی کے بعد ہندستان میں بھی حضرت شیخ الہندؒ سے یہ معلوم ہو سکا کہ حضرت سہارنپوری بھی تحریک میں ان کے شریک و رفیق تھے ۔ اس عاجز راقم سطور (محمد منظور) نے حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے (جب وہ ۲۵ سالہ جلاوطنی کے بعد ہندوستان واپس آئے تھے) ایک دن تنہائی میں ایسے وقت جب کہ وہ مجھ پر بہت مہربان تھے عرض کیا تھا کہ حضرت شیخ الہند کی تحریک کے بارے میں بہت مختلف اور متضاد باتیں لوگوں سے سنی ہیں، میں چاہتا ہوں کہ آپ سے اس کے بارے میں معلوم کروں، تو مولانا نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہند کی تحریک میں انتہائی رازداری تھی، جس سے جو کام لیا جاتا تھا اس کو بس اسی کا علم ہوتا تھا۔ مجھے بس وہی معلوم ہے جو کام حضرت نے مجھ سے لیا۔ میں یہ بھی نہیں جانتا کہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کا بھی ذکر فرمایا ہے جو پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الہند کے وصال سے کچھ پہلے کس طرح شیخ کو حضرت کی خدمت میں پہنچایا اور پھر نماز جنازہ اور تدفین میں بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔

اس کے بعد شیخ نے حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ کی عنایتوں اور شفقتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ بیان فرمانے کے بعد کہ حضرت کا مستقل معمول تھا کہ ۲۹ شعبان کو جملہ حاضرین سے مصافحہ فرما لیتے اور فرماتے کہ بس بھائی اب عید پر ملیں گے۔ رمضان مبارک میں باہر سے آنے والے اور قیام کرنے والے مسترشدین کو بھی بات چیت کا موقع بالکل نہ ملتا، بس مسجد آتے جاتے زیارت ہو جاتی، یہ حضرت قدس سرہٗ کا ایک خاص حال اور معمول تھا۔ حضرت شیخ اس کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ۔

"اس سیہ کار نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو ایک عریضہ لکھا کہ یہ ناکارہ حضرت والا کی خدمت میں رمضان گزارنا چاہتا ہے، حضرت نے ازراہ شفقت تحریر فرمایا کہ رمضان کہیں آنے جانے کا نہیں ہوتا اور نہ ملنے کا، اپنی جگہ پر یکسوئی سے کام کرتے ہو۔ اس گستاخ نے دوبارہ خط لکھا کہ صرف اخیر عشرہ کی اجازت مرحمت فرما دیں، اس کا جو جواب آیا وہ اتفاق سے میرے کاغذات میں مل گیا جس کو تبرکاً بعینہٖ نقل کرتا ہوں۔"

"برخوردار مولوی زکریا سلمہٗ اللہ۔ از احقر عبدالرحیم۔ بعد سلام مسنون

(بقیہ حاشیہ) حضرت اور کن کن لوگوں سے کیا کیا کام لیتے تھے۔ مولانا سندھی مرحوم نے اس سلسلہ میں تحریک کی رازداری کے بعض انتہائی حیرت انگیز واقعات اس عاجز کو سنائے۔ الغرض تحریک کی اس رازداری کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ حضرت مدنی سے بھی اس کا ذکر نہ فرمایا گیا ہو کہ حضرت سہارنپوری بھی اس کام میں شریک و رفیق ہیں اور اس وجہ سے یہ بات اُن کے علم میں نہ آئی ہو۔ خفیہ خطرناک تحریکوں کا یہی طریقۂ کار ہوتا ہے۔

ودعا۔ تمہارا خط پہنچا، مضمون معلوم ہوا، جو سبب شروع ماہ مبارک میں عدم قیام کا ہے وہ اخیر ماہ میں بھی موجود ہے۔ باقی تم اور تمہارے ابّا جان زبردست ہو، ہم غریبوں کی کیا چل سکے، یہ تمہاری زبردستی ہی ہے کہ اس وقت ماہ مبارک میں تم کو جواب لکھوا رہا ہوں، باقی جو ذکر و شغل حضرت مولانا سلمہٗ نے تلقین فرمایا ہے وہی کرنا چاہیئے۔ عائشہ کو دعا، تمہاری والدہ مکرمہ کی خدمت میں سلام۔ بخدمت جناب مولانا مولوی یحییٰ صاحب السلام علیکم راقم عبدالرحیم از رائے پور

واقعہ یہ ہے کہ حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہٗ کا رمضان المبارک میں شیخ کے خط کا جواب دینا اور اجازت مرحمت فرمانا غیر معمولی عنایت و شفقت کی بات تھی۔ حضرت کے ہاں ماہ مبارک میں خط و کتابت کا سلسلہ بھی بالکل بند رہتا تھا۔ شیخ نے حضرت اقدس رائے پوری قدس سرہٗ کے ساتھ اپنے قلبی تعلق اور حضرت کی عنایتوں شفقتوں کے اور بھی متعدد واقعات لکھے ہیں۔ اس کے بعد حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"اعلیٰ حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کا زمانہ بہت پایا اور حضرت کی شفقتیں بھی بے پایاں۔"

آگے شیخ نے ذکر فرمایا ہے کہ "بذل المجہود" مولانا شبیر علی صاحب تھانوی کے مطبع میں تھانہ بھون طبع ہوتی تھی، اس کے سلسلہ میں مجھے بار بار تھانہ بھون جانا اور کئی کئی دن قیام کرنا ہوتا تھا اور کام کا نظام اور پروگرام ایسا تھا کہ ظہر سے عصر تک جو حضرت حکیم الامت کی مجلس کا وقت ہوتا تھا میں اس وقت خانقاہ ہی میں دوسری طرف بذل کے پروف دیکھتا تھا۔ فرماتے ہیں۔

"مجھے اس کا بڑا قلق رہتا تھا کہ تھانہ بھون رہتے ہوئے بھی حضرت کی خدمت میں حاضری کا وقت نہیں ملتا۔ میں نے ایک مرتبہ بہت قلق کے ساتھ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے عرض کیا کہ لوگ تو بہت دور دور

سے حاضر ہوتے ہیں لیکن یہ ناکارہ یہاں رہ کر بھی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ میرے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے ایسا جواب مرحمت فرمایا کہ میری مسرت کے لیے مرنے تک کافی ہے ــــ حضرت نے فرمایا "مولوی صاحب اس کا آپ بالکل فکر نہ کیجئے، آپ اگرچہ میری مجلس میں نہیں ہوتے مگر میں ظہر سے عصر تک آپ ہی کی مجلس میں رہتا ہوں، میں بار بار آپ کو دیکھتا رہتا ہوں اور رشک کرتا ہوں کہ کام تو یوں ہوتا ہے۔ میں آپ کو ظہر سے عصر تک اپنے اوراق سے سر اٹھاتے نہیں دیکھتا۔"

حضرت شیخ الحدیث نے اپنے حضرات اکابر کے تذکرہ کے اس سلسلہ میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے بعد حضرت مدنی قدس سرہٗ کا تذکرہ فرمایا ہے ــــ فرماتے ہیں۔

"حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ کو اس ناکارہ پر شفقت و محبت اس وقت سے ہے جب کہ اس ناکارہ کی عمر ۱۲ سال سے بھی کم تھی، ۱۳۲۷ھ میں حضرت مدنی قدس سرہٗ نے تقریباً دو ماہ قیام گنگوہ شریف کیا تھا اور مسلسل روزے رکھتے تھے (آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ روزانہ افطار حضرت ہمارے ہاں کرتے تھے اور میری والدہ مرحومہ کئی طرح کی افطاری ان کے لیے تیار کرتی تھیں جب افطار کا وقت قریب آتا تو میں دروازہ پر کھڑا ہو جاتا اور جب تشریف لاتے دیکھتا تو آجاؤ، تشریف لے آؤ کا شور مچاتا۔)

حضرت شیخ نے حضرت مدنی کی شفقتوں عنایتوں اور بے تکلفیوں کے واقعات کا تذکرہ بڑی تفصیل سے قریباً چالیس صفحات پر کیا ہے، ان میں سے دو چار ناظرین یہاں بھی پڑھ لیں فرماتے ہیں۔

"ایک مرتبہ گرمیوں کا زمانہ تھا اور میں دوپہر کو اپنے گھر کے دروازے میں سویا کرتا تھا، میں سونے کے لیے لیٹا تھا، سرہانے کی طرف سر اٹھا کے دیکھا تو حضرت مدنی کھڑے ہیں، میں نے جلدی سے اٹھ کر مصافحہ کیا اور

پہلا سوال یہ تھا کہ حضرت کھانا؟ ارشاد فرمایا کہ اگر کھانا کھا لیتے تو تمھارے یہاں کیوں آتے۔ حضرت کے پیچھے حضرت علامہ ابراہیم مرحوم اور نائب مہتمم مولانا مبارک علی صاحب مرحوم اور ان حضرات کے علاوہ بھی ۹ حضرات تھے۔ میں ننگے پاؤں اندر گیا اور بچیوں سے کہا کہ حضرت کئی آدمیوں کے ساتھ آگئے ہیں کچھ کھانے کو ہے؟ انھوں نے کہا کہ نہ روٹی کا کوئی ٹکڑا نہ سالن، جس کی وجہ یہ تھی کہ عین کھانے کے وقت ۸۔۱۰ مہمان بغیر اطلاع کے آگئے تھے اس لیے کچھ نہیں رہا تھا، اللہ جل شانہ میری ہر دو بیویوں اور سب بچیوں کو بہت ہی جزائے خیر دے، مہمانوں کے سلسلے میں اُن سے بہت ہی راحت پہنچی۔ تیس چالیس مہمانوں کا کھانا آدھ پون گھنٹے میں تیار کر دینا ان کے یہاں معمولی بات رہی، بشرطیکہ گھر پر کچھ ہوں ـــ میں نے کہا جلدی سے ایک آٹا گوندھے اور ایک جلدی سے دیگچی میں مصالحہ بھونے، میں باہر ننگے پاؤں گیا، حضرت مدنی کی کرامت کہ سڑک پر پہنچتے ہی میں نے دیکھا کہ میرا قدیمی قصاب کرم الٰہی جو میرے یہاں گوشت لاتا ہے، بہت دور آہستہ آہستہ آ رہا ہے۔ میں ننگے پاؤں اس کی طرف بھاگا اور اس کو آواز دی جلدی آؤ، وہ جلدی سے آیا، میرے سوال پر اس نے کہا کہ گوشت بھی ہے اور قیمہ بھی ہے میں نے کہا کہ جلدی سے مجھے قیمہ دے دے، میں نے دونوں ہاتھوں میں سارا قیمہ جو تین سیر کے قریب رہا ہوگا، لیا اور گھر آکر اُس پتیلی میں ڈال دیا جس میں مصالحہ بھن رہا تھا، تین بچیاں روٹی پکانے کے لیے بیٹھ گئی تھیں۔ ایک گوشت بھون رہی تھی ـــ میں نے باہر آکر شور مچایا کہ کسی نے دسترخوان نہیں بچھایا، بھائی دسترخوان بچھاؤ، ہاتھ دھلاؤ، سب کے ہاتھ دھلانے اور دسترخوان بچھانے میں دو تین منٹ لگ گئے، میں اندر گیا تو دس بارہ روٹی تیار ہو چکی تھیں اور قیمہ بھی نیم برشت ہو چکا تھا،

میں جلدی سے تین رکابیوں میں سالن لایا اور تین جگہ روٹیاں رکھیں۔
علامہ ابراہیم مرحوم جو معقول کے امام تھے فرمانے لگے کیا آپ کو ہمارے
آنے کا پہلے سے علم تھا یا آپ کو کشف ہو گیا تھا؟ میں نے کہا کہ جناب کے
یہاں بیٹھنے کے بعد یہ گوشت قصاب سے خریدا گیا ہے۔ فرمانے لگے یہ بات
عقل میں نہیں آتی، میں نے کہا ہر بات معقول نہیں ہوتی، کچھ باتیں
معقول سے بالاتر بھی ہوتی ہیں۔ حضرت مدنی نے علامہ سے فرمایا کہ مناظرہ
نہ کرو، جلدی سے کھالو دیر ہو رہی ہے، ان کے یہاں تو یہ قصے چلتے ہی
رہتے ہیں۔ (آگے شیخ فرماتے ہیں) اتنا مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت
مدنی قدس سرہ کے دروازہ میں مصافحہ کے وقت سے گیارہویں منٹ
پر دسترخوان بچھ گیا تھا۔ (آگے شیخ نے فرمایا ہے کہ حضرت مدنی قدس سرہ
کے صرف کھانے ہی کے مد کی شفقتیں اور واقعات اگر گنواؤں تو ان کا
احاطہ بھی دشوار ہے — بار بار اس کی نوبت آئی کہ حضرت تشریف لائے
اور میں سبق میں تھا، حضرت نے دروازے پر کسی بچہ کو آواز دے کر فرمایا
کہ حسین احمد کا سلام کہدو اور کہدو کہ جو کھانے کو رکھا ہے جلدی بھیج
دو، گاڑی کا وقت قریب ہے اور جب اندر سے بچیوں کی یہ آواز سنتے
کہ ابا جی کو مدرسہ سے جلدی سے بلا لاؤ، تو حضرت للکار کے فرماتے کہ مجھے
ابا جی کی ضرورت نہیں ہے کھانے کی ضرورت ہے، اگر ہو تو بھجوا دو ورنہ
میں جارہا ہوں، کئی دفعہ اس کی نوبت آئی کہ میرے آنے تک حضرت
کھانا شروع فرما دیتے یا تناول فرما لیتے تھے اور فرماتے کہ آپ کا آپ کے
گھر والوں نے حرج کیا ہے میں نے نہیں بلوایا۔

حضرت شیخ نے اپنے ساتھ حضرت مدنی قدس سرہ کے قلبی تعلق اور خاص محبت و شفقت
کے واقعات نقل فرماتے ہوئے ایک یہ واقعہ بھی بیان فرمایا ہے۔
حضرت قدس سرہ کا معمول گرمی ہو یا سردی اگر شب کو سونے کی نوبت آتی

تو کچے گھر ہی میں سونے کا تھا (جو مکان کی تنگی اور اس زمانے میں بجلی کا پنکھا نہ ہونے کی وجہ سے گرمی کے موسم میں بہت تکلیف کا باعث ہوتا تھا) میں بہت ہی اصرار کرتا کہ مدرسہ کی چھت پر بہت اچھی ہوا آئے گی، منت خوشامد کرتا، لیکن حضرت فرماتے کہ مجھے جیل کی کوٹھریوں کی عادت ہے۔

ایک دفعہ حضرت قدس سرہٗ اور ان کے ساتھ مولانا عزیر گل اور دو دو مہمان مغرب کے وقت تشریف لائے، علی الصباح گنگوہ جانا تھا، میں نے عرض کیا کہ گرمی بڑی شدید ہے، برسات کا زمانہ ہے، آج تو مدرسہ کی چھت پر پڑے کرے میں چارپائیاں بچھوا دوں ـــ حضرت نے فرمایا کہ میں تو کچے گھر ہی میں سوؤں گا۔ ان لوگوں کے لیے بچھوا دیجیے۔ میں نے مولانا عزیر گل صاحب سے پوچھا کہ آپ کی وہاں چارپائیاں بچھوا دوں؟ (جو مولانا موصوف سے مل چکا ہوگا وہ ان کے طرز گفتگو سے واقف ہوگا) کہنے لگے کہ ہم بھی وہیں مریں گے جہاں یہ مرے گا۔

حضرت مدنی کے واقعات کے سلسلہ میں حضرت شیخ نے یہ واقعہ بھی بیان فرمایا ہے۔

جب حضرت (تحریک خلافت کے دور میں) کراچی جیل سے تشریف لائے، اس وقت کا یہ منظر ہمیشہ آنکھوں کے سامنے رہے گا کہ حضرت مرشدی (حضرت سہارنپوری) قدس سرہٗ مکان تشریف لے جا رہے تھے اور حضرت مدنی اسٹیشن سے تشریف لا رہے تھے۔ مدرسہ قدیم کی مسجد کے دروازے پر آمنا سامنا ہوا۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ حضرت مرشدی قدس سرہٗ کے ایک دم قدموں میں گر پڑے۔ حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ نے جلدی سے پاؤں پیچھے کو ہٹا کر سینہ سے لگایا اور طرفین کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔

حضرت شیخ نے اپنے اکابر کے سلسلہ میں حضرت مدنی قدس سرہٗ کے تذکرہ کے بعد حضرت شاہ لیسین نگینوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرمایا ہے جو حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے خلفاء میں تھے۔ شیخ فرماتے ہیں۔

بہت ہی شفقت فرماتے تھے، بہت اہتمام سے اس سیہ کار کے سبق میں تشریف لے جاتے اور انتہائی ادب سے نیچی نگاہ کیے ہوئے تشریف رکھتے میرے اصرار پر میرے قریب تشریف فرما ہوتے۔ اس وقت ان کی ایک کرامت یاد آگئی۔ میری ایک بری عادت یہ بھی تھی کہ جب سبق میں جاتا تو ڈبیہ ہوا میرے ساتھ ہوتا اور سبق کے دوران میں بھی پان کھاتا رہتا تھا، ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یوں ارشاد فرمایا کہ میں پان کھانے کو تو منع نہیں کرتا۔ آپ سبق کے دوران میں نہ کھایا کریں۔ اس دن سے تقریباً بیالیس سال ہوئے مجھے یاد نہیں کہ سبق کے دوران پان کھایا ہو، سبق میں با وضو ہونے کا اہتمام تو ہمیشہ رہا، مجھے یاد نہیں کہ حدیث کا سبق کبھی بے وضو پڑھایا ہو، لیکن شاہ صاحب کے اس ارشاد کے بعد سے سبق کو جاتے ہوئے ہمیشہ بہت اہتمام سے کلی کر کے جاتا تھا۔"

حضرت شاہ یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر تذکرہ کے بعد مرشدنا حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کے قلبی تعلق اور عنایتوں شفقتوں کا خاصی تفصیل سے ذکر فرمایا ہے اس سلسلہ کے ایک دو واقعات ناظرین یہاں بھی پڑھ لیں۔ فرماتے ہیں۔

بارہا اس کی بھی نوبت آئی کہ میں بلا اطلاع حاضر ہوا اور حضرت نوراللہ مرقدہٗ نے بلا کسی تحریک کے یہ فرمایا کہ بھائی شیخ آ رہے ہوں گے، خیال رکھیو مجھے وہاں پہنچ کر یہ بات معلوم ہوتی تھی۔"

حضرت رائے پوری قدس سرہٗ سے متعلق ایک واقعہ یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ ۱۳۷۵ھ میں مدینہ منورہ میں

جب حضرت مرشدی قدس سرہٗ نے اس ناکارہ کو اجازت مرحمت فرمائی تو حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ وہاں ہی تھے میں نے حضرت کے پاؤں پکڑے تھے کہ اللہ کے واسطے اس کا اظہار نہ فرماویں اور یہ کوئی تصنع نہیں تھا۔ اللہ کی قسم مجھے اب تک شرح صدر نہیں ہے، کیونکہ میری حالت واقعی

اس قابل نہیں ہے مگر حضرت نوراللہ مرقدہٗ کی جوابدہی کے ڈر سے اب تک بیعت کر رہا ہوں (راقم سطور عرض کرتا ہے کہ حضرت شیخ بیعت اپنی طرف سے نہیں بلکہ اپنے مرشد قدس سرہٗ کی طرف سے لیتے تھے)

اس موقع پر شیخ نے اپنے بیعت کرنے کی ابتداء کا یہ واقعہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ۔

"ایک مرتبہ کاندھلہ جانے پر وہاں کی مستورات چچاجان کے سر ہوگئیں کہ آپ حکماً اس سے بیعت کرادیں، میں مسجد میں تھا، چچاجان نے مجھے بلوایا، وہ بعض مرتبہ چچاجان ہونے کا حق ادا کرنے کے واسطے ضرورت سے زیادہ ڈانٹ دیتے تھے، جب میں گھر میں پہنچا تو چچاجان نے غصہ کا منہ بنا رکھا تھا سب مستورات کو کوٹھے میں جمع کر رکھا تھا، اپنے سر مبارک پر سے عمامہ اتارا اس کا ایک کونہ میرے ہاتھ میں پکڑایا اور دوسرا دروازے میں ان عورتوں کو پکڑایا اور نہایت غصہ میں فرمایا کہ ان کو بیعت کر، میں نے کچھ اوں آں کرنی چاہی ایک ڈانٹ اور پلائی بیعت کر، یہ اس سیہ کار کے بیعت کرنے کی ابتدا ہے"

شیخ نے حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کا ایک یہ واقعہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ۔

ایک دفعہ حضرت نوراللہ مرقدہٗ نے رائے پور میں ارشاد فرمایا کہ میرا جی یوں چاہتا ہے کہ تو مجھے اجازت بیعت دے دے تاکہ حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ کی نسبت سے بھی مجھے کچھ مل جائے۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر دست بوسی کے بعد عرض کیا کہ حضرت توبہ توبہ! ایسی بات فرمادیں۔ حضرت مولانا احمدالدین رحمۃ اللہ علیہ بھی تشریف رکھتے تھے، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ اجازت نہیں دیتے تو آپ ان کو اجازت دے دیں تاکہ ان کے سلسلہ میں آپ کی شرکت ہو۔ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا، میری طرف سے بڑی خوشی سے اجازت ہے۔

حج کے اسفار :

حضرت شیخ الحدیث نے اس آپ بیتی نمبر ۴ میں "التحدیث بالنعمۃ" کے زیرعنوان اپنے اکابر و مشائخ کی عنایتوں اور شفقتوں کے تذکرے کے بعد سنہ ۱۳۸۹ھ تک کے (یعنی وفات سے ۱۲ سال پہلے تک کے) اپنے حج کے سفروں کا خاصی تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ پہلا سفر حج سنہ ۱۳۳۸ھ میں ہوا تھا، دوسرا سنہ ۱۳۴۴ھ میں (جس کا ذکر کسی قدر تفصیل سے پہلے آچکا ہے)۔ تیسرا حج اس سفر سے واپسی میں ہوا تھا۔ پھر چوتھا حج حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے اصرار پران کے ساتھ سنہ ۱۳۸۴ھ میں ہوا۔ اس کے بعد پانچواں حج حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کے ساتھ سنہ ۱۳۸۶ھ میں ہوا۔ اس کے بعد سنہ ۱۳۸۹ھ کے اوائل میں حضرت شیخ نے مدینہ منورہ میں طویل قیام کی نیت سے حجاز مقدس کا سفر فرمایا، قریبًا ۸-۹ مہینے قیام رہا۔ حضرت شیخ نے ان سب اسفار کی پوری تفصیلات لکھائی ہیں ۸۹ھ والے سفر کا ذکر شروع فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> دعا کی تھی کہ یہ سفر سہارنپور سے مدینہ منورہ تک بنیتِ صوم باوضو پورا ہوجائے، اللہ نے اپنے فضل سے پورا فرمادیا، ورنہ پیشاب کی کثرت سے ہوائی جہاز میں بہت فکر تھی کہ پیشاب کے بعد معًا وضو کرنے میں بھی نہ معلوم کتنے میل گزر جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا، انعام فرمایا احسان فرمایا۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ

اسی سفر کے سلسلہ میں آگے فرمایا ہے کہ۔

> روزوں کا سلسلہ سہارنپور سے شروع ہوگیا تھا اور باوجود سفر اور گرمی کے کوئی دقت محسوس نہیں ہوئی جو صرف اللہ کا احسان و کرم و فضل تھا۔ ۸ مئی سے صِیَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ (دو مہینے کے متواتر اور مسلسل روزوں) کی نیت کرلی اور احباب و اکابر کے شدید اصرار کے باوجود خیبر کے سفر (۱۲ جولائی) تک اس کا سلسلہ رہا۔

اسی سفر کے سلسلہ میں شیخ نے آگے یہ بھی فرمایا ہے کہ۔

اللہ تعالیٰ کے احسانات متزائدہ میں جو اس سفر میں روزافزوں رہے
ایک فضل و احسان یہ بھی رہا کہ اس سفر کے جملہ تبلیغی اجتماعات میں
خیبر، ینبوع، طائف، مکہ، جدہ وغیرہ میں اس ناکارہ کی
شرکت رہی۔

حضرت شیخ نے حجاز مقدس کے اپنے اسفار کا تذکرہ جیسی تفصیل سے کیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو اس تذکرہ میں غیر معمولی لذت آرہی ہے، بالخصوص ۹۳ھ والے سفر اور قریبًا ۸-۹ مہینے کے قیام کا تذکرہ تو اس طرح فرمایا ہے کہ کسی درجہ میں پورے سفر کا روزنامچہ سامنے آجاتا ہے۔

"آپ بیتی ۷" اسفار حج کے تذکرہ پر ختم ہوجاتی ہے۔

انتخاب آپ بیتی نمبر ۸

"تقسیم ہند" آپ بیتی نمبر ۸ کا یہی پہلا عنوان ہے۔

ملک کی تقسیم اور پاکستان کے قیام پر ۳۶ برس گزر چکے ہیں، اُس وقت جو کچھ ہوا تھا اور خاص کر مشرقی پنجاب اور دہلی اور اس کے قرب وجوار میں مسلمانوں پر اور اسی طرح دوسری طرف مغربی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں پر جیسی قیامت برپا ہوئی تھی کسی تحریر یا تقریر و بیان سے اُس کی ایسی منظر کشی نہیں کی جاسکتی جس کو پڑھ کر یا سن کر بعد کے لوگ بھی اس کو صحیح طور پر محسوس کرسکیں۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا وصال ملک کی تقسیم سے تین سال پہلے رجب ۱۳۶۳ھ (جولائی ۱۹۴۴ء) میں ہوا تھا، اس کے بعد سے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی خواہش پر حضرت شیخ الحدیث کا یہ معمول ہوگیا تھا کہ رمضان المبارک میں قیام تبلیغی کام کے مرکز

نظام الدین کی مسجد میں ہوتا تھا اور پورے مہینے کا اعتکاف فرماتے تھے۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو جب ملک کی تقسیم عمل میں آئی تو رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کی ستائیسویں تاریخ تھی، حضرت شیخ اپنے معمول کے مطابق نظام الدین کی مسجد میں معتکف تھے، تراویح میں قرآن پاک بھی اسی رات میں ختم ہوا تھا۔ حسن اتفاق سے یہ عاجز راقم سطور بھی اُن دنوں وہیں مقیم تھا۔ حضرت شیخ کی بڑی صاحبزادی (حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ مرحومہ) سخت علیل تھیں، دق کا آخری درجہ تھا، گویا مرحومہ کی زندگی کے آخری ایام تھے (کچھ ہی مدت کے بعد انتقال بھی فرما گئیں جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے) بہرحال ان کی اس علالت کی وجہ سے حضرت شیخ کے گھر کی تمام مستورات کا بھی نظام الدین ہی میں قیام تھا۔ ملک کی تقسیم کے ساتھ ہی پہلے مشرقی اور مغربی پنجاب میں اور پھر دوسرے علاقوں میں بھی قیامت برپا ہونی شروع ہوگئی اور عید کے چند ہی روز بعد دہلی اور اس کے اطراف میں کشت و خون اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوگیا اور لوگ اپنے گھر بار اور بعضے اپنے بچوں تک کو چھوڑ کے پاکستان منتقل ہونے لگے۔ حضرت شیخ اس صورتحال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

> "قرآن شریف اور حدیث پاک میں قیامت کا جو منظر پڑھا تھا "يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝" (ترجمہ) یاد کرو اُس دن کو جس دن کہ آدمی بھاگے گا اپنے بھائی اور ماں باپ اور بیوی اور اولاد سے، اور ہر شخص کے لیے اُس دن ایک خاص حالت ہوگی جس کی وجہ سے وہ ہر ایک سے بے تعلق ہوگا"۔۔۔
> یہ سب مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ نظام الدین (کے اسٹیشن سے) اسپیشل تبادلۂ آبادی کے سلسلہ میں روانہ ہوتا تھا.... اسپیشل کی روانگی کے بعد اتنے اتنے شیر خوار بچے اسٹیشن پر پائے گئے، جن کو ان کے ماں باپ اسٹیشن پر چھوڑ کے ریل میں سوار ہوگئے تھے۔ جب ان سے کہا جاتا کہ ان بچوں کو کہاں چھوڑ رہے ہو؟ تو نہایت بے دردی سے جواب دیتے کہ اگر صحیح سلامت پاکستان پہنچ گئے تو وہاں اور پیدا ہو جائیں گے، اس بوجھ کو کہاں

اٹھائے پھریں گے۔"

اس سلسلہ کی بہت سی تفصیلات اور نظام الدین کے اس ۳-۴ مہینے کے قیام کے غیر معمولی واقعات اور انتہائی خطرناک حالات میں خارق عادت خداوندی انعامات کا تذکرہ کرنے کے بعد حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ۔

"تین چار ماہ تک یہ مسئلہ بھی بہت معرکۃ الآرا رہا کہ پاکستان جانے والے احباب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب پر بہت ہی اصرار کرتے تھے، بعض اکابر تو روزانہ ۲۵-۳۰ ہوائی جہاز کے ٹکٹ لے کر آتے کہ مولانا محمد یوسف صاحب کو مع اُن کے گھر والوں کے لے کر جائیں، ان کا اصرار تھا کہ مسلمان بکثرت وہاں منتقل ہوگئے ہیں، اس لیے مولانا محمد یوسف صاحب کا وہاں جانا اُن کی دینی اصلاح کی خاطر بہت ضروری ہے۔ نیز اس وقت یہاں کی جو متزلزل (غیر یقینی) حالت تھی اور یوپی اور دہلی کا جو عام انخلا (مسلمانوں سے) ہو رہا تھا اس کی وجہ سے یہاں دینی کام کی امیدیں کم معلوم ہوتی تھیں — مگر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کا ایک جواب تھا کہ اگر بھائی جی (یعنی حضرت شیخ الحدیث) تشریف لے جائیں گے تو میں بھی جاؤں گا ورنہ نہیں — ان کی وجہ سے اس سیہ کار پر بھی ہر وقت یورش رہتی کہ یہ ناکارہ بھی جلد پاکستان جانے کا فیصلہ کرے — اور میرا صرف ایک جواب تھا کہ میں جب تک اپنے دو بزرگوں حضرت اقدس مولانا مدنی اور مولانا رائے پوری (نور اللہ مرقدہما) سے مشورہ نہ کرلوں اس وقت تک کوئی رائے قائم نہیں کرسکتا۔ ۔ ۔ ۔ اور راستے چونکہ ہر طرف کے مسدود تھے، اس لیے ان حضرات شیخین مولانا مدنی و مولانا رائے پوری (نور اللہ مرقدہما) سے مشورہ اور بات کرنے کی کوئی صورت نہ تھی ۔ ۔ ۔ ۔"

آگے حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ۔

"۲۸ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ (۱۲ نومبر ۱۹۴۷ء) کو حضرت مدنی قدس سرہٗ دیوبند سے

روانہ ہو کر شب کو مظفر نگر میں قیام فرما کر دو پہر کو بڑی دقت سے دہلی پہنچے
گاندھی جی اور جواہر لال نے اس پر بہت ہی اظہار افسوس کیا کہ آپ اس قدر
تکلیف اٹھا کر تشریف لائے۔ آپ اطلاع کر دیا کریں تو سرکاری فوجی ٹرک
آپ کو لایا کرے گا وہی لے جایا کرے گا۔ اور اس وقت بھی ان لوگوں نے
حضرت قدس سرہٗ کے لیے ایک سرکاری ٹرک تجویز کیا۔ جو حضرت کو دیوبند
لے جائے۔ اور چار فوجی گورکھا ہتھیاروں سے مسلح حفاظت کے لیے اس پر
مقرر ہوئے۔ حضرت قدس سرہ نے اس ناکارہ کو نظام الدین اطلاع کرائی
کہ میں سرکاری ٹرک میں فوجی پہرے کے ساتھ دیوبند جا رہا ہوں تمہارے
گھر کی مستورات کو اس وقت میرے ساتھ سہارنپور جانے میں سہولت
رہے گی۔"

آگے حضرت شیخ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت مدنی کی تجویز کے مطابق اسی ٹرک سے مستورات کے ساتھ روانگی اور سہارنپور تشریف آوری ہوئی، اللہ تعالیٰ نے بسلامت و عافیت پہنچا دیا۔ اس کے چند روز بعد حضرت مدنی، حضرت رائے پوری (نور اللہ مرقدہما) سہارنپور میں جمع ہوئے اور پاکستان جانے نہ جانے کے بارہ میں وہ مشورہ ہوا، جس پر حضرت شیخ الحدیث نے اپنا فیصلہ محول اور معلق کر رکھا تھا۔ اس مجلس مشورہ کی روئداد حضرت شیخ نے اس طرح بیان فرمائی ہے۔

"بعد مغرب کچے گھر میں یہ سیہ کار اور دونوں اکابر مشورہ کے لیے جمع ہوئے
اور اس کی ابتدا حضرت رائے پوری نے اس عنوان سے کی کہ حضرت! (خطاب
حضرت مدنی کو تھا) اپنے سے تعلق رکھنے والے تو سارے مشرقی اور مغربی
پنجاب کے تھے اور حضرت قدس سرہٗ (حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری)
کے متعلقین بھی زیادہ تر ان ہی دو جگہ کے تھے۔ مشرقی تو سارا مغربی کی طرف
منتقل ہو گیا۔ ان سب حضرات کا بہت اصرار ہو رہا ہے کہ میں بھی پاکستان
چلا جاؤں .... اور یہ بھی حضرت نے فرمایا کہ میرا تو مکان (یعنی آبائی وطن)

بھی مغربی میں ہے اوران سب مظلومین کی دلداری بھی اسی میں ہے۔
شروع رمضان ہی سے ان کا اصرار ہو رہا ہے مگر آپ دونوں حضرات کے
مشورہ پر میں نے معلق کر رکھا ہے۔ یہاں تو پھر بھی اللہ کے فضل سے اہل اللہ
ہیں مگر وہاں اللہ اللہ کرنے والوں کا سلسلہ تقریباً ختم ہو گیا۔ کچھ شہید
ہو گئے، کچھ اُجڑ گئے، (شیخ فرماتے ہیں) اور تقریباً حضرت کی گفتگو کا رُخ
یہ تھا کہ (میرا) وہاں قیام ضروری ہے۔ اس سب کو سن کر حضرت مدنی نے
ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور آبدیدہ ہو کر فرمایا۔ "ہماری اسکیم تو فیل ہو گئی،
ورنہ نہ تو یہ قتل و غارت ہوتا اور نہ یہ تباہ دلی آبادی ہوتا۔ (شیخ فرماتے ہیں)
حضرت مدنی کا (یعنی جمیعۃ العلماء کا) فارمولا یہ تھا کہ صوبے سب آزاد ہوں،
داخلی امور میں خود مختار، خارجی امور، فوج، ڈاک ریل وغیرہ مرکز کے
تحت مرکز میں ہندو مسلم برابر ۴۵-۴۵ اور ۱۰ باقی اقلیتیں۔ گاندھی جی
نے تو اس کو منظور کر لیا تھا مگر مسٹر جناح نے انکار کر دیا۔ حضرت (مدنی)
قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر ہماری تجویز مان لیتے تو نہ کشت و خون کی نوبت
آتی نہ تباہ دلی آبادی کی۔ اب میں تو کسی کو جانے سے نہیں روکتا۔ اگرچہ
میرا وطن مدینہ ہے اور محمود[1] وہاں بلانے پر اصرار بھی کر رہا ہے مگر ہندوستانی

---

[1] اس سے مراد مولانا سید محمود مدنی ہیں، یہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے چھوٹے بھائی تھے، حضرت مدنی اُن کو بس "محمود" ہی کہا کرتے تھے، یہ حجاز میں ترکی حکومت کے زمانے میں بھی سرکاری افسر تھے پھر سعودی حکومت کے دور میں بھی بہت باوقار رہے۔ مدینہ منورہ کے رئیس اعظم تھے، انھوں نے بار بار حضرت مولانا مدنی کو لکھا کہ آپ اجازت دیں تو میں آپ کو اور سب گھر والوں کو لینے کے لیے ہوائی جہاز لے کر آجاؤں لیکن حضرت مدنی ہندوستانی مسلمانوں کو ان حالات میں چھوڑ کر جانے پر آمادہ نہیں ہوئے اور زندگی کے باقی دس سال ہندوستانی مسلمانوں کی دینی تعلیم و تربیت میں مشغول رہ کر گزار دیے۔ حضرت کی وفات کا تذکرہ پہلے کسی قدر تفصیل سے گزر چکا ہے۔ مولانا سید محمود صاحب نے بھی اب سے چند ہی سال پہلے مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین۔ ۱۲ نعمانی

مسلمانوں کو اس بے سرو سامانی اور دہشت اور قتل و غارت گری میں چھوڑ کر میں نہیں جا سکتا اور جس کو اپنی جان اور عزت وآبرو، یہاں کے مسلمانوں پر نثار کرنی ہو وہ یہاں ٹھہرے، اور جس کو تحمل نہ ہو وہ مزار چلا جائے۔ (شیخ فرماتے ہیں) حضرت قدس سرہٗ کے اس ارشاد پر میں جلدی سے بول پڑا کہ میں تو حضرت ہی کے ساتھ ہوں۔ حضرت اقدس رائے پوری نے فرمایا کہ تم دونوں کو چھوڑ کر تو میرا بھی جانا مشکل ہے"۔

اس طرح ان تینوں حضرات کا ہندوستان کے قیام پر اتفاق ہوگیا۔ آگے شیخ فرماتے ہیں کہ۔

"میں نے تو اس گفتگو کا کسی سے ذکر نہیں کیا اور ان حضرات سے بھی اس کی توقع نہیں۔ لیکن عشاء کی نماز پڑھتے ہی ہر شخص کی زبان پر تھا کہ اکابر ثلاثہ کا فیصلہ یہاں رہنے کا ہوگیا۔ اور پھر انہی دونوں بزرگوں کی برکت تھی اور اصل تو اللہ تعالیٰ ہی کا انعام و احسان تھا کہ ایک دن پہلے تک جو لوگ تشویش میں تھے وہ اگلے دن اطمینان کی سی باتیں کر رہے تھے"۔

واقعہ یہ ہے کہ ۳۵-۳۶ سال گزر جانے کے بعد اب کسی کو بھی یہ اندازہ کرنا مشکل بلکہ قریبًا ناممکن ہے کہ ان تینوں بزرگوں کے اس فیصلے نے ہندوستانی مسلمانوں کے یہاں قیام کے مسئلہ پر کیا اثر ڈالا۔ مشرقی پنجاب سے تو دونوں حکومتوں کے سمجھوتے کے تحت مسلمانوں کا مکمل جبری تخلیہ ہوگیا تھا اور اس کی وجہ سے ان پر پوری قیامت ٹوٹی تھی اور مشرقی پنجاب سے آگے ایک طرف یوپی کا پہلا ضلع سہارنپور تھا اور دوسری طرف دہلی تھی۔ پاکستان سے آنے والے لاکھوں رفیوجیوں ہندوؤں اور سکھوں کا (جن میں لٹے پٹے بھی تھے) اور مسلم دشمنی کے جذبہ سے بھرے ہوئے تھے اور اس وقت مقامی ہندوؤں، سکھوں کا بھی قریبًا یہی حال تھا، ان سب کا

ایسا دباؤ دہلی سہارنپور اور دوسرے قریبی اضلاع پر پڑ رہا تھا جس کا آج کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا، صورت حال ایسی تھی کہ دہلی اور سہارنپور اور یوپی کے قریبًا تمام ہی مغربی اضلاع میں مسلمانوں کی جان، اُن کا مال عزت وآبرو کوئی چیز بھی بظاہر محفوظ نہیں تھی، اس لیے جو لوگ پاکستان جا سکتے تھے وہ جانے ہی کی بات سوچتے تھے اور ایسا نظر آتا تھا کہ مشرقی پنجاب کی طرح یہ پورا علاقہ بھی خدانخواستہ مسلمانوں سے خالی ہوجائے گا ـــ لیکن سہارنپور میں شیخ کے "کچے گھر" میں کیے جانے والے اِن تین بزرگوں کے اس فیصلے اور منجانب اللہ اس کی شہرت نے اور اسی کے ساتھ دہلی میں دینی جدوجہد کے لیے حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے قیام کے فیصلہ نے، نیز مرحوم ومغفور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری کی جانبازانہ جدوجہد نے ان علاقوں میں مسلمانوں کے اکھڑے ہوئے پاؤں جمادیے ـــ بلکہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا وسیلہ بن گئیں ورنہ خدانہ کردہ اِن علاقوں کا ان کی مساجد ومدارس اور خانقاہوں کا وہی حشر ہوتا جو مشرقی پنجاب میں ہوا۔ ماشاء اللہ کان ومالم یشالم یکن ! حضرت شیخ اس وقت کی صورتحال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ہمارے محلہ کے بہت سے لوگ اور شہر کے بھی بہت سے احباب پاکستان جانے کے لیے ان کیمپوں میں چلے گئے تھے جو کچہری کے پل سے اتر کر پاکستان جانے والوں کے لیے لگے ہوئے تھے۔ میری واپسی پر سب سے پہلے شیخ اظہار احمد تاجر چوب اور ان کے والد جو اس وقت حیات تھے وہ بھی بڑے تاجر چوب تھے اپنے گھر والوں کو مع سارے سامان کے کیمپ سے واپس لے آئے اور میں نے سنا کہ شام تک دو سو آدمی ایک دوسرے کو دیکھ کر واپس ہوگئے۔"

اسی سلسلہ میں حضرت شیخ نے دہلی میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کی جدوجہد کے بارہ میں بیان فرمایا ہے کہ ۔

"اس زمانہ میں دہلی میں مولانا حفظ الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ
اللہ تعالیٰ ان کو بلند درجات عطا فرمائے سارے دن دہلی کے
فسادزدہ علاقوں میں نہایت بے جگری سے پھرتے تھے مسلمانوں
کو دلاسہ دیتے، ان کی گالیاں بھی سنتے ۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے
تحمل اور برداشت خوب عطا فرمایا تھا اور اُن سے بڑھ کر میرے
حضرت مدنی قدس سرہٗ تھے، سارے ہندوستان کا اسی خطرے
کے زمانے میں دورہ فرماتے اور مصائب پر ان کا اجر سناتے۔"

آگے حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت مدنی اس زمانے میں اپنے سخت سیاسی
مخالفین متشدد قسم کے مسلم لیگی حضرات کو بھی جو قدرتی طور پر زیادہ دہشت زدہ اور
پریشان رہتے تھے گرامی نامے تحریر فرماتے تھے کہ ۔

"گھبرائیں نہیں، انشاء اللہ حالات کسی وقت سازگار ہوں گے۔"

"تقسیم ملک" کے عنوان پر جو کچھ شیخ کو بیان فرمانا تھا اس کو ختم کرتے ہوئے
لکھوایا ہے کہ ۔

"اس زمانے میں حضرت مدنی قدس سرہٗ پر تاثر بہت رہتا ۔ بسا اوقات
تقریروں میں کسی کسی بات پر آبدیدہ ہو جاتے تھے ۔"

وہ محروم تمنا کیوں نہ سوئے آسماں دیکھے
کہ جو منزل بہ منزل اپنی محنت رائیگاں دیکھے

متفرقات :

آپ بیتی نمبرہ میں "تقسیم ہند" کے عنوان کے بعد دوسرا عنوان ہے "متفرقات"
اس میں مختلف قسم کے بہت سے واقعات حضرت شیخ نے بیان فرمائے ہیں صفحات
کی محدود گنجائش کی مجبوری سے ان میں سے صرف ایک واقعہ یہاں ذکر کیا جاتا ہے

معلوم ہے کہ حضرت شیخ اپنے اکابر واساتذہ کی طرح مسلکاً حنفی ہیں اور درس میں اور اسی طرح اپنی تصانیف خاص کر شروح حدیث میں وہ حنفی مسلک کو کتاب وسنت کے موافق ثابت کرنے کا پورا اہتمام فرماتے ہیں۔ ناواقف آدمی اس کی وجہ سے ان کو "متعصب حنفی" بھی سمجھ سکتا ہے، لیکن یہاں جو واقعہ ذکر کیا جارہا ہے اُس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ تعصب سے کتنے دور اور کس قدر متوسع ہیں ـــ شیخ بیان فرماتے ہیں۔

"ابتدا رمدرسی میں ایک اہل حدیث نابینا (عالم) جن کا نام تو (اس وقت) مجھے یاد نہیں مگر میرے کرے میں ان کی تالیف "میزان الشریعہ" کے بہت سے حصے رکھے ہیں، وہ نابینا تھے اور اہل حدیث میں سے تھے۔ وہ مشکوٰۃ شریف کی اُن احادیث کے جو مسلک اہل حدیث کے موافق ہوں چھوٹے چھوٹے رسالے تصنیف کیا کرتے تھے.... خود ہی تالیف کرتے اور خود ہی طبع کرایا کرتے تھے اور پھر خود ہی ان کے فروخت کرنے کے واسطے سفر کیا کرتے تھے۔ سہارنپور میں ہمیشہ مستقل اس ناکارہ کے مہمان رہتے اور دیوبند میں حضرت مولانا سید انور شاہ کے مہمان رہتے تھے، ان کا دستور یہ تھا کہ درسگاہوں میں جاتے، مدرس کو ایک نسخہ پیش کرتے، میری اور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی وجہ سے اکثر مدرسین بھی اُن سے واقف تھے، اکثر مدرسین نذرانہ (کا نسخہ) لینے کے بعد اس کی قیمت تین آنے یا کم وبیش دے دیا کرتے تھے اور ان کی درخواست پر طلبہ سے بھی کلمۃ الخیر اکثر کہہ دیا کرتے تھے، لیکن بعض لوگ اس وجہ سے کہ کوئی خاص مضمون ان کے اندر نہیں ہوتا تھا، بجز روایات معروفہ مطابق مسلک اہل حدیث کے ترجمہ کے، معذرت کر دیا کرتے تھے۔ یہ ناکارہ ان کی آمد پر بیس پچیس نسخے ہمیشہ خریدتا، حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب سوڈیڑھ سو نسخے ہمیشہ خریدتے اور ہم دونوں مشتہرہ قیمت سے زیادہ ہی ان کو دیا کرتے تھے۔ ان کی معذوری اور حدیث پاک کی خدمت اور حق مہمانی کی بناپر۔ ان کے جانے کے بعد ان کے رسالے طلبۂ حدیث میں

یہ کہہ کر تقسیم کرتے تھے کہ رسائل گو مسلک اہل حدیث کے ہیں مگر احادیث کا ترجمہ تو بہر حال ہے ہی۔ ان کے سامنے اس وجہ سے طلبہ کو نہیں دیا کرتے تھے کہ ہمارے اس مفت دینے کی وجہ سے ان کی خریداری پر اثر نہ پڑے۔
... ایک لڑکا ان کے ساتھ ہوتا تھا جو ان کو سب جگہ لیے پھرتا تھا۔ رات کو مغرب بعد وہ میرے قریب بیٹھ کر اپنا حساب لکھوایا کرتے تھے، مجھے ان کے حساب میں بڑا لطف آتا تھا۔ رسالوں پر قیمت تو طبع شدہ ہوتی تھی مگر وہ کسی کو قیمت نہیں بتایا کرتے تھے۔ جس کا جو جی چاہے دے دے، وہ خوشی سے قبول کر لیتے تھے اور جو قیمت نہ دے بلکہ " جزاک اللہ " کہہ کر ٹال دے اس سے بھی مطالبہ نہیں کرتے تھے۔ شام کو جب حساب لکھواتے تو اس طرح لکھواتے۔ " دو نسخے فی دو آنہ، تین نسخے فی ڈھائی آنہ، چار نسخے فی تین آنہ، آٹھ نسخے فی جزاک اللہ " بہت ہی سیدھے، بھولے بھالے آدمی تھے "

اس خاص اشاعت (شیخ الحدیث نمبر) کے صفحات میں مزید گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے " آپ بیتی " کے انتخاب و تلخیص کا صرف اتنا ہی حصہ پیش کیا جا رہا ہے جو ناظرین نے ملاحظہ فرمایا۔ باقی یعنی " آپ بیتی نمبرہ " کے انتخاب کا بقیہ اور ۳ و ۴ کا انتخاب انشاء اللہ آئندہ کسی وقت نذر ناظرین کیا جا سکے گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔
هوالمستعان وعليه التكلان

بقیہ نگاہ اولیں:

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں اس موقع پر ان بھائیوں اور رفقاء کا شکریہ کے ساتھ ذکر نہ کروں جن سے مضامین کی تصحیح و ترتیب میں اور اس سلسلہ کے دوسرے کاموں میں مجھے مدد ملی۔

اس خصوصی اشاعت کی وجہ سے دفتری کام بہت بڑھ گئے تھے، ان کا زیادہ تر بوجھ برادر محترم جناب محمد حسان نعمانی اور دیگر کارکنان ادارہ نے اٹھایا — اور مضامین کی تصحیح میں سب سے زیادہ مدد مجھے اپنے عزیز عم زاد بھائی حافظ عبدالمؤمن سلمہٗ (متعلم دار العلوم ندوۃ العلماء) اور برادر نسبتی حافظ عبدالرحمٰن ندوی سے ملی۔ جزاهم الله خیر الجزاء۔

اللّٰھم أرنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه، وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه

اپنے خریداروں سے کچھ ضروری باتیں

۱- کسی قسم کی مراسلت کرتے وقت یا رقم بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل پتہ ضرور لکھیں۔

۲- شیخ الحدیث نمبر جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ الفرقان کی ستمبر تا دسمبر کی اشاعتوں کا بدل ہے امید ہے کہ آپ اس کو توقع کے مطابق پائیں گے۔ آپ کی رائے کا ہمیں انتظار رہے گا۔

۳- قدیم خریداروں کو شیخ نمبر لاگت سے بھی کم قیمت پر بھیجا گیا ہے اس لیے جن ہندو بیرون ہند کے خریداروں کے ذمہ الفرقان کی کوئی رقم بقایا ہو وہ فوراً ارسال فرمائیں۔

۴- اس نمبر کی قیمت مع محصول برائے ہندوستان -/۲۱ برائے پاکستان و عرب ممالک -/۳۰ برائے یورپ افریقہ وغیرہ ۴ پونڈ -/۲۸ روپے

۵- بیرونی ممالک کے لیے الفرقان کا سالانہ چندہ بذریعہ ہوائی ڈاک -/۱۲۵ روپے (£ 7/) اور بذریعہ بحری ڈاک -/۵۰ (£ 3/-) ہے۔ شیخ الحدیث نمبر سے خریداری قبول کرنے کے خواہاں حضرات ہوائی ڈاک کے لیے -/۱۴۰ (£ 8/) اور بحری ڈاک کے لیے -/۷۰ (£ 4/-) ارسال فرمائیں۔

۶- پاکستان کے لیے الفرقان کا سالانہ چندہ -/۵۰ روپے ہے۔ اس نمبر سے خریداری قبول کرنے کے خواہشمند حضرات -/۶۹ روپے ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو ارسال فرما کر منی آرڈر کی رسید ہم کو روانہ فرمائیں۔

ناظم ادارہ الفرقان

حضرت شیخ الحدیثؒ کی

زندگی کے چند اہم پہلو

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی

زیر ترتیب سوانح حضرت شیخؒ کے باب نہم کا عنوان ہے "خداداد کمالات ، مزاجی اور طبعی خصوصیات" اس کے ابتدائی عنوانات سوانح حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے اس حصہ میں آگئے ہیں جو حضرت شیخ سے تعلق رکھتا ہے یہاں پر اس باب کے چند ذیلی عنوانات درج کیے جارہے ہیں۔

دینی حمیت اور مسلک صحیح کی حفاظت کا اہتمام :

اللہ تعالیٰ نے کچھ تو فطری طور پر اور کچھ خاندانی اثرات سے شیخ کی طبیعت میں دین کی حمیت اور اپنے اسلاف اور علماء حق کے (جو مجددی اور ولی اللہی سلسلہ سے مستقل و مسلسل طور پر وابستہ رہے ہیں) مسلک سے وابستگی اور اس کے بارے میں غیرت و ذکاوت حس شروع سے ودیعت فرمائی تھی ، جب بھی ہندوستان میں دین کے بقا و وجود اور مسلمانوں کی جداگانہ ملی و اسلامی شخصیت کے لیے کوئی خطرہ پیش آیا توان کی طبیعت بے چین اور ان کا دل دردمند ہوا ۔ اور انھوں نے اس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے

خود سعی اور اہل اثر کو متوجہ کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔

انگریزی دور میں جب پہلی مرتبہ گورنمنٹ کی طرف سے جبریہ تعلیم کا قانون بنا، تو شیخ نے اس سے سخت خطرہ محسوس کیا اور اس کے خلاف ایک رسالہ "قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم" تحریر فرمایا۔ یہ قانون اول اول دہلی میں نافذ ہوا تھا، رسالہ ۱۳ر محرم ۱۳۵۰ھ (یکم جون ۱۹۳۱ء) کو لکھا گیا، اس میں اپنے نام کے ساتھ "مجروح القلب" لکھ کر دستخط کیے، جس سے ان کے جذبۂ دلی کا اظہار ہوتا ہے۔

آزادیٔ ہند کے بعد ۴۹-۱۹۴۸ء کے سنین میں پھر حکومت کی طرف سے جبریہ تعلیم کا قانون دوبارہ سامنے آیا تو شیخ نے پھر اس کا پورا نوٹس لیا اور اس کے دور رس اثرات کو بھانپ لیا۔ اپنے ایک مکتوب میں جو ۳ جمادی الثانیہ ۶ اپریل ۴۹ء کو لکھا گیا ہے، تحریر فرماتے ہیں۔

> "روز افزوں احوال سے یہ فکر سوار رہتا ہے کہ کوئی شخص اگر مسلمان رہنا بھی چاہے گا تو شاید نہ رہ سکے اور اس کا کوئی حل نہیں ملتا۔ آج کل مجھ پر جو چیز زیادہ مسلط ہے وہ مکاتب کا مسئلہ ہے، ہر جگہ سے جبریہ تعلیم کے سلسلہ میں مکاتب کے بچوں پر لوگوں کا زور ہے، اور اس سلسلہ میں اگر کسی سے کچھ کہا جائے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کس سے کہا جائے؟ اور کیا کہا جائے؟ جن سے امیدیں وابستہ ہو سکتی تھیں ان سے جب اس کا ذکر کیا جاتا ہے تو بہترین لچھے دار اور زور دار تقریر سے یہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مکاتب کا یہ سلسلہ محض اضاعت اوقات ہے، بچوں کا وقت ضائع ہوتا ہے، قومی تعلیم بالخصوص ہندی پڑھنے کی دینی ضرورت اس درجہ بتائی جاتی ہے جس درجہ کی سرسید کے خیال میں انگریزی کی بھی نہیں آئی ہوگی۔ واللہ المستعان"

اسی طرح وہ مسلک توحید و اتباع سنت و ردّ بدعات کے شدّت سے حامی و محافظ تھے جو ان کو وراثتاً و تعلیماً و تربیتاً اپنے اسلاف و اساتذہ و مشائخ سے ملا تھا، ہندوستان کی آزادی و تقسیم ملک کے بعد کچھ سیاسی و انتظامی مصالح کی بنا پر بعض ایسے علماء کی طرف

سے جو ہندوستان کے حالات کے پیش نظر مسلمانوں کے ایک جگہ مجتمع ہونے اور اس ملک میں رہنے کے فیصلہ کو ہر مسئلہ پر مقدم رکھتے تھے مصلحتاً بعض ایسے اجتماعات کی نہ صرف اجازت دی گئی بلکہ ان میں وہ خود شریک بھی ہوئے، اس سلسلے میں بعض حضرات نے بزرگان دین کے ان عرسوں کو دوبارہ قائم کرنے کو مفید سمجھا جن میں مسلمان بڑی تعداد میں شریک ہوتے تھے اور ایک دوسرے سے ملتے تھے، شیخ کو جب اس طرح کی اطلاعات ملیں تو ان کے دل کو بڑی چوٹ لگی، اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اللہ کی شان انقلابات زمانہ اور اپنے اعمال بد کے ثمرات، دیوبندی جماعت جو عرس کے بند کرنے کی ہمیشہ ساعی رہی، اب وہ عرسوں کو فروغ دینے والے بن گئے، جس شخص کے بڑے نظام الدین کے عرس کے زمانے میں بستی بھی چھوڑ دیا کرتے تھے، اس کا ناخلف یہ سوچتا ہے کہ اس موقع پر جایا جائے تاکہ پاکستان سے آنے والے احباب سے جن کو عرس کے عنوان سے اجازت مل جاتی ہے ملاقات ہو جائے۔"

۱۹۶۳ء میں ایک مرتبہ شیخ کی نظر اخبار "الجمعیۃ" کے ایک اشتہار پر پڑی، جس میں شیخ الہند جنتری کا اعلان تھا، اخبار کے ایک شمارہ میں اس پر ایک تبصرہ کے دوران لکھا گیا کہ اس کی بڑی قدر و قیمت اس بات سے ہے کہ اس میں شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کی تصویر ہے اور اس کتاب کی ساری قیمت وصول ہو جاتی ہے، شیخ سے رہا نہیں گیا اور انھوں نے اس کی پروا نہیں کی کہ یہ اخبار علمائے دیوبند کا پرچہ ہے اور جمعیۃ العلماء کی قیادت ان کے محبوب ترین اور معزز ترین بزرگوں اور دوستوں کے ہاتھ میں ہے، اس تبصرہ کو دیکھتے ہی ناچیز کے نام ایک مکتوب تحریر فرمایا جس میں فرماتے ہیں۔

"ایک ضروری امر کی طرف آپ کی اور مولانا منظور صاحب کی توجہ مبذول کراتا ہوں، شیخ الہند جنتری کے نام سے کوئی جنتری طبع ہوئی ہے جس کو میں نے اب تک دیکھا نہیں لیکن اس کا اشتہار "جمعیۃ" کے پرچوں میں اور "جمعیۃ نمبر" میں طبع ہوا ہے، اگر اب تک نہ دیکھی ہو تو جمعیت نمبر میں اس کا اشتہار ملاحظہ

فرماویں، اس کے متعلق اخبار "الجمعیۃ" ۱۹ اپریل ۵۳ء پر تبصرہ شائع ہوا ہے،
اس میں حضرت مدنی زاد مجدہم کی تصویر کی مدح سرائی کرتے ہوئے لکھا گیا ہے
"یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ جنتری کی پوری قیمت صرف ایک تصویر سے وصول ہو جاتی ہے"
مشائخ علماء کے آرگن کے لیے یہ نہایت نامناسب ہے۔ یہ حضرات تصویر کشی کی تقبیح نہ
کریں تو کم از کم مدح سرائی تو نہ کریں، اس کے متعلق اگر آپ حضرات کے نزدیک
نامناسب نہ ہو تو "الفرقان"[1] اور "تعمیر حیات" دونوں میں تنقید ضروری ہے۔"
اس طرح ایک مرتبہ شیخ نے ایک قابل احترام دیوبندی عالم اور بزرگ کے متعلق سنا کہ
وہ ۱۲ ربیع الاول کے ایک میلادی جلسہ میں شرکت فرمانے والے ہیں، شیخ نے اس پر اس ناچیز
کو لکھا۔

"ابھی چند روز ہوئے اخبار میں ۱۲ ربیع الاول کے میلادی جلسہ میں شرکت کا وعدہ
پڑھا جس سے سوچ میں ہوں کہ جس چیز پر اکابر نے ایسے ایسے خم ٹھونکے وہ ایسی
بن گئی کہ اخبار جمعیۃ تو گویا اس کے پروپیگنڈہ کے لیے وقف ہو گیا۔"

(مکتوب ۱۱ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ)

اس جذبہ کا نتیجہ تھا کہ شیخ نے بڑے اہتمام و تاکید سے مجھے حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل
شہیدؒ کا رسالہ "تقویۃ الایمان" کے (جو اس جماعت کے مسلک کا پورا ترجمان ہے اور اس میں
توحید خالص کی ایسی کھلی اور طاقت ور دعوت دی گئی ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے) عربی ترجمہ
کا حکم دیا، ۱۳۹۲ھ کے ذی الحجہ میں جب راقم سطور مدینہ طیبہ میں حاضر تھا مجھ سے ارشاد ہوا کہ میں
اس کتاب کو عربی میں منتقل کروں، میں نے وعدہ کر لیا، لیکن شیخ کو اطمینان نہیں ہوا، عزیزی
مولوی سید محمد واضح ندوی کے ذریعہ مجھے پیغام دیا کہ میں مدینہ طیبہ سے رخصت ہونے سے پہلے
اس کام کو مسجد نبویؐ میں شروع کر جاؤں، چنانچہ عین رخصت کے دن ۲۹ یا ۳۰ ذی الحجہ کو زوال

---

[1] اسی زمانہ میں الفرقان میں اس مسئلہ پر صاف اور واضح انداز میں گفتگو کی گئی تھی، اور
اس کا خاطر خواہ نتیجہ بھی برآمد ہوا تھا۔ (الفرقان)

سے پہلے باب جبرئیل و باب الرحمۃ کے درمیان بیٹھ کر حجاج کے ہجوم اور ذکر و تسبیح و درود کے شور کے درمیان میں نے اس کے مقدمہ کا ابتدائی حصہ لکھا اور اسی وقت واضح سلمہٗ نے اس کو شیخ کو جن کی نشست باب عمر کے قریب ہوتی تھی جا کر سنا دیا، شیخ نے بڑی دعائیں دیں اور تحسین فرمائی، ۱۳۹۴ھ کی آخری تاریخوں میں ترجمہ مکمل ہو گیا طباعت کے بعد شیخ نے اس کو بڑی تعداد میں خرید کر احباب و خدام اور اہل علم میں تقسیم کیا۔

اسی دینی حمیت اور شرعی حمایت کا نتیجہ تھا کہ مدینہ طیبہ میں ایک ایسے مسئلہ پر جس میں بلاد عربیہ میں بڑا تساہل شروع ہو گیا ہے اور "عموم بلوی" کی کیفیت ہے، قلم اٹھایا اور داڑھی کے وجوب پر ایک رسالہ لکھا، جس کا عربی میں بھی ترجمہ ہوا اور اہل عرب میں اس کی وسیع پیمانہ پر اشاعت ہوئی۔

یہی جذبہ تھا جس نے ان کو جماعت اسلامی کے فکر اور بانیٔ جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تحریروں کے احتساب اور ان پر تنقید کرنے پر مجبور کیا، جب ان کے علم اور ذاتی تجربہ میں یہ بات آئی کہ ان کے اسلاف و مشائخ نے اپنی پیہم کوششوں سے اس تحتی براعظم میں خدا طلبی کا جو عام ذوق، محبت الٰہی و عشق رسول کی چنگاری اور اصلاح و تربیت نفس کا جو جذبہ پیدا کر دیا تھا جس کا عمومی اور طاقتور ذریعہ "تصوف" تھا، نیز اپنے درس و تلقین عمل اور تصنیفات سے کسی ایک مسلک فقہی سے وابستگی کی ضرورت کا جو احساس پیدا کر دیا تھا اور ہر شخص کے مجتہد بن جانے کے خطرہ کا بہت حد تک سدباب کر دیا تھا (جس کا اس انتشار پذیر معاشرہ میں پورا امکان تھا) اور ائمہ مجتہدین کے ساتھ بالخصوص اور سلف کے ساتھ بالعموم حسن ظن، اعتماد و احترام قائم کر دیا تھا، ان تمام کوششوں پر ان تحریروں سے اثر پڑ رہا ہے اور دین کی اصل و بنیاد و حقیقت "تعلق باللہ و عبودیت" فکر آخرت، اور ایمان و احتساب پر دین کا سیاسی و تنظیمی تصور غالب آ رہا ہے تو وہ بے چین ہو گئے، اور ان کے قلم سے اپنے ایک قدیم رفیق اور دوست[1] کے نام وہ طویل مکتوب نکلا جو اُن کی

[1] اس سے مراد مولانا زکریا قدوسی گنگوہی مرحوم ہیں جو مدرسہ مظاہر العلوم کے قدیم فاضل اور استاذ و مدرس تھے شیخ کے قیام مدینہ کے دوران ان کے بعض عزیزوں نے مکتوب کی اہمیت ضرورت اور وقت کا ایک اہم مسئلہ سمجھ کر اسکو رسالہ کی شکل میں شائع کر دیا۔

غیر موجودگی میں مستقل رسالہ کی شکل میں "فتنۂ مودودیت" کے نام سے شائع ہوا۔ دوبارہ ان کی تجویز سے "جماعت اسلامی کے لیے ایک لمحۂ فکریہ" کے نام سے اس کی اشاعت ہوئی۔

اسی دینی حمیت کا نتیجہ تھا کہ جب مصر کے صدر اور قائد جمال عبدالناصر کے اقدامات سے اور قومیت عربیہ اور اشتراکیت کی دعوت سے نہ صرف مصر بلکہ پورے مشرق وسطی میں دینی فکر و دعوت اور ذات نبویؐ اور اسلام کے پیغام سے عربوں کی وابستگی خطرے میں پڑ گئی تھی، لیکن جمال عبدالناصر کے چند جرأت مندانہ اقدامات جن میں اس کو کامیابی ہوئی تھی اور مغربی طاقتوں کو للکارنے کی وجہ سے ہندوستان میں علما کا ایک بڑا گروہ اور بعض ایسی جماعتیں بھی جن کی بنیاد اسلام کی حمیت و حمایت پر پڑی تھی۔ جمال عبدالناصر کی مداح اور مؤید بن گئیں، اس وقت حضرت شیخ کی مجالس میں جمال عبدالناصر کے بارے میں کھلے طریقہ پر ناپسندیدگی کا اظہار اور اس کے متعلق سخت الفاظ استعمال ہوتے تھے، یہاں تک کہ رمضان مبارک کے مشغول اوقات میں اور عشاء کے بعد ایک بھری مجلس میں حضرت شیخ نے محمد میاں مرحوم کا ایک سخت تنقیدی مضمون جو ندوہ کے عربی رسالہ "البعث الاسلامی" میں شائع ہوا تھا بلند آواز سے پڑھوایا اور حاضرین کو سنوایا جو شاید بعض حاضرین مجلس کو گراں بھی گزرا، لیکن شیخ نے پروا نہیں کی۔

ذکر و روحانیت اور وقت کے مسلّم مشائخ اور اہل اللہ کی طرف توجہ دہانی:

حضرت شیخ باوجود اپنے بلند روحانی مقام اور مرجع خلائق ہونے کے اپنے اہل تعلق کو اپنے وقت کے مستند و مسلّم مشائخ بالخصوص شیخ وقت حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی طرف اصرار و تاکید سے متوجہ فرماتے رہتے تھے اور اس سے ان کی للّٰہیت، بے نفسی اور خلوص کا پورا اظہار ہوتا ہے، میرے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"رائے پور کے متعلق میں بھی اصرار سے عرض کروں گا کہ مشاغل کی مزاحمت کے باوجود کبھی کبھی گنجائش نکال لیا کریں، چچا جان تو تشریف لے ہی گئے، مولانا کا وجود بھی چراغ سحری ہے، مشاغل تو آدمی کے ساتھ لگے ہی رہتے ہیں، اس سے

کب خلاصی ہو سکتی ہے۔[1]

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"رائے پور کے جناب کے سفر کی حقیقی اہمیت بندہ کے نزدیک بہت ہے، اس کو بار بار کیا عرض کروں۔ بندہ تو بہت ہی ضروری خیال کرتا ہے کہ اہل حضرات وہیں جائیں، جب بھی موقع مل سکے چند روز یکسوئی کے ساتھ ضرور تشریف لائیں"[2]

اس بار بار کی تاکید کی وجہ یہ تھی کہ شیخ تمام دینی و علمی و اصلاحی کاموں اور دعوت و تبلیغ کے لیے اخلاص وللّٰہیت، حیات قلبی اور حرارت باطنی کو ضروری سمجھتے تھے جو ان کے نزدیک بمنزلہ اسٹیم کی تھی، جس کے بغیر دین کی کوئی گاڑی چلتی نہیں۔ اپنے ایک مکتوب (مؤرخہ ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۶۲ھ) میں تحریر فرماتے ہیں۔

"انجن میں آگ کی ضرورت ہوتی ہے اور للّٰہی آگ انھیں درباروں سے ملتی ہے۔"

ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"میرا یقین ہے کہ فتن کا علاج اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور اسی جذبہ کے تحت ملکوں ملکوں پھر رہا ہوں کہ خانقاہیں دنیا سے ختم ہوگئیں۔"[3]

ان کے نزدیک کم از کم درجہ یہ تھا کہ ان حضرات اہل اللہ سے کم سے کم دل میں کدورت نہ رکھی جائے۔ یہ مضمون ان کی تحریروں میں بار بار آیا ہے اور اس سوء ظن، کدورت اور اعتراض پر بار بار فکر فرمائی ہے۔ اپنے مشہور رسالہ "الاعتدال فی مراتب الرجال" میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

"میں اپنے سے تعلق رکھنے والوں کو خاص طور سے متوجہ کرتا ہوں اور کرتا رہتا ہوں کہ وہ اللہ والوں سے ذرا بھی دل میں کدورت نہ رکھیں ورنہ مجھ سے تعلق

---

[1] مکتوب ۴ جمادی الثانیہ ۱۳۶۲ھ، [2] مکتوب ۷ محرم ۱۳۶۵ھ، [3] مکتوب ۵ مئی ۱۹۸۱ء

نہ رکھیں"

شیخ کا یہ مشورہ صرف اپنے خوردوں اور نیازمندوں ہی کے لیے نہیں تھا، خود بھی بڑے اہتمام سے حاضر ہوتے اور کئی کئی دن کئی کئی وقت رہتے، جس زمانہ میں حضرت کا بہٹ ہاؤس (سہارن پور) میں طویل قیام تھا، شیخ کا بلاتکلف روزانہ کا معمول تھا کہ عصر کی نماز پڑھ کر فوراً بہٹ ہاؤس تشریف لے جاتے، اس اندیشہ سے کہ کچھ تاخیر نہ ہو جائے، شام کی چائے جو عمر بھر کے معمولات میں شامل تھی، مستقلاً چھوڑ دی تھی، حضرت کو جب اس کا علم ہوا تو بہٹ ہاؤس میں اس کا انتظام فرمانے کی تاکید کی، لیکن شیخ نے اصرار سے منع فرما دیا، اخیر زمانہ قیام رائے پور میں باوجود اس کے کہ سفر خاص حالات وکیفیات کی بنا پر شیخ کے لیے مجاہدۂ عظیم تھا۔ ہر ہفتہ کا معمول تھا کہ جمعہ کی شام کو تشریف لے جاتے اور پیر کی صبح تشریف لاتے[1]

یہی حال حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کی تشریف آوری کے موقع پر تھا کہ اطلاع ملنے پر رات کو جاگ کر اسٹیشن تشریف لے جاتے اور وہ اہتمام واحترام فرماتے جو مشائخ کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ مولانا کے قیام دیوبند کے زمانے میں وقتاً فوقتاً وہاں تشریف لے جاتے اور ملاقات کرتے۔

دینی کوششوں اور علمی کاموں کی قدردانی اور ہمت افزائی اور علمی ذوق:

حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی وسیع القلبی، وسیع النظری اور دین سے نسبت رکھنے والے کاموں کی قدردانی کا جذبہ عطا فرمایا تھا کہ وہ ہر اس کام کی ہمت افزائی اور اگر ممکن ہو تو اس میں تعاون کے لیے آمادہ رہتے تھے جس میں ان کو دین کا فائدہ یا علم کی ترقی نظر آتی، تبلیغی دعوت، مرکزی مدارس (مظاہر علوم، دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء) کا تو کیا ذکر کوئی اچھی کتاب، یا کوئی صحیح دینی کوشش ان کے علم میں آجاتی تو اس کی پوری داد دیتے

---

[1] سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ ص ۳۱۳

اور ہمت افزائی فرماتے۔

میرے سفرِ امریکہ کی تقریروں کا مجموعہ "نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں" شیخ نے پڑھواکر سنا، تو فوراً مجھے خط لکھا کہ آپ کی امریکہ کی تقریریں بہت پسند آئیں، بڑے غور سے سنا مگر یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اہلِ امریکہ کی ان سے متاثر ہونے کی کیا صورت ہے، آپ نے لاؤڈ اسپیکر پر تقریر کر دی اور نیازمندوں نے چند نسخے چھاپ دیے۔ میری تو رائے ہے کہ جتنی زیادہ سے زیادہ اس کی انگریزی، عربی میں طباعت کی صورت ہو سکے بہتر ہے، اسکی اشاعت کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اگر آپ کے ذہن میں اس کی کوئی صورت ہو تو ضرور لکھیں میرا تو یہ خیال ہے کہ اہلِ خیر کو متوجہ کر کے ایک لاکھ کے قریب نسخے انگریزی، عربی، اردو کے خوب تقسیم کیے جائیں، اگر لکھنؤ میں اردو میں چھپے تو ایک ہزار میرے ہیں جو پڑتا ہو وہ بھیج دوں گا اور میرے ایک ہزار طباعت کے بعد حاجی یعقوب صاحب کے پاس بھیج دیں[1]۔"

حضرت شیخ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تربیتِ مدرسین کے انتظام کی ایک اطلاع ملی اس پر تحریر فرمایا۔

"تربیت مدرسین کی خبر سے بہت ہی مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔ اگر یہ مبارک مجمع موجود ہو تو سلام مسنون[2]۔"

اکتوبر نومبر ۱۹۷۵ء میں جب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قیام پر پچاسی[۸۵] سال گزر جانے کی تقریب میں ایک عالمی اجلاس ہوا جس میں عرب ملک کے فضلاء و اعیان کو خاص طور پر دعوت دی گئی[3]۔

---

[1] خط پر تاریخ نہیں ہے بہرحال سفرِ امریکہ کے بعد کا خط ہے جو مئی ۱۹۷۷ء میں ہوا تھا اور واپسی اگست میں ہوئی، دوسرے مکتوب میں جو ۱۶ مئی ۱۹۷۸ء کا لکھا ہوا ہے، مطلوبہ نسخوں کی تعداد دو ہزار کر دی گئی۔ [2] مکتوب بارہ[۱۲] ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ

[3] اس کے مفصل حالات کے لیے ملاحظہ ہو "روداد جشن" از سید محمد الحسنی مرحوم؛ شائع کردہ مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء۔

شیخ نے نہ صرف اس کی کامیابی کے لیے دعائیں کیں بلکہ اس کو بالکل اوڑھ لیا۔ جب تک وہ اجلاس کامیابی اور خیر و خوبی کے ساتھ ختم نہیں ہوگیا شیخ کا پورا دل اس میں لگا رہا۔ ہر آنے جانے والے سے وہاں کے حالات وخیریت دریافت کرتے تھے۔ لوگوں نے بیان کیا کہ سونے کی حالت میں بھی شیخ کو اس کے متعلق ہدایات دیتے ہوئے سنا گیا، ختم ہونے کے بعد مجھے مبارک باد کا خط لکھا، جس میں آئندہ کے لیے بھی ہدایات تھیں بعض خدام سے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ یہ اجلاس کس نے کرایا؟ یہ میں نے کرایا۔

خالص دینی کام بلکہ کوئی مفید علمی کام ہوتا تو اس کی ہمت افزائی اور تائید فرماتے اور اس میں امکانی تعاون کےلیے تیار رہتے، میرے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ کی شہرۂ آفاق کتاب "نزہۃ الخواطر" کی سات جلدیں دائرۃ المعارف حیدرآباد نے شائع کی تھیں۔ آٹھویں جلد میں تاریخ وفات تصنیفات وغیرہ کے سلسلہ میں جا بجا بیاض تھے، جو مصنف کی وفات ہوجانے کی وجہ سے باقی رہ گئے اور ان کا پُر کرنا اور کتاب کا مکمل کرنا ان کے فرض شناس اور سعادت مند اخلاف کے ذمہ تھا۔ لیکن یہ کام بڑا دشوار تھا صرف ان شخصیتوں کی تعداد کئی سو تھی جن کی وفات مصنف کے بعد ہوئی تھی۔ ناچیز راقم سطور نے فاضل گرامی ڈاکٹر عبدالمعید خاں ناظم دائرۃ المعارف کے اصرار سے اس کام کا بیڑہ اٹھایا اور اس سلسلہ میں اہل علم سے رابطہ قائم کیا، اخبارات میں اعلان کیا اور خطوط لکھے، اس سلسلہ میں حضرت شیخ سے بھی مراسلت کی جن کے یہاں وفیات لکھنے کا بڑا اہتمام تھا اور خود ان کی تاریخ کبیر میں اس کا بڑا مواد تھا، میرے عریضہ کے جواب میں ان کا جو مکتوب آیا اس کا ایک اقتباس یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

> "میرا خود دل چاہتا ہے کہ نزہتہ کی تکمیل میں جو بھی خدمت ہو سکتی ہے وہ موجب سعادت ہے، میں تو آپ سے درخواست کرتا کہ جن کی وفیات کی تلاش ہے، ایک فہرست مجھے بھی بھیج دیں مگر آنکھوں نے اس کے ساتھ ہی ٹانگوں نے ایسا معذور بنا دیا کہ نہ اپنے کتب خانہ کی کتابیں تلاش کی جاتی ہیں اور نہ مدرسہ جا سکتا ہوں، ...... نزہت کی طباعت کا تو بہت ہی اشتیاق ہو رہا ہے۔

اللہ کرے کہ میری زندگی میں طبع ہو جائے اور خدا کرے کہ کوئی سنانے والا بھی مل جائے تو ضرور سنوں گا۔ "ارکان اربعہ[1]" کو بھی ضرور بھیجیں۔ اللہ کرے کوئی سنانے والا مل جائے[2]"

ایک دوسرے مکتوب میں جو اس سے پہلے کا لکھا ہوا ہے اور جس میں اس کے بعض حصوں کی رسید ہے، تحریر فرماتے ہیں:۔

"نزہۃ الخواطر" کے سلسلہ میں جناب کی توجہ کا خصوصی شکریہ پیش کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ شانہ اس کو جلد از جلد ہم لوگوں تک پہنچائے کریں تو انھیں چیزوں کا بیمار ہوں"

شیخ کا مفید اصلاحی و دینی کتابوں کے ساتھ یہی معاملہ تھا کہ ساری معذوریوں کے باوجود وہ ان کے سننے کے لیے وقت نکال لیتے تھے۔ اس ناچیز کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"آپ کی کتاب" تاریخ دعوت و عزیمت (جلد چہارم) ایسی حالت میں پہنچی کہ میں لب گور تھا۔ بیٹھنا مشکل، سننا مشکل، لیکن مجھے آپ کی ہر کتاب کا اہتمام ہوتا ہے، اس لیے اس نے مجھے ایسا پکڑا کہ چھ سات روز میں پوری سن لی، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، امت کو اس سے فائدہ پہنچائے، بالخصوص سلاسل کی تفصیل آپ نے لکھی، اس سے بہت مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو تا دیر زندہ سلامت رکھے[3]"

اسی طرح جب عزیزی سید سلمان حسینی ندوی نے اپنا تحقیقی مقالہ جو جرح و تعدیل کے الفاظ کی تحقیق میں تھا اور جامعۃ الامام محمد بن سعود، ریاض میں پیش کیا گیا تھا شیخ کی خدمت میں پیش کیا تو مجھے تحریر فرمایا۔

---

[1] راقم سطور کی "الارکان الاربعہ" کا ترجمہ جو برادر زادہ عزیز مولوی محمد الحسنی مرحوم کے قلم سے ہے۔

[2] مؤرخہ ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۹۸ھ از سہارنپور

[3] مکتوب مؤرخہ ۲۲ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ

"عزیز سلمان کی کتاب میں نے سرہانے رکھ رکھی ہے اور جب بھی وقت ملتا ہے ایک دو ورق سنتا ہوں اور ارادہ ہے کہ مکمل سنوں گا، میری طرف سے عزیز موصوف کو ضرور مبارک باد فرما دیں"[۱]

محترمی سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب ایم اے ناظم دارالمصنفین کی کتاب بزم صوفیہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"سید صاحب کی کتاب "بزم صوفیہ" کے تعارف سے دل خوش ہوا، اللہ تعالےٰ ان کی کتاب کو مقبول فرمائے اور لوگوں کو زائد سے زائد متمتع فرمائے۔ میں نے فرمائش کی ہے کہ میرے پاس ایک نسخہ وی۔ پی سے بھیج دیں"[۲]

"بزم صوفیہ" کتاب پہنچ گئی اور باوجود بیماری کے بہت وقت سے سنی"[۳]

اپنے اسلاف و مشائخ کے ساتھ وفا شعاری اور خدام و احباب کے ساتھ محبت و شکر گزاری کا تعلق :۔

حضرت شیخ کے حالات و کمالات میں ایک نمایاں وصف اپنے سلسلہ کے مشائخ اور مربیوں و محسنوں کے ساتھ وفا شعاری ان کی علمی یادگاروں کی نہ صرف حفاظت بلکہ زیادہ سے زیادہ اشاعت، علمی دنیا میں ان کے تعارف اور ان کے علمی و دینی فیوض کے دائرہ کو وسیع کرنے کا وہ بے پایاں جذبہ تھا جس کی نظیر اس زمانہ میں ملنی مشکل ہے۔ وہ ان کے ایک ایک حرف کو آنکھوں سے لگاتے اور دنیا میں دور دور پہنچانے کے لیے ساعی رہتے تھے۔

اسی جذبہ کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے حضرت گنگوہیؒ کی بخاری کی تقریرات کو جن کو حضرت

---

۱ مکتوب مؤرخہ ۵ر مئی ۱۹۸۱ء

۲ مکتوب مؤرخہ ۲۸ر ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ

۳ مکتوب مورخہ ۲۷ر ذی الحجہ

مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ نے قلم بند کیا تھا "لامع الدراری" کے نام سے بڑی آب وتاب کے ساتھ شائع کیا۔ اس پر خود اپنے حواشی کا اضافہ کیا اور ایک فاضلانہ ومحققانہ مقدمہ لکھا اور ممالک عربیہ میں اس کے تعارف کی غرض سے اس ناچیز سے بھی کتاب کا عربی میں تعارف اور مقدمہ لکھوایا۔

اسی طرح حضرت گنگوہی کی ترمذی شریف پر تقریرات وتحقیقات کو جو "لامع الدراری" کی طرح مولانا محمد یحییٰ صاحب کی قلم بند کی ہوئی تھی۔ "الکوکب الدری علیٰ جامع الترمذی" کے نام سے طبع اور شائع کروایا، اس پر بھی مقدمہ لکھنے کا مجھے امر ہوا۔

جہاں تک حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی معرکۃ الآرا کتاب "بذل المجہود" کا تعلق ہے اس کی طباعت واشاعت کا تو حضرت شیخ پر ایسا غلبہ تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی طباعت کی تکمیل کے بغیر ان کو چین ہی نہ آئے گا۔ جو لوگ اس میں ذرا بھی حامی وشریک رہتے ان کو حضرت شیخ کی خاص دعائیں اور خوشنودی والتفات حاصل ہوتا، یہ سب اپنے اسلاف واساتذہ ومشائخ کے وفادارانہ وعاشقانہ تعلق کا کرشمہ تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خود شیخ کی مقبولیت وترقی میں بھی اس کو خاص دخل تھا۔

اپنے بزرگوں کے ان آثار علمیہ کی حفاظت واشاعت کے علاوہ ان کے حالات وسوانح کی تدوین اور اشاعت کی طرف بھی پوری توجہ اور اس سے پوری دلچسپی اور وابستگی تھی۔ اس سلسلہ میں عزیز سعید مولوی محمد ثانی مظاہری ندویؒ کو حکم ہوا کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی سوانح نئے طرز تصنیف اور نئے مواد کے ساتھ مرتب کریں۔ اللہ نے عزیز موصوف کو اس کی توفیق دی۔

انھوں نے حیات خلیل کے نام سے (۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء) اس کی تکمیل کی۔ مؤلف موصوف اس کو جستہ جستہ حضرت شیخ کی خدمت میں بھیجتے رہے، حضرت شیخ ان کے نام تحریر فرماتے ہیں۔

"بعد سلام تمھاری تالیف حیات خلیل کا مسودہ مدینہ پاک میں پہنچ کر موجب مسرت ہوا تھا۔ میں اس کو سن سن کر وہاں سے ہی واپس کرتا رہا، اللہ تعالیٰ تمھاری اس محنت کو قبول فرما کر دارین کی ترقیات کا ذریعہ بنائے ماشاء اللہ

تم نے بڑی محنت وکاوش سے حالات تحقیق کے بعد جمع کیے۔[1]

پھر اس کی عربی تلخیص کا اشارہ ہوا اور یہ کام سید عبداللہ حسنی ندوی سلمۂ نے انجام دیا۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری کی سوانح حیات کی ترتیب میں بھی حضرت شیخ کا ایما اور مشورہ اور رہنمائی اول سے آخر تک شامل رہی اور اس میں بھی اسی وفا شعاری کا جذبہ کام کر رہا تھا جو ان کے خمیر وضمیر میں ودیعت تھا۔ پھر حضرت شیخ کے حکم وایما ہی پر عزیزی محمد ثانی سلمۂ نے مولانا محمد یوسف صاحب کی ضخیم ویادگار سوانح پھر ان کے جواں سال وجواں مرگ فرزند مولوی محمد ہارون کی مختصر سوانح تصنیف کی اور حضرت شیخ کی خاص دعائیں اور خوشنودی کا پروانہ حاصل کیا۔

یہی حال کم وبیش سب کے ساتھ تھا۔ جہاں تک دعاؤں کا تعلق ہے ایک مرتبہ فرمایا کہ اس مرتبہ حجاز جا کر حرم شریف میں بچپن کے پرانے پرانے لوگ یاد آئے، کاندھلہ میں ایک فقیر مانگنے آتا تھا، یا یہ فرمایا کہ ایک شخص راستہ میں بیٹھا رہتا وہ بھی یاد آ گیا تو میں نے اس کے لیے بھی دعائیں کیں۔ انھیں شفقتوں اور نوازشوں کو دیکھ کر اس پرانے جملے کی تصدیق ہوتی تھی " اولئك قوم لا يشقى بهم جليسهم " یہ وہ حضرات ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا کبھی محروم نہیں رہتا۔

مدارس عربیہ سے گہرا تعلق

شیخ کی ساری تعلیم وتربیت، ذہنی واخلاقی نشو ونما اور اکتساب علم وکمال سب ایک عربی، دینی مدرسہ کے ماحول، یا مدرسہ سے تعلق رکھنے والوں اور اس کو اپنے قلب وجگر اور اہل وعیال سے زیادہ عزیز رکھنے والوں کے آغوش میں ہوا پھر انھوں نے ایک مثالی مدرسہ (مظاہر العلوم) کا وہ زریں دور دیکھا تھا جب منتظمین واساتذۂ مدرسہ اخلاص وللّٰہیت، ایثار وقربانی اور زہد وورع کا پیکر اور طلبہ طلب صادق، انقطاع ویکسوئی اور طلب علم میں انہماک

---

[1] مکتوب مورخہ ۱۲ رجب ۱۳۹۶ھ از سہارن پور۔ "حیات خلیل ص۵"

وجانفشانی اور اپنے اساتذہ سے محبت وعقیدت اور اطاعت وانقیاد کا نمونہ ہوتے تھے اسی لیے مدرسان کی فکر وتوجہ کا مرکز ان کے تخیلات وتوقعات کا مسکن اور ان کی روح کا نشین بن گیا تھا اور وہ اس کو علوم دینیہ کے بقار مسلمانوں کی صحیح دینی رہنمائی، ان کو فساد عقیدہ اور فساد عمل سے بچانے کا واحد ذریعہ سمجھتے تھے۔ حقیقت میں انھوں نے "آپ بیتی" کا سلسلہ مدارس کے اسی دور کی یاد تازہ کرنے اور انھیں خصائص کو دوبارہ پیدا کرنے کے خیال سے مرتب فرمایا اور یہی مضمون ہے جو اس کے زیادہ تر صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ لیکن بمصداق ایک عربی شعر کے ؎

ما کل ما یتمنی المرء یدرکہ
تجری الریاح بما لا تشتہی السفن

زمانہ کے فساد اور ماحول کی انتشار انگیزی کا اثر ان قدیم مدارس پر بھی پڑا اور وہاں بھی احتجاجوں اور اسٹرائکوں کا دور شروع ہوگیا ۱۳۸۶ھ (۱۹۶۶ء) میں دارالعلوم دیوبند میں اسٹرائک ہوئی اور عرصہ تک انتشار وہنگامہ رہا، شیخ ان حالات سے متاثر ہوکر مجلس شوریٰ سے استعفے دے دیا اور آخر تک اسی پر قائم رہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ۱۳۸۸ھ میں خود مظاہر العلوم میں اسٹرائک ہوئی، شیخ کے دل پر اس کی بڑی چوٹ لگی۔ وہ اس موقع پر اکثر یہ شعر پڑھتے، اور دوستوں اور عزیزوں کو لکھتے ؎

وہ محروم تمنا کیوں نہ سوئے آسماں دیکھے
کہ جو منزل بہ منزل اپنی محنت رائیگاں دیکھے

مدرسہ مظاہر العلوم ہی میں نہیں، شیخ کو اسٹرائک سے خواہ وہ کسی دینی مدرسہ میں ہو سخت کراہت اور نفرت تھی اور وہ ان طلبہ کو جو اسٹرائک میں قائدانہ حصہ لیں کسی رعایت حسن ظن واعتماد، اور کسی دینی اعزاز کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۶۹ء میں جب دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اسٹرائک کی خبران کو ملی تو ان کو اس سے بھی صدمہ ہوا اور وہ کبھی ان طلبہ سے منشرح نہیں ہوئے جن کے متعلق ان کو کسی ذریعہ سے معلوم ہوگیا کہ انھوں نے اس اسٹرائک میں حصہ لیا تھا۔ اس لیے کہ ان کو تمام مدارس دینیہ سے جو صحیح مسلک پر قائم تھے گہرا قلبی تعلق تھا۔ وہ ان میں کسی

انتشار واختلاف کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اور شاید کبائر کے بعد جس چیز سے شیخ کو سب سے زیادہ نفرت تھی اور اس پر غصہ آتا تھا۔ وہ کسی عربی مدرسہ کے طلبہ کی اسٹرائک تھی۔ مسلسلات کے موقع پر بھی بعض وقت لکھ کر لگا دیا گیا یا اعلان کیا گیا، کہ جن لوگوں نے کسی مدرسہ میں اسٹرائک میں حصہ لیا ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، اجازت دینے میں بھی ہمیشہ اسی کا لحاظ رکھا گیا کہ جن لوگوں نے کسی مدرسہ میں اسٹرائک میں حصہ لیا ہے، اُن کو ہرگز یہ شرف نہ عطا کیا جائے اُن کو اپنے حلقۂ ارادت میں لینے سے بھی انکار تھا۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ" میں ایسے سورماؤں سے بہت کا تعلق بالکل نہیں رکھنا چاہتا ہے[1]"

افسوس ہے کہ حضرت شیخ کے دل پر زندگی کے آخری دور میں دارالعلوم دیوبند کے اختلاف وانتشار کا داغ لگا، پچھلے صفحات میں گزر چکا ہے کہ حجاز کے قیام میں بھی آپ کو اس مسئلہ سے کتنا تعلق خاطر تھا۔ اپنے ایک مکتوب میں جو اسی قضیہ کے اپنے آخری حدود سے پہلے کا لکھا ہوا ہے، تحریر فرماتے ہیں۔

"دیوبند وسہارن پور کا ہر وقت فکر ہے کہ میرے بڑوں کے ڈو باغ ہیں کتنے صلاح وفلاح سے اکابر نے لگایا تھا اور ہم ناخلفوں نے کس طرح اس کو برباد کرنا شروع کر دیا (فالی اللہ مشتکی) بڑوں کی نصیحت تھی کہ جب تک اخلاص رہے گا پھلے گا پھولے گا۔ اور جب اخلاص نہیں رہے گا برباد ہو جائے گا۔ اس کا منظر اب سامنے آرہا ہے[3]"

اس کے بعد ۲۴ رمضان ۱۴۰۰ھ کے خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

آپ سے ملنے کو اور دیوبند سے متعلق گفتگو کو بہت جی چاہ رہا ہے، جب اُدھر سے کوئی آتا ہے تو بغیر پوچھے مجھ سے نہیں رہا جاتا اور سن کر طبیعت مکدر ہی ہوتی ہے، کاش یہ حضرات حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ وغیرہم کی سوانح عمریاں

---

[1] شیخ کا مستقل رسالہ (رسالۂ اسٹرائک ہے) [2] رسالۂ اسٹرائک ص۱
[3] مکتوب مؤرخہ ۱۶ رمضان ۱۴۰۰ھ

دیکھ لیتے تو اچھا تھا۔ میرا تو جی چاہتا ہے کہ یہ لوگ ان حضرات کی سوانح کے علاوہ کچھ نہ پڑھیں "۔

حجاز کے آخری قیام میں ہندوستان سے کوئی آتا یا کوئی ایسا آدمی جس کا ان مدارس سے کچھ بھی رابطہ تھا، ملتا تو سب سے پہلے دیوبند ہی کے متعلق سوال ہوتا، افسوس ہے کہ حضرت شیخ کی زندگی میں یہ معاملہ پورے طور پر رو براہ نہ ہوا۔ ورنہ ان کو بڑی مسرت ہوتی، امید ہے کہ ان کی دعائیں اور ان کا سوز دل رنگ لائے گا اور ان کو اس دنیا میں نہیں تو اس عالم میں دارالعلوم کے اپنے بانیوں کے مقاصد اور اپنے مخلص کارکنوں کے عزائم اور خواہشات کے مطابق دین کی خدمت اور علوم شریعت کی اشاعت کا کام پورے انہماک یکسوئی اور تعاون کے ساتھ انجام دینے کی خبر سے مسرت ہوگی۔
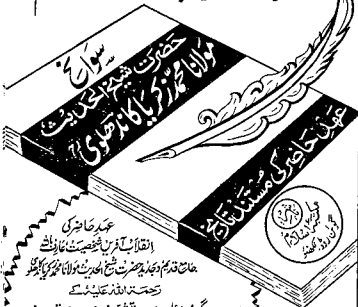
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کے قلم سے
سوانح
حضرت شیخ الحدیث
مولانا محمد زکریا کاندھلوی
عہدِ حاضر کی مستند کتاب
عہدِ حاضر کی
انقلاب آفریں شخصیت عارف باللہ
جامع قدیم و جدید حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی
رحمۃ اللہ علیہ کے
حالاتِ زندگی، ان کا علمی و روحانی تشخص، ان کے نمایاں صفات، اندازِ تربیت
توازن و جامعیت، ادب، تعلق باللہ و عشق نبی، خلوص و محبت، فیض و تاثیر، راہِ معرفت و
سلوک کا ایمان افروز و دل آویز تذکرہ۔
ایک دل آویز شخصیت کا ذکر،
ایک دل آویز شخصیت کے قلم سے
حشو و زوائد سے پاک
نوٹ
فوٹو آفسٹ کی طباعت ○ سائز ۸/۱۸×۲۲ ○ قیمت روپے
ناشر:
مکتبہ اسلام پوسٹ بکس نمبر ۳۳۵۔ نمبر ۳۷ گوئن روڈ لکھنؤ (انڈیا)

عاشقِ رسول

مولانا زین العابدین سجاد میرٹھی

کسی شاعر نے کہا ہے۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

(اللہ تعالیٰ کے لیے یہ بات کچھ دشوار نہیں کہ ساری دنیا کو ایک ذات میں جمع کردے)

اللہ تعالیٰ شانہ کی اس قدرت کاملہ کا کامل ظہور اور رحمت خداوندی کا یہ لانہایت نزول، اگر مخلوق میں کسی پر ہوا ہے تو وہ ذاتِ والاصفات ہے سیدالمرسلین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ بلاشبہ آپ کی ہستی ہی دست قدرت کا وہ حسین وجمیل شاہکار ہے جس میں سارے عالم کی دل ربائیاں اور رعنائیاں جمع کردی گئی ہیں۔ چنانچہ خود خالق کائنات نے اس فخرِ موجودات کے محاسن کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ — بے شک آپ کے اخلاق بہت بلند ہیں۔

اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ — بے شک ہم نے آپ کو ہر قسم کی خوبیاں عطا کی ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کوثر سے مراد دونوں جہان کی خوبیاں ہیں اور ان میں حوضِ کوثر بھی شامل ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴)

پھر آپ کی ذات کو کمالات انسانیت اور محاسن عبدیت کا مجموعہ بنا کر اسے دنیا جہان کے انسانوں کے لیے نمونہ کامل بنایا گیا اور کاروانِ انسانیت کو اس کے نقوشِ اقدام پر چلنے کا حکم دیا گیا۔ فرمایا گیا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ — تمھارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ موجود ہے

آج بزرگی وعظمت اور امامت وولایت کا معیار اسوۂ حسنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور سنت سیدِ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے سوا کچھ نہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جملہ صلحاء واولیاء امت پر افضلیت بھی اسی لیے بالاتفاق مسلم ومجمع علیہ ہے کہ یہ اسی "انسان کامل" کی صحبت وتربیت سے براہ راست مستفید ہوئے اور ان کے آئینہ قلب کا دست نبوت نے خود تزکیہ وتصفیہ کیا اور ان کے اخلاق ومعاشرت کو خود اس نے اپنے فیض صحبت سے نکھارا اور سنوارا، پھر یہ کمالات نبوت کا بہترین نمونہ بن کر آنے والوں کے مقتدا اور رہنما بنے۔ اَصْحَابِیْ کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم (میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جن کی بھی تم پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔)

اس معیار پر جو کتاب وسنت کا مقرر کردہ معیار ہے، اگر ہم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ کو جانچیں تو حضرت ممدوح کی ذات ہمیں بزرگان عصر کی صفوں میں ایسی ہی ممتاز نظر آئے گی جیسے ستاروں کی محفل میں چاند۔ آپ کا خصوصی وصف عشق نبوت اتباع سنت اور خدمت سنت تھا ہے۔ اور اسی ام الاوصاف سے دوسرے تمام کمالات اور محاسن انسانیت کی شاخیں پھوٹتی ہیں اور اخلاق حسنہ اور آداب عالیہ کے پھول کھلتے ہیں اور آپ خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں بالواسطہ، مذکورالصدر شعر کا مصداق بھی بن جاتے ہیں۔

آپ کے فضائل وکمالات، اخلاق وعادات تعلیمات وافادات پر لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھاہے اور بہت کچھ لکھا جائے گا، نہ یہ میرا رتبہ ہے اور نہ اتنی معلومات۔ یہ حق ہے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی اور حضرت مولانا علی میاں جیسے جوہر شناسوں کا، میں تو محض تعمیل حکم کے لیے حضرتؒ کی سیرت کے اسی مرکزی وجوہری وصف سے متعلق چند لفظ لکھنا چاہتا ہوں۔

خدمت سنت:-

جہاں تک خدمت سنت کا تعلق ہے، آپ کی ساری عمر ہی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدریسی وتصنیفی خدمات میں گزری۔ ۱۳۳۴ھ میں آپ مظاہر علوم سہارنپور سے (جو دارالعلوم دیوبند کے بعد برصغیر کا سب سے بڑا دینی تعلیمی مرکز ہے) فارغ ہوئے اور اگلے ہی سال یہیں مدرس ہو گئے۔ پھر فنون حدیث میں اعلیٰ صلاحیت کی بنا پر اپنے شیخ محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد

سہارنپوریؒ کے حکم سے ۱۳۴۴ھ میں شیخ الحدیث کے منصب عظیم پر فائز کیے گئے اور ستائیس سال تک مسند تدریس حدیث کی زینت رہے۔ اس طویل مدت میں ہزاروں تشنگان علوم نبوت کو اپنے چشمۂ فیض سے سیراب کیا۔ "شیخ الحدیث" کا لقب آپ کو علوم حدیث میں ماہرانہ نظر کی بنا پر آپ کے استاذ و شیخ حضرت سہارنپوریؒ نے ہی عطا فرمایا۔ پھر اس طرح زبان زد خواص و عوام ہوگیا کہ لوگ آپ کا نام بھول گئے۔ ادب و عظمتِ حدیث کا یہ حال تھا کہ پڑھانا تو اور بات ہے پڑھنے کے زمانہ میں بھی کوئی حدیث بغیر وضو کے نہ پڑھی۔ پھر اس مقدس خدمت کا آپ نے کوئی دنیوی معاوضہ قبول کرنا گوارا نہ کیا۔ مظاہر علوم سے تعلق قائم ہونے کے بعد کچھ عرصہ تک تو اپنے شیخ و مرشد حضرت سہارنپوریؒ کے حکم کی تعمیل میں تنخواہ قبول کی، پھر لینا چھوڑ دی۔ ۱۳۴۴ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بہ ارادۂ قیام حجاز مقدس روانہ ہونے لگے تو چونکہ بذل المجہود شرح ابی داؤد کی تالیف کے سلسلہ میں آپ اپنے شیخ کے خصوصی معاون تھے، اس لیے آپ کا ساتھ جانا ناگزیر تھا۔ اس موقع پر حجاز مقدس کے سفر خرچ اور گھر کے اخراجات کا مسئلہ سامنے آیا۔ حضرت سہارنپوریؒ نے مشورہ دیا کہ دس سال کی تنخواہ تمہاری جو مدرسہ کے رجسٹر میں درج چلی آرہی ہے لے لو۔ حضرت شیخ نے عرض کیا کہ میں نے تو اس نیت سے پڑھایا ہے کہ تنخواہ نہ لوں گا، اب مجھے اس کے لینے کا کیا حق ہے۔ حضرت سہارنپوریؒ نے فرمایا تم نے کوئی درخواست تو مدرسہ کو نہیں دی۔ تم اجیر تھے اور مدرسہ مستأجر تمہیں یکطرفہ فسخ اجارہ کا حق حاصل نہ تھا لہٰذا عقد اجارہ قائم ہے۔ مگر حضرت اس فقہی جواز پر عمل کرنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اس وقت تو استاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کردی مگر بعد میں تمام اگلی پچھلی تنخواہیں مدرسہ کو واپس کردیں۔

ان مقدس تدریسی خدمات کے علاوہ آپ نے حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جو تصنیفی و تالیفی خدمات انجام دیں وہ قرون اولیٰ و وسطیٰ کے محدثین کرام کی عظیم الشان خدمات کی یاد تازہ کرتی ہیں۔

بذل المجہود شرح ابی داؤد (جو پانچ ضخیم جلدوں میں ہے) کے اصل مؤلف اگرچہ آپکے گرامی منزلت استاذ و شیخ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ ہیں مگر اس مقدس کام میں آپکے دست و بازو، سہارنپور اور مدینہ منورہ میں، حضرت شیخ الحدیث ہی رہے ہیں۔ چنانچہ

حضرت اقدس سہارنپوریؒ نے کتاب کے مقدمہ میں "عزیزی وقرۃ عینی و قلبی" کے محبانہ الفاظ سے آپ کا ذکر فرما کر آپ کی سعی و محنت اور تفحص و تتبع کا دلی دعاؤں کے ساتھ اعتراف فرمایا ہے۔ یہ کتاب یوں تو ابو داؤد کی شرح ہے مگر جملہ کتب صحاح کے مباحث دقیقہ وانیقہ کو حاوی ہے اور مسلک حنفی کی ترجیح میں محققانہ کلام کی جامع۔ علمار حجاز و مصر نے اس کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ایک گفتگو میں راقم الحروف سے فرمایا تھا کہ "بذل المجہود" کی تدوین سے خدمت حدیث کے سلسلہ میں علماء دیوبند و سہارنپور کی طرف سے فرض کفایہ ادا ہو گیا ہے۔"

شروح حدیث کے سلسلہ میں آپ کی اپنی مستقل تالیف اوجز المسالك شرح موطا امام مالك ہے، جو چھ مبسوط جلدوں میں ہے۔ اس میں حل لغات و تحقیق رواۃ کے بعد، ائمہ اربعہ کے مذاہب خود ان مذاہب کے معتمد علماء کی کتابوں سے نقل کیے گئے ہیں، پھر مذہب احناف کو مدلل و مبرہن کیا گیا ہے۔ لطائف و معارفِ حدیث کا بھی گراں مایہ خزانہ ہے۔ علماء عجم و عرب نے اس کی اہمیت کا اعتراف کیا ہے۔ شیخ عبدالوہاب عبداللطیف رئیس قسم السنۃ کلیۃ اصول الدین جامعہ ازہر نے مقدمہ موطا امام مالک میں آپ کی تحقیق و تفحص میں "سعی بلیغ و جہد کبیر" کی بڑی تعریف کی ہے۔

اس کے علاوہ لامع الدراری شرح جامع البخاری، جو حضرت قطب الارشاد مولانا گنگوہیؒ کی آخری تقریر بخاری شریف کا مجموعہ ہے (جسے آپ کے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد یحییٰؒ نے عربی میں ضبط کیا تھا) اس کو آپ نے تعلیقات نفیسہ سے مزین فرمایا ہے۔ یہ بھی بلند پایہ کتاب ہے اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کی فرمائش پر مرتب کی گئی ہے۔ تین جلدوں میں ہے۔

یہ کتابیں تو عربی زبان میں لکھی گئی ہیں۔ اردو زبان کی کتابوں میں شمائل ترمذی کی شرح خصائل نبوی بھی بڑی مفید اور متبرک کتاب ہے۔ اصل کتاب میں امام ترمذیؒ نے سیرت و شمائل مقدسہ سے متعلق چار سو احادیث کو چھپن ۵۶ بابوں میں جمع فرما دیا تھا۔ آپ نے اردو میں ان کا ترجمہ اور شرح کر کے اردو دانوں کے لیے سیرت مقدسہ کا مستند ترین مجموعہ مہیا کر دیا ہے، جس کے

آئینہ میں محبوب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے جمال وکمال کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ آپ کی پرانی تالیف "حکایاتِ صحابہ" بھی بڑی دل کش اور روح پرور کتاب ہے۔ اس کو پڑھتے ہوئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس زندگیوں کے نورانی مناظر نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم "خیرالقرون" کے دور سے گزر رہے ہیں)۔

آپ کے رسائل فضائل، فضائل ذکر، فضائل قرآن، فضائل صدقات، فضائل نماز، فضائل رمضان، فضائل حج، فضائل درود جو "تبلیغی نصاب" میں یک جا کر دیے گئے ہیں، روحانی دسترخوان کی بہترین غذائیں ہیں۔ ان کو پڑھ کر اور سن کر لاکھوں انسانوں کی زندگیاں بدل گئی ہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں ہیں جو آپ نے بعض دینی فتنوں کے انسداد اور عصری ضرورتوں کی تکمیل کے لیے لکھیں۔ یہ سب علمی جواہرات جو آپ نے معادنِ کتاب وسنت سے نصف صدی کی کوشش وکاوش کے بعد جمع کیے ان سے نَضَّرَ اللّٰہُ امرأً سَمِعَ منا شیئًا فَبَلَّغَہ کما سمع فربَّ مُبَلَّغٍ اَوعٰی من سامع (ترمذی) کے اجر کے سوا کچھ مطلوب نہ تھا۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جس زمانہ میں بذل المجہود مصر میں طبع کرائی جارہی تھی اور اس کی تصحیح وطباعت کے اہتمام کے سلسلہ میں ہزاروں روپے صرف کیے جارہے تھے۔ حضرت مولانا محمد سلیم صاحب کیرانوی مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ اتنا روپیہ خرچ کرکے یہ کتاب چھپوا رہے ہیں تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی رجسٹری بھی کرالیں ورنہ اندیشہ ہے کہ کوئی ناشر اس کا فوٹو لے کر چھاپ لے اور اسے اتنی قیمت فروخت کرنے لگے جو آپ کی لاگت سے بھی کم ہو۔ ایسی صورت میں آپ کی کتاب فروخت نہ ہوسکے گی۔ حضرتؒ نے فرمایا اگر کوئی ناشر ایسا کرنا چاہے تو اس کا فوٹو کرانے کی اجرت تو میں پیش کردوں گا۔ وہ کتاب چھپوا لے اور بیچ لے بعد میں انشاء اللہ تعالیٰ میری طباعت کردہ کتاب بھی نکل ہی جائے گی۔ (اکابر کا تقویٰ ؒ)
یہاں کسی مصنف کے اپنی تصنیف کردہ کتاب کے حقوق محفوظ کر لینے کے جواز وعدم جواز کی بحث نہیں۔ مقصود ذکر وہ جذبہ للّٰہیت واخلاص عمل ہے جو اس جواب کا محرک ہوا۔

کتب حدیث کی تدریس، شروح حدیث کی تدوین، تراجم کتب حدیث کی ترتیب اور اپنے ان بزرگوں

کی صحبت نے جو صاحب سنت علیہ السلام والتحیۃ سے والہانہ محبت رکھتے تھے اور اتباع سنت کا بے نظیر نمونہ تھے ۔ آپ کو عشق نبوی اور اتباع سنت کے سانچہ میں ڈھال دیا تھا۔ آپ کے اخلاق وآداب، معاشرت ومعیشت ، رفتار وگفتار، اکل وشرب ، نوم و یقظہ جملہ اعمال وافعال سنت کے دائرہ میں ہوتے تھے ۔ آپ کے عمل کو دیکھ کر لوگ دین کی تعلیم اور مسائل کا علم حاصل کرتے تھے ۔ سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اس اختیاری مواظبت کے یہ برکات وثمرات تھے کہ غیر اختیاری اعمال میں بھی اتباع سنت کے مواقع نصیب ہوئے ۔

مرجعیت ومرکزیت :-

عمر کے آخری سالوں میں اللہ تعالیٰ نے وہ مرکزیت ومرجعیت عطا فرمائی کہ عام الوفود (سنہ ۹ھ) کے مناظر نگاہوں کے سامنے آگئے ۔ عوام وخواص، علماء وفقراء ، امراء وزراء ، دانشور وصحافی ، وکلاء وحکام، یونیورسٹیوں کے پروفیسر اور اسکالر، مدارس عربیہ کے اساتذہ وتلامذہ ، مسلم لیگی، مسلم مجلسی، جمعیتی اور کانگریسی ۔ غرض ہر طبقہ ، ہر جماعت اور ہر ذہن وفکر کے لوگ ۔ ہزاروں میل کے سفر کر کے آتے اور محض سامنے سے لائنوں میں گزرتے ہوئے مصافحہ کر لینے اور آخری سالوں میں تو چہرۂ انور کی ایک جھلک دیکھ لینے کو اپنی معراج سمجھتے ۔

تیسرے سال (۱۳۹۹ھ) کی تشریف آوری ہند کے موقع پر رمضان المبارک میں سہارنپور حاضری نصیب ہوئی ۔ میرے فرزند ڈاکٹر زین الساجدین اور ان کی والدہ صاحبہ (جو حضرت سے بیعت ہیں) اور خواہرزادہ مسرور حسن علوی اور ان کی بیگم (جو بیعت کے آرزومند تھے) ساتھ تھے حضرتؒ مظاہر علوم کی وسیع نوتعمیر مسجد کے اندرونی دالان میں معتکف تھے ۔ مسجد کے دالان، اس کا وسیع وعریض صحن ، بالائی حصہ اور مسجد سے متصل جدید التعمیر کشادہ ہوسٹل پٹاپڑا تھا ۔۔۔ ۱۰ ہزار سے کم حاضرین کیا ہوں گے ؟ میں مایوس ہو گیا کہ حضرت تک رسائی کیا ہوگی ۔ خوش قسمتی سے ایک دوست نے جو وہاں کے منتظمین میں سے تھے مجھے دیکھ لیا اور فوراً ہی میری حاضری کی حضرت کو اطلاع کردی ۔ اپنے ادنیٰ خادموں اور کفش برداروں کے ساتھ حضرت کو جو تعلق خاطر تھا ، اس کی بنا پر فوراً طلبی ہوئی ۔ انہی صاحب کی رہنمائی میں معتکفین کے بستروں پر سے گزرتا ہوا حضرت تک پہنچا ۔ حضرت نے حسب معمول بڑی شفقت کے ساتھ گفتگو فرمائی اور میاں علوی اور ان کی بیگم صاحبہ کو

(مسجد کے عقبی دروازہ سے پس پردہ بلاکر) بیعت فرمایا، پھر مجھے ایک صاحب کے حوالہ کیا جن کا بستر قریب ہی تھا۔ بعد ظہر اور بعد عصر ذکر، تلاوت قرآن اور کتب فضائل کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ افطار بھی سبنے اپنی اپنی جگہ ہی کیا۔ اس کے بعد سب سنن ونوافل میں مشغول ہوگئے۔ تراویح میں نے مسجد کی بالائی منزل میں پڑھی کیونکہ ضروریات کے لیے باہر نکل گیا تھا۔ پھر مسجد میں آنے کے لیے جگہ نہ ملی تھی۔ تراویح نصف شب کے قریب ختم ہوئی۔ سفر کی تکان اور سہ پہر کو معمول کے خلاف جا گنے کی وجہ سے بدن چور چور ہو رہا تھا۔ سونے کے لیے میرا انتظام ایک مرادآبادی تاجر صاحب کے ساتھ ہوسٹل کے ایک وسیع حجرہ میں کر دیا گیا تھا۔ میں مسجد سے نکل کر حجرہ کی طرف چلا تاکہ آرام کروں یکایک لاؤڈ اسپیکر پر میرے نام کا اعلان ہوا کہ اسے حضرت اقدس یاد فرما رہے ہیں۔ جہاں کہیں ہو حاضر ہو جائے۔ اپنی ناطاقتی، کم ہمتی اور عافیت پسندی پر حضرتؒ کی شفقت غالب آگئی۔ حاضر خدمت ہوا۔ تعلیم وتلقین کا سلسلہ جاری تھا۔ بڑی شفقت کے ساتھ اپنے پاس بیٹھنے کا حکم دیا۔ غالباً ڈیڑھ دو بجے شب فراغت ہوئی۔ کمرہ میں پہنچا۔ تھوڑی دیر آرام کیا۔ (میرے ہمراہی شہر میں کسی دوست کے ہاں ٹھہر گئے تھے) سحری کھا کر کچھ دیر آرام کیا۔ پھر صبح کو حاضر خدمت ہو کر واپسی کی اجازت چاہی۔ حضرت والانے بھی میری کم ہمتی اور ناطاقتی کو غالباً محسوس فرمالیا تھا۔ اجازت مل گئی۔

کہنا یہ چاہتا تھا کہ اس موقعہ پر آٹھ دس ہزار سے کم مجمع کیا ہوگا مگر سب کے افطار وسحری کا انتظام کیا جا رہا تھا۔ میرے مرادآبادی شریک حجرہ اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان لائے تھے میں ان کا مہمان بنا دیا گیا تھا۔ مگر سحری کے وقت کچھ اور بھی حضرتؒ کی طرف سے اس عاجز کو بھیجا گیا۔ اللہ اللہ یہ ذرہ نوازی اور خدام پروری! کئی سال پہلے کا ایک اور قصہ یاد آ گیا۔ مظفر نگر میں ایک وقف کی میٹنگ تھی۔ اس زمانہ میں حضرت شیخ الحدیثؒ سہارن پور تشریف لائے ہوئے تھے۔ میں نے حاضری کا ارادہ کر لیا۔ لکھنؤ کے ایک رئیس جو اس کمیٹی میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے میرے ساتھ سہارن پور جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ ہم لوگ جس وقت دردولت پر پہنچے ہیں تو تقریباً ایک بجا تھا۔ اطلاع کرائی اور حاضری ہوئی۔ حضرت والا چارپائی پر تکیوں کے سہارے بیٹھے ہوئے تھے۔ حسب معمول چارپائی کے برابر میں چبوترے پر ہم لوگوں کو بیٹھنے کا حکم ہوا۔ فوراً دسترخوان بچھا اور قسما قسم کے کھانے آنے شروع ہو گئے۔ پھر مزاحیہ انداز میں اچھی طرح ان سے محظوظ ہونے کی تاکید

بھی شروع ہوگئی۔ میرے ہمراہی لکھنوی رئیس صاحب آزاد طبع تھے بے تکلف بولے "کیا علماء کرام کا ذوق نان جویں ختم ہوگیا" میں حیران رہ گیا مگر حضرت کے چہرہ پر ذرا ناراضی کا اثر ظاہر نہ ہوا۔ بڑی سنجیدگی کے ساتھ فرمایا " الحمدللہ ایسا تو نہیں ہے مگر مہمانوں کے اکرام کا حکم ہے۔" وہ صاحب خاموش ہوگئے اور اپنے سوال پر شرمندہ ہوئے۔

اسی قسم کا ایک واقعہ آپ بیتی (ج ۲، ص۴۴۲) میں نظر سے گزرا جہاں حضرت نے عوام وخواص سے تعامل کے فرق کے سلسلہ میں ایک صاحب کا اعتراض اور ابوداؤد شریف میں حضرت عائشہ کے ایک اثر سے استدلال کرتے ہوئے اپنے جواب کا ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک سائل آیا اور حضرت عائشہ نے اس کو روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیا۔ اس کے بعد ایک اور شخص ذی حیثیت آیا جس کے جسم پر اچھا لباس بھی تھا۔ حضرت عائشہ نے اسے بٹھایا اور کھانا کھلایا۔ کسی نے حضرت عائشہؓ سے اس طرز عمل کے فرق کی وجہ پوچھی۔ انھوں نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ لوگوں کو ان کے مرتبہ پر اتارو (لوگوں سے ان کی حیثیت کے مطابق برتاؤ کرو)۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ۱۰ھ میں حضرت عدی بن حاتم (سردار بنی طے) کی بارگاہ نبوی میں حاضری کے موقعہ پر، سرکار نبوت صلے اللہ علیہ وسلم کا ان کو اپنی مسند پر بٹھانے کا واقعہ بھی اس کا مؤید ہے۔

الغرض حضرتؒ کے ہاں اختیاری امور میں رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت پر سختی سے عمل ہوتا تھا۔ اس کا ثمرہ یہ تھا کہ غیر اختیاری امور میں بھی حضور کی سنتوں پر عمل ہوا۔ چنانچہ آخری سالوں میں عام الوفود کے مناظر دیکھے گئے جب مشتاقان دیدار دنیا کے ہر حصہ سے پروانہ وار امڈے چلے آرہے تھے اور يَدْخُلُونَ فِيْ دِيْنِ اللهِ أَفْوَاجًا کے مناظر آنکھوں کے سامنے پھر رہے تھے۔

پھر سب کو معلوم ہے کہ اس عاشق رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی آخری تمنا یہ تھی کہ مدینۃ الرسول میں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اس کے لیے حضرت کا اضطراب وبیقراری دیدنی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آرزو بھی پوری کی۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس عاشق اور سنت رسول اللہ کے اس فدائی نے آخر یکم شعبان دوشنبہ

کے دن (جو حضورؐ کا یوم وصال تھا) مابین عصر و مغرب مدینۃ الرسول میں جوار روضۃ النبی میں جان جان آفریں کے سپرد کی۔ امام حرم نبوی شیخ عبداللہ زاحم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ باب جبریل سے جنازہ لے کر نکلے اور جنت البقیع میں سیکڑوں صحابہ کرام کے مدفن اور اہل بیت عظام کے احاطہ میں اپنے مرشد جلیل حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری کے پہلو میں سپرد خاک پاک مدینہ کیے گئے۔ ہجوم اس قدر تھا کہ اس سے پہلے کم کسی کے جنازہ میں دیکھا گیا ہو گا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ شاملۃ کاملۃ۔

ہمارے اکابر کا سیاسی اختلاف رائے :

حضرت شیخ الحدیث حکیم الامت حضرت تھانوی اور شیخ الاسلام حضرت مدنی کے اختلاف رائے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ان اکابر کا آپس کا اختلاف ہم جیسے نااہلوں کا اختلاف نہیں تھا، بلکہ اس نوع کا اختلاف تھا جس کی نظیر جنگ جمل و جنگ صفین میں گزر چکی ہے اور اس کے متعلق مفصل کلام میں اپنے رسالہ "اعتدال" میں کر چکا ہوں۔ چنانچہ جب یکم محرم ۱۳۶۱ھ میں سول نافرمانی اور قانون شکنی کے جرم میں مظفر نگر کے اسٹیشن پر سے حضرت مدنی کو گرفتار کر کے جیل بھیجا گیا اور حضرت تھانوی قدس سرہٗ کو اس کی اطلاع ملی تو ظہر سے عصر تک کی مجلس میں حضرت مدنی کی گرفتاری پر نہایت ہی رنج و غم اور قلق کا اظہار فرماتے رہے اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اس کا احساس نہیں تھا کہ مجھے مولانا حسین احمد صاحب سے اتنا تعلق ہے۔"

(آپ بیتی نمبر ۴ ص۶۷)

ایک نظر
ادھر بھی!
کلامِ صوفی
حضرت سید عبدالرب الصوفی رح کا منتخب کلام
قیمت: ۴۰ روپے
ایک مردِ مومن کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی پکار جس کے لفظ لفظ سے امت کا درد
اور للٰہیت ٹپکتی ہے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم
اور شاہ محمد ابراہیم ایم اے کے بیش بہا مقدمات سے مزین ۔ کاغذ، کتابت، طباعت، جلد، ہر چیز معیاری۔
کتاب کے ابواب :۔ حمد ۔ نعت ۔ مدحِ صحابہ ۔ یادِ حرم ۔ ایمانی شجاعت ۔ اصلاحِ امت ۔ تحریکِ ایمانی ۔ دردِ ملت
ردِ بدعت ۔ مناظرانہ جوابات ۔ رموزِ فطرت ۔ سوز و ساز ۔ اللہ والوں سے محبت ۔ دعائیں ۔ ہر باب کے ذیل میں
گوناگوں عنوانات ۔ پانچ سو سے زائد صفحات ۔ سائز ۲۶ x ۱۷
روزی میں برکت اور بلاؤں سے حفاظت کیلئے
آسان رزق (اردو) تین روپے ۔ آسان رزق (گجراتی) تین روپے ۔ آسمانی روٹی ڈیڑھ روپے ۔ راہِ امن : ایک روپیہ
ملنے کا پتہ : محمد یونس صدیقی خادم مدرسہ دعوۃ الحق ۔ کڈی ۔ ن گجرات (انڈیا)
P.O. KADI. N. GUJRAT

حضرت شیخ الحدیثؒ

اس زمانہ کی ایک عظیم جامع شخصیت

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی ثم مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے پہلی بار آج سے ۴۰ سال قبل ۱۹۴۲ء میں زیادہ قریب سے دیکھا۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب میری مدرسی تعلیم کا زمانہ تھا اور اسی سلسلہ میں مجھے میرے خال معظم مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ اور خال معظم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی نے سہارن پور بھیجا کہ میں حضرت شیخ کی سرپرستی میں رہ کر وہاں بھی کچھ تعلیمی وقت گزاروں، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف یہ کہ سرپرستی قبول فرمائی بلکہ اپنی قیام گاہ سے متعلق رکھا اور کھانے میں مہمان بنایا۔ مجھے اس کی وجہ سے سرپرستی اور قریبی شفقت دونوں حاصل ہوئیں۔ مجھے اس موقع پر سہارنپور رہنے کی سعادت تو مختصر ہی ملی لیکن اس وقت سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے قرب کی سعادت حاصل ہوگئی جو برابر قائم رہی اور حضرت برابر شفقت و عنایت فرماتے رہے۔ عریضوں کے جواب سے شاد فرماتے اور میری صلاح و فلاح کا خیال فرماتے۔ میرے تعارف سے قبل ہی میرے بڑے بھائی مولانا سید محمد ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو تعارف و تعلق حاصل

ہوچکا تھا اور انھوں نے پورے ایک سال حضرت کے سامنے زانوئے تلمذ بھی طے کیا تھا بعد میں یہ تعلق حضرت کے خصوصی اعتماد پر بھی منتج ہوا، میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ سب تعلقات بھی میرے لیے حضرت کی شفقت کے حصول کا سبب بنے۔

مخدوم معظم مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی نے مجھ سے فرمایا کہ میں بھی حضرت سے متعلق اس نمبر کے لیے جو رسالہ الفرقان کا نکلنے والا ہے کچھ تحریر کروں۔ اگرچہ حضرت کی شخصیت و مقام پر میرے لکھنے سے کوئی نئی روشنی نہ پڑے گی ان کا مقام اس سے بہت بلند اور مستغنی ہے لیکن میں نے اپنی سعادت سمجھ کر مخدوم معظم مولانا نعمانی مدظلہ کے حکم کی تعمیل کو قبول کیا، چنانچہ ذیل میں جو میرے خیال میں آسکا وہ درج کر رہا ہوں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی زندگی خیر و برکت، علم و دعوت کا ایک دور تھا جو اُن کی رحلت پر ختم ہوا۔ ان کی متعدد صفات ایسی تھیں کہ کہنا مشکل ہے کہ کب اور کہاں دیکھنے میں آسکیں گی۔ ان کی پاکیزہ زندگی کے متعدد انداز ایسے تھے جن میں حضرت شیخ اپنے دور میں بالکل منفرد تھے اور وہ اوصاف صرف بزرگ اسلاف ہی میں ملتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی مشغولیت علمی، تربیت دینی اور فہم و فراست اور اسی کے ساتھ ساتھ غیر معمولی اخلاق و محبت ایسی صفات تھیں جو نہ صرف یہ کہ ان کی عظیم شخصیت کا مظہر تھیں بلکہ ان سے خلق خدا کو بہت زیادہ دینی نفع پہنچا اور ہزاروں لاکھوں کی زندگیوں کے سنورنے میں مدد ملی۔ اور اس طرح حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی رحلت کے وقت اصلاح یافتہ افراد کی ایک بڑی جماعت چھوڑی۔

حضرت شیخ الحدیث نے اپنی زندگی کی مصروفیات کو دو اہم مقاصد میں تقسیم کر رکھا تھا، ایک تربیت دینی اور دوسری خدمت علمی۔ انھوں نے ان دونوں صفات کو بہت اچھے طریقہ سے جمع کر رکھا تھا، جب کوئی ان کی علمی مشغولیت پر نظر ڈالتا تو اس کو ایسا محسوس ہوتا کہ اس مشغولیت کے علاوہ ان کا کوئی اور کام نہیں۔ علمی مشغولیت کے جو آداب اور شرائط ہیں وہ حضرت میں بدرجۂ اتم پائے جاتے تھے۔ اس میں تحقیق و استناد کی طرف پوری توجہ رہتی، بلکہ یہ بات بعض وقت اس حد تک پہنچ جاتی کہ حضرت اپنے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں اور متوسلین سے علمی تعاون طلب کرنے میں بھی تکلف نہ فرماتے۔ اور پھر پوری وسیع القلبی سے اس کا تذکرہ وصراحت بھی فرما دیتے۔ اس طرح ایک وسیع القلب محقق کی بہترین مثال تھے۔ چنانچہ کیسی کیسی ٹھوس علمی کتابیں فن حدیث میں ان کے قلم سے نکلیں اور اسی کے ساتھ نہایت مؤثر اور دینی جذبہ پیدا کرنے والی کتابیں بھی تحریر فرمائیں۔ دوسری طرف جب ان کی تربیت دینی پر کوئی نظر ڈالتا تو اس کو نظر آتا کہ گویا اس کے علاوہ کوئی اور کام حضرت شیخ کا نہیں ہے، فکر و توجہ، فہم و فراست، غیر صالح باتوں پر روک ٹوک اور زندگی کو سنوارنے والی باتوں کی طرف توجہ دہانی یہ آپ کی وہ خصوصیات تھیں کہ مسترشدین ڈرتے رہتے کہ کب ان کی کس بات کی پکڑ ہو جائے گی اور تنبیہ ہوگی۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا درمیانی دور متعدد بزرگ معاصرین کے ساتھ گزرا۔ یہ بزرگ معاصرین حضرت ہی کے صف کے اور حضرت کے دوستوں اور مثل دوستوں کے تھے، ان میں خاص طور پر قابل تذکرہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری تھے، یہ حضرات جب اکٹھا ہوتے تو مجلس روحانیت کا زعفران زار بن جاتی، ایک دوسرے سے ربط و بے تکلفی اور اس بے تکلفی کے ساتھ ساتھ محبت و احترام دیکھنے کی چیز ہوتی۔ اسی دور میں کچھ فاصلہ پر مرکز تبلیغ نظام الدین دہلی میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی مقیم تھے، اور ہزاروں اور لاکھوں بندگان خدا کو دینی زندگی سے وابستہ کرنے کی انتھک جدوجہد میں مصروف تھے۔ وہ حضرت شیخ کے چچا زاد بھائی تھے اور عمر میں خاصے چھوٹے تھے، اور اپنے بزرگ والد حرکت تبلیغ کے داعیٔ اول حضرت مولانا

محمدالیاس صاحب کاندھلویؒ کی رحلت کے بعد جو کہ ۱۳۶۳ھ میں ہوئی تھی حضرت شیخ ہی کو اپنے والد کے مثل سمجھتے تھے اور حضرت شیخ ان کا بہت خیال بھی رکھتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ دینی خصوصیات کے لحاظ سے ایک طرح سے معاصر اور ہم جماعت تھے، اس سلسلہ کی ہم جماعتی کا تعلق ایک طرف ان کو حضرت شیخ سے حاصل تھا اور دوسری طرف یہی تعلق حضرت شیخ کو ان کے والد یعنی اپنے چچا حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے حاصل رہ چکا تھا اس طرح ہم جماعتی کتنی قوی اور منضبط کیوں نہ ہو لیکن موت وزندگی کے لحاظ سے اس کا تسلسل ضروری نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت شیخ کے احباب وہم جماعت لوگوں کی یہ محفل ایک ایک کرکے وفات پانے سے سونی ہوتی گئی، چنانچہ ۱۳۶۳ھ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ کی رحلت ہوئی، ۱۳۷۷ھ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی رحلت ہوئی، ۱۳۸۲ھ میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی رحلت ہوئی، اور ۱۳۸۴ھ میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ بھی رحلت کرگئے، اور اس محفل کے ارکان میں سے صرف حضرت شیخ رہ گئے، جنھوں نے ۱۴۰۲ھ میں رحلت پائی، اس طرح حضرت شیخ کو اپنے قریب ترین دوستوں ہی کا نہیں بلکہ اپنے متعدد قریب ترین عزیزوں کا غم بھی برداشت کرنا پڑا۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کا غم معمولی غم نہ تھا جوان کے کم عمر معاصر، بزرگ بھتیجے اور داماد تھے، اور جنھوں نے عام انداز سے کم عمر پائی اور جلد ہی محفل کو سونا کرگئے، لیکن حضرت شیخ نے باوجود ایسے بڑے بڑے حوادث سے سابقہ پڑنے کے ان غموں کو ایسی پامردی اور سکینت نفس کے ساتھ برداشت کیا کہ ناواقف آدمی یہ محسوس کرتا کہ گویا حضرت شیخ کو کوئی خاص رنج ہی نہیں ہوا۔ بزرگوں کا رنج بھی عام انسانوں کے رنج سے مختلف ہوتا ہے، وہ باہر کم ہی ظاہر ہوتا ہے، اندر ہی اندر ابھرتا اور دبتا رہتا ہے اور وہ مایوسی کا حامل نہیں ہوتا۔ کیوں کہ ان حضرات کے یہاں اصل زندگی آخرت کی ہوتی ہے، اور یہ دنیا ان کی نظر میں واقعی ایک گزرگاہ کی حیثیت رکھتی ہے، جس میں کسی کا زیادہ ساتھ رہنا اور کم ساتھ رہنا کوئی زیادہ فرق نہیں رکھتا۔

ایسے حادثات پر حضرت شیخ کا انداز نہایت پرسکون اور اپنے معمولات پر قائم رہنے کا

ہوتا تھا۔ ایصال ثواب اور تلاوت کی طرف متوجہ فرماتے اور واقعہ کو کوئی اہم مسئلہ نہ بناتے۔ چنانچہ ایسے واقعات پر حضرت شیخ کے خطوط تعزیت سے اس کا پورا پتہ چلتا ہے۔ حضرت شیخ کی رحلت میں اور مذکورۃ الصدر بزرگوں کی رحلت میں ایک خاص فرق یہ ہے کہ مذکورۃ الصدر بزرگوں میں سے ہر ایک کی رحلت کے بعد ان کی صف کے ایک یا کئی ساتھی باقی تھے، لیکن حضرت شیخ کی رحلت سے یہ صف ختم ہوگئی اور مختلف بزرگوں سے فائدہ اٹھانے والے جو سمٹتے سمٹتے حضرت شیخ پر جمع ہوتے چلے گئے تھے، بالآخر اس شخصیت سے بھی محروم ہوگئے۔

حضرت شیخ متعدد قریبی دوستوں اور عزیزوں کی جدائی کا غم سہنے کی حالت میں بھی دینی مقاصد عالیہ کی خاطر دنیا والوں کے ساتھ دنیاوی معاملات میں ایسا رویہ رکھتے کہ معلوم ہوتا کہ آپ شاید صرف دنیا کے آدمی ہیں۔ مہمانوں سے بے تکلفی، ان سے خوش اخلاقی مختلف کاموں سے بھرپور دلچسپی، لطف و ملاطفت، مشورہ، گفتگو یہ سب طلاقت اور انشراح کے ساتھ کرتے، جس کی وجہ سے ان سے لوگوں کا تعلق صرف استرشاد ہی تک محدود نہ ہوتا بلکہ زندگی کے مختلف معاملات میں بھی ان سے مشورہ چاہا جاتا، اور ان سے ان معاملات میں بھی بڑی صائب اور دور رس رائے ملتی۔ حضرت شیخ زندگی کے ان تمام کاموں سے بھی دلچسپی لیتے جن میں دین کا جذبہ یا دین کا تعلق ہوتا اور ان میں پوری مدد دیتے اور مشوروں سے اور خبرگیری سے نوازتے۔ حضرت کے ان اوصاف کی اتنی مثالیں ہیں کہ ان کا بیان کرنا طول حدیث کا باعث ہے۔

حضرت شیخ کی اہم اور مشہور صفات ہیں سے ایک صفت متوسلین اور مہمانوں کی فکر و ضیافت تھی، چنانچہ ہمہ وقت ان کے یہاں مہمانوں کا ہجوم رہتا، گویا کوئی تقریب ہے۔ اور کوئی خاص موقع آجاتا تو ایک بڑا ولیمہ معلوم ہوتا، حضرت کے یہاں مہمانوں کی آمد صرف ان کی کثرت ہی تک محدود نہ تھی، بلکہ ان کی خبرگیری اور بوقت تناول طعام ان کی فکر اور مہمانوں کے فرق مراتب کے لحاظ سے ان کا اکرام خاصے اہتمام سے ہوتا۔ مہمانوں کی فکر و خدمت کے ساتھ ساتھ حضرت شیخ کے یہاں اس بات پر بھی پوری نظر تھی کہ ان کی اس

خوش اخلاقی سے کوئی غلط فائدہ نہ اٹھا سکے، چنانچہ معتقدین و متوسلین پر تربیت کی نظر بھی رکھتے کہ جب کہ وہ دینی استفادہ کے لیے آئے ہیں تو وہ کسی موقع پر اکرام ضیف کو اپنا مستقل حق سمجھ کر کسی عُجب و خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں، چنانچہ کسی مسترشد سے اس سلسلہ میں کوئی غلطی ہو جاتی تو اس کو برملا تنبیہ فرما دیتے اور اس سلسلہ میں بالکل مروت نہ کرتے۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت شیخ کے مسترشدین حضرت سے پوری محبت کرنے کے باوجود ڈرتے بھی بہت تھے، ان کے پاس حاضری کے موقع پر بازاروں میں پھرنا یا بے مقصد کاموں میں وقت گزارنا اور لایعنی باتوں میں پڑنا یہ حضرت شیخ کے یہاں ناقابل معافی جرم تھا۔ اور یہی نہیں کہ معلوم ہو جانے پر صرف تنبیہ فرماتے بلکہ برابر فکر و جستجو رکھتے کہ کون کس طرح وقت گزار رہا ہے اور کس کام میں ہے۔ حضرت کا یہ فقرہ تو مشہور تھا کہ "سونے اور کھانے پر کوئی پابندی نہیں، ہاں ادھر ادھر پھرنے اور باتوں میں وقت گزارنے کی بالکل اجازت نہیں" حضرت کے مستقل خدام اس کی فکر رکھتے اور حضرت شیخ ان سے معلومات حاصل کرتے رہتے۔ چنانچہ بارہا یہ ہوا کہ کسی نے یہ سمجھ کر کہ حضرت کے معمولات کے مطابق یہ وقت حضرت کی خاص مصروفیت کا ہے، کسی خلاف مقصد کام میں مشغولیت اختیار کر لی، مثلاً بازار چلے گئے، یا شہر کے لوگوں سے ملنے جلنے میں لگ گئے، اسی وقت حضرت کے یہاں سے طلبی آئی اور راز کھل گیا اور پکڑ ہوئی، حضرت کی یہ خصوصیت کہ بڑی خاطر تواضع اور فوراً بلا رعایت تنبیہ وہ اہم خصوصیت تھی جو مسترشدین کی تربیت کا بڑا ذریعہ تھی۔ اس سلسلہ میں حضرت کی ذہانت، دوربینی، دقت فہم کا پورا اظہار ہوتا تھا اور حضرت کی مشغولیت، خوش اخلاقی نیک نفسی سے کوئی غلط فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا، اچھے اچھے ذہین لوگ حضرت کی فہم و فراست سے گھبراتے اور احتیاط کرتے تھے۔

حضرت کا رویہ اپنے اہل تعلق کے ساتھ بہت محبت و شفقت کا تھا اور مسترشدین کے لیے تو آپ ایک شفیق باپ کی حیثیت رکھتے تھے کہ دین و دنیا دونوں کی فکر و غم میں شریک اور غم گسار۔ چنانچہ طرح طرح کے مسائل میں لوگ ان سے رجوع کرتے اور بہت ہی صائب

رائے سے نوازے جاتے اور حضرت بھی اگر بالمشافہ مشکل ہوتا تو خط وکتابت کے ذریعہ اپنی رائے وہمدردی سے نوازتے۔

حضرت کا تعلق ملک کے مختلف اداروں سے خاص طور پر مظاہر العلوم، دارالعلوم دیوبند اور ندوۃ العلماء تینوں سے تھا۔ ان تمام اداروں کے معاملات وحالات سے ایک شفیق سرپرست کی طرح دلچسپی لیتے اور اپنی حد تک جو تعاون وہمدردی ہوسکتی تھی وہ عنایت فرماتے۔ اسی ضمن کی بات ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ۸۵ سالہ اجتماع کی طرف بڑی توجہ فرمائی اور دعاؤں اور خبرگیری سے پوری مدد فرمائی جس کی برکات اس اجتماع کو نمایاں طور پر حاصل ہوئیں۔

دارالعلوم دیوبند کے قضیہ نامرضیہ میں باوجود شدید علالت کے بڑی فکر رکھی اور جہاں بھی رہے وہاں سے اپنی فکرمندی اور کوشش سے مدد فرماتے رہے۔ مظاہر العلوم تو خیر خالص ان ہی کی سرپرستی میں تھا، اس کے لیے کچھ کہنا ہی کیا، دیگر مدارس کو بھی اپنے مدارس اور اپنی فکر کا مرکز سمجھتے۔

ہندوستان کے صحیح العقیدہ مسلمانوں میں حضرت شیخ کی شخصیت اس آخری دور میں مرجع بن گئی تھی، جوق درجوق لوگ پہنچتے، حضرت کا حجاز کا سفر ہو یا حجاز سے واپسی ہو، یا مسلسلات حدیث کے درس کا پروگرام ہو مسترشدین وشائقین کا ازدحام ہوجاتا، اور سہارن پور یا دہلی یا جہاں یہ موقع ہوتا حضرت کی اقامت گاہ کے اردگرد ایک جلسہ وجلوس کی کیفیت ہوتی، یہ شان کتابوں میں اسلاف کی پڑھنے میں آتی ہے جس کے مناظر اس دور میں حضرت شیخ کے یہاں دیکھے۔ رمضان کا مہینہ حضرت شیخ کے یہاں عظیم روحانی جشن کا زمانہ معلوم ہوتا۔ سیکڑوں اور ہزاروں اہل دین وحاملین جذبۂ دین حضرت کی قیام گاہ پر پہنچتے اور حضرت بھی پورا مہینہ اعتکاف میں گزارتے اور یہ لوگ بھی پورا مہینہ، اور اگر نہ ہوسکتا تو اس کا حسب استطاعت ایک حصہ حضرت کے ساتھ گزارتے، سب کی ضیافت اور فکر وتربیت حضرت خود فرماتے، اور یہ مہینہ اس طرح ایک سالانہ تربیتی کیمپ بن جاتا جس کو دیکھنے کے لیے بھی لوگ دور دور سے آتے۔

حضرت شیخ نے اپنی زندگی میں تربیت واشتغال علمی کی راہ میں بڑی قربانیاں

اور بڑے مجاہدے کیے، کچھ ابتدا میں یہ سخت تربیت ان کو ان کے عظیم والد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب سے ملی، پھر حضرت شیخ کے اپنے مرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری ثم مہاجر مدنی سے ملی، حضرت شیخ نے اپنے مرشد کے دل میں ایسا تعلق و اعتماد حاصل کیا جس سے وہ ان کے جانشین قرار پائے اور خلق خدا کا مرجع بنے۔ ان کی کتابوں کی تیاری میں ان کے ساتھ تعاون کیا اور ان کی وفات کے بعد ان کتابوں کی تکمیل و اشاعت فرمائی۔

حضرت شیخ الحدیث نے خود تصنیفات کا ایک ذخیرہ چھوڑا جو تقریباً سارا کا سارا خود ان کی حیات میں اشاعت پذیر ہوا۔ اس ذخیرہ میں حدیث و کتب حدیث کے موضوعات پر نیز متعدد علمی و تحقیقی موضوعات پر خاص طور پر اور مواعظ و تربیت باطنی کے موضوع پر بہت سی کتابیں ہیں جن کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی، اور آج وہ تمام عالم اسلام میں مشہور و معروف و رائج ہیں اور خاص طور پر اہل علم میں اور تبلیغی جماعتوں میں ان سے استفادہ بہت عام اور وسیع ہے۔

آج حضرت شیخ ہم میں نہیں ہیں لیکن ان کی چھوڑی ہوئی مفید و مؤثر تصنیفات نیز ان کے چھوڑے ہوئے مسترشدین و خلفاء کی ایک بڑی تعداد آج بھی ان کی قائم مقامی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تربت پر بہت بہت رحمتوں کی بارش فرمائے اور امت کی طرف سے ان کو بہترین صلہ عطا فرمائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت شیخ الحدیث کی

جامعیت اور توازن واعتدال

مولانا شمس تبریز خاں
رفیق مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء لکھنؤ

اسلام ایک دین کامل اور تہذیب مستقل ہے اس لیے زندگی کا مثالی ومعیاری نظام و آئین ہے اور اسی لیے وہ اپنے ماننے والوں سے مکمل اطاعت اور مطلق خود سپردگی کا مطالبہ کرتا ہے (یاایہا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ : البقرہ :۲۰۸) اسلام کی فطرت میں وسعت وجامعیت، ہمہ جہتی اور عالمگیری ازل سے موجود ہے جس کی وجہ سے وہ ہر دور میں انسانوں کے لیے راہ حق وصداقت اور صراط مستقیم بنا رہا اور اقوام وملل کی ہدایت وسعادت کا لائحۂ عمل اور دستور ثابت ہوا اور اس کی ماننے والی جو امت تیار ہوئی اُسے ایک عالمگیر اور معتدل ومتوازن امت کہا گیا۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرہ : ۱۴۳)

اور اسی طرح ہم نے تمھیں ایک متوسط امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر حق کے گواہ بنو اور رسولؐ تم پر گواہ رہیں۔

اس امت کا دور اول یعنی زمانۂ رسالت وعہد صحابہؓ صرف امت مسلمہ ہی کا نہیں، بلکہ ساری تاریخ انسانیت کا مثالی ومعیاری زمانہ اور عہد زریں کہلانے کا ہر طرح مستحق تھا

جس میں دین و دنیا اور روحانیت و مادیت کا ایسا خوشگوار اجتماع ہوا اور جس میں فضائل اخلاق، خدا ترسی و انسان دوستی، زہد و عبادت اور خدمتِ خلق، اصلاح نفس اور احتساب کائنات پہلو بہ پہلو جمع تھے اور انفرادی و اجتماعی دونوں لحاظ سے اس میں علم صحیح و عمل صالح، خیر و صلاح اور اہلیت و صلاحیت، باطن کی صفائی اور ظاہر کی خوبی و خوش اسلوبی، ایمان و یقین اور راہ حق میں جہاد و اجتہاد، خالق کی رضا طلبی اور مخلوق کی خبر گیری و دل جوئی، اخلاص و حسن نیت اور احساس ذمہ داری و فکر آخرت، خلوت و دروں بینی اور جہاں کشائی و جہاں بانی کے اوصاف، اس وسعت و جامعیت، اور اعتدال و توازن کے ساتھ جمع ہو گئے تھے کہ انسانیت نے اپنی پوری تاریخ میں اس کی کوئی نظیر نہیں دیکھی تھی اور جس کے مثالی افراد کے بارے میں اُن کے رومی دشمنوں نے یہ شہادت دی کہ وہ رات کے عبادت گزار اور دن کے شہسوار ہیں۔ (باللیل رهبان وبالنهار فرسان)

صحابہ کرامؓ کی اسی جامعیت علم و عمل اور ان کی سیرت کے اعتدال و توازن کے پیش نظر حضرت حسنؓ نے انھیں ان الفاظ سے یاد کیا تھا۔

"انهم کانوا أبر هذه الامة قلوبًا واعمقها علمًا واقلهم تکلفا، قوما اختارهم الله لصحبة نبیه فتشبهوا باخلاقهم وطرائقهم فانهم ورب الکعبة علی الصراط المستقیم" (۱)

(وہ لوگ اس امت میں سب سے زیادہ نیک دل، سب سے بڑھ کر گہرا علم رکھنے والے اور بے حد بے تکلف اور بے تصنع لوگ تھے جنھیں اللہ نے اپنی نبیؐ کی صحبت و رفاقت کے لیے منتخب فرمایا تھا، اس لیے تم ان کے اخلاق و اطوار کو اپنانے کی کوشش کرو کیونکہ وہ رب کعبہ کی قسم صراط مستقیم پر تھے)

اسلام کی جامعیت کے تقاضے کے پیش نظر مسلم معاشرے میں علم و عمل، ظاہر و باطن، شریعت و طریقت اور دنیوی و روحانی فضائل و کمالات کے حامل طبقات برابر موجود رہے جو امت اور عام انسانوں کے لیے صلاح و فلاح اور ہدایت و سعادت کے چیدہ و برگزیدہ نمونے

ثابت ہوئے اور جن کے مثالی افراد کو ہم ائمۂ دین، مجددین و مجتہدین اور علماء و مشائخ ربانیین کے القاب سے یاد کرتے ہیں اور جنھوں نے ہر نازک دور میں اور ہر فتنہ و ابتلا کے زمانہ میں طبقاتی و جماعتی عصبیت، قومیت و وطنیت، اختلافِ مسلک و مشرب، ذاتی و جماعتی مفادات سے قطع نظر دین و ملت کے وسیع تر مفادات کی خاطر توازن و اعتدال، میانہ روی اور صلح جوئی، مفاہمت و مسامحت، سیر چشمی و کشادہ قلبی اور حکمت و موعظت، فراست ایمانی و حمیتِ دینی سے کام لیا اور ان کی ذات بابرکات سرچشمۂ رشد و ہدایت اور سرمایۂ فلاح و سعادت بنی رہی۔

اصالت و جامعیت :

ایسی ہی نادرۂ روزگار، یادگارِ زمانہ اور عہد ساز ہستیوں میں عالم ربانی، قطب دوراں و مسندِ وقت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنیہ علیہ الرحمہ کی ذات گرامی بھی تھی جو اس عہد اخیر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد الیاسؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ کے روحانی وارث و امین اور جانشین تھے اور علم و عمل، زہد و تقوٰی، دعوت و تبلیغ، ارشاد و ہدایت، خدمتِ خلق و فکرِ آخرت، للّٰہیت اور محبت رسولؐ کی جامعیت کے لحاظ سے علمائے سلف کا نمونہ اور اکابر امت کی ایک مثال تھے۔

وہ علوم و فنون کی جامعیت کے ساتھ علمائے کرام و مشائخ عظام کی منفرد خصوصیات کے جامع بھی تھے، اسی کے ساتھ انھیں علمائے عصر اور مشائخ وقت کے مختلف سلسلوں اور مکاتب فکر و خیال سے بھی ایسا مخلصانہ ربط و تعلق تھا جس کی وجہ سے وہ اہل حق کے ہر طبقہ و جماعت کے معتمد علیہ اور متفقہ شخصیت کا درجہ رکھتے تھے، تعلیمی سلسلے میں وہ مظاہر علوم کے سرپرست تھے، جس کا مسلک سیاسیات حاضرہ سے قطع تعلق اور خالص علمی و تعلیمی اور تبلیغی مشغولیت ہے، مگر اس کے باوجود انھوں نے دارالعلوم دیوبند کے دونوں اکابر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے یکساں

تعلق رکھا اور دونوں کے خلوص وللّٰہیت کے قائل رہے اور ان کے علاوہ بھی دوسرے مخلص مسلمان سیاستدانوں کی خدمات کی بھی قدر فرماتے رہے۔ اور باہم رہے بنے رہے، اور خالص اسلامی سیاست کے تقاضوں پر زور دیتے رہے۔

اسی طرح فقہی طور پر حنفی ہونے کے باوجود تمام فقہی مسالک و مذاہب کا اُن کے دل میں یکساں احترام تھا اور امت کے تمام فقہاء و محدثین کی خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کرتے تھے اور "بذل المجہود" اور "الکوکب الدری" کے حواشی اور "اوجز المسالک الی مؤطا الامام مالک" "لامع الدراری شرح صحیح البخاری" اور "جزء حجۃ الوداع وعمرات النبیؐ" میں حنفیہ کے دلائل کے پہلو بہ پہلو مذاہب ثلاثہ کے مفتیٰ بہ اقوال بھی ان کی معتبر و مستند کتابوں سے تفصیل کے ساتھ ذکر فرماتے تھے جو ان کی علمی بے تعصبی، عدم تحزب، اور وسیع النظری کی ایک واضح مثال ہے۔

آپ نے اپنی فاضلانہ اور عارفانہ شرحوں کے ذریعہ فقہاء اور محدثین کے درمیان کی روایتی خلیج کو بھی کامیابی اور خوش اسلوبی کے ساتھ پاٹنے کی کوشش کی اور ایسا معتدل و متوازن نقطۂ نظر اور طرزِ فکر اپنایا جس سے امت کی صفوں میں وحدت و یگانگت کا جذبہ بیدار ہو اور ذہنی انتشار کی جگہ وحدتِ فکر و عمل پیدا ہو۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کی سیرت کی اس وسعت و جامعیت کا محرک ان کا مسلک اہلسنت والجماعت سے قلبی تعلق، حقیقتِ دین سے گہری واقفیت، کتاب و سنت کے اسرار و رموز سے آگاہی، امت کی ثقافتی و علمی، دینی و روحانی روایات سے جذباتی لگاؤ، دین میں تحریف و بدعت سے شدید نفرت اور اسلام کی اصلیت و خالصیت کی بقا و استحکام سے عمیق محبت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے اسوۂ حسنہ سے علمی و عملی تعلق ہے جو انھیں امت کے مختلف طبقات و شخصیات اور ان کی دینی خدمات کے قدر و اعتراف پر مجبور کرتا ہے اور وہ ایسے تمام ہی فکر و تحریکات کی سرپرستی یا اُن سے ہمدردی رکھتے نظر آتے ہیں جن سے کلمۃ اللہ کی سربلندی اور امت کی شیرازہ بندی کی توقع وابستہ ہوسکتی ہے۔

اسی جذبہ کے تحت انھوں نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی دینی دعوت و تبلیغ سے اتفاق

کرتے ہوئے اوراس کے لیے فکری وعلمی مواد فراہم کرنے اورامت میں دینی بیداری پیداکرنے کی خاطر فضائل کے رسائل لکھے اوراس دعوت کی ہرطرح سرپرستی کی، ان رسائل فضائل نے جیسی عام مقبولیت و محبوبیت حاصل کی اوران سے لوگوں کے دلوں میں جس قدر ذوق طاعت وعبادت اور فکرآخرت پیدا ہوئی اوران سے جس طرح اور جس بڑے پیمانے پرلوگوں کی زندگیاں تبدیل ہوئیں وہ تاریخ دعوت واصلاح میں ایک ممتاز باب کی حیثیت رکھتاہے۔ اس عہدِ فتن میں جبکہ دنیا میں دہریت والحاد، لادینیت وریاحیت کی بادصرصر ہرطرف چل رہی ہے اورعقلیت ومادیت کے یاجوج ماجوج اور سائنسی طاقت رکھنے والے دجّال دنیاکو فکری وعملی طور پرگمراہ بلکہ تباہ کرنے پرکمربستہ ہیں۔ حضرت مولانا محمدالیاسؒ، حضرت شیخ الحدیثؒ اورعصرحاضر کے علمائے حق کی تحریریں اورکوششیں، بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیل رہبانی اورجنود ربانی کا حکم رکھتی ہیں۔

سیاہ تازہ برانگیزم ازولایت عشق
کہ درحرم خطرے ازبغاوت خرداست

حضرت شیخ الحدیثؒ کی اس جامعیت اوران کے مزاج کے توسع اور ہمہ گیری کی طرف حضرت مولانا سیدابوالحسن علی صاحب مدظلہٗ نے لامع الدراری کے مقدمے میں بہت صحیح تحریر فرمایاہے کہ "آج حضرت شیخ کی ذات گرامی برصغیرہندوپاک میں علم حدیث کامرکز ومرجع، اورسرچشمۂ رشدوہدایت ہے، آپ کی وجہ سے اس میں نئی زندگی اورنئی تازگی ورعنائی نظرآتی ہے اورآپ کے بابرکت وجود سے انقطاع الی العلم، علوہمت، مجاہدہ وریاضت عزیمت واستقامت، قوتِ ارادی، متاعِ دنیاسے کنارہ کشی وبے رغبتی، مطالعہ میں استغراق وانہماک، تصنیف وتالیف اورتعلیم وتدریس کے اشتغال، لایعنی وفضول اور کمتردرجہ کے کاموں سے پرہیز، مکارم اخلاق، سماحتِ نفس وفراخیٔ قلب کااعتبار ووقار قائم ہے۔

آپ نے جتنے متنوع اوربعض اوقات متضاد کاموں اورمشغولیتوں اورمختلف ذوق رکھنے والے افراداورجماعتوں کو یکجا کیا ہے اوران سب کا جس طرح حق ادا

فرماتے ہیں، وہ کوئی معمولی درجہ کی بات نہیں ۔" (۱)

خدمت دین کے متعلق طریقوں اور شعبوں کی یکساں قدر دانی اور ہمت افزائی آپ کی جامع شخصیت کا وہ نمایاں وصف تھا جو ان کی تقریر و تحریر میں بکثرت نظر آتا ہے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں "درس و تدریس یا خانقاہ وغیرہ سب حضور اقدس ہی کے کام کی تکمیل ہے، کیا آپ کا خیال ہے کہ اگر درس و تدریس بند کر کے سب اس کام (تبلیغ) میں لگ جائیں تو علم باقی رہ جائے گا؟ جس خبر پر خود اللہ جل شانہٗ نے فلولا نفر الآیۃ سے تنبیہ فرمائی ہو اس کو سرسری نہ سمجھنا چاہیے، جس طرح یہ اہم کام ہے اسی طرح خانقاہ وغیرہ بھی اہم ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا شکر ادا کیجئے کہ اس نے ایک اہم دینی کام میں لگا رکھا ہے اور اس کا شکر یہ ہے کہ اہتمام سے کام میں لگے رہیں، دوسرے دینی کاموں کی بے وقعتی شیطان کا حملہ ہے، اس سے بچنے کی کوشش کرتے رہیں۔ کیا حضور اقدس کئی کئی دن اعتکاف نہیں کرتے تھے؟ یہی خانقاہ کی زندگی ہے، حضور کی جامع ذات سب کاموں کو بیک وقت کر سکتی تھی، اگر دوسرے ضعفاء سب کو جمع نہ کر سکیں تو اس میں نقص نہیں ۔" (۲)

اعتدال و توازن :

فکر و عمل کا اعتدال و توازن اسلام کو نہ صرف اپنے احکام و شرائع میں بلکہ تمام انسانی افکار و اعمال میں مطلوب ہے۔ عقیدۂ توحید و رسالت کا یہ فطری تقاضا ہے کہ حیات و کائنات اور انسان کے بارے میں صحیح اور متوازن نقطۂ نظر اپنایا جائے اور ہر صاحب حق کا حق ادا کیا جائے۔ أَنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (النساء ۵۸)
(اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مستحقوں کو پہنچا دو)
وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا

---

(۱) حیات خلیل ص ۳-۶۰، ص ۲-۶۰ (۲) مکتوبات تصوف ۶/۷ (سہارنپور ۱۹۷۲ء)

فَاعۡدِلُوۡا وَلَوۡ کَانَ ذَا قُرۡبٰی (الانعام: ۱۵۲)
اور ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم حکم نہیں دیتے کسی کو مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب تم کچھ کہو تو انصاف سے کام لو اگرچہ کوئی رشتہ دار ہو۔
عبادات میں بھی اعتدال و توازن اور مداومت و پابندی کی تاکید کی گئی اور حسب استطاعت و سہولت انھیں ادا کرنے کا حکم دیا گیا اور ان میں میانہ روی کی تاکید کی گئی جس کا ذکر حدیث کے ذخیروں میں "اقتصاد بالعمل" کے عنوان سے آتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے فکر و نظر میں جو اعتدال و توازن پایا جاتا تھا اور افراط و تفریط سے بچتے ہوئے جو میانہ روی اور سلامت فکر ملتی تھی وہ اپنے دور اور علماء کے متحارب و متصادم طرز عمل کو دیکھتے ہوئے بڑی ہی قابل قدر و لائق تقلید چیز تھی، دارالعلوم دیوبند کے موجودہ بحران میں بھی (جس کا بحمداللہ اس کی مجلس شوریٰ کی کوششوں سے بڑی حد تک خاتمہ ہوگیا ہے) اُن کا رویہ بہت متوازن و متناسب رہا اور وہ دعاؤں اور مشوروں کے ذریعہ فریقین کو صلح وصفائی کے لیے آمادہ کرتے رہے۔
حضرت شیخ الحدیثؒ کے مزاج کا اعتدال و توازن ائمۂ اربعہؒ، مشائخ امت اور معاصر علماء و مشائخ سے اُن کے تقریباً یکساں قلبی تعلق اور ان سے عقیدت و احترام کی صورت میں بالکل واضح تھا، مختلف حدیثوں میں وہ جمع و تطبیق اور اصطلاحی معنوں میں "تاویل و توفیق" اور علماء و ائمہ کے مختلف اقوال میں توجیہ و تعلیل کی پوری کوشش فرماتے تھے، مؤطا امام مالک کی شرح میں بھی انھوں نے یہی طریقہ اپنایا ہے اور مذاہب اربعہ کے مفتیٰ بہ اقوال اور "ظاہر الرّوایات" کو ان کی مستند و معتمد کتابوں سے ذکر کرنے کے بعد احناف کے دلائل اور ان کے وجوہ ترجیح ذکر فرما دیتے ہیں۔ (۱)
مسلمانوں کے اندر فقہی اختلافات کو باہمی مخالفت کی بنیاد نہ بنانے کی خاطر حضرت شیخ الحدیث اور دیگر اکابر تبلیغ نے مجمع عام میں فقہی مسائل نہ بتانے اور صرف

---

(۱) مقدمہ اوجز المسالک الی مؤطا الامام مالک، ص ۵۱،۵۲ (طبع سہارنپور)

فضائل اور ترغیبی و ترہیبی احکام بیان پر اکتفا کرنے کی روش اپنائی تاکہ ان میں دین کا شوق پیدا ہو اور وہ بطور خود مسائل جاننے کے لیے فکر مند ہوں۔ حضرت کے نواسے مولوی محمد شاہد صاحب سہارنپوری تحریر کرتے ہیں۔

"اسی طرح اکابر تبلیغ مسلمانوں کے مزاج، عادات اور بڑھتی ہوئی بے دینی اور مغرب پسندی کو دیکھتے ہوئے ابتدا سے ہی یہ طے کیے ہوئے ہیں کہ ان کے سامنے معروف کے فضائل اور اس کی خوبیاں توعلی الاعلان بیان کردیں مجامع میں اس کے فوائد بتلائیں اور ترغیب دیں، لیکن عمومی مجالس میں منکرات پر روک ٹوک نہ کی جائے کہ اس سے بددل اور ناشاد ہونے کا اندیشہ ہے۔الخ" (۱)

قرات خلف الامام و رفع یدین جیسے اختلافی مسائل پر زور دینے کے سلسلے میں حضرت شیخ تحریر فرماتے ہیں۔

"چار رکعات نماز میں بندے کے ناقص علم میں تقریباً دو سو مسائل ائمہ میں مختلف فیہ ہیں جیسے وہ سارے مسائل ہیں یہ چار مسائل بھی ہیں، انھیں میں ہیں ایسی کون سی معرکۃ الآراء خیر آگئی جس پر بحث ختم ہونے ہی پر نہیں آتی اس لیے بندہ کی کوتاہ نظر میں کوئی خصوصیت ان مسائل کی نہیں ہے اسی لیے اوجز میں کوئی تفصیلی بحث ان مسائل میں نہیں کی جیسے اور مسائل پر مختصر کلام کیا ہے، تقریباً ویسے ہی ان پر بھی ہے۔" (۲)

مختلف اہل حدیث حضرات سے اپنے تعلقات کے ذکر کے بعد حضرت شیخ لکھتے ہیں۔

"مجھے اہل حدیث سے ذاتی عداوت تو ہے نہیں، جب تک کہ وہ اکابر ائمہ کی شان میں بے ادبی نہ کریں، میرے ذہن میں یہ ہے کہ شریعت تو صرف

---

(۱) کتب فضائل پر اشکالات اوران کے جوابات۔ ص ۴۱

(۲) مکتوبات علمیہ از حضرت مولانا زکریا صاحبؒ ص ۵۸ (سہارنپور ۱۹۷۳ء)

اللہ اور اس کے پاک رسولؐ کا ہی کلام ہے، لیکن اس پر عمل کرنے میں اور روایات کی جرح و تعدیل میں ائمہ مجتہدین اور ائمہ اربعہؒ کا قول مجھ جیسے نابلد کی تحقیق پر بہت مقدم ہے، بلکہ ان حضرات کے ارشادات، ائمہ محدثین سے بھی مقدم ہیں، اس لیے کہ یہ حضرات ائمہ، بخاری و مسلم کے اساتذہ یا استاذ الاساتذہ ہیں اور زمانۂ نبوت سے بہ نسبت ائمہ محدثین کے زیادہ قریب ہیں، اس لیے روایات کے رد و قبول میں ان حضرات کا مرتبہ اور پایہ ہم لوگوں سے کیا بلکہ ائمہ محدثین سے بھی کہیں زیادہ اونچا ہے۔" (۱)

مختلف دینی اداروں اور جماعتوں کے بارے میں بھی آپ کا رویہ بہت متوازن تھا اور ان کے طریقۂ کار کے بجائے ان کی دینی و ملی خدمت اور خلوص کی قدر پر زور دیتے تھے۔ ایک مکتوب گرامی میں فرماتے ہیں۔

"یہ ناکارہ اخلاص کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی جو خدمت بھی کی جائے چاہے وہ تبلیغی ہوں چاہے وہ جمعیۃ کے سلسلے کی ہوں چاہے کسی اور سلسلے کی ہوں ان سب ہی کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتا ہے اور مسلمانوں کے آپس کے نزاع کو انتہائی نفرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ مسلمانوں میں اختلاف رائے مضر نہیں اور علماء میں اختلاف رائے کو رحمت سمجھتا ہوں لیکن اس کی وجہ سے آپس کا نزاع، ایک دوسرے کی آبروریزی کو انتہائی مہلک سمجھتا ہوں۔" (۲)

اسی طرح حضرت شیخ الحدیثؒ مختلف مذاق و مشرب کے معاصر علماء و مشائخ کی قدردانی مرتبہ شناسی و حفظ مراتب میں بھی بے نظیر تھے۔ جس کی وجہ سے متضاد طبائع کے بزرگ

---

(۱) آپ بیتی از حضرت شیخ الحدیث نمبر ۵ ص ۱۶۹،۷۰
(۲) مکتوبات شیخ ۱۱۶/۲ (سہارنپور ۱۹۸۱ء)

آپ کو اپنا معتمد علیہ اور متفقہ شخصیت سمجھتے تھے ۔ اپنے اکابر و مشائخ معاصرین اور اپنے چھوٹوں کے ساتھ اپنے گوناگوں ربط و تعلق کے بارے میں حضرتؒ نے اپنی آپ بیتی 'یاد ایام' میں جس طرح اظہار خیال کیا ہے وہ ادب شناسی، قدردانی و قدر افزائی کی عمدہ مثال ہے جسے عوام و خواص کو اپنانا چاہیے ۔ (۱)

آزادیٔ ہند سے ۱۵۔۲۰ سال پہلے جب کانگریس اور مسلم لیگ کے اختلافات اور ان کی وجہ سے علما اور مسلمانوں کے دو طبقوں میں اختلاف رائے اور مخالفتوں کا زور ہوا، عوام میں علما و مشائخ سے بدظنی و بداعتقادی کے خیالات عام ہونے لگے، لوگ اکرام مسلم اور اکابر علما کی تعظیم و توقیر سے پہلوتہی بلکہ ان کی شان میں گستاخیاں کرنے لگے اور اختلافات کے دینی و شرعی حدود کی خلاف ورزی کرنے پر اتر آئے تو حضرت مولانا زکریا صاحبؒ نے اس ابتلائے عام و فتنۂ عیار کا بروقت اور شدت کے ساتھ احساس کیا اور ۱۳۵۷ھ میں اپنے ایک عزیز کے مکتوب جواب میں ایک مفصل خط لکھا جو خاص خاص لوگوں کو دکھایا جاتا رہا اور جو بعد میں "الاعتدال فی مراتب الرجال" (اسلامی سیاست) کے نام سے ڈھائی سو صفحات میں شائع ہوا۔

دیکھنے میں تو یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے مگر درحقیقت اسلامی سیاست، اختلافات میں اسلامی روش، افراد اور جماعتوں کے باہمی تعلقات کی توضیح، اسلام کے معاشرتی نظام کے خط و خال، ملت اسلامیہ کے عروج و زوال کے اسباب جیسے بہت سے اہم مباحث اس میں بڑے مؤثر پیرائے میں جمع کردیئے گئے ہیں، جو عوام و خواص سب کے لیے یکساں افادیت رکھتے ہیں اور بہ حیثیت مجموعی یہ کتاب اصابت رائے، ذہنی و فکری توازن و اعتدال اور دینی رہنمائی کے لحاظ سے مسلمانوں کے لیے ایک رہنما کتاب کی حیثیت رکھتی ہے، یہاں بطور نمونہ حضرت مدنیؒ و حضرت تھانویؒ کے بارے میں حضرت شیخ الحدیثؒ کی اس کتاب کے شروع سے ایک مختصر اقتباس دیا جارہا ہے جس سے مصنف کا انداز فکر

---

(۱) ملاحظہ ہو آپ بیتی نمبر ۴ یا یاد ایام نمبر ۳ کا باب ہجم التحدیث بالنعمۃ۔

معلوم ہوجاتا ہے، حضرت لکھتے ہیں۔

"مخلصین کی جماعت میں اختلاف کا ہونا کوئی مستبعد اور دشوار چیز نہیں ہے، ہمیشہ سے اختلاف ہوتا چلا آیا ہے اور ہمیشہ رہے گا.... سنو چونکہ میں تم پر اپنا کافی حق سمجھتا ہوں اس لیے زوردار الفاظ میں کہتا ہوں کہ ان دونوں حضرات میں سے کسی ایک طرف سے بھی دل میں کدورت نہ لانا، اگر خدانخواستہ ایسا کروگے تو اپنا ہی نقصان کروگے، ان حضرات کا کچھ نقصان نہیں ہوگا، مجھے تو بعض لوگوں پر جب وہ ان دونوں اکابر میں سے کسی کی شان میں گستاخانہ غیبت اور بے ادبی کرتے ہیں، بہت ہی تعجب ہوتا ہے اور ان اکابر پر رشک آتا ہے کہ یہ حضرات تو اپنے اپنے دینی علمی، عملی کارناموں کے ساتھ جن کے ثمرات وہ شب و روز لوٹتے ہیں دوسروں کی نیکیاں بھی سمیٹ رہے ہیں اور یہ بے چارہ غصہ میں یوں کہہ رہا ہے کہ چونکہ مجھے تم پر غصہ بہت ہی آرہا ہے اس لیے میری عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں بھی تمھیں لیتے جاؤ کس قدر اپنے اوپر یہ شخص ظلم کرتا ہے کہ غصہ میں اپنی عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیاں ایسے لوگوں کو دے رہا ہے جن سے وہ خفا ہے اور خود فقیر اور مجرم بن رہا ہے۔"(۱)

حضرت شیخؒ جس طرح جامعیت و توسع اور دینی صلابت واصابت اور توازن واعتدال کے ساتھ جادۂ حق پر گامزن رہے، گویا وہ اس آیت کی تعمیل و تکمیل تھی۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

(الانعام:۱۵۳)

(ترجمہ) اور یہ میرا سیدھا راستہ ہے تو اس پر چلو اور مختلف راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں راہِ حق سے دور کردیں اللہ نے اس لیے اس کی وصیت کی کہ تم تقویٰ اختیار کرسکو۔

---

(۱) الاعتدال ص ۶۰۵

جنابِ افتخار فریدی صاحب (مرادآباد)

حکیم مومن خاںؒ نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی وفات پر حسب ذیل شعر کہا تھا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی ذات گرامی بھی اس شعر کے مطابق گزری ہے

دستِ بیداد اجل سے بے سر و پا ہو گئے
فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل

جھنجھانہ و کاندھلہ کے اس مردم خیز خانوادے نے حضرت شیخ کو عطا فرمایا جس نے ملت ہندیہ کو سرسبز و شاداب کرنے کے لیے شاہ عبدالرزاق جھنجھانویؒ، مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ، میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ، شیخ التبلیغ مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ جیسے عظیم المرتبت انسان کامل عطا فرمائے تھے۔

شیخ کا گودیوں والا زمانہ حضرت گنگوہیؒ کی پُرنور خانقاہ میں گزرا، تعلیم و تربیت کے ابتدائی مرحلے اپنے اباجان حضرت مولانا محمد یحییٰؒ چچاجان حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی گودوں میں گزارے۔ اس کے بعد اپنے پیرومرشد حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھویؒ سے علم و نسبت کی دولت حاصل کی اور ان کی آبیاری حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ حضرت شیخ الہندؒ حضرت تھانویؒ جیسے بزرگوں سے ہوتی رہی۔

پھر دورِ شباب و کہولت حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ حضرت شیخ الاسلام مولانا

سید حسین احمد مدنیؒ کی محبتوں، شفقتوں، راحت رسانیوں میں گزارا، ہندو پاک و حجاز کے اہل اللہ، خواص، علمائے کرام میں اکثر ایسے تھے یا ہیں جن سے خوب تعلق خاطر رہا عالم اسلام میں بھی ایسے بہت تھے یا ہیں جو شفقت و محبت و عقیدت سے دوچار رہے۔

امت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کا درد و غم خواری اور حضور پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشاری و جاں نثاری، شیخ کو اپنے جدِ اعلیٰ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے ورثہ میں خوب ملی تھی، جس کا اظہار و عمل و اقدام جوانی سے تا وفات تقریباً ستر سال تک کے ہر ہر دن ورات میں لاکھوں انسانوں کے درمیان ہوتا رہا۔

بندہ کا تعلق شیخ سے تقریباً چالیس سال سے تھا۔ اس دور میں بہت سے واقعات دیکھے سنے۔ ان سب کا احاطہ تو ممکن نہیں۔ ان میں سے صرف چند واقعات و حوادثات کا کچھ حال پیش کر رہا ہوں تاکہ شیخ کی ذات گرامی کا اس دور کے انسانوں کو کچھ اندازہ ہوسکے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا شوق اور توفیق نصیب ہوجائے۔

اِس صدی میں ہماری ملت جن ہولناک والمناک و تباہ کن حوادث سے دوچار ہوئی، ان میں سب سے بڑا المیہ خلافت ترکیہ کا ٹوٹنا ہے۔ اِن چودہ صدیوں میں اس سے بڑا کوئی دوسرا حادثہ نظر نہیں آتا جو خلافت راشدہ سیدنا ابو بکر صدیقؓ سے شروع ہوکر سلطان عبدالمجید خاں ترکیہ تک مسلسل چلا۔ اُسے دشمنانِ اسلام یہود و نصاریٰ و کمیونسٹ یورپ وامریکہ روس کی سازش نے کمال اتاترک کے ہاتھوں مٹوایا، عرب ملکوں کے ٹکڑے ٹکڑے کیے، حکمرانوں کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کیا۔ عرب کے سینے بیت المقدس کی مبارک سرزمین فلسطین پر اسرائیل کو مسلط کیا، بیت المقدس کو غصب کیا۔ ملت ہندیہ لیگ کانگریس کے اختلاف میں مبتلا کی گئی اور پھر بنگلہ دیش بنا، لاکھوں مسلمان شہید ہوئے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ ملت ہندیہ کو اسپینی نقشہ پر ڈالنے کی اسکیم ظالموں نے بنائی اس کو ناکام بنانے میں کچھ گھر میں حضرت مدنی، حضرت رائے پوریؒ، حضرت شیخ کا فیصلہ حق تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ اہل دین و دعوت کی جان توڑ مساعی کو حق تعالیٰ نے قبول فرمایا، مولانا محمد یوسفؒ، مولانا حفظ الرحمنؒ پر اِن تینوں بزرگوں کی نظر کرم و توجہ کی برکت سے ان کے

ذریعہ ملت ہندیہ کے پنپنے کی راہ پیدا ہوئی۔

مدارس عربیہ میں اسٹرائک کا عذاب آیا۔ دیوبند ذمہ داروں کے افتراق کا نشانہ بنا، خانقاہوں کی ویرانی خصوصاً خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون اور اس دور آخر میں خانقاہ رحیمیہ رائے پور کا تابوت کے اختلاف میں ویران ہونا۔ منکرین ختم نبوت، منکرین حدیث، منکرین تصوف، منکرین اہل حق کے حملے اور ان کی تلبیسات کا فروغ؛ ان سب حوادث سے شیخ دوچار رہے، مسلسل ان کی چوٹیں لگتی رہیں، زخم ناسور بنتے رہے انھیں قبر مبارک میں ساتھ لے گئے۔

مدارس کی فضاؤں میں تو شیخ کی پوری زندگی گزری، خانقاہوں سے تعلق ماں کی گود کے زمانہ ہی سے شروع ہوگیا تھا۔

دادا جان حضرت مولانا محمد اسمٰعیلؒ نے بنگلے والی مسجد بستی حضرت نظام الدین اولیاء دلی کو بسایا تھا۔ چچا جان مولانا محمد الیاسؒ نے اسی مسجد سے تبلیغی کام کی ابتدا فرمائی۔ شیخ ہر طرح سے اپنے چچا جان کے دست بازو بنے رہے۔ حضرت مولانا محمد الیاسؒ فرمایا کرتے تھے کہ (میرا بچہ میرا شیخ) ایک طبقہ ایسا ہے جو مجھے یہ کام نہیں کرنے دیتا۔ شیخ ہی کی مساعی کی برکت سے وہ رکاوٹ نہیں بن سکا۔)

حضرت جی کی وفات کے بعد مولانا محمد یوسفؒ کی تبلیغی مساعی کی پوری عالمگیر شکل شیخ ہی کی نگرانی سرپرستی میں وجود میں آئی۔ مولانا محمد یوسفؒ کی وفات نے شیخ پر جو چوٹ لگائی اُس کا اظہار ایک عربی شعر کے ذریعہ فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے۔ "میرا ایک غلام تھا جو ترقی کرتے کرتے میرا آقا بن گیا تھا۔

تبلیغ کے موجودہ امیر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کو بھی اس منصب پر حضرت شیخ ہی نے بٹھایا اور آخری سانس تک اس کام کے فروغ وحفاظت کے لیے اپنی انتہائی معذوری ومجبوری و بے بسی کے عالم میں بھی افریقہ، یورپ، ایشیا کے براعظموں کے سفر فرماتے رہے۔ وفات سے ایک سال قبل بندہ نے ایک عریضہ کے ذریعہ شیخ سے یہ درخواست کی تھی کہ حق تعالیٰ آپ کے قدم مبارک امریکہ، روس، چین میں بھی ڈلوادے اُس کے جواب میں

مولوی حبیب اللہ صاحب خادم کے قلم سے تحریر کرایا۔
میں خود حیرت میں ہوں کہ جو جوانی کے پچاس برس سہارن پور سے دہلی اور رائے پور کے سوا کہیں نہ گیا ہو حتیٰ کہ مظفر نگر کا وعدہ ۴۰ برس سے رہا اور حضرت مدنی کے بسلسلۂ علاج جانے پر مظفر نگر والوں نے لکھا کہ اس وقت حضرت مدنی بھی آئے ہوئے ہیں تو بھی اپنا وعدہ پورا کر دے اور انھوں نے اپنے زعم کے موافق حضرت مدنی سے بھی ذکر کر دیا کہ حضرت بھی سفارش کر دیں مگر حضرت نے مجھے کارڈ لکھا کہ میں تو علاج کے لیے آیا ہوں اور یہاں سے بچوں کو دیو بند چھوڑ کر تم سے ملنے آؤں گا، تم ہرگز نہ آؤ تکلیف ہوگی" اب پیری میں مجبور کیا جا رہا ہوں۔
حضرت شیخ کی آپ بیتی کی ساتویں جلد وفات سے کچھ دن قبل ہی ملی تھی اس میں مختلف ملکوں کے اسفار کا حال پڑھ کر کلیجہ کانپ جاتا ہے اور جسم لرز جاتا ہے۔ اللہ اکبر! اس آخری عمر جو علالت سے بھری ہوئی ہے کس قدر پُر تعب سفر فرماتے رہے۔ انگلستان کے پہلے سفر میں جدہ سے صبح چل کر شام کو پہنچے، قیام گاہ پر اس وقت ہزاروں آدمی حاضر تھے۔ سفر کی طویل و شدید مشقت کے بعد اُس وقت حاضرین سے مصافحہ کرنے کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن شیخ نے پہنچتے ہی نہ صرف سب سے مصافحہ کیا بلکہ فرق مراتب کا بھی اہتمام فرمایا۔
مولوی محمد ہارون مرحوم شیخ کی بڑی صاحبزادی اہلیہ مولانا محمد یوسفؒ جن کا جوانی ہی میں انتقال ہو گیا تھا کے اکلوتے فرزند تھے۔ دادا، نانا، باپ کی گودوں اور دعاؤں میں پلے بڑھے اور عین جوانی کے شباب میں انتقال ہوا۔ حضرت شیخ کی محبت والفت ان کے ساتھ اس دن ظاہر ہوئی جب ایک دن مسجد نبوی مدینۂ منورہ میں ہارون مرحوم کو سینہ سے چپٹا کر روئے اور مجازکیا مرحوم کو باپ دادا کی نسبت بھی شیخ کے ذریعہ ہی ملی۔ ایک تحریر بھی عطا فرمائی تھی جو مرحوم نے مجھے بھی دکھائی تھی۔
مولوی ہارون مرحوم کا بچہ محمد سعد سلمہٗ جو یتیمی کے شرف کے ساتھ نشو و نما پا رہا ہے ماشاءاللہ حافظ قرآن ہو گئے ہیں۔ بندہ تو ان کے لیے ہمیشہ دعا مانگتا ہے کہ خدا انھیں شیخین

تبلیغ (دادا پردادا) کا جامع بنادے کیا عجب ہے حق تعالیٰ کوئی بڑا کام ان سے لے لے تعلق والوں سے بھی درخواست ہے کہ ان کے واسطے یہ دعا مانگا کریں۔ شیخ نے ان کے والد کو جو عطا فرمایا تھا وہ ان کے ذریعہ ظاہر ہو۔ حضرت شیخ کو بندہ نے لکھا تھا کہ محمد سعد سلمٰہ کو کچھ وقت کے لیے مدینہ منورہ اپنے پاس بلالیں، اس کے جواب میں حضرت نے تحریر کرایا تھا (عزیز سعد کا میرے پاس رہنا مناسب نہیں وہ بچہ ہے اور میں بیمار، یہاں اس کی کوئی خبر گیری کرنے والا نہیں اسے تو نظام الدین ہی رہنا چاہیے، البتہ آپ بواسطہ یا بلا واسطہ اس کو اس کی تاکید کردیں کہ جتنی زیادہ ہو سکے مولانا انعام صاحب کی قدر کیا کرے) اب تو اس دنیا میں ذریت اسمٰعیلؒ والیاسؒ میں یہ بچہ ہی ہے۔ صاحبزادۂ گرامی مولانا محمد طلحہ صاحب سلمٰہ کا سب تعلق والوں پر یہ حق عائد ہوتا ہے کہ ان کے لیے دعا مانگتے رہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کو اپنے دادا پردادا نانا ماموں کی نسبت تام اور نقش قدم عطا فرمائے۔ آمین

شیخ کی ہجرت مدینہ منورہ کے بعد سے ماشاء اللہ کچے گھر کی رونق و آبادی اُن ہی کے دم سے ہے۔ دعاؤں کی درخواست ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کو ولد صالح عطا فرمائے اور کچا گھر (حضرت شیخ کی سہارنپوری قیام گاہ جس کی زیارت لاکھوں انسانوں نے کی۔ آپ بیتی میں اس کا تذکرہ آتا رہا ہے۔ اس کا تفصیلی تعارف تو کوئی خادم کرائے گا۔ اس کے اصل اہل تو مولانا نصیر الدین صاحبؒ تھے جو ستر سال شیخ کے خادم رہے۔ دو کام ان کے سپرد تھے مہمانوں کو کھانا کھلانا، کتب خانہ یحیوی کا انتظام کرنا مگر افسوس وہ شیخ سے بھی پہلے چلے گئے) حق تعالیٰ اس گھر کو قیامت تک ان تمام خوبیوں کے ساتھ شیخ کی نسلوں سے آباد رکھے۔

حضرت شیخ کو حضرت سلطان جیؒ دلی حضرت مجدد سرہندیؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ حضرت سید احمد شہیدؒ سے خصوصی نسبت حاصل تھی۔

اس وقت عالم اسلام جن مصائب میں مبتلا ہے، اس سے نجات پانے کے لیے ملت کے عوام و خواص تبلیغ میں وقت لگائیں اور شیخ کو ثواب پہنچانے کی نیت کریں اور خدا سے دعائیں کریں۔ یہ عمل انشاء اللہ بہت سازگار ہوگا۔ حق تعالیٰ ہمیں بھی ایمان کی طاقت عطا فرمائے اور شیخ کی نسبت بھی حاصل ہو اور تبلیغی کام کی حفاظت بھی غیب سے فرمائے۔ ●●

کتابت: الیاس لکھنو

حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ اور علمِ حدیث

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری
(استاذ حدیث عین یونیورسٹی و مشیر محکمۂ قضاء شرعی، ابوظبی)

محفل دوشیں کا وہ چراغ سحر جو کئی سال سے ضعف و مرض کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل جاتا تھا، بالآخر ۲۴ / مئی ۱۹۸۲ء کو ہمیشہ کیلئے بجھ گیا ؎

نہ سمجھے تھے کہ اس جانِ جہاں سے یوں جُدا ہوں گے
یہ سنتے گو چلے آتے تھے اک دن جان سے ہے جانی!

دریغا! کہ علم و عمل، فضل و کمال، ایمان و معرفت، اور زہد و ورع کا وہ مہر تاباں غروب ہوگیا، جس کی ضیا پاشیوں سے نصف صدی سے زائد عرصہ تک ایک عالم منور ہوتا رہا۔ آہ! وہ چشمۂ علم اور منبع تزکیہ و ہدایت خشک ہوگیا جس سے ایک دُنیا سیراب ہوئی۔

وا اسفا! کہ وہ گنج گراں مایہ ہم سے جُدا ہوگیا جو تاعمر اپنی تحریر و تقریر سے حقائق ایمانی دقائق حدیث، اسرار احسانی اور رموز حکمت ربانی کے موتی لٹاتا رہا ــــ یعنی

امامِ دَوراں و محدثِ عصر حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نوراللہ مرقدہٗ ہزاروں لاکھوں قلوب کو سوگوار و حزیں چھوڑ کر راہیٔ عالم بقا ہوئے ——— اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ابھی اس عظیم سانحہ کا غم بالکل تازہ ہے۔ حضرت کی یاد سے یارا ئے ضبط باقی نہیں رہتا، اس لئے ناچیز کے قلب میں ابھی یہ ہمت نہیں تھی کہ اپنے دل کے نالۂ وشیون کو سپردِ قلم کرسکے، مگر اپنے مخدومین کے حکم کی تعمیل میں یہ مضمون پیشِ خدمت ہے ؎

دریں آشوبِ غم عذرم بنہ گر نالہ زن گریم
جہانے را جگر خوں شد ہمیں تنہا نہ من گریم

بلاشبہ حضرت اقدسؒ کا سانحۂ ارتحال اس دور کا ایک عظیم ترین حادثہ ہے آپ کی ذات درحقیقت بڑی جامع الکمالات، متنوع الصفات اور شریعت و طریقت کا مجمع البحرین تھی۔ وہ اپنے اکابر و مشائخ کی طویل روحانی روایات اور علمی نسبتوں کے حامل و امین تھے۔ ان کی دوکان سے عشق و محبت کا سودا بکا کرتا تھا۔ ہزاروں تشنگانِ علم نے ان کے منبعِ فضل و کمال سے اپنی علمی تشنگی فرو کی۔ لاکھوں گم گشتگانِ راہ نے اس قندیلِ فروزاں سے منزلِ حقیقی کا پتہ پایا۔ حضرت شیخؒ کا فیضان ایشیا و یورپ اور مشرق و مغرب کی جغرافیائی حدود سے بلند ہو کر عالمگیریت اختیار کر گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت کے عدیم النظیر کمالات اور نادر صفات کا احاطہ و استقصا کرنا ایک مضمون میں ناممکن ہے اس کے لئے ضخیم دفاتر بھی اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کرتے نظر آئیں گے۔ جس کے کچھ جلوے "الفرقان" کی پیش نظر خصوصی اشاعت میں ملاحظہ فرمائے جاسکتے ہیں۔

راقم سطور اپنے اس مضمون میں حضرتؒ کی زندگی کے صرف اس گوشہ کو بیان کرنا چاہتا ہے جس کے باعث زبانِ خلق نے نقارۂ خدا بن کر انھیں "شیخ الحدیث" کا لقب و خطاب عطا کیا، اور پھر یہ لقب ان کے اصل نام کا لازمی جزو دوام کی علامت بن کر رہ گیا۔ بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ حضرتؒ کا حقیقی اسمِ گرامی "شیخ الحدیث"

کے لقب کی عومیت میں گم ہوگیا تھا۔ ان کا سینہ عشق رسُولؐ کی آتشِ سوزاں کی آماجگاہ تھا اور علم حدیث سے آپ کا والہانہ شغف اور اس کی نکتہ آفرینی میں غیر معمولی انہماک اس عشق رسُولؐ کا طبعی نتیجہ تھا۔ ہزاروں دلوں نے اس حرارت سے اکتسابِ فیض کیا۔ آپ نے جو گرانقدر علمی کارہائے نمایاں انجام دیئے اس کی نظیر کم از کم قرونِ متاخرہ میں مفقود ہے اور بلاشبہ گنبدِ افلاک آپ کے گوناگوں وہمہ جہت کارناموں سے رہتی دُنیا تک گونجتا رہے گا ؎

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

ہندوستان میں علم حدیث حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعد

تاریخی حقائق شاہد عدل ہیں کہ آغازِ اسلام کے ساتھ ہی سرزمینِ ہند قَالَ اللهُ وَقَالَ الرَّسُوْلُ کے سرمدی نغموں سے معمور ہوگئی تھی۔ ہر عصر و عہد میں محدثین کرام کی ایک جماعت اس ملک میں وارد ہوئی اور بساطِ درسِ حدیث آراستہ کی۔ علم حدیث کی ترویج و اشاعت اور تدریس و تصنیف کا جو غلغلہ ہندوستان میں بلند ہوا اس کی نظیر دوسرے بلادِ اسلامیہ میں نہیں ملتی۔ خاص طور پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (المتوفی ۱۱۷۶ھ) اور ان کے نامور خانوادے نے ہندوستان میں علم حدیث کے منارے کو رفعت میں رشکِ فلک بنا دیا تھا۔ ان ہی کے ذریعہ اس ملک میں صحاح ستہ کی تدریس کا رواج عام ہوا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے درس و تصنیفات کے ذریعہ تفقہ فی الحدیث اور شریعت کے اسرار و حکم کا ایک نیا باب وا کیا۔ انھوں نے مذاہب فقہاء کی ادلّہ احادیث پر عمیق نظر ڈالی اور اپنے نورِ باطن سے فقہاء کا طریقہ پسند کیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشد تلامذہ میں آپ کے فرزند اکبر سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) کے فیضانِ درس سے

اکابر محدثین کی ایک بڑی جماعت تیار ہوکر نکلی، جن میں سب سے زیادہ شہرت و امتیاز خود آپ کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق مہاجر مکی (المتوفی سنہ ۱۲۶۲ھ) کو حاصل ہوا. ان کی ذات اپنے عہد میں علم حدیث کا سب سے بڑا مرجع و مرکز تھی۔ اکناف عالم کے تشنگان علم نے ان کے در پر حاضر ہوکر کسب فیض کیا. نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں ان کی نظیر اس عہد میں شاید ہی مل سکے۔ ان کے ممتاز و سرفہرست تلامذہ میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ (المتوفی سنہ ۱۲۹۶ھ) مہاجر مدنی کا نام نمایاں ہے، جن کے درس حدیث سے ہندوستان اور حرمین شریفین کے علمار کی ایک بڑی جماعت تیار ہوئی اور ہندوستان کی پوری علمی فضا حدیث کے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف سے معمور ہوگئی۔

ان کے سرآمد روزگار تلامذہ میں حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی سنہ ۱۲۹۷ھ) اور قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی (م سنہ ۱۳۲۳ھ) کے نام خصوصیت کے ساتھ لائق ذکر ہیں. حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے وطن گنگوہ کو تربیت و اصلاح اور درس و تدریس و افتار کا مرکز بنایا۔ آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ (م سنہ ۱۳۳۴ھ) ہیں، جن کے سبب دُنیا نے حضرت کے عہد آخر کے دورۂ حدیث کی بہار دیکھی. حضرت امام ربانی تن تنہا صحاح ستہ کا درس دیتے تھے اور اس میں ضبط و اتقان اور تحقیقات نادرہ کے موتی بکھیرتے تھے — حضرت مولانا محمد یحییٰ نے حضرت کے درس کے افادات عربی زبان میں قلم بند کئے۔ تھے جو درحقیقت حضرت کے عمیق و وسیع مطالعہ اور طویل عرصے کے درس کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں۔ یہی حضرت مولانا محمد یحییٰ ہمارے استاذ و مرشد حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کے والد بزرگوار ہیں۔

حضرت شیخ کی تعلیم حدیث کا آغاز

حضرت شیخؒ سب سے پہلے حفظ قرآن کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ پھر

درسیات کی اکثر متداول کتب سے فراغت کے بعد اپنے والد بزرگوار سے "مشکوٰۃ شریف" پڑھنے کا آغاز کیا۔ یہی نورانی ورُوحانی نقطۂ آغاز درحقیقت حضرت شیخ کی زندگی کی وہ ساعت ہمایونی تھی جس نے تاحیات انھیں علم حدیث کی نکتہ آفرینی اور دقیقہ رسی میں منہمک رکھا۔ حضرت شیخ اپنے آغاز مشکوٰۃ کا قصّہ خود ہی بیان فرماتے ہیں کہ:۔

"۲ محرم ۱۳۳۲ھ کو ظہر کی نماز کے بعد میری مشکوٰۃ شریف شروع ہوئی، والد صاحب نے خود ہی ظہر کی امامت بھی کی تھی کہ اس زمانے میں نماز وہی پڑھاتے تھے۔ نماز کے بعد غسل فرمایا اور دُو رکعت نماز نفل پڑھی، پھر میری طرف متوجہ ہوکر مشکوٰۃ شریف کی بسم اللہ اور خطبہ مجھ سے پڑھوایا۔ پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر ۱۵۔۲۰ منٹ تک بہت دُعائیں مانگیں، مجھے نہیں معلوم کہ کیا کیا دُعائیں مانگیں لیکن میں ان کی معیت میں اس وقت صرف ایک ہی دعا کرتا رہا کہ یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا ہے۔ اسے مرنے تک میرے ساتھ وابستہ رکھئے۔ اللہ جل شانہٗ نے میری ناپاکیوں، گندگیوں اور سیّئات کے باوجود ایسی قبولیت عطا فرمائی کہ ۱۳۳۲ھ سے ۱۳۹۰ھ تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی ایسا زمانہ نہیں گذرا کہ جس میں حدیث پاک کا مشغلہ نہ رہا ہو[1]۔"

حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ اس دُعا کے وقت میں سوچ رہا تھا کہ یہ بات

---

[1] واقعہ یہ ہے کہ حدیث پاک کا مشغلہ حضرت شیخ کی زندگی کے آخری لمحہ تک باقی رہا۔ آخر حیات میں مولانا محمد عاقل صاحب صدر المدرسین مدرسہ مظاہر علوم حضرت گنگوہی کی صحیح مسلم کی تقریر پر حضرت کے حکم سے تعلیقات لکھ رہے تھے۔ ایک معتدبہ حصّہ لکھنے کے بعد حضرت کو سناکر مشورہ لیتے تھے یہ سلسلہ انتقال سے ایک ہفتہ پہلے منقطع ہوا۔

کیسے ممکن ہے۔ اگر میں نے حدیث پڑھ بھی لی پھر درس بھی ہو گیا تو تدریس حدیث تک دس بارہ سال لگ جائیں گے، بہت سے ایسے حضرات جو عرصہ سے مدرس ہو چکے تھے، اس وقت تک مشکوٰۃ شریف تک نہیں پہونچ سکے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ بڑا مسبب الاسباب ہے۔ وہ جب کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے تو اسباب بھی خود ہی پیدا فرما دیتا ہے۔

دورۂ حدیث

حضرت شیخ کے دورۂ حدیث کی ابتدا ۱۳۳۳ھ میں ہوئی۔ اسی سال حضرت سہارن پوریؒ اور حضرت شیخ الہندؒ نور اللہ مرقدہما نے طویل قیام کے ارادے سے حجاز مقدس کے سفر کا قصد فرمایا تھا۔ حضرت شیخ الحدیث فرماتے تھے کہ میرے ذہن میں یہ تھا کہ نہ مجھے کہیں ملازمت کرنی ہے اور نہ عجلت ہی ہے۔ ایک سال میں دورۂ حدیث مکمل کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔ ابوداؤد شریف مولانا محمد یحییٰ صاحب کا خاص سبق تھا۔ اس لئے ان کے درس میں ابوداؤد شریف شروع کر دی۔ ترمذی شریف کو حضرت سہارنپوری کی واپسی پر ملتوی رکھا۔ لیکن بعض اسباب کی بنا پر ابن ماجہ کے سوا تمام کتابیں اپنے والد مغفور سے نہایت بحث و تحقیق کے ساتھ پڑھیں۔ اس کے بعد دوبارہ ۱۳۳۴ھ میں ان کتابوں کو حضرت شیخ نے اپنے استاد و مرشد شیخ العرب والعجم مولانا خلیل احمد سہارن پوری (المتوفی ۱۳۴۶ھ) سے پڑھا۔ (ابن ماجہ کے ابتدائی حصہ کو پڑھ کر اجازت لی تھی)۔

اس طرح حضرت شیخ اپنے والد بزرگوار اور حضرت اقدس سہارن پوری دونوں بزرگوں کے علوم و کمالات اور روحانیت کے سچے جانشین تھے۔ حضرت شیخ کے علمی کارناموں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ تدریس حدیث ــــ اور ــــ تالیف و تصنیف۔

ا۔ تدریس حدیث

حضرت شیخؒ ۱۰ محرم ۱۳۳۵ھ کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں مدرس ہوئے اور بہت جلد اپنی خداداد صلاحیتوں اور استعداد کے باعث ترقی کر کے تدریس حدیث تک پہونچ گئے۔ حضرت مولانا سہارن پوری کو علم حدیث سے ان کی مناسبت اور استعداد کا بخوبی اندازہ تھا۔ چنانچہ حضرت سہارن پوری کی خواہش تھی کہ حضرت شیخ حدیث کی کتابیں بھی پڑھائیں اس لئے انھوں نے ۱۳۴۱ھ میں بخاری شریف کے تین پارے (از ۱۳ تا ۱۵) کی تدریس حضرت شیخ کے ذمہ فرمادی۔ اور ایک سفر پر روانہ ہو گئے۔ واپسی پر تحقیق فرمائی کہ پڑھانے لگے یا نہیں۔؟ اس پر معلوم ہوا کہ اکابر اساتذہ کی موجودگی میں پڑھانے سے تکلف ہے اور احتراز کر رہے ہیں۔ اس پر حضرت سہارن پوری ناراض ہوئے۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیث جو ابھی عمر کی ۲۶ ویں بہار میں تھے اور اس وقت تک مشکوٰۃ شریف بھی نہ پڑھائی تھی، عجیب کش مکش اور پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ اپنے استاذ و شیخؒ کی ناراضگی سے پریشان ہو کر عرض کیا:

> "حضرت! توبہ توبہ مجھے تو یہ خیال ہوا کہ مدرسہ کی بڑی بدنامی ہے، دوسرے مدارس والے کیا کہیں گے کہ ایک نوعمر لڑکے کو جس نے ابھی مشکوٰۃ بھی نہیں پڑھائی ہے، بخاری دے دی۔"

یہ سن کر حضرت سہارن پوریؒ نے بڑے جوش وجذبہ کے ساتھ ارشاد فرمایا:

> "نوعمر لڑکے کو میں ہی جانوں، دوسرے لوگ کیا جانیں۔ اگر کوئی الزام دے گا تو مجھے دے گا تمھیں نہیں دے گا۔"

اس سوال وجواب کے بعد حضرت شیخؒ نے یہ درس حدیث قبول کر لیا، اور پھر "قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید" کا حقیقی مشاہدہ ہوا۔ پورا تعلیمی سال اطمینان سے گزرا اور سب مطمئن رہے۔

اس کے بعد ماہ شوال ۱۳۴۱ھ سے مشکوٰۃ شریف کی تدریس بھی آپ کے سپرد ہوئی۔ ۱۳۴۵ھ میں مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں مدرسہ علوم شرعیہ میں بعض مغربی طلباء کو ابوداؤد شریف بھی پڑھائی۔ حجاز مقدس سے واپسی پر ۱۸ صفر ۱۳۴۶ھ سے ابوداؤد شریف اور نسائی کے اسباق آپ کے ذمہ منتقل ہوکر آئے تھے اسی کے ساتھ مؤطا امام محمد اور بخاری شریف کے آخری چار پاروں کی تدریس بھی آپ کے سپرد ہوئی۔ اس وقت سے ۱۳۷۵ھ تک مسلسل ابوداؤد شریف کا درس حضرت شیخ ہی کے ذمہ رہا۔ آپ کے درس کی شہرت ابتدا سے ہندوستان کے عربی مدارس میں ہوگئی تھی اور نام کے بجائے "شیخ الحدیث" کے لقب سے مشہور عام ہوئے۔ یہ لقب دراصل حضرت سہارن پوری نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔ اپنے انتقال سے پیشتر حضرت سہارن پوری نے جو تحریر مدینہ منورہ سے مدرسہ مظاہر علوم کے نام ارسال کی تھی اس میں خصوصیت کے ساتھ اس بات کا ذکر تھا کہ حضرت شیخ کو حدیث سے جو مناسبت ہے وہ کسی اور کو نہیں اس لئے انہی کو مدرسہ کا شیخ الحدیث مقرر کیا جائے، اور اگر کسی کو اس میں تردد ہو تو میں اپنی طرف سے ان کو شیخ الحدیث کا لقب دیتا ہوں۔

تقریباً ۳۵ سال تک سنن ابی داؤد اور بخاری جلد اوّل کا درس حضرت ہی کے ذمہ رہا۔ اس کے بعد ۱۳۷۲ھ سے ناظم مدرسہ مولانا عبداللطیف صاحب کے یہاں سے بخاری جلد ثانی بھی حضرت ہی کی طرف منتقل ہوگئی۔ لیکن ۱۳۷۵ھ سے صرف بخاری شریف ہی آپ کے ذمہ رہ گئی۔ اس طویل زمانہ تدریس میں حسب ضرورت حدیث کی بعض دوسری کتب شلاً ترمذی، مسلم اور شمائل ترمذی وغیرہ بھی زیر درس رہیں۔ افسوس کہ ۱۳۸۸ھ سے آنکھوں میں نزول ماء (موتیابند) کی شکایت کے باعث درس کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ مگر تالیف وتصنیف کا سلسلہ آخر آخر تک قائم و برقرار رہا۔

اسی طرح مسلسلات حدیث کے درس کا بھی حضرت کے یہاں بڑا اہتمام تھا۔

ابتدا میں تو خصوصی طور پر بعض حضرات اجازت لیتے رہے، لیکن ۱۳۸۸ھ سے باضابطہ اس کا اہتمام ہونے لگا، اور کافی جم غفیر اس کی تحصیل کے لئے اکٹھا ہونے لگا. چنانچہ ۲۲ رجب ۱۳۹۰ھ کو ہندوستان کے مدارس عربیہ میں یہ خبر گونج اٹھی کہ حضرت شیخ مسلسلات حدیث پڑھائیں گے، اس موقع پر تقریباً ڈیڑھ ہزار کا مجمع ہوگیا جس میں ہندوستان کے بہت سے اساطین و مشاہیر اہل علم بھی شریک ہوئے.

درسِ حدیث سے والہانہ شیفتگی

حضرت شیخ جس انہماک و دلسوزی، نشاط و سرگرمی کے ساتھ حدیث کا درس دیا کرتے تھے اس کی صحیح مرقع کشی سے زبان قلم قاصر ہے. حقیقت یہ ہے کہ علم حدیث آپ کے لئے محض ایک علم اور فن کی حیثیت نہیں رکھتا تھا بلکہ یہ ان کا ذوق و حال بن گیا تھا اور ان کے جسم و جان اور رگ و ریشہ میں کچھ اس طرح رچ بس گیا تھا جیسے پھول میں خوشبو اور ستاروں میں روشنی، یا ع

شاخِ گل میں جس طرح شبنم کا نم

ایک بار موسلا دھار بارش ہو رہی تھی، تمام سڑک پر گھٹنوں گھٹنوں پانی بھر رہا تھا، ناکارہ راقم سطور مدرسۂ قدیم میں کتاب لیے ہوئے منتظر تھا کہ بارش کا زور کم ہو تو سبق میں حاضر ہو. حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مرحوم ناظم مدرسہ مظاہر علوم اس وقت دفتر نظامت (جو مدرسہ قدیم میں واقع ہے) میں تشریف رکھتے تھے اس ناچیز نے ان سے دریافت کیا کہ کیا حضرت شیخ الحدیث آج بھی درس میں تشریف لے گئے ہوں گے.؟ انھوں نے فرمایا کہ اس طوفانی بارش میں تو بظاہر مشکل ہی معلوم ہوتا ہے. باہر جاکر معلوم کرلو. چنانچہ میں نے مدرسہ کے دروازے پر آکر سائبان میں بیٹھے ہوئے پھل فروشوں سے معلوم کیا، بارش کا زور برابر قائم تھا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ حضرت تو دیر ہوئی تشریف لے گئے. جبکہ حضرت کے مکان سے دارالحدیث کا خاصہ فاصلہ ہے سڑک پر پانی بہہ رہا تھا. یہ کم ہمت بھی

بعجلت تمام دارالحدیث میں حاضر ہوا، وہاں بجلی غائب تھی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا مگر درس شروع ہو چکا تھا۔ ناچیز راقم سطور چپکے سے بیٹھ گیا کہ مبادا حضرت شیخ کی نظر پڑ جائے مگر آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا، جانتے ہو کیسے آیا ہوں، اپنے مکان سے روانہ ہوا تو ایک ہاتھ میں بخاری شریف کا پارہ اور دوسرے میں چھتری تھی جوتے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا۔ نصف راستہ تک آیا تو ایک رکشہ والا مل گیا، اس نے باصرار مجھے رکشہ پر سوار کرلیا اور یہاں پہونچانے کے بعد میرے پیروں اور پائجامہ کے نچلے حصہ کو دھویا، یہ ناکارہ یہ سُن کر پانی پانی ہو گیا۔

حضرت شیخ کا درس گرمی و سردی، صحت و بیماری اور بارش و آندھی تمام حالات میں اسی مستعدی و نشاط اور تازگی و پابندی کے ساتھ جاری رہتا تھا۔ دارالحدیث میں قدم رکھتے ہی عطر کی خوشبو سے مشام جاں معطر ہو جاتا تھا، ادب و احترام اور وقار و سکینت کی جو خاص کیفیت اس وقت پیدا ہو جاتی تھی اس کے بیان کے لئے راقم سطور ذخیرۂ الفاظ کو قاصر پاتا ہے۔ جو بھی تھوڑی دیر کے لئے مجلس میں بیٹھ جاتا یوں محسوس کرتا گویا ؎

بادِ صبا آج بہت مشک بار ہے
شاید ہوا کے رُخ پہ کھلی زلفِ یار ہے

حضرت شیخ کا درس اپنے عہد میں ممتاز ترین خصوصیات کا حامل تھا، اس لئے ان کے درس کی تقریر کو بہت سے علماء و فضلاء قلم بند کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ اس ناچیز راقم سطور نے بھی درس بخاری کی تقریر کو بہت اہتمام سے قلم بند کیا ہے۔ مولانا محمد شاہد صاحب نے حضرت شیخ کی مختلف تقاریر کو سامنے رکھ کر بخاری شریف کے ابتدائی حصہ کی تقریر کو مرتب کیا ہے۔ مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم کی نظر ثانی کے بعد عرصہ ہوا، اس کے دو اجزاء کی طباعت ہو چکی ہے۔ اس کے شروع میں حضرت شیخ کے ایماء و حکم سے اس ناچیز کے قلم سے ایک مقدمہ بھی شامل ہے، جس میں حضرتؒ کے درس کی امتیازی خصوصیات کو بہت تفصیل

سے بیان کیا گیا ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

حضرت شیخؒ کے درس کی خصوصیات

(۱) حضرت شیخ کا درس عشق نبویؐ اور محبت رسولؐ کا نمونہ ہوتا تھا، جس کیفیت و سوز و گداز سے آپ پڑھاتے تھے وہ ناقابل بیان ہے ؎

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

اس کا اثر پورے مجمع پر بہت غیر معمولی ہوتا تھا، کبھی آہ و بکا کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی جیسا کہ کسی نے اس طرح تصویر کشی کی ہے ؎

پھر پرسشِ جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمکداں لیے ہوئے

خصوصاً حضرت شیخ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کی حدیث پڑھا کرتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے آج ہی یہ عظیم سانحہ پیش آیا ہے، اس وقت حضرت پر بے اختیار گریہ طاری ہو جاتا تھا، عبارت پڑھنی مشکل ہو جاتی، اور طلباء و سامعین پر آہ و بکا کا عالم ہوتا ؎

الٰہی درد و غم کی سرزمیں کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم تر سے مینہ نہ برساتی

(۲) حضرت شیخؒ کے درس میں تمام ائمہ سلف و مجتہدین اور محدثین کرام کے ساتھ نہایت ادب و عظمت کا معاملہ رہتا تھا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی سے بہت سے مواقع پر اختلاف فرماتے تھے ـــــ اور ان کے بارے میں یہ بھی فرماتے کہ انھوں نے حنفیہ کو نظر انداز کر دیا ہے۔ حنفیہ کی دلیل سے اس طرح آنکھ بچا کر نکل گئے ہیں گویا انھیں اس کی کچھ خبر نہیں، حالانکہ کتاب میں بسا اوقات اسی راوی یا روایت کو اپنے مذہب کی تائید میں دوسری جگہ ذکر فرمایا ہے گر بایں ہمہ

حافظ ابن حجر کا ہم حدیث پڑھنے پڑھانے والوں پر جتنا احسان ہے اور کسی کا نہیں امام بخاری کا جہاں حنفیہ سے اختلاف ہوا ہے وہاں حد اعتدال کو قائم رکھنا بہت سے اہلِ علم کے لئے دشوار ہو جاتا ہے۔ مگر حضرت شیخ اس موقع پر عام طور پر امام بخاری کے اعتراض کا مدلل جواب دینے کے بعد ان کے اسم گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ فرماتے کہ ان کی عظمت شان اور جلالت قدر میں کسی طرح کی کمی واقع نہ ہو خصوصًا کتاب الحیل و کتاب الاکراہ میں حضرت شیخ کے درس کا منظر آنکھوں کے سامنے ہے۔

(۳) بعض عربی الفاظ کا ترجمہ دشوار ہے، اسلئے کہ عربی کے مقابلہ میں اُردو کا ذخیرہ الفاظ کوتاہ ہے، اور بسا اوقات ترجمہ میں دُشواری ہوتی ہے، مگر حضرت شیخؒ اس طرح کے الفاظ کا اُردو میں ایسا ترجمہ فرماتے کہ اس سے بہتر اُردو زبان میں، تعبیر ممکن نہیں ہے۔

(۴) نفس حدیث میں اگر کہیں مطلب میں دُشواری ہوتی اور دیگر شراح بخاری نے بھی اس کو واضح نہیں فرمایا ہے بلکہ ان کی توجیہ و تشریح میں بھی الجھن باقی ہے اس کو خصوصیت کے ساتھ دور فرماتے۔ اگر اس طرح کی تمام نادر تحقیقات کو جمع کر دیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر باب القسامة بخاری جلد ثانی ص ۱۰۱۸ (طبع ہند) میں "فقرنت يده بيده" میں ضمیر کے مرجع اور کلام کے مطلب میں تمام شراح بلکہ حافظ ابن حجر تک سے وہم واقع ہوا ہے۔ حضرت شیخ اپنے درس میں ان اوہام کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے اور ضمیر کا مرجع و عبارت کا مطلب ایسا بیان فرماتے کہ ہر طرح تشفی ہو جاتی۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو لامع الدراری ج ۳ ص ۳۹۱

(۵) اگر کتاب میں مؤلف یا کسی راوی سے کوئی وہم واقع ہوا ہے یا کسی راوی پر کسی نوع کا کلام ہے تو اس پر ضرور متنبہ فرماتے اور اس راوی اور روایت کی حیثیت کو واضح فرماتے تھے۔ حافظ ابن حجر کی معرکۃ الآرا کتاب "تهذيب التهذيب"

پر حضرت شیخ کا مبسوط ذیل ہے، اگر وہ طبع ہو جاتا تو علمی دنیا خصوصًا احناف پر احسانِ عظیم ہوتا۔

(۶) مذاہب ائمہ کی تحقیق اور ان کے دلائل خصوصاً مسلک حنفی کے دلائل کو تفصیل سے بیان فرماتے۔ اگر کوئی روایت بظاہر حنفیہ کے مسلک کے خلاف نظر آتی تو اس کی توجیہات اس طرح نقل فرماتے کہ مسلک حنفیہ اسس حدیث سے اقرب نظر آنے لگتا۔

(۷) اکثر اہم مسائل میں پہلے خلاصے کے طور پر بیان فرما دیتے کہ اسس میں ۵ یا ۱۰ بحثیں ہیں، پھر ان کی قدرے تفصیل و توضیح فرماتے، ان میں جن مسائل سے امام بخاری نے تعرض کیا ہے ان کی مزید تشریح فرماتے۔ رفع یدین، آمین بالجہر اور کسوف وغیرہ ابواب میں اسے دیکھا جا سکتا ہے۔

(۸) شروح حدیث اور محدثین کرام کے کلام کو بطور خلاصہ نہایت دل نشین انداز میں بیان فرماتے۔ حضرت شیخ کی پوری تقریر مغز ہی مغز ہوتی تھی۔ اگر کوئی شخص اصل کتاب سے حضرت کی تقریر ملا کر دیکھے گا تو وہ نمایاں طور پر محسوس کرے گا کہ ایک صفحہ کی بحث ایک سطر میں آگئی ہے، اور بعض مواقع پر تو کوزہ میں دریا بند نظر آتا ہے۔

(۹) درمیان سبق میں خصوصاً سہ ماہی امتحان تک اپنے اکابر کے واقعات موقع و محل کی مناسبت سے سناتے تھے۔ بلاشبہ یہ واقعات اصلاح و تربیت کے لئے بہت موثر ثابت ہوتے، اس کا مقصد یہ ہوتا کہ طلبا اپنے مقام کو پہچان کر اس کتاب عظیم کو پڑھیں ؎

کہاں ہم اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تری مہربانی

(۱۰) درس بخاری میں حضرت شیخ، خصوصیت کے ساتھ تراجم ابواب کی شرح اور امام بخاری کے ترجمہ کی غرض کو تفصیل سے بیان فرماتے تھے۔ بعض تراجم پر تمام شروح بخاری خاموش ہیں مگر حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ امام موصوف کا کوئی ترجمہ

دقتِ نظر اور باریک بینی سے خالی نہیں ہے۔ مثلاً امام بخاری نے ایک ترجمۃ الباب قائم کیا ہے، " باب الصلوٰۃ إلی الحربۃ " یہاں تمام شروح ساکت ہیں، مگر حضرت شیخ کی نگاہ دوررس نے یہاں بھی بخاری کے شایانِ شان ایک دقیق نکتہ پیدا کیا اور اس لطیف توجیہ کو حضرت گنگوہی کے حوالے سے نقل فرمایا ہے جس کی تفصیل و تحقیق لامع الدراری اور اس کے حاشیہ میں موجود ہے۔ وہ یہ کہ چونکہ زمانۂ جاہلیت میں بعض قبائل عرب ہتھیاروں اور اوزاروں کی پرستش کیا کرتے تھے اس لئے بیش نظر ترجمہ سے امام بخاری اس مسئلہ میں پیدا ہونے والے وہم کو دفع فرما کر اس کا اظہار فرمارہے ہیں کہ مینزہ کو سترہ بنانا جائز ہے۔

(۱۱) حلِّ تراجم ابواب کے سلسلے میں اگر کوئی مسئلہ ایسا پیش آیا جس میں امام بخاری نے کسی مخصوص امام کے مسلک کو ترجیح دی ہے یا ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی اور امام کی رائے کو پسند فرمایا ہے یا وہ اپنی رائے میں منفرد ہیں تو حضرت شیخ اس کو امام بخاری کے دلائل کے ساتھ بیان فرماتے اور امام موصوف کے اعتراض کا مفصل جواب دیتے تھے۔

(۱۲) بخاری کے بعض تراجم بظاہر مکرر معلوم ہوتے ہیں، اگرچہ اتنی بڑی کتاب میں یہ عین ممکن ہے مگر امام موصوف کی دقتِ نظر اس امر کی متقاضی ہے کہ یہ تکرار کسی دقیق اور باریک نکتہ کے پیش نظر ہے چنانچہ حضرت شیخ اس پر طلبا کو خصوصیت کے ساتھ متنبہ فرماتے تھے اور ایسی شافی و تسلی بخش تقریر فرماتے کہ تکرار کا اشکال رفع ہو جاتا۔ مثلاً صفحہ ۵۶، جلد اول پر دو باب " باب من لم یتم السجود " و " باب من یبدی ضبعیہ ویجافی جنبیہ " ہیں۔ یہی دونوں ترجمے دوبارہ صفحہ ۱۱۳ پر بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ آئے ہیں مگر حضرت شیخ نے ان کی تکرار کو اس طرح حل فرمایا ہے کہ دونوں مقامات پر یہ تراجم ضروری معلوم ہوتے ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو لامع الدراری۔

(۱۳) امام بخاری کو حدیثِ نبوی سے غیر معمولی عشق تھا اور عاشقِ صادق جب

محبوب کے جمال پر نظر ڈالتا ہے تو ہر بار اسے ایک نئی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ امام موصوف کا بھی یہی حال ہے۔ بسا اوقات ایک ہی حدیث سے متعدد مسائل کا استنباط فرماتے ہیں، مثلاً حضرت بریدہ کی حدیث کو مختلف مقاصد کے لئے بیش مرتبہ سے زائد اور حضرت موسیٰ وخضر علیہا السلام کے واقعہ کو دس مرتبہ سے زائد اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے اور ہر مرتبہ اس سے کوئی نئی بات مستنبط فرمائی ہے۔ اس پر حضرت خصوصیت سے طلباء کو متوجہ فرماتے۔

(۱۴) حدیث پاک کے بعض الفاظ اور کلمے ایسے ہیں کہ ان کے صحیح معنی لب ولہجہ اور صورت واقعہ کی مثالی صورت بنائے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتے۔ اس لئے بھی علم حدیث کو کسی ماہر فن سے پڑھنا ضروری ہے۔ حضرت شیخ ان الفاظ اور جملوں کو اسی طرح پڑھ کر سناتے اور جہاں مثالی صورت بتانے کی ضرورت پیش آتی وہاں اس کی عملی صورت بھی خود کر کے دکھاتے۔ مثلاً بخاری جلد اول ص۶۹ پر "ووضع خدہ الایمن علی ظہر کفہ الیسری وشبك بین اصابعہ" کا مفہوم بغیر مثالی صورت بتائے ہوئے محض الفاظ سے ذہن نشین نہیں ہو سکتا۔ اس کو خصوصیت کے ساتھ عمل کر کے طلباء کو دکھاتے تھے۔

(۱۵) تاریخی واقعات کے سلسلہ میں بعض جگہوں پر روایات کے اختلاف واضطراب کی بنا پر تطبیق میں بہت دشواری معلوم ہوتی ہے۔ حضرت شیخ اس اضطراب و اختلاف کو اس طرح دفع فرماتے کہ ہر طرح تشفی ہو جاتی۔ ملاحظہ ہو لامع الدراری جلد ثانی ص۶۸

بذل المجہود کی تالیف میں شرکت

جیسا کہ سطور بالا میں مذکور ہوا، ۱۳۴۴ھ میں حضرت شیخ نے دورۂ حدیث حضرت سہارنپوری سے دوبارہ پڑھنا شروع کیا۔ ابھی درس کے آغاز پر دو ہی مہینے گزرے تھے کہ ایک دن حضرت سہارنپوری "دار الطلباء" سے مدرسہ قدیم آرہے تھے، اور حسب معمول حضرت شیخ ان کے ہمراہ تھے۔ راستے میں اچانک ایک جگہ رک کر

حضرت سہارن پوریؒ نے ارشاد فرمایا۔
"ابوداؤد پر ہمیشہ میری کچھ لکھنے کی خواہش رہی تین بار شروع کر چکا ہوں مگر ہجوم مشاغل نے کچھ نہیں کرنے دیا، حضرت گنگوہی قدس سرہ کی حیات میں بار بار شروع کیا اور یہ جی چاہتا رہا کہ کسی طرح لکھ لوں اور اشکالات کو حضرت علیہ الرحمۃ سے حل کرلوں گا، مگر حضرت کے وصال کے بعد یہ جذبہ سرد پڑ گیا۔ اس کے بعد پھر یہ خیال ہوا کہ ہمارے مولانا محمد یحیٰ صاحب تو ابھی حیات ہیں ان سے بحث و تحقیق میں استفادہ کرتا رہوں گا۔ مگر ان کے ارتحال کے بعد اس خیال کو دل سے بالکل نکال دیا۔ اب عرصہ کے بعد پھر مجھے یہ خیال ہو رہا ہے کہ اگر تم دونوں میری مدد کرو تو میں شاید یہ اہم کام کرلوں"[1]
حضرت شیخ نے برجستہ جواب دیا کہ حضرت ضرور شروع کردیں، اور یہ میری دُعا کا اثر ہے دریافت فرمایا، کیسی دُعا؛ شیخؒ نے اپنے مشکوٰۃ شروع کرتے وقت والی دُعا کا ذکر کیا کہ "یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر سے شروع ہوا ہے یہ مجھ سے چھوٹنے نہ پائے۔"
یہ واقعہ ربیع الاوّل ۱۳۳۵ھ کا ہے۔ حضرت سہارن پوری نے اسی وقت شروحِ حدیث کی ایک طویل فہرست بتادی اور انھیں کتب خانہ سے حاصل کرنے کا حکم فرمایا۔
بلاشبہ یہ حضرت شیخ کے عروج و اقبال کا وہ آغاز تھا جس کے درجۂ کمال تک آپ پہونچے اور اپنے شیخ و مرشد کی نگاہ میں آپ کو وہ اہمیت و خصوصیت حاصل ہوئی جو پھر اور کسی کو نہیں ہوسکتی، تالیف کا طرز یہ تھا کہ حضرت سہارن پوری شروحِ حدیث اور ماٰخذ کی نشان دہی فرماتے حضرت شیخؒ ان کا مطالعہ کرکے اور متعلقہ مواد جمع کرکے حضرت سہارن پوری کی خدمت میں پیش کرتے۔ وہ اس میں سے حسبِ ضرورت مواد منتخب و مرتب کرکے مصنفانہ حیثیت سے لکھواتے۔ تسوید و تحریر کا کام حضرت شیخ انجام دیتے۔ اس طرح یہ عظیم الشان شرح پانچ ضخیم جلدوں میں تیار ہوئی، اس

---

[1] یہ دوسرے صاحب حضرت شیخ کے رفیقِ درس مولوی حسن مرحوم تھے، نوجوانی ہی میں ان کا انتقال ہوگیا۔

محنت وکوشش نے آپ کے اندر تصنیف وتالیف کا خاص ذوق اور ملکہ پیدا کر دیا، اور فن حدیث پر آپ کی نظر بہت گہری اور وسیع ہوگئی پھر آپ نے اس کتاب کی طباعت وتصحیح میں بھی سعی بلیغ فرمائی جس کے باعث آپ کو اپنے استاذ وشیخ کی خوشنودی واعتماد حاصل ہوا، اور نامور استاذ علیہ الرحمۃ نے بذل المجہود کے مقدمہ میں "قرة عینی وقلبی" کے القاب سے اپنے شاگرد رشید کو سرفراز کیا، بلکہ حضرت سہارنپوری نے تو اصل مسودہ میں یہاں تک لکھ دیا تھا کہ "هو جدير بأن ينسب هذا التعليق إليه" (کہ مناسب یہ ہے کہ اس تعلیق کی نسبت ان ہی کی طرف کی جائے) مگر حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ ان حوصلہ افزا کلمات کو میں نے ادباً حذف کر دیا۔

بذل المجہود کے عربی ٹائپ پر طباعت کا اہتمام

بذل المجہود پانچ ضخیم جلدوں میں طبع ہو کر ہندوستان میں بہت عرصہ قبل مشہور ومقبول ہو چکی تھی، مگر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی دلی تمنا تھی کہ اگر یہ شرح عالم عرب میں بھی پھیل جاتی تو اس کا نفع زیادہ عام ہو جاتا۔ اس طویل مدت میں حضرت شیخ نے اس پر جا بجا حواشی بھی تحریر فرمائے تھے، جو بہت سے جدید اضافات پر مشتمل ہیں اس بات کی ضرورت تھی کہ ان تمام قیمتی حواشی کو سلیقہ سے مرتب کر کے بذل المجہود کو عربی ٹائپ میں طبع کرایا جائے۔ اس سلسلہ میں حضرت شیخ اس ناچیز راقم السطور کو اپنے ایک شفقت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

> ایک ضروری مشورہ تم سے کرنا تھا، وہ یہ کہ تم نے اپنے سابقہ خط میں بذل المجہود کی طباعت کے سلسلے میں کچھ لکھا تھا، تمہیں معلوم ہے کہ میں خود ۲۰-۲۵ سال سے بہت ہی متمنی اور کوشاں ہوں، اب تو علی میاں خدا ان کو بہت ہی جزائے خیر دے اور بلند درجات عطا فرمائے، اس میں معاونت کے لئے تیار ہیں، اس سے پھر ایک امنگ پیدا ہوگئی اور

تمھارے خط نے ایک شعلہ سا پھر پیدا کر دیا۔ تم نے لکھا ہے کہ سال بھر تیرے پاس رہنے کا جی چاہتا ہے، اگر بذل المجہود کی طباعت کا ولولہ اور جذبہ نہ ہوتا تو میں ہرگز آپ کو اس کی اجازت نہ دیتا کہ آپ تدریس حدیث شریف چھوڑ کر یہاں قیام کریں۔ یہ تو بہت نقصان دہ ہے۔ البتہ اگر آپ یہاں کے قیام میں بذل المجہود کے میرے حواشی جو بہت کثرت سے ہیں آپ کے دیکھے ہوئے ہیں، ان کو انتخاب کر کے اور بذل کی طباعت ایک سال میں کرا دیں تو یقیناً آپ کے لئے بہت بڑا صدقہ جاریہ ہے۔ حدیث کی بہت بڑی خدمت اور میری دیرینہ تمنا کے پورا ہونے کا ذریعہ ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ بذل المجہود، اوجز المسالک اور دیگر کتب حدیث کی ٹائپ کے ذریعہ ندوہ پریس میں طباعت کا سب سے زیادہ اہتمام مولانا معین اللہ صاحب ندوی مدظلہ، نے فرمایا تھا۔ اس پر حضرت شیخ نے تحریر فرمایا:۔

"میرا خیال یہ ہے کہ اس کو ندوے میں اپنے حواشی کے ساتھ طبع کراؤں، مگر میرا خیال تمھارے خیال پر یہ ہوا کہ اس کو تم جیسا ذی علم یہاں رہ کر اس کی نقل و تصحیح کر کے مکمل کر کے ندوہ بھیجتے رہیں تو طباعت میں زیادہ سہولت ہو۔ بس اس میں تمھارے مدرسہ اور شغل تدریس کے حرج کا زیادہ خیال ہے۔ اگرچہ بذل کی تکمیل کے لئے یہ ناکارہ خود ایک سال کی مدرسے چھٹی لے کر مدینہ منورہ جا چکا ہے"۔

اس کے بعد ایک اور خط میں تحریر فرمایا:۔

"مولانا علی میاں اور مولانا معین اللہ صاحب دونوں کے خطوط اسی مضمون کے آئے کہ مولوی تقی صاحب کا ایک سالہ قیام بہت مناسب ہے یقیناً بذل کے حاشیہ کی تصحیح ان سے اچھی کوئی نہیں کر سکتا"۔

چنانچہ اس ناچیز نے ۲۵ شعبان ۱۳۹۱ھ سے ایک سال تک سہارنپور حضرت شیخ رح کے پاس قیام کر کے بذل کے حواشی کی ترتیب و تصحیح کا کام مکمل کیا، اور اس عرصہ

میں بذل کی ۱۰ جلدیں ندوہ پریس سے طبع ہوئیں، بعد میں اس کی طباعت قاہرہ سے طے ہوئی، اس لئے دوسرے سال ۲۶ شعبان ۱۳۹۲ھ سے ایک سال تک بذل کی طباعت کے سلسلے میں قاہرہ میں قیام رہا، اس طرح باقی ۱۴ جلدیں قاہرہ میں طبع ہوکر پوری کتاب بیس جلدوں میں شائع ہوئی۔ حضرت شیخ رح نے اس خاتمہ بالخیر پر نہایت غیر معمولی مسرت کا اظہار فرمایا اور اس کی مناسبت سے قاہرہ میں اہل علم کی دعوت کرنے کا حکم دیا چنانچہ تعمیل حکم میں مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی نے قاہرہ میں ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا، جس میں مصر کے مشہور محدث شیخ حافظ تیجانی کے علاوہ وہاں کے متعدد اہل علم نے شرکت فرمائی۔ مزید برآں حضرت شیخ رح نے مدینہ منورہ میں بھی اس پر مسرت تقریب سے دعوت کا اہتمام فرمایا۔

خدا کا جس قدر شکر ادا کیا جائے کم ہے کہ بذل المجہود دوبارہ بیروت سے بھی فوٹو آفسٹ پر طبع ہوکر ذوق شناسان علم تک پہونچ چکی ہے، اور انشاء اللہ العزیز ابوظبی میں بھی میں اس کو پھر اہتمام سے طبع کرانے کے لئے کوشاں ہوں۔

۲۔ تالیف و تصنیف

حضرت شیخ کے علمی کارناموں کی دوسری جولان گاہ تالیف و تصنیف تھی، اس میں بھی انھوں نے اپنی انفرادیت کے جاوداں نقوش یادگار چھوڑے ہیں۔ ان کی تالیفات کو درج ذیل دو مختلف نوعیتوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:۔

۱۔ خالص دعوتی اور اصلاحی

یہ کتابیں نہایت شیریں اور عام فہم اردو زبان میں تحریر کی گئی ہیں۔ یہ کتابیں اتنی مقبول عام ہوئیں کہ اس کی مثال ماضی قریب کی تاریخ میں مفقود ہے۔ ان کے لاتعداد ایڈیشن شائع ہوئے اور دنیا کی بکثرت زندہ زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے ۔۔ آج شاید ہی کوئی دینی مسلم گھرانہ ایسا ہوگا جہاں حضرت شیخ کی اصلاحی اور فضائل کی کتابیں موجود نہ ہوں۔

۲۔ خالص علمی اور تحقیقی:

اس نوعیت کی جن کتابوں کا تعلق علم حدیث سے ہے (اور یہی زیادہ ہیں) صرف ان ہی کا تذکرہ وتعارف پیش نظر مضمون میں ہدیہ خدمت ہے۔ سطور بالا میں اجمالی ذکر آچکا ہے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے اس میدان میں بے حد کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ اسلامی کتب خانہ آج حضرت شیخ کی گرانقدر تالیفات سے مالا مال ہے۔ اہل علم اور حضرات مدرسین ان دُرہائے آبدار سے اپنے ذہن ودماغ اور سینہ وسفینہ کو روشن کرتے ہیں۔ حضرت شیخ کی علمی کتابوں میں سے کچھ تو زیور طبع سے آراستہ ہوکر ذوق شناسان حدیث کے ہاتھوں میں ہیں اور کچھ تاہنوز منتظر طباعت ہیں۔

مطبوعہ تالیفات

(۱) اوجز المسالک الی مؤطا الامام مالک

اس کتاب کی تالیف کے وقت حضرت شیخ کی عمر صرف ۲۵ سال کی تھی — یکم ربیع الاول ۱۳۴۵ھ کو آپ نے مسجد نبوی میں اقدام عالیہ کے قریب اس مبارک کام کا آغاز فرمایا اور اللہ عز وجل شانہ نے اس میں ایسی غیر معمولی برکت عطا فرمائی کہ چند ماہ کے اندر اتنا کام ہوگیا کہ ہندوستان میں کئی سال میں نہ ہوسکا تھا۔ ابواب الصلوٰۃ تک تحریری کام ہونے کے بعد واپسی عمل میں آئی اور پھر ہندوستان میں طویل وقفوں کے ساتھ یہ اہم علمی کام جاری رہا۔ تقریباً تیس سال کی دیدہ وری اور عرق ریزی کے بعد ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ میں ۶ ضخیم مجلدات میں اس کی تکمیل ہوئی۔ یہ کتاب عرصہ قبل ہندوستان میں طبع ہوکر مشہور عام ہوچکی تھی۔ شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ میں جب راقم سطور بذل المجہود کی طباعت کے سلسلے میں قاہرہ پہونچا تو محترم مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی نے اس کی دوبارہ طباعت کا آغاز کردیا تھا اور میرے وہاں قیام کے زمانے تک ہماری زیر نگرانی دوسری جلد تک طبع ہوچکی تھی۔ پھر بذل کی اہمیت کے پیش نظر اس کی طباعت کو

موخر کر دیا گیا۔ بعد میں پندرہ جلدوں میں اس کی طباعت پایۂ اتمام کو پہونچی۔

یہ کتاب، حدیث و فقہ کے اعتبار سے مؤطا کی سب سے زیادہ جامع و مفصل شرح ہے۔ یہ انسان کو سیکڑوں شروح و حواشی سے بے نیاز کر دیتی ہے بلکہ اگر اسے حدیث و فقہ کی ایک عظیم دائرۃ المعارف کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اس کے شروع میں حضرت شیخ کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ بھی شامل ہے جس میں مؤطا اور اس کے نامور مؤلف کے محاسن و کمالات اور سرزمین ہند کے مشائخ و اساتذہ اور اکابر محدثین کے حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اس میں اصول حدیث اور بہت سی قیمتی معلومات کا خلاصہ بھی آگیا ہے۔

بلاشبہ یہ عظیم تالیف حضرت شیخ کی وسعت معلومات، رسوخ فی العلم، عمق نظر، وسعت قلب اور صفائی ذہن کی ایک جیتی جاگتی تصویر و روشن دلیل ہے۔ ائمہ مذاہب اور ان کے دلائل کو نہایت مستند ماخذ سے نقل فرمایا ہے، ہر امام کا مذہب اسی کی معتمد علیہ کتب سے ماخوذ ہے۔ ہر راوی کی مختصر تحقیق کی گئی ہے۔

علمائے عرب کے نزدیک بھی یہ کتاب ایک اہم مرجع شمار ہوتی ہے۔ مکہ مکرمہ کے بہت مشہور عالم شیخ سید علوی مالکی نے اس نادرۂ عصر تالیف کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ "متقدمین میں بھی اس کی نظیر مفقود ہے"۔ ابوظبی کے قاضی القضاۃ شیخ احمد عبدالعزیز المبارک (جو حضرت شیخ کی کتابوں کے بیحد گرویدہ ہیں) اوجز المسالک کے بہت مداح ہیں۔ انشاء اللہ اس کتاب کی طباعت دوسری مرتبہ عربی ٹائپ میں مع تفصیلی فہارس کے کرانے کا خیال ہے واللہ الموفق۔

(۲) لامع الدراری علی جامع البخاری

یہ جلیل القدر کتاب حضرت شیخ المحدثین والفقہاء مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے عظیم افادات و نادر تحقیقات کا مجموعہ ہے جن کو ان کے تلمیذ رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ نے درس بخاری کے دوران عربی زبان میں قلم بند کیا تھا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ

نے ان نادر تحقیقات اور جامع افادات کی شرح فرمائی اور اپنے ذاتی مطالعہ و تحقیق سے جن لطیف معانی و نادر معلومات کا اس سلسلہ میں اللہ جل شانہ نے آپ کے قلب پر فیضان فرمایا تھا ان کا اضافہ کیا ہے۔ آپ نے اس کتاب کے حواشی و تعلیقات میں جو غیر معمولی محنت فرمائی ہے اس کی حیثیت ایک مستقل کتاب کی ہوگئی ہے۔ اور یہ کتاب حضرت کے نادر معلومات و ذاتی تحقیقات کا سب سے بڑا گنجینہ ہے۔ اس کتاب پر آپ نے ایک مستقل مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے جو امام بخاری کے حالات اور ان کی جامع صحیح کے محاسن پر ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کتاب پہلے تین ضخیم جلدوں میں ہندوستان میں شائع ہوئی پھر پاکستان سے دس ضخیم جلدوں میں ٹائپ پر شائع ہوئی ہے۔ برادرم مولانا عبدالحفیظ مکی اسے دوبارہ متن بخاری کے ساتھ شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

(۳) الابواب والتراجم

یہ کتاب خاص طور سے صرف صحیح بخاری کے ابواب و تراجم کی تفصیلی شرح پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں ان قواعد و اصول پر بالتفصیل بحث کی گئی ہے جن سے ابواب و تراجم اور ابواب بلا تراجم کی احادیث کو باب سے تطبیق دی جاتی ہے۔

امام بخاری کے تراجم ابواب ہر عصر و عہد میں پیچیدہ و مشکل سمجھے گئے ہیں علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ بخاری کی شرح اس امت پر قرض ہے۔ مگر بقول حافظ سخاوی صاحب الضوء اللامع شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے فتح الباری لکھ کر امت کی طرف سے اس قرض کو ادا کردیا ہے۔ لیکن حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ ابھی بخاری کے تراجم ابواب کی شرح کا قرض امت کے ذمہ باقی ہے۔ چنانچہ حضرت نے تراجم ابواب پر ایک مختصر رسالہ لکھنا شروع فرمایا تھا، مگر افسوس مکمل نہ ہوسکا۔ اس رسالہ میں حضرت نے پندرہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا بھی اس موضوع پر ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں حضرت شاہ صاحب نے چودہ اصول تراجم بیان فرمائے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث نے ان دونوں متذکرہ الصدر رسالوں کو نیز

شراح بخاری کی آراء اور حضرت گنگوہی کی تراجم کے سلسلے کی تحقیقات سب کو ایک کتاب میں یکجا کر دیا ہے اور غور و فکر کر کے سب کو اپنی ذاتی تحقیق و تنقیح کے بعد ان اصولوں کی تعداد ستر تک بیان فرمائی ہے۔ پھر ان اصول ہی کی روشنی میں پوری کتاب کے تراجم ابواب کی باہم مناسبت اور ابواب و کتب کے مابین مناسبت کو تفصیل سے واضح کر دیا ہے، اور اس طرح حضرت شیخ کی تالیف "الابواب والتراجم" کے ذریعہ صحیح بخاری کے تراجم ابواب کی شرح کا قرض اُمت کے ذمہ سے ادا ہوگیا۔

یہ کتاب تین جلدوں میں ہندوستان میں چھپی تھی، اب دوبارہ مطابع الرشید مدینہ منورہ سے طبع ہو رہی ہے

(۴) الکوکب الدری علی جامع الترمذی

یہ قطب الاقطاب حضرت گنگوہی قدس سرہ کے ترمذی کے امالی ہیں جن کو حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے عربی میں قلم بند کیا تھا، اس پر ہمارے شیخ الحدیث نے حواشی تحریر فرما کر اسے نہ صرف ایک مستقل تصنیف بنا دیا بلکہ اس کے ایجاز و اختصار اور مجمل و مبہم و غامض عبارات کی تفصیل کر دی، اور بہت سی تحقیقات کو حدیث کے مراجع و مصادر سے اخذ فرما کر حسب موقع نقل فرما دیا ہے، نیز ائمہ کے اقوال اور مذاہب کی پوری تحقیق ان کتابوں سے کر دی جو حضرت گنگوہی کی حیات میں طبع ہو کر سامنے نہیں آسکی تھیں اسی کے ساتھ ساتھ موضوع سے متعلق اپنے ذاتی مطالعہ و تحقیق کا اضافہ بھی فرمایا۔ اپنے مشائخ کے علوم و تحقیقات جن کا تعلق وجدانی اور ذوقی علوم سے ہے ان کو بھی جابجا نقل فرمایا ہے۔ یہ کتاب اختصار کے باوجود طلباء و علماء دونوں کے لئے مرجع و مصدر بن گئی ہے۔ ترمذی کی عبارات غامضہ کو حل کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی کتاب اسلامی کتب خانہ میں نہیں ہے۔ اس کی مناسبت سے حضرت شیخ نے راقم سطور کو ایک قصہ سنایا تھا جس کو حضرت ہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔

"مجھے مولانا مناظر احسن گیلانی کی زیارت کبھی نہیں ہوئی تھی، مگر ان کا

اسم گرامی کثرت سے سُنتا رہا، اور ان کے علمی تصنیفی حالات بھی مجھے معلوم ہوتے رہے۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے ممبر تھے اور مجلسِ شوریٰ میں ہمیشہ تشریف لاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب (سابق ناظم مدرسہ مظاہر علوم) کا آدمی میرے پاس پہونچا کر مولانا مناظر احسن گیلانی تشریف لائے ہیں وہ مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں ان کا نام سن کر بہت مرعوب ہوا، ملاقات کو بالکل جی نہیں چاہتا تھا، اس لئے کہ میں بڑے آدمیوں سے ملاقات کرتے ہوئے ہمیشہ گھبراتا رہا، لیکن چونکہ پیام تھا کہ تجھ سے ملنے آئے ہیں اس لئے فوراً حاضر ہوا۔ مولانا مرحوم نے بڑے تپاک سے اٹھ کر مصافحہ و معانقہ کیا اور فرمایا کہ آپ سے ملنے کا کئی سال سے بہت ہی اشتیاق تھا، اس لئے کہ میری جسمانی ملاقات اگرچہ نہیں ہوئی مگر روحانی ملاقات ایک گھنٹہ روزانہ رہتی ہے۔ جب سے الکوکب الدری طبع ہوئی ہے ترمذی پڑھانے کے لئے ایک گھنٹہ اس کا مطالعہ بہت اہتمام سے کرتا ہوں۔ گویا آپ کی مجلس میں رہتا ہوں۔ یہ کتاب طالب علموں سے زیادہ مدرسین کے لئے مفید ہے۔ ترمذی پڑھانے والوں کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں (انتہی بلفظہٖ) جہاں تک مجھے یاد ہے ایک دو گھنٹہ بعد چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر ڈیڑھ بجے آئے تھے، ۲ بجے دیوبند تشریف لے گئے۔"

حضرت شیخؒ نے اکابر علماء کے اصرار پر کوکب کے حواشی کا کام شروع کیا اور ماہ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ میں اس کی جلد اوّل اور ۱۶ ر رجب ۱۳۵۳ھ کو جلد ثانی مکمل کی۔ یہ پہلے ہندوستان میں دو جلدوں میں طبع ہوئی تھی۔ پھر حضرت شیخؒ نے دوبارہ عربی ٹائپ میں اسے ۴ جلدوں میں شائع کرایا۔

ناچیز راقم سطور نے اس کتاب کو "لجنۃ التراث والتاریخ ابوظبی" کے سامنے پیش کیا۔ انھوں نے اس عظیم الشان تالیف کو دیکھ کر یہ طے کر دیا کہ یہ ستہ بارہ

لجنۃ التراث کی طرف سے جامع ترمذی کے متن کے ساتھ شائع کی جائے اس کی اطلاع حضرت کے انتقال سے تین ہفتہ قبل فون کے ذریعہ کردی تھی۔ مولینا محمد عاقل صاحب اور مولانا محمد اسمٰعیل بدات صاحب نے بتایا کہ حضرت نے اس پر بار بار خوشی کا مسرت کا اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ کتاب حضرتؒ کے منشا کے مطابق جلد از جلد شائع ہو سکے۔

(۵) حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یہ رسالہ حضرت شیخ نے اپنے مشکوٰۃ کی تدریس کے زمانے میں صرف ایک دن اور ڈیڑھ رات میں تصنیف فرمایا تھا۔ اسے محض حضرت شیخ کی کرامت ہی کہا جاسکتا ہے، ورنہ اتنے مختصر وقت میں تو اس رسالہ کی نقل بھی مشکل ہے، پھر اس میں مزید اضافوں اور نظر ثانی کے بعد شعبان ۱۳۹۰ھ میں پہلی مرتبہ لیتھو میں اس کی طباعت ہوئی۔ اس کے بعد ہندوستان اور بیروت سے اس کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔ کتاب کو اس حیثیت سے نہایت امتیاز حاصل ہے کہ اس میں ان تمام مباحث کا استیعاب کرلیا گیا ہے جن کا تعلق حجۃ الوداع کے مبارک و نورانی سفر سے ہے، یہاں تک کہ منازل سفر کی تحدیدات کے نام اور اس سفر میں پیش آنے والے مبارک مقامات کی واضح نشان دہی کر دی گئی ہے۔ اس استقصار و تفصیل کو دیکھ کر فرط تعجب سے نگاہیں کھلی رہ جاتی ہیں، بلاشبہ ان تمام محاسن اور مباحث کے باعث یہ رسالہ سفر حجۃ الوداع کا ایک علمی موسوعہ بن گیا ہے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۶) خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی

شمائل ترمذی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و شمائل پر سب سے جامع حدیث کی کتاب ہے۔ حضرت شیخؒ نے اس کا اردو میں ترجمہ اور تشریح فرمائی ہے، جس کے باعث ہر خاص و عام کے لئے اس سے استفادہ و انتفاع آسان ہو گیا ہے۔ اس

کتاب کے حاشیہ پر عربی میں مشکل کلمات اور مفردات کی شرح بھی تحریر کی ہے۔ یہ کتاب ہندو پاک میں متعدد بار زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔

بذل اور دیگر عربی تالیفات پر تقدیم کا اہتمام

یہاں یہ بات یقیناً قابلِ ذکر ہے کہ حضرت شیخ کی تمام عربی تالیفات اور بذل پر مقدمہ نگاری کا شرف مخدومنا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کو حاصل ہوا ہے۔ حضرت مولانا کا علمی و روحانی مقام معروف عام ہے اور حضرت شیخ اُن پر بے حد غیر معمولی شفقت اور ان کا نہایت اکرام فرماتے تھے۔ مگر فنِ حدیث میں مولانا مدظلہ کے بلند مقام اور اس کے مالہ وما علیہ پر غیر معمولی عبور سے شاید کم ہی لوگ واقف ہوں گے، اس لئے جب حضرت شیخ نے ان سے بذل پر مقدمہ تحریر کرنے کی فرمائش کی تو بہت سے اہلِ علم کو تعجب ہوا، اسی طرح دیگر عربی مطبوعات کے تقدیمات کے ساتھ بھی رہا۔ مگر حضرت شیخ کا یہ اصرار پیہم تھا کہ ہر کتاب پر مولانا کا مقدمہ رہنا ضروری ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا نے پوری عالمانہ شان اور ایک نرالے و انوکھے انداز میں شیخ کی ہر کتاب پر مقدمہ تحریر فرمایا ہے، اسے حضرت شیخ کی توجہ و عنایت کی برکت کا نام دیجئے یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے نسبی ارتباط و روحانی نسبت کا نتیجہ یا جانبین کے درمیان غیر معمولی الفت و محبت کا ثمرہ کہ حضرت مولانا کے وہ مقدمات جو انھوں نے حضرت شیخ کی عربی کتب پر سپردِ قلم فرمائے ہیں، نہ صرف علم و فن کی تاریخ میں بلکہ ادبِ عربی میں بلند ترین مقام کے حامل ہیں، ان میں فن کی عظمت، کتاب کی اہمیت و محاسن، اور مصنف علام کی جلالتِ قدر و علوِ شان پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر نظر آتی ہے۔ حضرت شیخ نے ہر مقدمہ پر نہایت مسرت کا اظہار فرمایا۔

یہاں اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر غالباً بے محل نہ ہوگا، راقم سطور کے قاہرہ میں قیام کے دوران میں حضرت شیخ نے خواہش ظاہر کی کہ اگر علمائے مصر میں سے کوئی بذل المجہود پر کلمہ لکھ دے تو مناسب رہے گا۔ چنانچہ میں نے اس وقت کے

شیخ الازہر دکتور عبدالحلیم محمود کے سامنے بذل المجہود پیش کی اوران سے چند کلمات لکھنے کی فرمائش کی۔ انھوں نے کتاب اور مقدمات پر ایک نظر ڈال کر فرمایا کہ یہ عظیم الشان کتاب کسی مقدمہ کی محتاج نہیں ہے اور شیخ ابوالحسن کی تقدیم کے بعد پھر کوئی کیا لکھے گا۔ اسی کے مماثل شہادت مصر کے مشہور عالم محقق شیخ ابوزہرہ نے بھی دی تھی۔ بعد میں مصر کے معروف عالم حدیث حافظ التیجانی نے بذل پر کلمہ لکھا جو کتاب کے آخر میں شامل ہے۔ حضرت شیخ نے بعد میں حضرت مولانا یوسف بنوری مرحوم سے بھی بذل، اوجز اور حجۃ الوداع پر مقدمات لکھوائے۔ مولانا بنوری مرحوم کو برصغیر ہند و پاک میں ایک عظیم محقق، ممتاز عالم حدیث اور صاحب اسلوب اہل قلم کی حیثیت سے جو امتیازی مقام حاصل تھا وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے، چنانچہ انھوں نے حضرت شیخ کی کتابوں پر مقدمات نہایت اہتمام و کاوش فکر و قلم کے ساتھ تحریر فرمائے ہیں جو ہر کتاب کے ساتھ طبع ہو چکے ہیں۔

حضرت شیخ کی غیر مطبوعہ تالیفات

حضرت شیخ کی غیر مطبوعہ تالیفات کی تعداد سو سے متجاوز ہے ان میں سے اکثر کتابوں کا ذکر آپ بیتی نمبر۲ میں آچکا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ان کے پاس اپنے اکابر حضرت گنگوہیؒ، حضرت سہارن پوری اور دوسرے مشائخ کے قیمتی افادات و تحقیقات کا مجموعہ بھی تھا۔ علاوہ ازیں علامہ محمد انور شاہ کشمیری کی تقریر ترمذی بھی تھی، جس کی ایک نقل اس ناچیز کے پاس بھی ہے۔ اسی طرح حضرت گنگوہی کی غیر مطبوعہ تقریرات خاص طور پر مولانا محمد حسن مکی (جو حضرت گنگوہی کے تلامذہ خاص میں ہیں) نے دوران درس صحاح ستہ کی جن تقاریر کو قلم بند کیا وہ پورا مجموعہ بھی حضرت کے پاس تھا اس کے علاوہ حضرت مولانا محمد یحییٰ کی لکھی ہوئی تقاریر کا مجموعہ بھی تھا، جس میں تقریر ابوداؤد جو بہت مفصل اور طویل ہے اور جس سے بذل اور دیگر کتب میں استفادہ کیا گیا ہے، اس کا نوٹو کرا کے حضرت شیخ نے اس ناکارہ کو تعلیق و حاشیہ کے لئے دیا تھا مگر افسوس کہ

اپنے مخصوص حالات کی وجہ سے ابتک کچھ نہ کرسکا. جیسا کہ مذکور ہوا حضرتؒ کی تالیفات کی تعداد ۱۰۵ ہے اور ان کے علاوہ بہت سی ایسی کتابیں ہیں جن پر جابجا حضرت کے حواشی ہیں مثلاً مکتوبات امام ربانی۔ خود قرآن شریف کا وہ نسخہ بھی بہت اہمیت رکھتا ہے جس میں حضرت کا تلاوت کا معمول تھا۔ اس پر جابجا کتب تفسیر سے اہم باتوں کو دوران تلاوت نوٹ کرتے گئے ہیں. اگر ان نوٹس کو سلیقہ سے یکجا کر دیا جائے تو ایک جامع تفسیر بن سکتی ہے۔ ذیل میں ان کی علم حدیث سے متعلق بعض مخطوط کتب کا تعارف پیش ہے۔

۱. حواشی الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ

۲. حواشی وذیل التہذیب۔ حافظ ابن حجر کی تمام کتابوں پر حواشی تحریر فرمائے لیکن تہذیب التہذیب پر کثرت سے لکھے گئے ہیں، اور ذیل التہذیب کے نام سے مستقل بارہ جلدیں مجلد کرا کر تہذیب کے موافق صفحے ڈالے گئے ہیں۔

۳. معجم المسند للامام احمد

مسند امام احمد کی روایات کی ترتیب صحابہ پر ہے، جس میں احادیث کی تلاش بہت مشکل کام ہے۔ پیش نظر رسالہ میں حروف تہجی کے اعتبار سے ان سب صحابہ کرام کی روایات کی فہرست لکھی گئی ہے جس میں ہر صحابی کی روایت مع جلد وصفحہ درج ہے۔

۴. جزء ملتقی الرواۃ عن المرقاۃ

اس میں ان رواۃ حدیث کو جمع کیا گیا ہے جن پر ملا علی قاری نے مرقاۃ میں کلام کیا ہے۔

۵. تقریر نسائی شریف

اس میں حضرت گنگوہی اور دیگر اکابر کی جو تحقیقات مل سکی تھیں ان کو یکجا کر دیا گیا ہے، اس کی نقل بھی اس ناچیز کے پاس ہے۔ حضرت شیخ کی خواہش تھی کہ اس کو یہ ناچیز مرتب کر دے تاکہ شائع ہوسکے۔

۶. تقریر مشکوٰۃ۔ یہ حضرت نے اپنے تدریس مشکوٰۃ کے زمانے میں مرقاۃ اور دیگر

شروح و حواشی سے ملخص کرکے تحریر فرمائی ہے۔ بہت سے اہل علم ومدرسین نے اس کی نقلیں لی ہیں۔ اس ناچیز کے پاس بھی اس کی ایک نقل محفوظ ہے۔

۷۔ شذرات الحدیث

صحاح ستہ، مؤطین، طحاوی اور ہدایہ وغیرہ کتابوں کے سلسلہ میں حضرت شیخ نے الگ الگ کاپیاں بنائی تھیں۔ شروح حدیث میں اگر کوئی اہم بات اثنار مطالعہ گزرتی تو متعلقہ کاپی پر نوٹ فرما لیتے۔ حضرت کی بعض مطبوعہ تالیفات میں کذا فی الشذر اور البسط فی الشذر کے حوالے کہیں کہیں ملتے ہیں۔ اس سے مراد یہی کتاب ہے۔

راقم سطور سر دست ان ہی سطور پر اپنے مقالہ کا خاتمہ بالخیر کرتا ہے، جیساکہ شروع میں عرض کیا گیا کسی مجلاتی مقالہ میں حضرت شیخ کے فضائل وکمالات کا استقصا مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے۔ انشاء اللہ حضرت شیخ پر ایک مستقل کتاب لکھنے کا ارادہ ہے اس میں زیادہ شرح وبسط کے ساتھ حضرت کے فضل وکمال اور علمی ودینی خدمات کا ایک ایک مرقع اجاگر کیا جائے گا۔ خدا اس کی توفیق وصحت ارزانی فرمائے۔ ناکارہ راقم کے پاس حضرت کے قلمی مسودات کے ایک خاصے حصہ کی نقل موجود ہے مزید برآں تیس سالہ تعلق کے دوران کے تقریباً تین سو خطوط بھی محفوظ ہیں۔ انشاء اللہ مستقل تصنیف میں ان سب سے پورا استفادہ کیا جائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ ؎

اک سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے

حضرت شیخ الحدیثؒ

کی دو اہم عربی تصنیفات

مولانا ضیاء الدین اصلاحی، دارالمصنفین۔ اعظم گڑھ

اس ناچیز اور کم سواد کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہٗ کی خدمت میں نہ کبھی حاضری کا شرف حاصل ہوا اور نہ ان سے مراسلت و مکاتبت ہی کی سعادت نصیب ہوئی، اپنی اس محرومی اور بدقسمتی کا مدۃ العمر ملال رہے گا۔ کئی سال سے مسلسل ارادہ ہو رہا تھا کہ حضرت کی زیارت و ملاقات سے اپنی آنکھوں کو روشن اور دل کو شاد کروں مگر غفلت و کوتاہی میں دن گزر گئے اور دل کی حسرت دل ہی میں رہ گئی، اب وہ اس جگہ ہیں جہاں اس زندگی میں ان سے ملاقات کی کوئی صورت نہیں۔

حضرت شیخ الحدیث پر لکھنے کا حق ان ہی خوش نصیب لوگوں کو ہے جو ان کے سرچشمۂ علم و کمال سے سیراب ہوتے رہے ہیں اور ان کی دکان معرفت سے اپنی دوائے دل مہیا کرتے رہے ہیں، یہ کمترین تو نہ ان کے دینی و روحانی فیوض و برکات سے متمتع ہوا ہے اور نہ علمی کمالات و درسی افادات سے استفادہ کر سکا ہے، البتہ اسے حضرت کے علمی و تصنیفی کارناموں سے تھوڑی بہت واقفیت ضرور ہے خصوصاً احادیث پر ان کے خامۂ گہر بار نے جو عظیم الشان تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں ان سے اپنی علمی تشنگی بھی بجھائی ہے اور ان سے اپنی بساط اور خدا کی توفیق کے مطابق استفادہ بھی کیا ہے۔

میرے مخدوم حضرت مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم کا جس زمانہ میں حضرت شیخؒ سے تعلق ہوا، اس زمانہ میں اور اس کے بعد بھی ان دونوں بزرگوں کی تحریک سے حضرت کی بعض کتابوں کو بالاستیعاب اور بغور پڑھا اور پھر ان کے بارہ میں اپنے تاثرات بھی قلم بند کئے، یہ تحریریں جب معارف میں چھپیں اور حضرت کی نظر سے گزریں تو حضرت نے ان کی تحسین فرمائی یہاں تک کہ اگر بعض فروگذاشتوں کی جانب بھی توجہ دلائی تو انھیں درست پاکر اپنی اعلیٰ ظرفی سے انھیں بے لیت و لعل قبول فرمالیا۔ حضرتؒ شاہ صاحب مرحوم کو جب بھی کوئی والانامہ تحریر فرماتے تو اس خاکسار کو بھی سلام سے یاد فرماتے، اس طرح اس ذرۂ بے مقدار کو بھی اس آفتاب علم و ہدایت سے ایک حقیر اور ادنیٰ نسبت ہے جس پر وہ بجا طور سے ناز کر سکتا ہے ؏

کلاہ گوشہ دہقاں بآفتاب رسید

اسی نسبت و تعلق نے آمادہ کیا کہ حضرت کی دو اہم عالمانہ و محققانہ تصنیفات کا تعارف کرا کے اپنا نام بھی الفرقان کے خاص نمبر کے مضمون نگاروں کی فہرست میں درج کراؤں، ظاہر ہے اس نمبر کے دوسرے مفید، بلند پایہ اور پر مغز مضامین کے سامنے اس "متاع کاسد" کی کوئی قدر و قیمت نہیں، یہ تو خون لگا کر شہیدوں میں شامل ہونا ہوا۔

ذیل میں حضرت شیخؒ کی دو بلند پایہ عربی تصانیف کی بعض خصوصیات پیش کی جاتی ہیں

۱۔ الجزء الاول من الابواب والتراجم للبخاری:

صحیح بخاری حدیث کی سب سے اہم اور معتبر کتاب ہے، اسے اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے، اس لیے امت نے اس کے ساتھ بڑا اعتنا کیا ہے، اس کے متعلق بے شمار کتابیں اور شرحیں لکھی ہیں اور وہ ہر زمانہ میں درس و تدریس کا لازمی جز رہی ہے۔

منجملہ دیگر اسباب کے صحیح بخاری کی دوسری کتب حدیث پر فضیلت و تقدم کی ایک اہم وجہ اس کے ابواب و تراجم بھی ہیں جو امام بخاریؒ کی عظمت شان، جلالت قدر، جودت طبع ذہن رسا، دقیقہ سنجی، نکتہ آفرینی، بالغ نظری، کثرت استحضار، وفور علم، تفقہ و اجتہاد اور

استخراج واستنباط وغیرہ کا حیرت انگیز نمونہ ہیں۔ یہ تراجم محدثین اور علمائے فن کے غور و فکر کا خاص مرکز و محور رہے ہیں اور انھوں نے ان کی حقیقت و کنہ تک رسائی کی کوشش کی ہے،

صحیح بخاری کی بعض شرحوں میں ابواب و تراجم کی جانب خاص توجہ کی گئی ہے اور ان کے متعلق مستقل کتابیں اور علٰحدہ رسالے بھی لکھے گئے ہیں مگر متقدمین کی اکثر کتابوں کی طرح یہ اب ناپید ہیں اور محض متداول شرحوں میں کہیں کہیں ان کے حوالے ملتے ہیں، ہندستان کے علماء میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے صحیح بخاری کے ابواب میں تراجم پر بیش قیمت رسالے تحریر کئے ہیں جو طبع ہو چکے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی عمر گرامی حدیث نبوی کی خدمت اور درس و تدریس میں گزری اور انھوں نے کئی اہم کتب حدیث کے شروح و حواشی اور ان سے متعلق مفید اور بلند پایہ کتابیں لکھیں، صحیح بخاری بھی عرصہ دراز تک حضرت کے درس و مطالعہ میں رہ چکی ہے اس لیے اس کے مباحث پر ان کی نظر نہایت عمیق اور گہری تھی، اس سلسلہ میں ان کو اس کے ابواب و تراجم پر بھی غور و فکر کا موقع ملا اور وہ اپنے مطالعہ و تحقیق کے نتائج قلم بند کرتے رہے۔

یہ عظیم الشان علمی و دینی ذخیرہ کئی جلدوں پر مشتمل ہے، اس کی حیثیت دراصل بخاری انسائیکلوپیڈیا کی ہے۔ اس کے شروع میں ابواب و تراجم کے متعلق بڑے اہم اصول تحریر کیے گئے ہیں، اس لیے ان کو علٰحدہ ایک جلد میں پہلے شائع کیا گیا ہے۔ یہ چار حصوں میں منقسم ہے۔

پہلے حصے میں بخاری کے تراجم کی اہمیت اور ان پر لکھی جانے والی کتابوں کا تذکرہ ہے دوسرے میں ان مجمل اصول و قواعد کا ذکر ہے جو بخاری سے متعلق کتابوں اور شرحوں میں تراجم کے بارہ میں بیان کیے گئے ہیں، تیسرا حصہ اسی کی تفصیل ہے، اس میں نمبروار ستر اصولوں کی تشریح و توضیح کی گئی ہے، چوتھے حصہ میں ان اقوال و آراء کا جواب دیا گیا ہے جو ابواب و تراجم کی عدم مناسبت کے متعلق ظاہر کیے گئے ہیں، آخر میں ان ابواب و تراجم کا جدول دیا گیا ہے جن میں مسند حدیثیں درج نہیں ہیں، یہ جدول شیخ الہند کے رسالہ تراجم سے ماخوذ اور حسب

ذیل چار نوعیتوں کا ہے۔

۱۔ وہ ابواب و تراجم جو گو مسند حدیثوں سے خالی ہیں مگر ان میں کوئی آیت، حدیث، اثر یا سلف کا قول موجود ہے۔

۲۔ وہ ترجمے جن میں نہ مسند روایت ہی ہے اور نہ کوئی اور آیت و حدیث وغیرہ، مگر نفس آیات ان کے ابواب کا عنوان ہیں۔

۳۔ ایسے تراجم جو مسند روایتوں سے بھی خالی ہیں اور ان میں کوئی حدیث و اثر اور آیت بھی درج نہیں ہے بلکہ مصنف نے ان کا ترجمہ اپنے قول کو بنایا ہے۔

۴۔ وہ ابواب جو بلا ترجمہ ہیں۔

اس رسالہ کے تیسرے حصہ میں جن ستر اصول تراجم کا مفصل ذکر ہے، وہ مصنف کی کتاب لامع الدراری کے مقدمہ میں بھی شامل ہیں۔ ان میں زیادہ تر حضرت شاہ ولی اللہؒ اور حضرت شیخ الہندؒ کی کتابوں، حافظ ابن حجرؒ، علامہ عینیؒ، قسطلانیؒ اور سندھیؒ کی شروح وحواشی اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے افادات وامالی سے ماخوذ و مستنبط ہیں، لیکن متعدد اصول خود حضرت شیخ الحدیثؒ کے فکر و مطالعہ اور ذوق ووجدان کا نتیجہ ہیں۔ یہ حصہ مصنف کے رسوخ فی الحدیث، وسعتِ علم و نظر اور کثرت مطالعہ وتدبر کا شاہکار ہے۔

صحیح بخاریؒ کے جن ابواب و تراجم سے عام شارحین سرسری گزر گئے ہیں یا ان کی ایسی دوراز کار تاویل و توجیہ کی ہے جس نے امام بخاریؒ کی ذات کو ہدفِ طعن واعتراض بنا دیا ہے ان ابواب میں مصنف علام کے ذوق سلیم اور نکتہ سنج ذہن نے عجیب عجیب حقائق ومعارف کا سراغ لگایا ہے اور حدیثوں سے ان کی مناسبت کے ایسے دقیق پہلو اور لطیف نکتے واضح کئے ہیں جن سے امام صاحب پر عائد کردہ الزامات نہ صرف رفع ہو گئے ہیں بلکہ وہ ان کی عظمت و کمال کی دلیل بن گئے ہیں۔

جن ابواب و تراجم اور ان کی احادیث کے درمیان عدم مناسبت کو عموماً نقل کی مسامحت امام صاحب کے وہم یا مسودہ کی تکمیل اور باقاعدہ ترتیب سے پہلے ان کی وفات ہو جانے یا

ان کی اپنی شرط اور معیار کے مطابق حدیث نہ ملنے یا راویوں کے اضافہ و تصرف وغیرہ کا نتیجہ بتایا جاتا ہے، مولانا نے اس طرح کے تمام ابواب و تراجم اور ان کی حدیثوں کے درمیان ایسی دل نشین مناسبت بیان کی ہے کہ ان سب الزامات کی مکمل تردید ہوگئی ہے اور وہ خود شارحین کے قصور فہم اور قلت تدبر وغیرہ کا نتیجہ معلوم ہونے لگے ہیں ؏

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

کتاب کا زیادہ حصہ اخذ واقتباس پر مشتمل ہے اور مصنف علام نے عموماً متقدمین کے اقوال اور اکابر کے بیانات کے دائرے کے اندر رہ کر ان کی روشنی میں صحیح بخاری کے ابواب و تراجم کے اسرار و غوامض حل کئے ہیں مگر جہاں یہ صورت ممکن نہیں تھی وہاں اپنے نتائج تحقیق بیان کئے ہیں اور کہیں کہیں پورے ادب و احترام کے ساتھ اسلاف کے نقطۂ نظر سے اختلاف کیا ہے یا ان کی مختلف آراء میں تطبیق دے کر اپنے نزدیک راجح رائے تحریر کی ہے۔

حضرت شیخ نے بالکل غیر جانبداری سے بخاری شریف کا مطالعہ کیا ہے، اس لیے ان کو عام شارحین کے نقطۂ نظر سے اختلاف کرنے اور ان کی آراء پر نقد و جرح کرنے میں تامل نہیں ہوا ہے، ان کی حق طلبی اور انصاف پسندی نے ان کو علامہ عینی حنفی کے مقابلہ میں حافظ ابن حجر شافعیؒ کی ہمنوائی اور اپنی جماعت کے ممتاز بزرگ حضرت شیخ الہند سے بھی کہیں کہیں اختلاف کرنے پر آمادہ کر دیا ہے۔

دوسرے بزرگوں کے جو اصول تحریر کیے ہیں ان کی توضیح کے لیے ان کے حوالے سے مثالیں بھی نقل کی ہیں اور جن مثالوں میں ان کو کوئی غلطی نظر آئی ہے اس کی تصحیح کر دی ہے اور اگر اصول و مباحث کے سلسلہ میں ان بزرگوں کے یہاں مثالیں نہیں ملی ہیں تو خود تلاش و تفحص کر کے ان کی مثالیں دی ہیں، کسی بزرگ کے اصول کے ضمن میں اس کی تائید میں ملنے والے دوسرے بزرگوں کے بیانات بھی نقل کئے ہیں اور خود اپنے اصولوں کی تائید میں اگر متقدمین کے یہاں اس نوعیت کے معلومات ملے ہیں تو ان کو ذکر کر دیا ہے۔

جن ابواب و تراجم کے مختلف الفاظ مروی ہیں ان کی تصریح اور مرجح روایت کی نشاندہی کی گئی ہے۔

بعض اصولوں میں بڑی یکسانیت ہے، اس لیے ان کے دقیق فرق کو واضح کر کے التباس رفع کیا گیا ہے۔

غرض بخاری کے ابواب وتراجم کے متعلق مختلف کتابوں میں جو کچھ منتشر مواد تھا وہ سب اس میں مفید اضافہ وتشریح کے ساتھ جمع کردیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب نہایت جامع اور معلومات افزا ہے اور یہ حضرت شیخؒ کا ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جس سے حدیث کے طلبہ واساتذہ کبھی بے نیاز نہیں رہ سکتے۔

اب ہم حضرت شیخ کے ایک اور بڑے اور اہم کارنامے کا ذکر کرتے ہیں۔

جزء حجۃ الوداع ویلیہ جزء عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر میں صرف ایک ہی بار فریضۂ حج ادا کیا مگر آپ کے حج مبارک کے متعلق جو احادیث وواقعات مروی ہیں ان میں بہ کثرت اختلافات ہیں، چنانچہ انھیں منکرین حدیث نے طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا ہے جو ان کی عدم واقفیت اور قلت تدبر کا نتیجہ ہے امام شافعیؒ نے "اختلاف الحدیث" اور امام خطابی نے "معالم السنن" میں اس کا جواب دیا ہے، سیر وتاریخ کی کتابوں میں بھی حجۃ الوداع کے ذکر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے واقعات اور اس کے متعلقہ مباحث ومسائل میں احادیث کے فرق واختلاف کی نوعیت اور اصل حقیقت پوری طرح بیان کردی گئی ہے جس سے حدیثوں کا تناقض رفع ہوگیا ہے اور ان کے درمیان مکمل تطبیق ہوگئی ہے۔ علامہ ابن حزمؒ نے حجۃ الوداع پر مستقل رسالے لکھے ہیں۔

حجۃ الوداع کے جزئی واقعات اور اس سے متعلقہ روایات میں اختلافات کی کثرت کی بنا پر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس کے واقعات واحادیث کی جمع وتالیف کا خیال ہوا، ان کی ذات گرامی شریعت وطریقت کی جامع تھی، عرفان وتصوف کے ساتھ دینی علوم خصوصاً حدیث نبوی پر ان کی نظر بڑی گہری اور وسیع تھی، حدیث نبوی کا ذوق ان کو اپنے اسلاف کرام سے ورثہ میں ملا تھا اور ان کی پوری زندگی اس کی خدمت، درس

وتدریس اور مطالعہ وتحقیق میں بسر ہوئی تھی اس لیے اس کے مشکلات ومہمات مباحث پر بھی ان کی نظر وسیع تھی، چنانچہ اس کتاب میں اس موضوع کی تحقیق وجستجو اور اس کی گتھیوں اور پیچیدگیوں کو حل کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔

یہ رسالہ دو جزوں پر مشتمل اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حج وعمرے کے متعلق مفصل اور محققانہ معلومات کا مستند ذخیرہ ہے، پہلے جز میں حجۃ الوداع کے واقعات کی تفصیل، رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حج مبارک کی پوری کیفیت اور مدینہ طیبہ سے روانگی سے واپسی تک کی روداد سفر اس طرح پیش کی گئی ہے کہ حج کے واقعات ومسائل کی تحقیق وتنقیح اور اس کی جملہ روایات پر بحث وتنقید بھی اس میں آ گئی ہے اور ان سے مستنبط احکام ومناسک اور ان کے بارہ میں جمہور فقہاء وائمہ مذاہب کے آراء واختلافات بھی واضح ہو گئے ہیں، اس ضمن میں روایات وواقعات کے تضاد اور مؤرخین وارباب سیر کے اختلافات واوہام کا ازالہ بھی کیا گیا ہے جس سے حجۃ الوداع کا صحیح مرقع سامنے آ جاتا ہے، دوسرے جز میں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرے سے متعلق ہے، پہلے عمرہ کے لغوی وشرعی معنی کی تحقیق، اس کی تعریف، اس کے ارکان، شرائط اور احکام وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمروں کی تعداد اور ان سے متعلق تمام واقعات وروایات کی تحقیق وتنقید ان سے مستنبط مسائل کی تشریح، فقہاء کے اقوال اور روایات واحادیث اور مؤرخین وارباب سیر کے اختلافات پر فاضلانہ بحث کی گئی ہے اور آخر میں عمرہ سے متعلق بعض غلط روایات وحکایات کا جائزہ لیا گیا ہے اور ان کی تردید کی گئی ہے، پہلا جز علامہ ابن قیمؒ کی شہرہ آفاق کتاب "زاد المعاد" سے اور دوسرا جز "مواہب لدنیہ" اور "تاریخ الخمیس" سے ماخوذ ومستفاد ہے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ نے حجۃ الوداع کے واقعات کی تفصیل کے لیے حجۃ الاسلام حافظ ابن قیمؒ حنبلی کی تحریر کو ماخذ بنایا ہے جو ان کے حسن انتخاب کا ثبوت ہے، علامہ ابن قیمؒ کثرت تصنیف اور حسن تصنیف دونوں حیثیتوں سے بہت ممتاز ہیں، انھوں نے زاد المعاد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ خاص کیفیت کے ساتھ بڑے والہانہ انداز میں لکھی ہے، یہ ان کی عدیم المثال اور مہتم بالشان تصنیف ہے خصوصاً حج اور اس کے متعلقات ومناسک کے متعلق

ایسے محققانہ ومبسوط مباحث اور معلومات کا اتنا بڑا ذخیرہ کسی اور کتاب میں نہیں مل سکتا۔
لیکن حافظ ابن قیم کے استاذ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کی کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی حدیث، تفسیر، فقہ، کلام، تصوف، سیرت، تاریخ، طبقات، رجال، نحو اور صرف وغیرہ مختلف علوم پر مشتمل ہے اور یہ گوناگوں علوم ومسائل ایک دوسرے سے اس طرح مخلوط ہو گئے ہیں کہ ان میں امتیاز کرنا اور حجۃ الوداع کے سادہ واقعات اور حج کے مناسک واحکام کو ان سے جدا کرنا آسان نہیں ہے اس لیے سہولت پسند لوگوں کو اصل کتاب کے مطالعہ میں خاصی الجھن اور دشواری پیش آسکتی ہے، اس کے علاوہ علامہ ابن قیمؒ نے حج کے اکثر اختلافی مباحث اور مختلف فیہ مسائل میں احادیث وآثار کی روشنی میں آزادانہ ومجتہدانہ بحث کی ہے، وہ اس میں کسی خاص فقہی مذہب کے پابند نہیں ہیں، اس بنا پر حنفیہ کے اقوال ومسالک، ان کے مرجحات ووجوہ ترجیح وغیرہ اس سے پوری طرح منقح نہیں ہوتے، اس لیے حضرت شیخ الحدیثؒ نے زاد المعاد سے حج کے بیان کی تلخیص کر کے اس کو متن میں اور اس کی تفصیلات وجزئیات اور دوسرے مباحث وروایات کو شرح وحاشیہ میں درج کر دیا ہے اور حسب ضرورت حدیث، سیر اور تاریخ کی کتابوں سے ضروری اور اہم معلومات ومسائل کا متن وشرح دونوں میں اس طرح اضافہ کر دیا ہے کہ نفس مسئلہ اور حج کے اصل واقعات واحکام میں کوئی فرق نہیں آنے پایا ہے اور غیر متعلق بحثیں جن سے عام قاری کو گھبراہٹ ہو سکتی تھی حذف ہو گئی ہیں۔

زاد المعاد کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ علامہ ابن قیمؒ نے حجۃ الوداع کے واقعات کی تفصیل میں اکابر علمائے اسلام واساطین فن خصوصاً امام طبری، قاضی عیاض اور علامہ ابن حزم وغیرہ کے ان اوہام واغلاط کا ازالہ بھی کیا ہے جو ان کو واقعات حج کے سلسلہ میں پیش آئے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے اس کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور اس پر اضافہ بھی کیا ہے اور کہیں کہیں خود علامہ ابن قیمؒ کے وہم کی بھی وضاحت کر دی ہے، حافظ ابن قیمؒ کی طرح حضرت شیخؒ نے بھی اس کتاب میں استقصاء وجامعیت سے کام لیا ہے، اس کی وجہ سے معمولی جزئیات بھی چھوٹنے نہیں پائے ہیں اور بعض جگہ تو خود علامہ ابن قیمؒ کے بعض صحیح اور ضروری واقعات کو قلم انداز کر دینے پر اظہار حیرت کیا ہے۔

واقعات وروایات کے فرق اور ارباب سیر کے اختلافات پر حافظ ابن قیمؒ نے خاص طور پر بحث کی ہے اور ان میں توفیق وتطبیق دی ہے یا ان کی تاویل وتوجیہ یا تردید کی ہے، حضرت شیخ الحدیثؒ نے بھی روایات مختلفہ اور مختلف فیہ امور میں حتی الامکان جمع وتطبیق یا تاویل وتوجیہ کی کوشش کی ہے لیکن جہاں یہ نہیں ہوسکا ہے وہاں پوری تحقیق اور دلائل کے ساتھ اپنی ترجیح وتصویب کا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے حج کے مسائل ومناسک کے سلسلہ میں فقہاء وائمہ مذاہب کے مسالک واختلافات بھی بیان کیے ہیں اور ان میں مجتہدانہ محاکمہ کیا ہے، حضرت شیخؒ نے نقل مذاہب میں اور زیادہ کوشش فرمائی ہے اور جمہور فقہاء وائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے قابل ذکر علماء ومجتہدین کے آراء ومذاہب بھی نقل کیے ہیں، بلکہ شاذ وغریب اقوال کا بھی ذکر کردیا ہے اور وجوہ ترجیح واختلاف بھی بیان کردیے ہیں، نقل مذاہب اور ان کی تائید وترجیح میں بڑی احتیاط اور انصاف پسندی سے کام لیا ہے، حضرت شیخ حنفی ہیں اس لیے قدرتی طور پر ان کا رجحان اسی مسلک کی طرف ہے لیکن ترجیحات میں پورے استدلال اور تحقیق سے کام لیا ہے، حنفیہ کے اقوال خصوصیت سے ذکر کیے گئے ہیں، جن مسائل میں علمائے احناف سے متعدد اقوال منقول ہیں ان سب کو ذکر کرنے کے بعد صحیح ومرجح کی تعیین کی گئی ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے احکام ومناسک حج کی حکمتیں اور ان کے فوائد واسرار بڑے دلنشین انداز میں تحریر کیے ہیں، اس رسالہ میں بھی حج کے مسائل کی حکمتیں اور مصلحتیں واضح کی گئی ہیں اور بعض جگہ علمی نکات و فوائد بھی تحریر کیے گئے ہیں، حضرت شیخؒ نے احادیث اور حجۃ الوداع کے واقعات سے فقہی مسائل مستنبط کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ تفسیری وکلامی وغیرہ مختلف النوع علمی بحثیں بھی کی ہیں۔

رجال واسناد اور حدیث کے فنی مباحث، روایات کے درجہ ومرتبہ یعنی مرفوع، موقوف مسند، مرسل، صحیح، حسن، ضعیف، قوی، جید، سقیم اور مشہور وغریب وغیرہ کی تعیین بھی کی گئی ہے اور بعض حدیثوں سے متعلق شبہات واشکالات ذکر کرکے ان کا ازالہ بھی کیا گیا ہے۔

اسمار و اعلام اور بلاد و اماکن کی مکمل تحقیق کی گئی ہے اور ان سے متعلق ضروری معلومات تحریر کیے گئے ہیں اور ان کے قدیم اور موجودہ نام کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے، اس حصہ میں عصری تحقیقات سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے، الفاظ ولغات کے معانی، ان کے اعراب وحرکات کی تصریح، بعض اصطلاحات اور فقروں کی تشریح بھی کی گئی ہے، اور کہیں کہیں نحوی وصرفی مباحث، عربی زبان کے استعمالات اور طرز تعبیر وغیرہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے غرض اپنے موضوع پر ایسی جامع کتاب اردو کیا عربی میں بھی مشکل سے ملے گی۔ اس طرح کی کتابوں میں عموماً غیر معتبر بیانات وحکایات بھی شامل ہو جاتی ہیں، مگر یہ کتاب رطب ویابس واقعات اور ضعیف وواہی روایتوں سے پاک اور علمی وتحقیقی حیثیت سے بلند پایہ ہے۔

ان گوناگوں خوبیوں کے ساتھ اس کتاب میں ایک غلطی بھی نظر آئی اس کا ذکر کر دینا بھی مناسب ہوگا۔ حضرت شیخؒ ص۳۵ پر تاریخ الخمیس کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

وکانت ام المؤمنین میمونة رضی الله عنها وارضاها آخر امرأة تزوج بها النبی صلے الله علیه وسلم وآخر من توفیت عنهن بلا خلاف۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت میمونہؓ سے تمام ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں نکاح کیا اور بلا اختلاف سب ازواج میں سب سے آخر میں ان کا انتقال ہوا۔

حالانکہ تاریخ الخمیس میں بلا خلاف کا لفظ نہیں ہے اور آگے خود حضرت شیخ الحدیثؒ کے بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ام المومنین حضرت میمونہؓ کا تمام امہات المومنین میں سب سے بعد وفات پانا مسلم اور متفق علیہ نہیں ہے، چنانچہ انھوں نے حافظ ابن حجرؒ کے اس میلان کا ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ حضرت میمونہؓ سے بعد بھی زندہ تھیں اس لیے اس عبارت کا صرف پہلا جزء صحیح ہے یعنی بلا اختلاف حضرت میمونہؓ کے بعد رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا، لیکن سب سے آخر میں ان کا وفات پانا متفق علیہ اور محقق نہیں ہے بلکہ ضعیف قول ہے اور اس کو صرف صاحب الخمیس اور ابن سعد نے واقدی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور واقدی کا حدیث وروایت میں جو پایہ ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے۔ مورخین اور اصحاب سیر کے صحیح بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ امہات المومنین میں حضرت ام سلمہؓ کا سب سے آخر میں

بقیہ ص۲۸۱ پر

بیہقیٔ وقت حضرت شیخ الحدیث (قدس سرہٗ)

(طرزِ تدریس، تصنیف وتربیت کی چند جھلکیاں)

مولانا برہان الدین سنبھلی
استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

عجیب اتفاق ہے ایک دن تراجم رجال یعنی علماء وفضلاء کے احوال پر علامہ ابن خلکانؒ کی مشہور و مستند کتاب "وفیات الاعیان" دیکھ رہا تھا، دوران مطالعہ ایک محدث .... کے تذکرہ میں جب یہ عبارت نظر کے سامنے آئی :-

واحد زمانه وفرد اقرانه من کبار اصحاب... ثم الزائد علیه فی انواع العلوم... غلب علیه الحدیث واشتهر به وشرع فی التصنیف فصنف کثیرا حتی قیل تبلغ تصانیفه الف جزء.... وکان من اکثر الناس نصرا لمذهب الشافعی وکان علی سیرة السلف، واخذ عنه الحدیث

یکتائے روزگار اور معاصرین میں ممتاز تھے .... کے شاگردوں میں سب فائق بلکہ علوم کی بہت سی اقسام میں (اپنے استاذ سے بھی) بڑھ گئے تھے ... لیکن حدیث ہی ان پر غالب تھی اور اسی میں ان کا شہرہ تھا۔ تصانیف کے میدان میں قدم رکھا تو وہ ہزاروں صفحات پر پھیل گئیں .... موصوف (اپنے فقہی

جماعۃ من الاعیان " (وفیات الاعیان ص۵۲ ج ۱)	مسلک، مذہب.... کے خصوصی حامیوں اور مؤیدین میں سے اور ٹھیک سلف صالحین کے نقش قدم پر تھے۔ ان سے بڑے بڑے لوگوں نے علم حدیث حاصل کیا "

تو ٹھٹھک کے رہ گیا اور سوچنے لگا کہ یہ پانچویں صدی ہجری کے شہرہ آفاق محدث امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقیؒ (متوفی ۴۵۸ھ) کا تذکرہ ہے یا پندرہویں صدی کے شیخ الحدیث اور بیہقیٔ وقت کا، پھر جس طرح مقدم الذکر کے تذکروں سے پورا عالم گونج رہا ہے اسی طرح مؤخرالذکر کی تصانیف اور تقوے کے چرچے بھی ساری دنیا میں ہو رہے ہیں اور جس کی وفات پر آج عالم وعامی، محدث وفقیہ، صوفی وزاہد بلکہ عرب وعجم کے سب ہی باشعور غمگین ورنجور ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ پندرہویں صدی کا، بلکہ چودہویں صدی کے رُبع آخر (حضرت الاستاذ شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کی وفات کے بعد) سے اب تک کا یہ سب سے اندوہناک اور نتائج کے اعتبار سے دوررس حادثۂ وفات ہے کہ جس سے سارے عالم کے اہل علم وتقوے اور برصغیر کے عوام وخواص کا ناقابل تلافی خسارہ ہوا۔ بالخصوص لاکھوں عقیدت مندوں کا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون، اللھم اجرنا فی مصیبتنا۔ ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقك.... لمحزونون)

لہ حضرت کی تصانیف اور درسی تقاریر وحواشی پر جن کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت اپنے فقہی مسلک (مذہب حنفی) کے کتنے بڑے حامی اور مؤید تھے، اور اس کی ترجیح ثابت کرنے میں کس قدر اہتمام فرماتے تھے، ایسا ہی کچھ حال امام بیہقیؒ کا بھی تھا کہ وہ اپنے مسلک (مذہب شافعی) کے بہت بڑے حامی اور اس کے اثبات کی پوری کوشش کرنے والے تھے۔

ٹہ احادیث صحیحہ میں مذکورہ بالا کلمات حادثۂ وفات کے وقت پڑھنے کا ذکر اور ان کی فضیلت، اجر کا بیان ملتا ہے۔

حضرت اقدسؒ (قدس سرہٗ) کی ذات گرامی اس قدر جامع اور متنوع تھی کہ جستہ جستہ احوال کے لیے بھی ایک مقالہ کا تو کیا ذکر شاید ایک ضخیم کتاب بھی ناکافی ہو اور سوانح نگار کو دامن نگہ کی تنگی کے بجائے دامن صفحہ کی کوتاہی کا گلہ ہو، اس وجہ سے حضرت کے بارے میں کچھ لکھنے کے ارادہ سے قلم اٹھانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، مگر مخدومی حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہٗ کے حکم کی تعمیل، نیز صالحین کے تذکرہ سے برکتوں ورحمتوں کے نزول کی جو بشارتیں دی گئی ہیں، ان کے حصول کی نیت سے حضرت کی بعض خصوصیات ذاتی مشاہدات تاثرات اور مکتوبات کی بنیاد پر قارئین الفرقان کے سامنے پیش کرنے کا ارادہ کرلیا۔ کیا بعید ہے کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک یہ عمل مقبول ہو جائے اور راقم کی نجات کا وسیلہ بن جائے کہ ؎

رحمت حق بہانہ می جوید　　رحمتِ حق بہانی جوید

حضرت سے میری واقفیت کا آغاز:

بحمداللہ تعالیٰ احقر کے والد ماجد (مولانا قاری حمید الدین سنبھلیؒ) طبقۂ علماء وصلحاء میں شامل تھے، پھر انھیں علماء وصلحاء سے ملنے جلنے اور جلسوں میں شرکت کرنے کے مواقع بھی بہت میسر آئے اس لیے ان کے اکثر ہم عصر ممتاز علماء وصلحاء سے تعلقات اور بعض سے گہرے روابط تھے۔ ایسے باپ کے زیر تربیت رہنے کی وجہ سے قدرۃً بچپن ہی میں اہل علم واصحاب تقویٰ کے ذکر سے کان آشنا ہونے اور ان کی محبت، عظمت کے اثرات قلب پر پڑنے لگے تھے۔ اگرچہ اب یہ تو صحیح طور پر یاد نہیں کہ حضرت اقدس شیخ الحدیثؒ کا سب سے پہلے ذکر خیر کب سنا؛ مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلی بار والد صاحبؒ ہی کی زبانی سنا ہوگا۔ کیونکہ حضرتؒ سے والد صاحبؒ کے شخصی روابط تھے اور غالباً خط وکتابت بھی تھی (والد صاحبؒ کے نام حضرت اقدسؒ کے دست مبارک سے لکھا ہوا ایک خط بھی حال میں ملا)۔ شخصی تعلقات کا براہ راست اندازہ اس وقت ہوا جب پہلی مرتبہ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضری سے شرفیاب ہوا اور والد صاحبؒ کے حوالہ سے اپنا تعارف کرایا تو حضرت نے بہت اہتمام سے ان کی مزاج پرسی فرمائی

(والدصاحبؒ عرصۂ دراز تک علیل اور صاحبِ فراش رہے تھے۔ اُن دنوں صاحبِ فراش ہی تھے) اور دیر تک نہایت شفقت وعنایت کے ساتھ گفتگو فرماتے رہے (وہ منظر آج بھی آنکھوں کے سامنے ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ واقعہ کل ہی پیش آیا ہو۔)

پہلی حاضری اور ایک درس میں شرکت:

پہلی مرتبہ ملاقات کا یہ شرف اس وقت حاصل ہوا جب یہ حقیر تعلیم مکمل کرنے کے لیے ۱۳۵۵ھ میں علوم وفنون کے عالمی مرکز دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو کر وہاں رہنے لگا۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ طبیعت میں سہارنپور اور رائے پور حاضری کا تقاضہ پیدا ہوا۔ اس زمانہ میں رائے پور، رشک بصرہ و بغداد بنا ہوا تھا، جہاں جنید وقت، شبلیٔ دوراں حضرت مولانا عبدالقادر قدس سرہٗ اپنی پوری جلالت شان کے ساتھ طالبان اصلاح کی تربیت واصلاح اور تزکیۂ نفوس کی عظیم جدوجہد اللہ تعالیٰ کی توفیق سے انجام دے رہے تھے۔ اور موصوف کی مسیحا اثری وضیا پاشی سے عالم کا عالم مستفید و مستنیر ہو رہا تھا اور آپ کی ہی بابرکت ذات کے زیر سایہ رائے پور کا چپہ چپہ ذکر اللہ کی صدا سے معمور اور ہر ساکن شراب طہور سے مخمور نظر آ رہا تھا۔ بوقت سحر، اس گلستاں کے بلبلوں کی نغمہ سرائی اور نوا سنجی سے تو سماں بندھ جاتا تھا جسکی تصویر کشی سے موئے قلم عاجز و درماندہ اور کیف وسرور کے بیان سے زبان دہن قاصر و واماندہ ہے۔

اسی دوران ایک دن ان مقامات کی حاضری کا قلب میں تقاضہ ہوا اور ایک جمعرات کو دیوبند سے بذریعہ ریل چل کر سہارنپور پہنچ گیا۔ اُس زمانہ میں حضرت اقدسؒ کی صحت ایسی تھی کہ درس بخاری دینے قیام گاہ سے پیدل چل کر مظاہر علوم کے دارالحدیث جو بالائی منزل پر ہے، بغیر کسی انسانی سہارے کے تشریف لاتے تھے۔ بس ایک موٹی سی لکڑی کی چھڑی داہنے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ ظہر بعد یہ درس ہوتا تھا۔ چونکہ ظہر سے قبل ہی پہنچ گیا تھا اس لیے درس حدیث میں شرکت عین سعادت سمجھ کر درسگاہ میں حضرت کی آمد سے پہلے ہی جا کر بیٹھ گیا۔

درس کی خصوصیت :

حضرت کی تشریف آوری کے فوراً بعد بخاری شریف کا درس شروع ہوگیا۔ ایک طالب علم نے عبارت (حدیث) پڑھی، بس پھر گویا علم کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ اب تک یاد ہے کہ بخاری کتاب الایمان کی ضمامؓ بن ثعلبہ والی مشہور حدیث جاء رجل الی رسول الله صلے الله علیه وسلم من اهل نجد ثائر الرأس " نسمع دوی صوته " ولا نفقه ما یقول (الخ) کا سبق تھا، اور حضرت اقدسؒ نے " نسمع دوی صوته " (آنے والے کی آواز مکھی کی بھنبھناہٹ سی معلوم ہو رہی تھی) کے بارے میں شراح حدیث کے بیان کردہ اقوال نقل فرماکر اپنے والد ماجد (حضرت مولانا محمد یحییٰؒ) کی ایک بہت دلپذیر اور عام فہم توجیہ ذکر فرمائی تھی[1] اور واقعہ کی تصویر کشی حضرت نے اپنے دہن مبارک سے ایسے انداز میں فرمائی کہ پورا منظر سامنے آگیا اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ ہم بھی گویا عینی شاہد ہیں (اس پر اتنا لطف آیا کہ بیان نہیں ہو سکتا)

حضرت کے یہاں اسی ایک درس بخاری میں شرکت کا موقعہ ملا اس میں اس کوتاہ نظر کو جو خصوصیات نظر آئیں ان میں سب سے اہم یہ تھی کہ تقریر " ماقل ودل " (مختصر مگر جامع ومکمل) کا مصداق ہوتی اور اس بات کی بھی خصوصی رعایت ہوتی تھی کہ حدیث کا پورا مفہوم بلکہ اس کا مغز طالبانِ علم کے اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے۔

درس ختم ہونے کے مابعد ڈرتے ڈرتے وہیں خدمت میں سلام عرض کرنے اور مصافحہ کے لیے حاضر ہوگیا۔ والد صاحبؒ کے حوالہ سے تعارف کرایا تو خاص شفقت وعنایت فرمائی (جس کا مختصر تذکرہ اوپر گزر چکا ہے)

یہ پہلا نقش جمیل تھا جو اس ہیچمدان کی سادہ لوح قلب پر مرتسم ہوا۔ پھر تو وہ نقش لازوال بن گیا اور کسی عارف صادق کی بات ع " فصادف قلباً فارغا فتمکنا " سچی

---

[1] حضرت مولانا محمد یحییٰؒ کی وہ توجیہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی مطبوعہ درسی تقریر بخاری (ج۱ ص۱۳) میں آگئی ہے (مرتبہ مولانا شاہد صاحب مظاہری)

ثابت ہوئی۔ اس کے بعد متعدد مرتبہ دیوبند میں حضرت الاستاذ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی برکت سے زیارت ہوئی۔ بالخصوص حضرت مدنیؒ کے مرض وفات کے درمیان حضرتؒ کی تشریف آوری کثرت سے ہوتی اور ہم تشنگان دید کو سیرابی کے مواقع خوب خوب میسر ہوتے۔ حضرت اقدس مدنیؒ کے مرض نے جب شدت اختیار کی تو بزرگوں کے دیرینہ تجربات اور اکابر دارالعلوم کے معمول کے مطابق کئی مرتبہ ختم بخاری شریف ہوا اور اس کے بعد ایسے الحاح وزاری کے ساتھ حضرت کے لیے دعائے شفا ہوتی کہ دل ہل جاتے۔ کم ازکم ایک موقعہ پر حضرت شیخ الحدیث کی موجودگی اور دعا میں شرکت خوب یاد ہے (حضرت مدنیؒ سے اسی سال راقم سطور اور اس کے ہم جماعت طلبہ کو استفادہ کا تین مہینہ تک موقع نصیب ہوا تھا۔ ہمارے دورۂ حدیث کا یہی سال تھا، اس کی تفصیل حضرت مولانا سید فخرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر لکھے گئے مضمون[1] میں راقم عرض کرچکا ہے)

یوں تو حضرت شیخ الحدیثؒ کے صاحب تصانیف، بالخصوص فن حدیث میں ماہر ہونے کا (جس کی وجہ سے لفظ "شیخ الحدیثؒ" وصفی لقب کے بجائے حضرت کا عَلَم بن گیا تھا[2]) کچھ اندازہ کافی دنوں سے تھا، لیکن جب یہ عاجز اپنی نااہلی کے باوجود دورۂ حدیث کی جماعت میں شریک تھا اور اس وقت کے دارالعلوم کی فضا کے اثر سے فن سے متعلق غیر درسی کتابوں کے مطالعہ کی بھی توفیق ملی تو حضرت کے افادات سے مملو کتابیں (خصوصاً الکوکب الدری، اوجز المسالک) دیکھنے کی سعادت میسر آئی، ان کے مطالعہ سے تو آنکھیں کھل گئیں اور گویا علم کی ایک نئی دنیا دریافت ہوئی (جس سے کم ازکم یہ تہی دست ناآشنا تھا) حضرت کی علمی وسعت

---

[1] یہ مضمون الفرقان، جون ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا۔ [2] یہاں ایک طالب علمانہ لطیفہ کا تذکرہ شاید بے محل نہ ہوگا، وہ یہ کہ احقر نے تفسیر کی مشہور مشکل درسی کتاب "بیضاوی" کی تدریس کے دوران اسم جلالت کے بارے میں صاحب کتاب کے پسندیدہ قول (انہ وصف فی اصلہ لکنہ لما غلب علیہ ... صار کالعلم) کی تشریح کرتے ہوئے لفظ "شیخ الحدیث" کی مثال اور اس کے مصداق کو پیش کیا تو طلبہ بآسانی عبارت کا مطلب سمجھ گئے۔ انھیں مصنف کی پیش کردہ مثالوں (ثریا، صعق) سے بھی زیادہ یہ مثال سہل لگی۔

فکری اصابت اور نظر میں دقت کے علاوہ نقلِ اقوال میں صحت کا ایسا تجربہ ہوا کہ اس کے سامنے بہت سے قدیم مصنفوں کے کارنامے بھی اللہ تعالیٰ معاف کرے کم مرتبہ معلوم ہونے لگے اور پھر جوں جوں تدریسی و تصنیفی ضرورتوں سے بتوفیق خداوندی شروحِ حدیث وغیرہا دیکھنے کی سعادت میں اضافہ ہوتا رہا۔ اسی نسبت سے حضرت اور ان کی تصانیف کی قدر و منزلت بھی برابر بڑھتی رہی اور جب عجم ہی نہیں عرب (کہ جو مہبطِ وحی ہے اور جہاں اطراف عالم سے علماء آتے رہتے ہیں وہاں) کے وسیع النظر اور جیّد علماء کے ایسے اعترافات سامنے آئے ، تو "علم الیقین" "حق الیقین" بن گیا۔ اسی طرح کا ایک وقیع اعتراف خود احقر کے سامنے مدینۃ الرسول (علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) میں مستقل مقیم بلکہ وہاں کی عدالت عالیہ کے جج اور حرم نبوی کے مدرس وسیع النظر مصری عالم شیخ عطیہ سالم نے کیا، موصوف نے بتایا کہ وہ فقہ مالکی پر (ایک خاص نقطۂ نظر سے) کتاب لکھ رہے ہیں۔ دورانِ گفتگو فرمایا کہ "....اس سلسلہ میں جتنا مواد" اوجز المسالک" (مؤلفہ حضرت شیخ الحدیث) میں ملتا ہے اتنا کسی اور کتاب میں یعنی مالکی علماء کی لکھی ہوئی کتابوں میں بھی نہیں ملتا"۔

اہل علم جانتے ہیں کہ دوسرے مذاہب کے اقوال نقل کرنے میں بڑے بڑے مصنفین تک سے کیسی کیسی فروگذاشتیں ہوگئی ہیں مگر ہمارے حضرت شیخ الحدیثؒ اس پرخطر وادی سے بھی مامون و محفوظ گزرے ہیں (فالحمد للہ علیٰ ذالک) اس بارے میں حال کے علماء میں ایک استثنائی مثال مشہور فقیہ النفس مصری عالم شیخ ابو زہرہؒ کی بھی ملتی ہے۔

اجازت احادیث کی ایک یادگار مجلس :

پہلی حاضری کے بعد پھر تقریباً دو سال گزرنے پر رجب ۱۳۷۷ھ میں دارالعلوم دیوبند کے دورۂ حدیث کے بہت سے طلبہ کے ساتھ یہ حقیر بھی حاضر خدمت ہوا۔ اس وقت سب کا مقصد حضرت اقدسؒ سے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے رسائل ثلثہ (الفضل المبین والدر الثمین والنوادر) نیز "حدیث المسلسل بضیافۃ الاسودین" اور "حدیث المسلسل باجابۃ الدعاء عند الملتزم" وغیرہا کی اجازت لینا تھا۔ ہم سب طلبۂ دارالعلوم ماہ رجب کے آخری جمعہ

کوعلی الصباح سہارنپور پہنچ گئے چاشت کے وقت سے حضرتؒ والا نے مذکورہ رسائل و احادیث کا سماع طلبہ سے دارالحدیث میں شروع کیا (اس میں مظاہر علوم کے طلبہ دورۂ حدیث بھی شریک تھے) جمعہ سے قبل قراءۃ واجازت سے فراغت ہوگئی۔

"حدیث الاسودین" کی اجازت کے وقت تمام شرکا کی ضیافت بھی اسودین (پانی اور کھجور) سے کی گئی، اسی طرح "حدیث الاجابہ" کی روایت کے وقت حضرت نے ملتزم پر خود دعا کرنے اور اس کے قبول ہوجانے کا واقعہ بھی سنایا۔ اس کے علاوہ حدیث "المسلسل بالمصافحہ" کی اجازت، سب شرکا سے عملاً مصافحہ کرکے دی۔ یہ نورانی اور پرکیف مجلس ہمیشہ یاد رہے گی۔

اسی روز غالباً عصر بعد حضرتؒ نے ایک مطبوعہ سند اپنے دستِ[1] مبارک سے ہر شریک طالب علم کا نام لکھ کر اور دستخط سے مزین فرماکر عطا کی۔

تعلق بیعت :

اس کے بعد پھر تقریباً دس سال تک مستقلاً حضرت کی زیارت کے لیے سہارنپور حاضری نہ ہوسکی اگرچہ شرف ملاقات کے مواقع بکثرت دہلی وغیرہا میں حاصل ہوتے رہے یہاں تک کہ قلب میں داعیہ کسی اللہ والے سے تعلق کا پیدا ہوا تاکہ اس کی راہنمائی اور سرپرستی میں زندگی گزار کر شیطان کے اثر سے بچنے کی کوشش کی جائے۔ اگرچہ یہ تقاضہ کبھی طلب کے زمانہ میں بھی ابھرا تھا اور اس وقت نگاہوں میں ہی نہیں دل میں بس ایک ہی بسا ہوا

---

[1] غالباً یہ سعادت کہ ہر طالب علم کا نام حضرت نے اپنے دست مبارک سے لکھا ہو، پھر کسی جماعت کو حاصل نہیں ہوسکی۔ اس سے قبل اتنی بڑی جماعت کبھی شریک نہیں ہوئی تھی، البتہ اس کے بعد برابر اضافہ ہوتا رہا تاآنکہ آخری مجلس (غالباً ۱۳۹۸ھ میں) شرکا کی تعداد سیکڑوں بلکہ شاید ہزار سے متجاوز تھی جس میں طلبہ ہی نہیں جید علما، اور مشاہیر تک شریک تھے۔ لیکن ع

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

تھا، وہ تھی ذات گرامی شیخ الاسلام برکۃ العصر حضرت الاستاذ مولانا مدنیؒ قدس سرہٗ کی۔ مگر حضرتؒ معمولاً طالب علم کو بیعت نہیں فرماتے تھے اس لیے وہ تمنا دل کی دل ہی میں رہ گئی۔ اور حضرت کی وفات سے حسرت میں تبدیل ہوگئی پھر دتوں کوئی دوسرا قلب ونگاہ میں جگہ نہیں پاسکا۔ اس لیے طبیعت کسی کی طرف برسوں مائل نہیں ہوئی۔ لیکن جب حضرت اقدس شیخ الحدیث سے بار بار شرف ملاقات حاصل ہوا اور حضرت کے علمی افادات سے غیر معمولی تاثر بلکہ مرعوبیت پیدا ہوگئی تو پھر شیخ الاسلامؒ کے بعد حضرتؒ ہی نے قلب ونگاہ میں وہ جگہ حاصل کرلی، چنانچہ ایک شب مرکز تبلیغ نظام الدین میں حضرتؒ کے دامن ارشاد سے وابستہ ہونے کا شرف حاصل کرلیا۔ ایک مخلص کی معرفت حضرت کی خدمت میں دست گرفتہ بننے کی زبانی درخواست گزاری تھی جو شرف قبولیت سے نوازی گئی (فالحمدللہ علی ذالک) افسوس! کہ یہ نااہل بجز دست گرفتگی کی سعادت کے اور کچھ حاصل نہ کرسکا، حالانکہ حضرت کی طرف سے توجہ اور شفقت میں کمی نہیں تھی، جس کا اندازہ ان گرامی ناموں سے لگایا جاسکتا ہے جو حضرت نے تحریر فرمائے لیکن کسی نے سچ کہا ہے ؎

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل　　کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اگرچہ خدا کا شکر ہے کہ اس کے بعد حضرت کی خدمت میں بار بار حاضر ہونے نیز عریضے لکھنے کی توفیق ملی۔

حضرت کا طرزِ تربیت

مسترشدین کی تربیت کے لیے اتباع سنت اور درود کی کثرت پر زور:

حضرت کو اپنے مسترشدین ومتوسلین کی تربیت کی کتنی فکر رہتی اور اس کے لیے کتنا اہتمام فرماتے تھے اس کا اندازہ اصلاحی رسالوں اور کثیر تصنیفات کے علاوہ ان ہزاروں مکتوبات سے کیا جاسکتا ہے جو اطراف عالم کے طالبین ومسترشدین کو حضرت نے لکھے (یا

لکھوائے) تربیت کے نقطۂ نظر سے حضرت کے یہاں اتباع سنت اور درود شریف کی کثرت نیز معمولات کی پابندی پر جتنا زور تھا اس کے ہر متوسل کم وبیش واقف ہی ہے۔ یہاں نمونے کے طور پر اپنے نام آمدہ[1] چند گرامی ناموں کے ضروری اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں۔

حضرتؒ کے یہاں تربیت کے لیے مسترشد کا مرشد کے پاس جلد جلد حاضر ہونا بھی خاصی اہمیت رکھتا تھا۔ ایک مکتوب میں تحریر کیا ہے:

"دوسرے مشاغل کے ساتھ (مرشد سے) ملنے جلنے کا وقت نکالنا ضروری ہے اور معمولات کی پابندی اس سے بھی زیادہ ضروری ہے.... اللہ جل شانہ نے جیسا بدنی امراض کے لیے اسباب پیدا کیے ہیں اور دوائیں بھی، ایسا ہی قلبی امراض کے لیے بھی کچھ دوائیں تجویز کی ہیں اور عالم اسباب میں، اسباب پر مسببات کو مرتب کیا ہے۔" (مکتوب از مدینہ طیبہ مورخہ ۷/۴/۷۶ء)

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، حضرت کے نزدیک تزکیۂ نفس اور تربیت باطنی کے لیے اتباع سنت اور درود شریف کی کثرت ضروری تھی۔ چنانچہ متعدد گرامی ناموں میں اس پر زور دیا گیا ہے۔ اسی مکتوب میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا:

اتباع سنت کا اہتمام اصل سلوک ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ" نص قطعی ہے۔" (ایضاً)

ایک دوسرے مکتوب میں درود شریف کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"درود شریف کی کثرت خالی اوقات میں اہتمام سے رکھا کریں۔ یہ مکارہ سے حفاظت، مقاصد کی کامیابی کے لیے بہت مجرب ہے۔" (مکتوب مؤرخہ ۲۳ شوال ۱۳۹۰ھ)

حضرتؒ والا مسترشدین کو یہ بھی ہدایت فرماتے کہ اپنی بے عملی اور کوتاہیوں پر نظر رکھیں۔ (یعنی ان کے ازالہ کی کوشش کریں)۔

---

[1] احقر کے پاس حضرت کے تقریباً چالیس گرامی نامے ہیں جو مختلف اوقات میں مختلف مقامات سے تحریر فرمائے۔

ایک مکتوب میں یہ ہدایت فرمائی :۔

"اپنی بے عملی اور کوتاہی پر تو نظر ضروری ہے۔ اس سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے"۔

(مکتوب مدینہ ۱۲ مئی [illegible])

سنن و مستحبات کا التزام :

اتباعِ سنت کے جذبہ کی بنا پر حضرت اپنے مسترشدین کو سنن و مستحبات کے التزام کی تاکید اور بالخصوص نماز تہجد کی پابندی پر خاص توجہ دلاتے۔ ایک مکتوب میں احقر کو تحریر فرمایا۔

"تہجد کی نماز بہت قیمتی اور راہم اور سیمار الصالحین ہے۔ اس کی حتی الوسع بہت اہتمام فرمائیں اور نفس کی تو ہر حالت میں مخالفت موجب ترقی ہے"۔ (مکتوب محرم [illegible])

چاشت اور اشراق کی نمازوں کے بارے میں صوفیاء کا نقطۂ نظر :

ایک مکتوب میں چاشت اور اشراق کی نمازوں کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے عجیب انکشاف فرمایا :۔

"تدریس کے ساتھ جتنے معمولات ادا ہو رہے ہیں، انشاء اللہ کافی ہیں اور کوئی نقصان نہیں۔ اگر تدریس کی وجہ سے چاشت کی نماز نہیں ہو سکتی تو کوئی مضائقہ نہیں، بالخصوص جبکہ اشراق کی پابندی ہے۔ محدثین و فقہاء کے یہاں تو دونوں ایک ہی ہیں، صوفیاء کے یہاں دو نمازیں ہیں"۔

اسی مکتوب میں عرفہ کے روزہ کی اہمیت بتاتے ہوئے لکھا :۔

"عرفہ کا روزہ بندہ کی نگاہ میں بقیہ سے اہم ہے کہ کفارہ سنتین[1] ہے"۔ (مکتوب محرم [illegible])

---

[1] دراصل یہ ایک حدیث کے مضمون کی طرف اشارہ ہے جس میں عرفہ کے روزہ کی فضیلت بتائی گئی ہے مشکوٰۃ شریف میں ہے صیام عرفة احتسب علی اللہ ان یکفر السنة التی قبلہ والتی بعدہ وصیام عاشوراء احتسب علی اللہ ان یکفر السنة التی قبلہ۔ رواہ مسلم۔ یعنی عرفہ کے روزہ سے ایک سال قبل اور

بقیہ اگلے صفحہ پر

مصلح سے ملتے رہنے کا اہتمام:

تربیت واصلاح کے لیے حضرتؒ یہ بھی ضروری سمجھتے تھے کہ مسترشد، مرشد سے برابر ملتا رہے اور اس کی صحبت سے فائدہ اٹھاتا رہے، خاص طور پر رمضان المبارک میں حاضری کو بہت نافع خیال فرماتے تھے، احقر کو متعدد گرامی ناموں میں یہ بات تحریر فرمائی۔ مثلاً ایک مکتوب میں یہ ہدایت فرمائی:۔

"دو تین مہینہ میں دو تین روز کے لیے جمعہ کے ساتھ دو دن ملا کر تشریف لے آیا کریں تو زیادہ اچھا ہے۔ اگر حیات مستعار باقی ہے تو ماہ مبارک کا کچھ وقت اس .... کے پاس ضرور گزار دیں۔" (۶ محرم ۱۳۹۵ھ)

حضرت کو رمضان کے قیام کی نافعیت پر ایسا انشراح تھا کہ ایک مرتبہ یہ تحریر فرمایا:۔

"اس سے بہت قلق ہوا کہ ماہ مبارک میں آپ نے آنے کا ارادہ فرمایا۔ مگر بیماری کی وجہ سے (احقر کی بیماری) ملتوی کرنا پڑا جس کا بہت قلق ہوا۔ آنا ہو جاتا تو زیادہ اچھا تھا۔" (۲۳ رشوال ۱۳۹۵ھ)

مصلح سے ملنا مشکل ہو تو ....

حضرت کے نزدیک صحبتِ مصلح اتنی ضروری تھی کہ اگر کوئی مسترشد (بُعد مکانی، یا کسی اور وجہ سے) مرشد کے پاس جلد جلد نہیں جا سکتا تو اسے ہدایت فرماتے کہ وہ مرشد سے مناسبت رکھنے والے کسی قریب تر مصلح کے پاس جا جا کر اس کی ہی صحبت سے فیض اٹھاتا رہے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر احقر کو حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہنے کی ہدایت ایک سے زیادہ مکتوب میں فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ تحریر فرمایا:۔

"علی میاں کی خدمت میں روزانہ جایا کریں بہت مفید ہوگا۔" (مکتوب پر مہر ۶/۲۴/۶۷) ....

بقیہ۔ ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ہو جانے کی توقع ہے اور عاشورہ کے روزہ سے صرف ایک سال قبل گناہوں کا۔

ایک اور گرامی نامہ میں مدینہ منورہ سے تحریر فرمایا:۔

"علی میاں سے اس نیت (اصلاح کرانے کی نیت) سے اور یکسوئی کے ساتھ ملنا بھی میری ملاقات کا بدل ہوسکتا ہے۔ (مکتوب مدینہ منورہ مؤرخہ ۷۶/۴/۳،)

مصلح سے رواروی کا ملنا کافی نہیں:

جس مقصد کے لیے مصلح و مرشد سے ملتے رہنا ضروری فرماتے تھے، اس میں رواروی کی اور مختصر ملاقات کو حضرت ناکافی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ تحریر فرمایا:۔

"بیعت کے تعلق کے بعد ملتے جلتے رہنا زیادہ مفید ہے اور کم سے کم خط و کتابت .... لیکن رواروی کی ملاقات زیادہ مفید نہیں ہوتی" (مکتوب مورخہ ۷۶/۴/۷،)

تربیتی کتابوں کا مطالعہ:

حضرت والا تربیت اور تزکیہ کے لیے بعض کتابوں کو بھی مفید سمجھتے تھے، اس لیے ان کے مطالعہ کی خاص طور پر ہدایت فرماتے تھے۔ احقر کو تحریر فرمایا تھا۔

"آپ جیسوں کے لیے 'ارشاد الملوک' اور 'اکمال الشیم' اور اگر فارسی سے خاص مناسبت ہو تو پھر ان دونوں کی اصلیں زیادہ مفید ہیں، انھیں ضرور مطالعہ میں رکھا کریں۔ انشاءاللہ مفید ہوگا" (ایضاً)

رمضان المبارک میں فضائل رمضان اور فضائل درود وغیرہا کے مطالعہ کا مشورہ بھی دیتے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت والا اپنے متعلقین و متوسلین کے لیے خاص طور پر صلاح و فلاح، اور استقامت کی دعا کا بھی خاص اہتمام فرماتے (جس پر حضرت کے بے شمار مکتوبات بھی شاہد ہیں۔)

اہل تعلق سے ہمدردی:

حضرت والا یوں تو سراپا شفقت و رحمت تھے کہ ساری مخلوق بالخصوص مسلمانوں پر

غایت درجہ کی شفقت تھی کہ اگر کہیں سے کسی کے تکلیف و پریشانی میں مبتلا ہونے کی خبر ملتی تو بے چین ہوجاتے اور اس کے ازالہ کی ہر ممکن سعی فرماتے۔ خاص طور پر کسی ملک کے عوام پر حکمراں کی ظلم وزیادتی کی خبر سنتے تو بہت ہی متاثر ہوتا اور الحاح وزاری کے ساتھ دعائیں فرماتے۔ نیز اگر کوئی تدابیر امکان میں ہوتی تو اس سے بھی دریغ نہ کرتے (اس قسم کے بہت سے واقعات اہلِ تعلق جانتے ہیں، بلکہ بعض واقعات تو خاصے مشہور ہیں) اور اگر خاص اہلِ تعلق میں سے کوئی کسی پریشانی یا مصیبت میں مبتلا ہوجاتا تب تو حضرت دعا کا بہت ہی اہتمام فرماتے۔ مصیبت زدہ کی دل جوئی اور اسے ایسی نصیحتیں فرماتے کہ پریشانی کا احساس ہلکا ہوجاتا اور یہ یقین پیدا ہوجاتا کہ اب انشاء اللہ حضرت کی دعا کی برکت سے جلد ہی رہائی ملنے والی ہے۔

اسی طرح اہلِ تعلق میں سے کسی کے یہاں کوئی خوش کن واقعہ پیش آتا تو اس پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار فرماتے اور برکت کی دعائیں دیتے۔ احقر نے اپنے بڑے بچے (نعمان الدین سلمہٗ) کے حافظِ قرآن ہوجانے کی اطلاع دی تو تحریر فرمایا:-

"اس سے بہت مسرت ہوئی کہ آپ کا بڑا بچہ حافظ ہوگیا۔ اس سے فرما دیں کہ حفظ کرنا تو آسان ہے مگر اس کو محفوظ رکھنا مشکل ہے۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ روزانہ ایک پارہ نفلوں میں پڑھا کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو علم وعمل کی دولت سے مالامال کرے" (مکتوب مدینہ ۵/۱/۱۳۷۸)

علمی اشکالات پر حضرت کا طرزِ عمل:

حضرت والا اپنے مسترشدین کے لیے پڑھنے کے لیے جو معمولات تجویز فرماتے تھے، ان میں مشہور محدث و شارح حدیث ملا علی قاریؒ کا مرتب کردہ مسنون دعاؤں کا مجموعہ 'الحزب الاعظم' بھی شامل تھا۔ احقر کو اپنے طالب علمانہ ذوق کی بنا پر اس میں ایک درود (اللّٰھم صل علیٰ محمد حتیٰ لا یبقیٰ من صلواتك شیئ .... لا یبقیٰ من السلام شیئ.... لا یبقیٰ من رحمتك شیئ) کے بارے میں اشکال ہوا جو حضرت کے سامنے

پیش کیا۔ خلاصہ یہ کہ اس درود کے ظاہری الفاظ سے خداوند تعالیٰ کی رحمت وغیرہ کا باقی نہ رہنا یعنی فنا وختم ہوجانا معلوم ہو رہا ہے۔ حالانکہ خداوندی خزانہ کی کسی چیز کا کبھی فنا نہ ہونا منصوص اور متفق علیہ ہے۔ (ماعند اللّٰہ باق)

اس پر حضرتؒ نے پہلے تو یہ جواب تحریر فرمایا:-

"دعا میں "حتیٰ لا یبقیٰ من رحمۃ شیٔ" وغیرہ ادعیہ پر اکابر نے کلام تو کیا ہے۔ لیکن جب روایات میں موجود ہے تو مبالغہ پر حمل کی توجیہ کی جاسکتی ہے۔

(۳ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ)

لیکن اسی کے ساتھ دوسرے کاغذ پر یہ تحریر فرمایا۔

"مکرر آنکہ خط لکھنے کے بعد ایک صاحب نے بیان کیا کہ کراچی میں حاجی وجیہ الدین صاحب نے جو "حزب الاعظم" چھاپی ہے اس میں مولانا بدر عالم مہاجر مدنیؒ نے حوالے لکھے ہیں۔ اس کو ایک صاحب سے منگوا کر دیکھا گیا۔ اس میں یہ روایت تو موجود ہے، لیکن اس پر "لا یصح" کا لفظ لکھا ہے اس لیے اور بھی زیادہ قابل تحقیق بن گئی ہے۔ یہ (یعنی حضرت والا) مراجعتِ کتب سے معذور ہے، آپ خود تحقیق فرماویں۔ چونکہ ملا علی قاریؒ بھی محقق ہیں ممکن ہے انھوں نے کسی اور کتاب سے اخذ کیا ہو"

(۵ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ)

چنانچہ احقر نے تعمیل حکم کرتے ہوئے خود "تحقیق"[1] کی۔ اس کی تفصیل سے عریضہ کے ذریعہ حضرتؒ کو مطلع کیا، لیکن حضرت کو اس کے ملاحظہ فرمانے کا موقعہ نہ مل سکا، جیسا کہ حضرت نے تحریر فرمایا:-

"آپ کا سابقہ مفصل خط اوپر میرے دار المطالعہ میں بالکل میرے سامنے ہی رکھا ہوا ہے ... مگر امراض بالخصوص آنکھوں اور دوران سر کی تکلیف نے اب تک اس کو بغور

---

[1] بعد میں وہ "تحقیق" پوری تفصیل بلکہ اضافوں کے ساتھ ماہنامہ "برہان" دہلی کی دو اشاعتوں (جنوری و فروری ۱۹۶۶ء) میں ایک دعا اور ایک درود .... کے عنوان سے شائع بھی ہوگئی تھی۔

دیکھنے کی مہلت نہیں دی۔"
اسی مکتوب کے آخر میں یہ بھی تحریر فرمادیا تھا۔
"جس درود کے بارے میں آپ کو اشکال ہے فقہانے اس کو منع بھی کیا اس کو پڑھنے کی ضرورت نہیں چھوڑ دیں۔ خالی اوقات میں درود شریف کی کثرت کا اہتمام کریں۔" (مکتوب مورخہ ۴ جمادی الثانیہ ۱۳۸۳ھ)
اس کے ساتھ احقر کا وہ مفصل عریضہ بھی حسب ذیل نوٹ کے ساتھ واپس فرمادیا۔
"خط لکھنے کے بعد خیال آیا کہ اپنی صحت اور فراغ کا حال تو معلوم ہے۔ آپ کو انتظار بھی ہوگا اس لیے آج کی ڈاک سے اس کو واپس کر رہا ہوں۔" (ایضاً)

متوسلین کی خاطر مشقتیں برداشت کرنا :

حضرت والا کو مسترشدین کی تربیت اور ان کی خاطر کتنی عزیز تھی ؛ اس کا اندازہ کرنے کے لیے تنہا یہ بات کافی ہے کہ متعدد بار دیارِ حبیب (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی طرف حبِ رسول ﷺ کے تقاضہ سے ہجرت فرمانے کے بعد بھی پیرانہ سالی اور معذوری و بیماری کے باوجود طویل سفر کی مشقتیں برداشت فرما کر رمضان المبارک سہارنپور (اور ایک ایک بار پاکستان و افریقہ) گزارنے تشریف لائے اور پورے پورے مہینہ معتکف رہ کر علمی و عملی تربیت فرماتے اور تزکیہ نفوس کی نازک ذمہ داری نباہتے رہے۔ اس کے ساتھ مسترشدین بلکہ تمام واردین کی جسمانی راحت اور بہترین ضیافت کا بھی ایسا انتظام فرماتے کہ اکثر آنے والوں کو اپنے گھروں میں بھی وہ اسباب راحت (قیام وطعام) مہیا نہ ہوتے۔

حضرت اقدسؒ کی جامعیت :

غرضیکہ حضرت اقدس علم وعمل، تقویٰ وخشیت، شریعت وطریقت، تصنیف وتدریس، تربیت وتزکیہ نیز ضیافت وشرافت کی صفات کے ایسے جامع تھے کہ مشکل ہی سے یہ تمام اوصاف ماضی میں بھی کسی دوسری جگہ جمع ہو سکے ہیں اور یہ کہنا شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ حضرتؒ ولی اللّٰہی و

امدادالٰہی کمالات وصفات کے مجمع البحرین تھے اور ان دونوں سلسلوں کے فیض سے وجود میں آنے والے گلشن کے ہر پھول کی خوشبو ان میں سماگئی تھی۔ اب سے چند سال قبل راقم الحروف نے ایک طویل مقالہ میں (اکابر کی خوبیاں اور کمالات ذکر کرنے کے بعد) حضرت کے بارے میں لکھا تھا " ان سب پھولوں کے، عطر مجموعہ، یعنی سب اکابر کے معتمد اور سچے جانشین سیدی ومولائی حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم (افسوس! کہ آج انھیں قدس سرہٗ لکھنا پڑ رہا ہے) نے تو اس باب (میزبانی) میں بھی وہ نقش قائم کیا جو اپنی مثال آپ ہے۔ دور نہیں ابھی رمضان (۱۳۹۹ھ) کے آخری عشرہ میں حاضری کی سعادت جن کے حصہ میں آئی۔ وہ سب ہی اس رنگ کی میزبانی دیکھ کر کہ ڈیڑھ ہزار سے زیادہ مہمان ہوں اور ہر ایک کی مہمان نوازی اعلیٰ درجہ کی اور اس طور پر ہو کہ معمولات تک میں فرق نہ آئے۔ اس پر حیران ہونے اور اسے بجز کرامت سمجھنے کے اور کوئی توجیہ نہیں کر سکتے " (الفرقان، لکھنؤ)

سچ تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ نتیجہ تھا صاحبِ اسوۂ حسنہ کاملہ سے سچے عشق اور کامل اتباع کا، اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ؎

" آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری "

اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ رحمۃ واسعۃ کاملۃ، واکرم نزلہ واسبغ علیہ شآبیب رحمتك ورضوانك وادخلہ فی اعلیٰ درجۃ الجنۃ جنۃ الفردوس۔ ووفقنا اتباعہ واتباع رسولك واولیائك و صلی اللّٰہ علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

(بقیہ ص ۲۶۷ کا) انتقال ہوا تھا، حضرت میمونہؓ کے بعد تو نہ صرف ام سلمہ بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ بھی زندہ تھیں، کیونکہ صحیح روایت کے مطابق حضرت میمونہؓ کا انتقال ۵۱ھ میں ہوا تھا اور حضرت عائشہؓ کا ۵۸ھ، اور ایک روایت کے مطابق ۵۷ھ میں، اور حضرت ام سلمہ کا صحیح روایت کے مطابق ۶۳ھ یا باختلاف روایت ۶۱ھ یا ۶۰ھ یا ۵۹ھ میں ہوا۔

کچھ نئی اور اہم کتابیں
معمولاتِ یومیہ
از عارف باللہ مولانا ڈاکٹر عبدالحیٔ
روزانہ معمولات کا ایک مختصر مگر جامع نصاب
مفید ہیں۔
پاکٹ سائز عکسی طباعت
علاوہ محصول ڈاک
احکامِ نماز
"نماز" اسلام کے بنیادی ارکان میں سب سے اہم رکن ہے۔ قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں نماز کے بارے میں وارد بیس بیس منتخب احکام کا مجموعہ پاکٹ سائز پر عکسی طباعت سے مزین۔ قیمت صرف
۱/
علاوہ محصول ڈاک
تبلیغِ دین کے لئے ایک اہم اصول
از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
مختصر اور کم قیمت تاکہ ہر شخص خرید سکے
قرآنی علاج
از مولانا اشرف علی تھانوی رح
ہر قسم کی بیماریوں کا علاج قرآنی آیات کے ذریعہ
یہ رسالہ مولانا تھانوی رح کی مشہور مقبول کتابیں بہشتی زیور اور اعمال قرآنی سے ماخوذ کرکے مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت صرف ۵۰/ علاوہ محصول ڈاک
اورادِ فضلیہ
دعاؤں کا عجیب و غریب مجموعہ ترجمہ کے ساتھ جو حضرت مولانا عبدالغفور عباسی نور اللہ مرقدہ کے صبح و شام کے چند مختصر معمولات و وظائف پر مشتمل ہے
شروع میں اس رسالہ کی بعض آیات قرآنیہ ادعیہ ماثورہ کے مختصر فضائل بھی بیان کئے گئے ہیں پاکٹ سائز پر عکسی طباعت سے مزین
قیمت صرف ۲/ علاوہ محصول ڈاک
مندرجہ بالا
کتابوں کے علاوہ شکار کا ذوق رکھنے والے حضرات کے لئے ہماری پہلی دو مطبوعات بندوق ۲۰/ اور شکاریات ۲۰/ بھی موجود ہے
ناشر: توحید پبلشر، لکھنؤ
ملنے کا پتہ: الفرقان بکڈپو، ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ

حضرت شیخ الحدیث
ایک عارف مصلح
(۱) ذکرِ شیخ اور معذرت
حضرت مولانا حکیم عبد الرشید محمود گنگوہی
(۲) مکتوباتِ شیخ
انتخاب ایک جدید
(۳) ملفوظاتِ شیخ
(۴) حضرت شیخ برطانیہ میں
مولانا عتیق الرحمن سنبھلی

ذکرِ شیخ اور معذرت

حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود گنگوہی دامت فیوضہم

حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود گنگوہی دامت برکاتہم
ولی اللّٰہی جامعیت کے حامل و امین اور خانوادۂ
علم و معرفت کے مقتدا و امام حضرت
گنگوہی قدس اللہ سرہ کے حفید (پوتے) ہیں،
واقفین حضرات وہبی نورِ علم و معرفت میں حضرت
ممدوح کے بلند مقام سے واقف ہیں ــــــ
حضرت شیخ الحدیثؒ سے نہایت قریبی اور اندرونی واقفیت
اور یک رنگی و ہم ذوقی میں بھی ممتاز ہیں۔
حضرت والد ماجد دامت برکاتہم نے حضرت موصوف
سے اس نمبر کے لیے کچھ تحریر فرمانے کی درخواست
کی تھی جس کے جواب میں حضرت نے ایک
معذرت نامہ ارسال فرمایا جو ذیل میں پیش کیا
جارہا ہے۔
اس "معذرتی مکتوب" میں جو کچھ حضرت شیخؒ کے
بارے میں آگیا ہے اور جو بیش بہا نکات اور

گہرے معانی اشارات و تلمیحات کی زبان میں
اس میں آگئے ہیں۔ خاص طور سے اہل علم و
ذوق ہی ان سے مستفید و محظوظ ہوں گے۔
______ سجاد ندوی

حضرت محترم! سلام مسنون وازکی التحیات۔ والانامہ موصول ہوا۔ اہل علم و ذکر اور صالحین کا خطاب و التفات موجب سعادت اور شرف و مجد بھی ہے اور باعث بہجت و بشاشت قلبی بھی۔ زمینی اور آسمانی کا جملہ دلچسپ ہے[1] مگر افسوس کہ آج کل تو وہاں عالیہا سافلہا کا اندیشۂ عتاب سامنے ہے۔ "دارالعلوم کا حال اور ماضی" آپ کا مضمون آہی چکا۔

حضرت محترم کی یہ فرمائش "وضع الشیئ فی غیر محلہ" ہے۔ یہ تو اصحاب قرطاس و قلم اور اہل ذکر و فکر ہی سے کی جاسکتی ہے۔ یہ دعویٰ بھی مشکل ہے کہ مجھے حضرت شیخ برد اللہ

---

[1] والد ماجد حضرت مولانا نعمانی مدظلہ کے دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں جب کہ ان کا قیام دارالعلوم سے کچھ دور ایک معمولی سے حجرہ میں تھا، حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود گنگوہی دارالعلوم کی عمارت کی سب سے بالائی جگہ پر مقیم تھے، ــــ اس زمانہ میں ان سے حضرت گنگوہی کے پوتے کی حیثیت سے دو ایک بار ملے تھے پھر اس کے بعد تقریباً ۵۰ سال کی طویل مدت گزرنے کے بعد دہلی میں جب والد ماجد مدظلہ کی ملاقات حضرت حکیم صاحب سے ہوئی تو حضرت نے ان کو فوراً ہی پہچان لیا۔

اس مضمون کی درخواست کے لیے جب والد ماجد مدظلہ نے حضرت حکیم صاحب مدظلہ کو خط لکھا تو یہ بھی۔ از راہِ ظرافت لکھا کہ "آپ مجھے دہلی کی اس ملاقات میں جو کہ اتنی طویل مدت کے بعد ہوئی تھی فوراً پہچان گئے تھے اور اس پر مجھے بڑی حیرت ہوئی تھی، خاص طور پر اس لیے بھی کہ دارالعلوم کی طالب علمی کے زمانہ میں جب کہ آپ سے پہلی بار ملاقات ہوئی تھی، میں ایک زمینی آدمی تھا اور جناب والا آسمانی"۔ اس میں ظریفانہ اشارہ ان کی قیام گاہ کی بلندی اور علو مرتبت کی طرف تھا۔ حضرت حکیم صاحب موصوف نے یہاں اسی جملہ کا یہ جواب دیا ہے۔ ــ سجاد

مضجعہ سے تعلق تھا۔ ان آحاد امت اعاظم رجال دینی و رجال آخرت کی معرفت قدر مجھ کو کہاں نصیب! البتہ شیخ کا میرے گھر سے تعلق معروف ہے ہی۔ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ شیخ کو علمی عینک سے دیکھنے والے تو ہزاروں ہیں مگر سے "وزدرون من نہ جست اسرار من" کی بات جاننے والے خال خال! اکثر "تراھم ینظرون الیك وھم لا یبصرون" والے۔
— آج شیخ کو قطب العالم لکھا جا رہا ہے مگر شاید لکھنے والوں میں اس منصب اور اس کی علمی معرفت، یافت بلکہ دریافت والے بھی کم ہی ہوں۔ حاشا اس گزارش میں کسی ادعا کا واہمہ نہ ہو کہ اپنے متعلق پہلے ہی یہ اعتراف ہے کہ کورا ہوں البتہ بحمد اللہ کور نہیں۔

اہل علم سے سنی ہوئی بات نہ خود یافت کہ معقول، منقول، مکشوف، مشہود اور استدلال و وجدان کی جامعیت جو شیخ میں تھی اس کے اکثر مدارک "ہر کسے از ظن خود شد یار من" کے سے "ان ھم الا یخرصون" سے زیادہ نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

شیخ چلے گئے یا واپس ہو گئے۔ "ولدار الآخرۃ خیر" اور انشاء اللہ "لھم دار السلام عند ربھم وھو ولیھم" ان کا مقام متوقع ہے۔ وہ گھسے پٹے مرسوم زبان زد عوام جملے کہنا نہیں چاہتا کہ فلاں کی موت سے ایک خلا پیدا ہو گیا، ناقابل تلافی نقصان پہنچ گیا۔ ان جملوں میں نہ کوئی اہمیت ہے نہ کہنے والوں کے سامنے کوئی حقیقت۔ روح نہ معنی۔ ہاں یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ "اذا مات العالم ثلمت ثلمۃ فی الاسلام لا یسدھا الا عالم آخر" اور بقول حضرت تھانویؒ کہ "اس طرح قصر اسلام پرانا ہوتا چلا جا رہا ہے مرمت پھر مرمت رفو در رفو" یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ

ذھب الذین یعاش فی اکنافھم   بقی الذین حیاتھم لا تنفع

یہ کہنے میں بھی کوئی حرج نہ مبالغہ کہ۔

ذھب اللیث فلا لیث لکم   ومضی العلم قریباً و قبر

اس پر بھی مجھے انشراح ہے جیسی اپنی بساط ہے نہ ان حضرات کا سا انشراح کہ "ان النور اذا دخل الصدر انفسح" کہ پھر ھل لتلك من عَلَم یُعرف بہ کے سے معیار و امتحان کا سامنا ہوگا۔

علماء کے طبقات :

شیخ اُس مقام فضیلت و مشیخت کے مسند نشین تھے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ علماء امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوصاف و درجات کے اعتبار سے چند طبقات پر مشتمل ہوں گے۔ اول طبقہ اہل علم و احسان اور قوت تصدیق والوں کا ہے۔ یہ شبیہ باستعداد نبوت ہے۔ اس طبقہ میں جوہر طبیعت انبیائی کا نمونہ ودیعت ہوگا جو علم و احسان اور حکمت و دعوت و ابلاغ کی صلاحیت سے عبارت ہے ولکنہ شیئ وقر فی قلوبھم کا اختصاص ان کا وصف غالب ہے۔ یہ طبقہ سر دفتر علماء امت قرار پایا جس نے بشہادت قلبیہ علوم و معارف اور داعیۂ نبوت کے حصول سے حظ وافر حاصل کیا۔ دوسرا طبقہ ان شبیہ باستعداد نبوت، اہل علم و احسان کا مقلد و متبع ہوگا۔ اس نے بھی علوم و معارف اور داعیۂ نبوت کو قبول کیا یہ بھی کلاً وعد اللہ الحسنیٰ کی سعادات و درجات سے بہرہ ور ہوگا۔ اول طبقہ مروجہ فضیلت اصالۃً علم و احسان ہے۔ اعمال و اخلاق بالتبع۔ دوسرے میں ان سابقین کی تقلید اور تشابہ والذین اتبعوھم باحسان۔ تیسرا طبقہ اہل تواصل و اہل تراحم کا ہوگا اور چوتھا تصفیہ اور تزکیہ اور ریاضات و مجاہدات کی راہ سے اہل تدابر و اہل تقاطع کا۔ پھر پانچواں طبقہ اذکار و اوراد کے ذریعہ ملکات نفس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ اونچا طبقہ علم ویقین اور قوت تصدیق رکھنے والے شبیہ باستعداد نبوت سے اصالۃً معمور ہونے والوں کا ہے، اعمال بالتبع ہیں یعنی وصف غالب علم ویقین ہے جس کے بعد وہ ملتبس باعمال خیر ہوئے دوسرا ان کے مقلدین و متبعین کا۔ پھر تیسرا جو اول ملتبس باعمال خیر ہوئے پھر حصول یقین ہوا۔ ایک میں قوت اخلاص غالب، دوسرے میں اکثار اعمال کیتۃً زیادہ۔ ایک کو پہلے یقین حاصل ہوا پھر عمل کوش ہوئے، دوسرے عمل کوش ہو کر صاحب یقین بنے۔

حضرت شیخ کا مقام :

یہ سطور کتاب المنقبۃ نہیں اظہار حقیقت ہے اپنے ظن و گمان کی بنا پر کہ شیخ اسی مرتبۂ

علم ویقین واحسان اور صلاحیتِ دعوت وابلاغ کے طبقہ کے لوگوں میں تھے۔ جہاں تک اپنے فہم بے فہم کی پہنچ ہے۔ ایک قرن میں گنے چنے چندہی آحاد اس شان کے ہوتے ہیں ان کا حبِ رسول بھی نمایاں ہوتا ہے۔ یہ ہجرت بھی کرتے ہیں تو اکثر مدینہ طیبہ ہی کی طرف منتہار الیہ ہوتا ہے تو جوار رسول بقیع میں پیوستگی۔ دعا بھی یہی ہوتی ہے تو واجعل موتی فی بلد رسولك اللهم حقق بالزيادة آمالنا واختم بالسعادة آجالنا چنانچہ دیار حبیبؐ میں گھٹنے ٹیک کر بیٹھ رہے اور بالآخر اضطراب واشتیاق کے ساتھ جوار رسول اور اصحاب بقیع میں داخل اور بُعث من الأمنين والوں میں لاحق ہو گئے۔ رحمه الله رحمةً واسعة۔

نزلنا ساعةً ثم ارتحلنا   كذا الدنيا رحال فارتحنا

شیخ چلے گئے کوئی غیر متوقع بات نہیں تھی "وماجعلنا لبشر من قبلك الخلد" قانون الٰہی ہے۔ سلف گئے خلف تیار۔ مگر سوال ہے پسماندگان بے سہارا کا؛ وہ حدیث یاد آتی ہے "انا امنة لاصحابي فاذا ذهبتُ أتى اصحابي مايوعدون واصحابي امنة لامتي فاذا ذهبت اصحابي اتى امتي مايوعدون" اسی طرح بعد کے رجال آخرت صالحین کا اٹھنا حوادث ونوائب کے ارہاصات کے مرادف ہے۔ نئے نئے فتن سامنے آرہے ہیں قلوب ناس میں بار بار رہے ہیں اور قلوب مستعد للقبول مائل بالحاد وارتداد۔ بلا کسی کشمکش کے نفوس میں نفوذ ہو رہا ہے۔ ایسے حالات میں یہ آحادِ امۃ ہی بظاہر ہماری پناگاہیں ہیں جو معظم سواد المسلمین سے ہمیں متصل کیے ہوئے ہیں۔ تقویم حیات جب مضمحل ہوتی ہے تو ان حضرات کے اتباع وتقلید ہی میں خیر اور ثبات و قرار میسر ہوتا ہے۔ "کونوا مع الصادقین" اسی لیے ارشاد ہے، "معنیٔ تقلید ضبط ملت است" عليكم بدين العجائز"۔

حضرت سید احمد صاحب بریلوی قدس سرہٗ کے بعد شیخ کی مقبولیت ومرجعیت پر دل میں آتا تھا ے الٰہی رکھے آباد اں ساقی تری محفل کو۔ افسوس اب یہ بزم ہائے عرفان و احسان ومجالس ذکر اللہ (انما كان مجلسه ذكر الله لا يفتر) سونی ہوتی جارہی ہیں۔ ان کی یادیں تو باقی رہیں گی مگر وہ کہاں؟ "عند مليك مقتدر" سبحان اللہ عجیب دھوم

تھی اس کی اور جل مجدہٗ کا عظیم انعام تھا اس شیخ پر۔

مبارکاً هادیاً للناس محتسباً ۔۔۔ علی الانام بلا منٍ ولا ثمنِ
یلقیٰ الیه رفاق الناس کلهم ۔۔۔ علی الحامل والاقتاب والسفنِ
من الجزیرة ارسالاً متابعةً ۔۔۔ ومن خراسان اهل الریف والمدنِ
ومن حجاز هناك العیر قاصدة ۔۔۔ ومن عراق ومن شام ومن یمنِ
یظل منعفرًا لله مبتهــلاً ۔۔۔ یدعوالا له بقلب دائم الحزنِ

تعمیل حکم میں عرض کر رہا ہوں، خصوصی نمبر کے شایان شان تو ہے نہیں جس میں ایک امام عصر مرجع الکل شیخ کے ذکر اور اس کے سیر و شمائل اور علمی عملی کمالات کی صحیح اور واقعی عکاسی چاہئے جو مجھ سے کم سواد آدمی کے بس کی نہیں۔ ہم جیسوں کو تو اس بزم اذکار و تذکار شیخ میں ادنی شرکت بھی اپنی بساطِ وضاعت کو پھلانگنے کے مرادف ہے۔ گو دوسری جہت سے سعادت بھی ہے۔ بامتثال امر یہ چند سطور حاضر ہیں جس میں نہ مبالغہ اور شاعری ہے نہ کتاب المنقبت۔ معیار سے فروتر ہونے پر۔ جس کا مجھے یقین ہے کہ اپنا موضوع و مشغلہ ہی لکھنا پڑھنا نہیں۔ شامل نمبر نہ فرمائیں بالکل محسوس نہ ہوگا۔ زوائد محسوس ہوں تو حذف و محو پر بھی مجھے اعتراض نہیں۔ ایسے بلند و بالا مشائخ وقت کے احوال و اذکار کی تصویر کشی علما اعلام ہی کا کام ہے خصوصًا جو شیخ سے براہ راست مستفید ہوئے ہوں ان کی خلوت و جلوت کے رازدار و امین ہوں۔ دلاً ہدیًا سمتًا شیخ سے اشبہ و اقرب اور متمسک باخلاق شیخ علی الهدی المستقیم ہوں۔ ہم لوگوں کو تو گونہ تکلف و تزویر کلام سے چارہ نہیں، ویسے دل تو چاہتا ہے کہ اس بزم میں جی کھول کر شرکت کروں مگر "یضیق صدری ولا ینطلق لسانی" مانع ہے اور مخاطبین سے کہوں ؎

مالی اراك قریرا لعین جامدها ۔۔۔ فلیس یبکیك اطلال و اشنام
ماذا وقوفك والاحباب قد ساروا ۔۔۔ یهیج شوقك اذکار و تذکام

اور ہم تو ویسے بھی چشتی الذوق ہیں صوت الدکادِك بالاسحار هیجنی بھی موجب تحرک و تہیج ہے۔ مگر پوری بات کہنے کا ڈھنگ اور سلیقہ بھی تو ہو۔

رشد و اہتدا کے مسند نشین حضرات کا ذکر، ان کے اوصاف ذکیہ کا اتصاف، مقاماتِ قرب ویقین میں ان کے اقدام کا رسوخ، حکایتِ حضور واضطراب، جذب وسلوک کی درمیانی راہِ اعتدال کہ ے بر ندا زرہِ پنہاں بحرم قافلہ را۔ پھر منہاج نبوت پر ان کی زیبا روی ے "آنچناں می رو کہ زیبا می روی" پھر اس کی نشان دہی۔ یہ سب کچھ اس وقت تک ممکن نہیں .. .. جب تک کہ معیار کتاب وسنت پر نظر دقیق و عمیق نہ ہو، دردمندیٔ دل اور ارجمندیٔ فکر نصیب نہ ہو۔ ایک طرف معیار سے وقوف دوسری طرف اس شخصیت کے احوال کا گہرا مطالعہ، پھر معیار پر انطباق کا سلیقہ، تینوں بہم نہ ہوں، بات ناتمام ہی رہے گی۔ ہو سکتا ہے کوئی شخص ان کے خدوخال اور قامت بلند کی سیرت نگارانہ تصویر کشی کر دے مگر ان کے اصل کمال وجمال کی مصوری بن نہیں پڑے گی ے

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید
لیک حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید

طورِ حس سے کبھی بے گانگی نہ ہو، عقل بھی پاسباں رہے، طور قدس بھی مرکز نگاہ و رہبر فکر رہے نہ محسوس پرستی کا کیف آئے نہ عقل کی مطلق العنانی کا پندار، تفکر وتدبر طلب، عبرت خیز حقائق افروز، حکیمانہ آیات کی تلاوت کو "گلوکارانہ نغمہ ہائے سحاب اندر سحاب" تو مثلاً ایک شخص بنا سکتا ہے مگر مخدراتِ سراپردہائے قرآنی کی دلبری اور "دل می پرند پنہانی" کی گہرائی کہاں سے لائے۔ بہر کیف یہ چند سطور معذرت کے ساتھ حاضر ہیں تو دانی حساب کم وبیش را۔

"میں نے زمانۂ طالب علمی میں آپ کو دیکھا اور یاد رکھا" جیسا کہ فرمایا۔ اس میں استعجاب ہی کیا ہے، آپ تو اپنے دور کی تاریخی شخصیتوں میں ہیں جن کا بچپن جوانی بڑھاپا سب ہی ممتاز ہوتا ہے۔ آپ کو بھولنا بڑی ذہنی فروگذاشت ہوتی اب یہ بڑے اٹھتے جا رہے ہیں آپ ہی جیسے حضرات ہمارے اسوہ اور قدوہ ہیں۔ اپنی ادعیہ میں یاد فرمائیں۔

ملفوظاتِ شیخؒ

ایک جدید انتخاب

اہل اللہ کے اقوال و ملفوظات ان کے فوائد و منافع اور تربیت و اصلاح کے لیے ان کی اہمیت سے اُردو قارئین ناآشنا یا نامانوس نہیں ہیں۔

ذیل میں حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ کے ملفوظات کا ایک مختصر مگر نہایت اہم اور مفید مجموعہ پیش کیا جارہا ہے جو ہمیں سورت گجرات کے ایک باتوفیق خاندان کے ایک باتوفیق فرد سے موصول ہوا ہے، جنھوں نے مظاہر علوم سہارنپور میں تعلیم حاصل کی اور حضرت شیخؒ کے زیر تربیت کافی وقت گزارا۔

انھوں نے اصرار کے ساتھ اپنے نام کا اظہار نہ کرنے کی فرمائش کی ہے۔ بہرحال ہم ان کے شکریہ اور ان کے لیے جزائے خیر کی دعا کے ساتھ یہ قیمتی تحفہ انہی کی طرف سے ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کررہے ہیں۔

— سجاد ندوی

- فرمایا۔ معاصی سے نفسِ مرتبہ کے لحاظ سے اونچی چیز ہے مگر رغبت کے ساتھ اجتناب اجر کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے۔
- فرمایا۔ یعلم اللہ راہِ خدا از دو قدم بیش نیست ؎ یک قدم بر نفس خود نہ دگرے در کوئے دوست اس کی شرح میں فرمایا کہ راستہ بہت آسان ہے نفس پر قدم رکھنے کا مطلب صرف یہ نہیں کہ گناہ چھوڑ دے۔ یہ تو ابتدا ہے اصلی قدم تو یہ ہے کہ لذائذ کو، حظوظِ نفس کو تنعات کو چھوڑ دے۔
- فرمایا۔ جس جگہ جو چیز نہیں ملتی اس جگہ اس کی قدر بہت ہوتی ہے مثلاً ہندستان میں انگور کم ہیں۔ ایک مرتبہ ایک جماعت افغانستان کی طرف گئی میں نے اپنی عادت کے مطابق وہاں کے حالات سنے تو ان میں سے ایک صاحب نے کہا کہ وہاں انگور گوشت کے مقابلے میں بہت سستے تھے چنانچہ ہم لوگ جتنے دن وہاں رہے انگور کھاتے رہے اسی طرح بھائی .... صاحب! اللہ کے یہاں عجز و انکساری نہیں بڑائی ہی بڑائی ہے، اس لیے وہاں عجز و انکساری کی بڑی قدر ہے۔
- فرمایا۔ معلوم نہیں کہنے کی بات ہے یا نہیں اس لیے کہ عمل کر کے ظاہر کر دینے سے اس کا ثواب تو جاتا رہتا ہے مگر اس لیے کہہ دیتا ہوں کہ تم میں سے کسی کو فائدہ ہو جائے میرا ثواب پڑا جاتا رہے میں جہاں بھی جاتا ہوں وہاں کے مُردوں کو کچھ نہ کچھ ایصال ثواب ضرور کرتا ہوں۔ بمبئی پہنچتے ہی وہاں والوں کو دو قرآن ختم کر کے ثواب پہنچایا۔
- فرمایا۔ بخل، کفایت شعاری اور قناعت الگ الگ چیزیں ہیں۔ بخل تو یہ ہے کہ خیر کے کاموں میں خرچ کرنے سے رکے۔ کفایت شعاری یہ ہے کہ فضولیات اور لذائذ میں خرچ کرنے سے رکے اور قناعت یہ ہے کہ جو مل جائے اس پر راضی رہے، یہ نہ سوچے کہ فلاں چیز مل جاتی تو اچھا تھا یا فلاں چیز بھی مل جائے۔ ایک صاحب کسی کے یہاں مہمان گئے، انھوں نے اپنی حیثیت کے مطابق جو کی روٹی لاکر رکھ دی۔ ان صاحب نے کہا کہ اگر نمک بھی ہوتا تو کیسا اچھا لگتا۔ میزبان کے پاس نمک نہ تھا، وہ گئے اور کسی کے پاس اپنا لوٹا رکھ کر (بطور رہن) نمک لے آئے۔ مہمان نے کھانا کھاکر

کہا یا اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے ما حضر پر قناعت نصیب فرمائی۔ میزبان بے اختیار بول اٹھا "اگر قناعت ہوتی تو میرا لوٹا رہن نہ ہوتا۔"

- اسم ذات دوضربی کے متعلق فرمایا اگر دل کسی کو دے رکھا ہو تو اللہُ اللہ (ہا معروف) کہے اور اگر اپنے پاس ہو تو اللہُ اللہ (ہا مجہول) کہے ذوق وشوق بڑھانے کے لیے اللہُ اللہ ہے اور وساوس کو قطع کرنے کے لیے اللہُ اللہ ہے معروف ومجہول کی تاثیر علحدہ علحدہ ہے۔
- فرمایا۔ کہ یہ عام تجربہ ہے اور میرا بھی مجرب ہے کہ لوگ کسی اللہ والے کو کسی کام کے لیے دعا کو لکھتے ہیں تو وہ کام ہو جاتا ہے چاہے خط بعد میں پہنچے، غور سے سن! اس کی خاص وجہ ہے وہ یہ کہ اہل اللہ کی دعاؤں کا ایک اہم جزو یہ ہوتا ہے کہ یا اللہ جس کسی نے اپنے حسن ظن سے جو کہ تو نے ہی اس کے اندر پیدا کر رکھا ہے مجھے جس جائز مقصد کے حصول کے لیے دعا کو لکھا یا کہا ہے تو اس کے مقصد کو پورا فرما" اس طرح اللہ تعالےٰ ان کی دعا کی برکت سے کام بنا دیتے ہیں۔
- فرمایا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اجازت دینا بند کر دوں جس کو اجازت دیتا ہوں وہ تو مطمئن ہو کر کام ہی چھوڑ دیتا ہے، اکابر بھی وقت سے پہلے اجازت دینے کے خلاف رہے ہیں لیکن میں نے بہت سوں کو وقت سے پہلے اجازت دے دی شروع میں میں بھی جلدی نہیں کرتا تھا۔ مفتی محمود صاحب کو سب سے پہلے اجازت دی ان کی چالیس سال تک رگڑائی کی مولانا منور صاحب کو بھی بہت دیر میں دی، میرا تجربہ ہے کہ جنکو اجازت دینے میں دیر کی وہ تو کام کے بنے اور جن کو وقت سے پہلے دی وہ نام ہی کے رہ گئے۔
- فرمایا۔ طواف کرتے وقت یہ تصور کریں کہ بیت اللہ شریف پر انوارات نازل ہو رہے ہیں اور وہاں سے چاروں طرف پھیل رہے ہیں اور ہمارے اندر بھی آرہے ہیں ایک صاحب نے پوچھا اگر طواف کے وقت معیت کا استحضار ہو فرمایا کچھ مضائقہ نہیں۔
- فرمایا۔ حسد گندی سے گندی چیز پر آمادہ کر دیتا ہے، اس واسطے سورۂ فلق میں "مِنْ

شرِّ حاسدٍ اذا حسد" حسد سے خاص طور پر پناہ مانگی۔

- فرمایا۔ مقدرات تو اپنی جگہ اٹل ہیں مگر پریشانی تو طبعی چیز ہے، ہوتی ہی ہے۔ لیکن پریشانی کے وقت کی دعا تلاوت اور اذکار بہت وزنی اور قیمتی ہوتے ہیں اس لیے ایسے اہم اوقات کو خوب وصول کرنا چاہیے۔
- فرمایا۔ ہم نے پاک رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کو نہیں پہچانا، ان کی تعلیم کو نہیں پہچانا اور جتنا پہچانا اس پر عمل نہیں کرتے۔
- فرمایا۔ میں روحانی علاج میں ایک شیخ کے مرید کے لیے دوسرے کا شغل مناسب نہیں سمجھا کرتا۔
- ایک صاحب نے پوچھا مدینہ منورہ میں تو شیخ کی ضرورت نہیں؟ وہاں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم خود موجود ہیں، حضرت نے فرمایا کہ ضرورت ہے! طبائع کا اندازہ یہ ہے کہ محسوس سے اثر قبول کرتی ہیں۔
- ایک صاحب نے پوچھا کہ اگر کسی کی کل کی کل دعائیں قبول ہوں تو کیا کوئی آزمائش تو نہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ بہت مبارک فرمائے، اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں بشرطیکہ اس سے عجب و غرور نہ پیدا ہو۔ اس کا خاص طور سے خیال رکھیں کہ شیطان ہر طرح سے آدمی کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔
- فرمایا۔ کام کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے یکسو ہو کر اخلاص سے کام میں لگے رہو مخالفوں سے نہ مناظرہ کرو نہ ان کی باتوں کا جواب دو نہ دینے کی فکر کرو اور نہ محاذ قائم کرو، بس اپنا لگے رہو۔
- فرمایا۔ برابری اور مقابلے کے خیال سے معاشرت اچھی نہیں رہتی چھوٹے بن کر رہنے میں بڑا مزہ ہے۔ من تواضع للہ رفعہ اللہ رفعت حاصل ہونا لازم ہے ہو کر رہے گی۔
- مدرسہ کی ایک حسابی غلطی پر ایک صاحب دفتر میں جاکر خوب خفا ہوئے، ان سے فرمایا تمھیں مدرسہ اور اہل مدرسہ کا احترام اور بڑائی ملحوظ رکھنی چاہئے تھی نہ یہ کہ دفتر میں جاکر برس پڑے نیز تم نے مدرسہ کے حصہ سے کمی کی رقم وضع کی یہ بھی میرے معمول کے خلاف

ہے۔ میرا معمول ایسے موقعوں پر یہ ہے کہ ہمیشہ کمی کی رقم اپنی طرف لگاتا ہوں۔

- فرمایا۔ مدینہ کے قیام کے لیے بڑے اونچے اخلاق کی ضرورت ہے جو ہم میں نہیں ایک بزرگ کو صرف یہ کہنے پر کہ ہمارے یہاں کی دہی میٹھی ہوتی ہے اور یہاں کی کھٹی۔ اخراج کا حکم ہوا تھا کہ وہاں جاکر رہو جہاں کی دہی میٹھی ہے اور ہم پتہ نہیں دن بھر میں کتنی گستاخیاں کرتے ہیں اللہ ہی معاف کرے۔
- فرمایا۔ لوگوں میں کچھ علو شان ہی بہت بڑھ گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی حقیر، فقیر، ناچیز مسکین کے خوشنما الفاظ میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔
- فرمایا۔ تفکرات اور پریشانی میں اللہ تعالیٰ کا پاک نام کثرت سے لینا چاہیئے کہ سکون قلب اور پریشانیوں کے دفعیہ کا سبب ہے۔
- فرمایا۔ تعویذات میں اسمائے الہیہ سے مدد بہت زیادہ مفید ہے اور آخر میں درود شریف سب سے بہترین تعویذ ہے۔
- فرمایا۔ بیعت سے پہلے تو بہت غور و خوض کرنا چاہیئے لیکن بیعت کے بعد تاوقتیکہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب یا بدعت نہ دیکھے ہرگز نہ چھوڑنا چاہیئے۔ پھر فرمایا، بھائی عیب سے کون خالی ہے۔
- فرمایا۔ اپنے آپ کو نااہل سمجھنا تو بہت ضروری ہے، کسی وقت بھی اپنے اندر اہلیت کا شبہ نہ آنا چاہیئے لیکن اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بھی ضروری ہے کہیں کفران نعمت نہ ہو، اپنی نااہلیت کے اظہار سے زیادہ اپنی نااہلیت کا استحضار زیادہ مفید ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص برا کہے یا اپنی شان کے خلاف کوئی معاملہ کرے مثلاً مجمع میں اعزاز و اکرام نہ کرے تو اس پر غصہ نہ آوے نہ دل میں احساس ہو جب تک اس کا احساس اور غصہ آتا رہے گا اس وقت تک اپنی نااہلیت قلبی نہیں زبانی ہے۔
- فرمایا۔ دعائے گنج العرش وغیرہ کتابوں کی اسناد صحیح نہیں، حدیث پاک میں جو دعائیں آئی ہیں ان کو پڑھیں۔

- فرمایا۔ ٹائی پہن کر نماز ہوجاتی ہے مگر کفار کا لباس ہے اس لیے اتار دینا چاہیئے۔
- فرمایا۔ حزب البحر محض برکت کے لیے پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں، اگرچہ احادیث میں جو دعائیں آئی ہیں وہ مشائخ کے نزدیک زیادہ اونچی ہیں۔
- فرمایا۔ کبھی تو علم بہت اچھی چیز تھی اب علم کا نام ذلت ہوگیا، ان مولویوں نے ناک کاٹ رکھی ہے۔

ایک طالب علم کو کسی ناروا فعل کے الزام میں گرفتار کیا گیا اس کی رہائی کے بعد اس سے فرمایا کہ اگر واقعی یہ سچ نہیں ہے اور خدا کرے کہ سچ نہ ہو تو مسلمانوں پر ظلم ہو ہی رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے گا اور اگر یہ سچ ہے تو تو نے تین ظلم کیے۔ (۱) اسلام پر (۲) مدرسہ پر (۳) اہل علم پر

- فرمایا۔ مشائخ سے ان کی گفتگو سے زیادہ فائدہ ان کے سکوت سے ہوا کرتا ہے کانوں کی بہ نسبت دل کی مشغولی بہت زیادہ مفید اہم اور کارآمد ہے۔
- فرمایا۔ اصل سلوک اتباع سنت ہے عبادات میں عادات میں، اخلاق میں۔
- فرمایا۔ جن لوگوں کا کاروبار سودی ہو اگر ان کی آمدنی سود کے علاوہ بھی ہو تو دعوت اور ہدیہ میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر ساری آمدنی سودی ہو تو بالکل بھی جائز نہیں۔
- فرمایا معمولی درجہ کی بدعات ایسی نہیں ہوتیں جس سے فسخ بیعت کیا جاوے، البتہ اونچے درجات کی ایسی ہوتی ہیں جن سے فسخ بیعت کیا جاوے بلکہ فسخ ضروری ہے۔
- فرمایا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سگریٹ کے ساتھ اکثر نہیں ہوا کرتی۔
- فرمایا۔ جس بچے کا حمل نماز کے وقت کی صحبت سے ہو وہ عاق ہوتا ہے، یہی علماء نے لکھا ہے۔
- فرمایا قرض کے لیے اللھم اغننی بحلالک عن حرامک وبفضلک عمن سواک روزانہ ستر مرتبہ اوّل آخر درود شریف سات مرتبہ جمعہ کے دن خاص طور سے عصر اور مغرب کے درمیان پڑھنا اور دوسرے دنوں میں جب بھی ہو بہت مفید ہے۔
- فرمایا۔ درود شریف کی کثرت ردّ بدعت کے لیے بہت ہی مفید اور مؤثر ہے۔

- فرمایا۔ کبر، نخوت، شہرت، حب جاہ، حب مال یہ سب امراض ہیں اوران سب کو بہت اہتمام سے دور کرنے کی ضرورت ہے، اس لیے ہمیشہ مشائخ کی قدیم عادت یہی رہی کہ پہلے مجاہدات سے برے اخلاق وامراض دور کرتے تھے پھر ذکر شغل بتاتے تھے، لیکن حضرت مجدد صاحبؒ، حاجی امداداللہ صاحب، حضرت گنگوہیؒ کے یہاں اس کا زیادہ اہتمام رہا کہ شروع ہی سے اوراد واذکار کی پابندی کرائیں کہ اس کی برکت سے اخلاق بھی درست ہوجاتے ہیں۔
- فرمایا۔ دربدر مانگنے میں ذلت ہوتی ہے یہ بالکل صحیح ہے لیکن یہ ذلت اپنی ذات کے لیے ہوتب تو بہت بے جا ہے لیکن اگر اخلاص کے ساتھ اللہ کے کام کے لیے ہو تو انشاءاللہ موجب اجر ہے۔
- فرمایا۔ کسی شخص کو اس کی معذوری کی تحقیق کیئے بغیر مجرم قرار دینا، یہ الزام ہے اور "الاعتدال[1]" اس کا بہترین علاج ہے۔
- ایک صاحب نے پوچھا کہ بعض لوگ کسی اچھے یا برے کام کو بڑے زور سے شروع کرتے ہیں پھر جب حصول مقصود قریب ہوتا ہے تو بعض تو لگے رہتے ہیں، بعض سرد ہوجاتے ہیں، جواباً فرمایا ابتدا میں تو جذبہ ہوتا ہے پھر طبیعت غالب آجاتی ہے مناسبت والے لگے رہتے ہیں عدم مناسبت والے چھوڑ دیتے ہیں۔ کل میسر لما خلق لہٗ پھر قدرے سکوت کے بعد فرمایا ہر کسے بہر کارے ساختند ؂
- ایک صاحب نے عرض کیا کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت رائے پوریؒ کی نسبت خاصہ حضرت حافظ عبدالعزیز صاحب گمتھلوی کی طرف منتقل ہوئی ہے۔ فرمایا مجھے علم نہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت حافظ صاحب میں بعض خوبیاں ایسی ہیں گویا حضرت رائے پوریؒ کا نقش ہیں۔ اس کے بعد ان صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں نے کل دوپہر تو خواب میں یوں دیکھا کہ کبھی آپ تشریف فرما ہوتے کبھی حضرت رائے پوری نظر آنے لگتے کبھی

---

[1] یہ اشارہ حضرتؒ کی تصنیف "الاعتدال فی مراتب الرجال" کی طرف ہے۔

پھر آپ معلوم ہوتے۔ فرمایا، یہ غایت تعلق ہے اور کچھ نہیں۔

- فرمایا۔ بزرگوں کی نسبت کبھی ایک کی طرف منتقل ہوتی ہے کبھی متعدد کی طرف، البتہ نسبت خاصہ ایک ہی کو ملتی ہے۔
- ایک صاحب نے جنھیں تحقیق وتنقید کی بہت عادت ہے پوچھا کہ حضرت کیا بزرگوں کی آنکھیں نہیں ہوتیں جو وہ ایک چیز کو اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور پھر کوئی اس کے خلاف کان بھرے تو باور کر لیتے ہیں۔ فرمایا کہ اصل بات یہ ہے کہ وہ کسی مومن کو جھوٹا نہیں سمجھتے، اسی لیے محدثین کے یہاں صوفیا کی روایت معتبر نہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے کسی نے شکایت کی کہ فلاں شخص جو آپ کے یہاں کا قدیمی حاضر باش ہے داڑھی منڈاتا ہے جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ بھائی بہت بری بات ہے تم داڑھی منڈاتے ہو اس نے کہا حضرت میرے تو نکلی ہی نہیں ہے (حالانکہ خوب لمبا تڑنگا عمر رسیدہ تھا اور داڑھی کا منڈا ہونا خوب واضح تھا) جب وہ شاکی آئے تو آپ نے فرمایا کہ بھائی تم کسی مومن پر تہمت باندھتے ہو بہت بری بات ہے، وہ تو کہتے ہیں میرے نکلی ہی نہیں ہے۔ پھر فرمایا۔ میرے پیارے باتوں سے کچھ نہیں ہوتا نہ تحقیقات میں کچھ رکھا ہے، نہ تنقیدات میں کچھ دھرا ہے، کہاں تک تحقیق وتنقید کئے جائے گا۔ اب تو کچھ کرلے۔ جو اررسول خدا نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے دنیا کی فکر چھوڑ دے، اپنی فکر کرلے۔

فرمایا۔ طالب علم کے لیے نہایت اہم پرہیز تعلقات کی کمی ہے دوستوں سے تعلقات علم کے لیے اور طلب علم کے لیے سم قاتل ہیں۔ اساتذہ کے احترام میں جہاں تک ہو سکے کمی نہ ہو کہ اساتذہ کی بے احترامی سے علم کی برکت سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔

فرمایا۔ مجھ سے جس کا بیعت کا تعلق ہے اس کو تسخیر کے عمل کرنے کی میری طرف سے کوئی ممانعت نہیں، مگر میں تسخیر کے عمل کا سخت مخالف ہوں اور اس سے اپنے دوستوں کو روکتا ہوں جس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک اس عمل کا سکھانے والا ماہر اور کامل نہ ہو اس وقت تک ناقص سے سیکھنے میں یا کتابیں دیکھ کر سیکھنے میں خطرات زیادہ

ہیں اور ظاہر ہے کہ جو شخص شیر کے شکار کا ماہر نہ ہو وہ شیر پر گولی چلائے تو کیا حشر ہوگا۔

- فرمایا۔ اجتماعات، اختلاط سے قلب ضرور متاثر ہوتا ہے۔ اس کے علاج مشائخ نے مختلف تجویز کئے ہیں، اعتکاف بھی مفید ہے اور اس سے زیادہ مفید اکابر کی صحبت ہے۔
- فرمایا۔ جب خشیت نہیں تھی تو خوب طواف کئے خوب کعبہ کے پردوں سے چمٹے اور جب خشیت آئی تو دور سے ہی خانہ کعبہ کو دیکھنا پڑ رہا ہے، اللہ کی شان ہے کہ حرم کعبہ میں ہوتے ہوئے حجر اسود کو جی بھر کر چومنے سے محروم ہیں۔
- فرمایا اپنی زبانوں کی بہت حفاظت کریں۔ حدیث پاک میں آیا ہے آدمی زبان سے ایک لفظ نکالتا ہے جس کی اس کو پرواہ بھی نہیں ہوتی کہ کیا کہا بہت سرسری سمجھتا ہے مگر اس لفظ کی وجہ سے وہ جہنم کے آخری طبقہ میں پھینک دیا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید اللہ کے دو سی آئی ڈی ہروقت آدمی کے ساتھ رہتے ہیں جو ہر چیز لکھتے ہیں۔ ان کا لکھا سب دفتر موجود رہتا ہے جس کی کوئی تغلیط بھی نہیں کر سکتا نہ اس کو کوئی جھٹلا سکے۔

قصیدۂ بردہ سنتے ہوئے فرمایا عشق بہت مبارک چیز ہے، اگر کسی کو ہو جائے۔ بس جگہ غلط نہ ہو۔

- فرمایا۔ موثر حقیقی کا اعتقاد تو ہر مسلمان کو ہونا چاہیئے۔ میرا معاملہ یہ ہے کہ دوا علاج یا تو میں تعمیل امر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کرواتا ہوں یا دوسروں کی خاطر میں۔ باقی ان دواؤں سے ہوتا ہواتا کچھ نہیں۔
- ایک صاحب نے عرض کیا کہ ... صاحب پوچھتے ہیں کہ ہمارے عیوب کا پتہ نہیں تو چلتا نہیں اس لیے حضرت ایسے عیوب کی وضاحت فرما دیں جو اس راہ میں خاص طور سے رکاوٹ بنتے ہوں۔ فرمایا، بھائی مجھے خود اپنے عیوب معلوم نہیں ہوتے، چندے سکوت کے بعد فرمایا۔

مرا شیخ دانائے مرشد شہاب دو اندرز فرمودہ بر روئے آب

یکے آنکہ درجمع بدبیں مباش　　　دوم آنکہ درنفس خود بیں مباش

- ایک دن طواف سے فارغ ہوکر قاضی عبدالقادر صاحب کو معلوم کیا پتہ چلا کہ لیٹے ہوئے ہیں ان کے آنے پر فرمایا قاضی جی! کیا تھک گئے پھر خدام سے فرمایا، سنو بے لونڈو!

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر　　　انھیں کے اتقا پہ ناز کرتی ہے مسلمانی
جو جائیں اپنی خلوت میں تو جلوت کا مزہ آئے　　　جو آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخندانی

- ایک دن بڑے سوز و رقت سے فرمایا ؏

مرا دردیست اندر دل چومی گویم زباں سوزد۔
اگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد۔

- ایک صاحب کے ہندوستان کے حالات دریافت کرنے پر فرمایا۔ ؏

سراسر دل دکھانا ہے کوئی ذکر اور ہی چھیڑو۔
پتہ خانہ بدوشوں سے نہ پوچھو آشیانے کا

- ایک قریبی عزیز کو ہندوستان کا حال زار بتاتے ہوئے فرمایا ؏

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
یہ جو ہے خراب تیرا ہی گھر نہ ہو

- ایک صاحب نے ہندوستان سے دوران قیام مدینہ خط لکھا جس میں سہارنپور کے حالات دگرگوں اور مسلمانوں کے تفرقے اور انتشار کی خبریں لکھیں تو فرمایا ؏

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھا لیا
اس کی بلا سے بوم رہے یا ہما رہے

- ایک خادم سے جو زیادہ سوتے تھے فرمایا ؏ جو ہو فرقت کی بیتابی تو یہ خواب گراں کیوں ہو۔ قدرے توقف کے بعد فرمایا۔

جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سائے تلے
عمر بھر سویا کرے گا خاک کے سائے تلے

- ایک خادم نے جب انتہائی مسکین صورت بنا کر معافی چاہی اپنے کسی جرم کی درآنحالیکہ

حضرت کے بہت چہیتے تھے تو فرمایا ؎

روزِ محشر اس کا دامن چھوڑ ہی دینا پڑا
دیکھ کر اتنا کہ منہ اترا ہوا قاتل کا تھا

- ایک صاحبزادہ صاحب کو اپنے والد بزرگوار کی خدمت سے فیض حاصل کرنے کی طرف توجہ دلانے کے لیے یہ شعر تحریر فرمایا ؎

یہی دن ہے دعائے لو کسی کے قلب مضطر کی
جوانی آ نہیں سکتی مری جاں پھر نئے سرے سے

- ایک سفر کا نظام بنتے ہوئے ایک صاحب نے کہا کہ اس جگہ کو تو حضرت کا بھی جی چاہتا ہوگا۔ فرمایا ؎ ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی ۔ کچھ توقف کے بعد مکمل شعر دہرایا۔ ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی   اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

- ایک خادم روٹھ کر چلے گئے اور کئی روز نہ آئے تو ان کا حال دریافت فرمایا، کسی نے بتایا کہ وہ کہہ رہے تھے اب نہیں آؤں گا۔ فرمایا ؎

کچھ وہ کھنچے کھنچے سے رہے کچھ ہم کھنچے کھنچے
اسی کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

پھر جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا ؎

نہ ملے گا نہ ملے گا کوئی ہم مر نہ جائیں گے
خدا کا شکر ہے پہلے محبت آپ نے کم کی

پھر فرمایا ؎

تمھاری جو ہم بن گزرتی ہے خوش   ہماری بھی تم بن گزر جائے گی
طبیعت کو ہوگا قلق چند روز   بہلتے بہلتے بہل جائے گی

- ایک لاڈلی نواسی کو کسی چیز کے عنایت فرمانے پر جب اس نے حسب عادت ناز و نخرہ کیا تو اصرار کرتے ہوئے فرمایا ؎

ہے یہی شرط وفاداری کہ بے چون وچرا
تو مجھے چاہے نہ چاہے میں تجھے چاہا کروں

- ایک صاحب سے فرمایا جو تنقید واعتراض کے بہت عادی ہیں ع

کہاں تک روئے گا اے جینے والے مرنے والے کو
کچھ اپنی فکر کرلے تو پرائے غم سے تو فرصت نہ ہوگی

- ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کا نظام سفر کچھ پتہ نہیں چلتا، حضرت کچھ صاف بات نہیں فرمادیتے؟ فرمایا ع

گر خاموشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنا محال ہے

- ایک خاص متعلق کو قیام مدینہ کے دوران تحریر فرمایا ع

باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل
اب کہاں لے جائیں یارب ایسے دیوانے کو ہم

"کچا گھر" مشترک پلیٹ فارم:

اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الحدیث کو یہ خصوصیت بھی عطا فرمائی تھی کہ ملک کی آزادی سے پہلے مختلف سیاسی مسلک رکھنے والے اکابر سے ان کا یکساں تعلق تھا، یہ حضرات جب سہارنپور آتے تو عموماً حضرت شیخ کے مہمان ہوتے اور قیام فرماتے۔ ان میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی تھے۔ شیخ نے ان کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ۔

"ان کا مشہور مقولہ تھا کہ کچا گھر (یعنی میرا گھر جو اس زمانے میں بالکل کچا تھا اور اسی نام سے اب تک مشہور ہے) مشترک پلیٹ فارم ہے، ساری گاڑیاں اسی پلیٹ فارم سے گزرتی ہیں، لیگ کی ہو یا احرار کی ہو، کانگرس کی ہو یا جمعیت کی ہو۔" (آپ بیتی نمبر ۴ صفحہ ۶۳)

مکتوبات شیخ

ملفوظات کے بعد اب قارئین کرام مکتوبات شیخ ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت شیخ کے مکتوبات ہزاروں کی تعداد میں دنیا بھر میں اہل تعلق کے پاس محفوظ ہیں ہمارے سامنے بھی مکتوبات کا بہت بڑا ذخیرہ تھا، لیکن اس نمبر کی محدود گنجائش کے پیش نظر ہم نے چند مکتوبات کا انتخاب کیا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے اور ہر کلام خیر سے حقیقی فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے ــ مرتب

---

(۱)

"پہلا مکتوب کلکتہ کے ایک صاحب کے خط کے جواب میں ہے جس میں انھوں نے اپنی کچھ پریشانیوں اور تکلیفوں کی شکایت کی تھی، اس مختصر سے مکتوب میں پریشانیوں کے اسباب اور ابتلاء کے وقت ایمانی طرز عمل کی پوری وضاحت آگئی ہے۔"

ولیبلونکم بشیٔ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات الآیۃ۔ عزیز گرامی قدر و منزلت عافاکم اللہ بعد سلام مسنون و ادعیۂ صالحہ تمھارا پریشانیوں کا خط پہنچا، ان حالات سے جو تم نے لکھے رنج و قلق فطری اور طبعی چیز ہے اور ہونا چاہیے اور نہ صرف تمھیں بلکہ تم سے تعلق رکھنے والے سبھی کو ہونا ضروری ہے اور خاص طور

سے یہ ناکارہ تمھارے والدصاحب کے احسانات کا دبا ہوا ہے، اس لیے فطرۃً بھی رنج ہوا اور میرے لیے تو شرعًا بھی رنج ضروری ہے۔

لیکن تمھارے خط میں ایک بات ہے کہ "ہم نے کسی کا حق نہیں مارا، کسی پر ظلم نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔ پھر یہ دمادم نقصانات کیوں ہو رہے ہیں، میری عقل کام نہیں دیتی"۔ اس میں دو امر قابل لحاظ ہیں اولاً یہ کہ آدمی کو اپنی غلطیوں پر کبھی احساس نہیں ہوا کرتا، یہ دعویٰ کہ کسی پر ظلم نہیں کیا گیا، کسی کی حق تلفی نہیں کی گئی وغیرہ وغیرہ۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو اور تمھارے والدصاحب کے معاملات کی وجہ سے قوی امید یہی ہے لیکن اس کے باوجود آدمی کو کسی وقت اپنے کو خطا اور قصور سے بری نہ سمجھنا چاہیے۔ اللہ جل شانہٗ کی پاک بارگاہ میں قصوروں کے اعتراف کے ساتھ ساتھ گناہوں سے توبہ اور اندرون دل سے معافی کی درخواست کرتے رہنا چاہیے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم تک سے یہ دعا نقل کی گئی ہے کہ یا اللہ جس بندہ کو مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو یا میں نے اس کو کچھ برا بھلا کہا ہو یا مارا ہو تو تو مجھے تو معاف فرما اور اس کو اس کے لیے مغفرت اور رحمت کا سبب بنا۔ جب سید الکونین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے متعلق یہ دعا کرتے رہتے ہوں تو میرا یا تمھارا کیا منہ ہے کہ کہیں کہ ہم نے کسی پر زیادتی نہیں کی یا حق تلفی نہیں کی۔

اس کے علاوہ اگرچہ عام قاعدہ یہی ہے کہ اپنی بداعمالیاں پریشانیوں کا سبب ہوا کرتی ہیں۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے ما اصاب من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم الآیۃ لیکن یہ کلیہ نہیں، اگر یہ کلیہ ہوتا تو پھر انبیاء عظام اور اولیاء کرام کو فقر و فاقہ اور پریشانیاں نہ ہوتیں، حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے "اشد الناس بلاءً الانبیاء ثم الامثل فالامثل" کہ بلائیں سب سے زیادہ انبیاء پر آتی ہیں پھر جو افضل ہو اور ان کے بعد جو افضل ہو۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے آپ سے محبت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھ کیا کہہ، انھوں نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے آپ سے محبت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر فقر کے لیے تیار رہو، اس لیے کہ مجھ سے محبت رکھنے والوں کی طرف فقر اتنی زور سے دوڑتا ہے جتنا پانی نیچے کی طرف زور سے چلتا ہے۔ اس لیے یہ

سمجھ لینا کہ پریشانیاں وغیرہ ہمیشہ سزا ہی ہوتی ہیں صحیح نہیں ہے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ آپ کے والد کے اعمال حسنہ میری نگاہ میں بہت زیادہ ہیں اس لیے رفع درجات کے لیے یہ بھی ایک ابتلاء ہے جو وقتی ہے انشاء اللہ جاتا رہے گا۔ گھبرانا تو ہرگز نہ چاہیئے البتہ دعا سے دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ اللہ جل شانہٗ سے تنہائی میں خوب مانگتے رہنا چاہیئے، اپنی کسی تدبیر پر یہ اعتماد ہرگز نہ چاہیئے کہ فلاں تدبیر ضرور کارگر ہوگی۔ تدابیر صرف اسباب کا درجہ ہیں۔ ان میں اثرات پیدا کرنا اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری بہت مدد فرمائے۔ یہ خیال بھی نہ کرنا چاہیئے کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوئی۔ دعا بہت اہتمام سے مانگنا چاہیئے اور یہ بھی یقین رکھنا چاہیئے کہ دعا ضرور قبول ہوتی ہے لیکن اثر بعض دفعہ دوسری صورت میں ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ احادیث میں یہ مضمون کثرت سے آیا ہے۔ درود شریف کی کثرت بلا لحاظ تعداد مکارہ سے حفاظت اور مقاصد میں کامیابی کے لیے بہت مفید اور مجرب ہے خود بھی اہتمام کریں اور احباب و متعلقین کو بھی تاکید کریں۔ فقط

۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۰ھ

(۲)

[ایک مکتوب کلکتہ سے آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ یہاں دو گروہوں میں قیام اور عدم قیام کا جھگڑا اسی پر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ناظر ہیں یا نہیں اور فضائل درود واقعہ ۲۷ میں علامہ سخاوی نے ابوبکر بن محمد سے جو واقعہ نقل کیا ہے اس میں الفاظ درود صلی اللہ علیک یا محمد حرف خطاب و ندا کے ساتھ ہے جو حاضر کے لیے بولا جاتا ہے تو اس درود کا پڑھنا جائز ہوگا کہ نہیں کیونکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر نہیں ہیں۔ بمعناہ۔ ذیل میں جو مکتوب شیخ نقل کیا جا رہا ہے وہ اسی خط کے جواب میں تحریر فرمایا گیا تھا۔]

عنایت فرمائیم سلمہٗ بعد سلام مسنون عنایت نامہ پہنچا آپ کا اشکال میری سمجھ میں نہیں آیا اس لیے فضائل درود میں جو درود صلی اللہ علیک یا محمد ہے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ حاضر بتایا گیا ہے اور نہ اس کا کوئی شبہ ہو سکتا ہے جبکہ احادیث میں کثرت سے یہ مضمون

ہے کہ جب کوئی شخص غائبانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے تو فرشتے اس درود کو فوراً پہنچا دیتے ہیں اور درود شریف بھیجنے والے کا اور اس کے باپ کا نام بھی لیتے ہیں۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ ڈاک کے خطوط میں کوئی شخص کسی کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ لکھے حالاں کہ لکھنے والے کے ذہن میں یہ واہمہ بھی نہیں ہو سکتا کہ جس کو خط لکھ رہا ہے وہ اس کے پاس موجود ہے۔ اسی طرح سے خطوط میں جو الفاظ لکھے جاتے ہیں کہ آپ بہت یاد آرہے ہیں آپ کی خدمت میں فلاں چیز بھیج رہا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ یہاں ان کو حاضر و ناظر کوئی نہیں سمجھتا اور بریلویوں سے جھگڑا یا رسول اللہ کے لفظ پر نہیں بلکہ اس خطاب کے وقت قیام پر ہے کہ وہ اعتقاداً اعلاناً یہ سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مجلس میں تشریف فرما ہیں اس لیے قیام کرتے ہیں۔ دیگر اہل علم سے بھی تحقیق کرلیں۔ اکابر کے کلام میں اس قسم کے الفاظ کثرت سے ملیں گے۔ اسی رسالے میں ملا جامی کے اشعار میں ترحم یا نبی اللہ کا لفظ ہے اور بھی بہت کثرت سے الفاظ ملیں گے مگر کوئی حاضر ناظر نہیں سمجھتا۔ فقط

۲۳ صفر سنہ ۹۰ھ

(۳)

ذیل میں ایک مکتوب کا اقتباس نقل کیا جا رہا ہے جس میں حضرت شیخؒ نے تقریبات نکاح شرعی طور پر منعقد کرنے کی ترغیب دی ہے۔

.... مختصر یہ کہ لوگوں کی طعن تشنیع کی ہرگز پرواہ نہ کرنا مقامی لوگوں کی دعوت وغیرہ کا ہرگز اہتمام نہ کرنا۔ البتہ آنے والے مہمانوں کا معزز اکرام کرنا اور مقامی لوگوں میں جو شخص کوئی فقرہ کسے اس کی پرواہ نہ کرنا۔ تفصیلات تو بہت لمبی ہیں، سب کے لکھنے کے لیے تو بہت بڑا دفتر چاہیئے۔ حدیث پاک میں بھی آیا ہے کہ بابرکت نکاح وہ ہے جو بہت آسان ہو دلھن کے کپڑوں میں بھی زیادہ زور نہ دکھلانا، ایک دو جوڑے باقی معمولی، البتہ زیور ایسا کہ جس میں گھڑائی کا زیادہ خرچ نہ ہو مالیت زیادہ ہو تو میں مخالف نہیں، ایسے زیوروں کا مخالف ہوں جن میں گھڑائی بہت ضائع ہو، لوگ طعن و تشنیع کو کسی حال میں نہیں چھوڑتے، لہذا اس کی بالکل پرواہ نہ کرنا۔ قرض سے جہاں تک ہو بچنے کی کوشش کرنا۔ اللہ تعالیٰ تمھاری بہت مدد فرمائے۔

تمھیں معلوم ہے کہ مہمانوں کا ہجوم اس ناکارہ کے یہاں کتنا رہتا ہے لیکن شادی کے نام سے یا ولیمہ کے نام سے کبھی کسی کی دعوت نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ بہت مبارک فرماوے باحسن وجوہ تکمیل فرماوے۔"

(۴)

[ایک صاحب کو ان کے نکاح پر تہنیتی مکتوب ارسال فرمایا، جو درج ذیل ہے۔]

عزیزم سلّمہ بعد سلام مسنون محبت نامہ متضمن بنوید جاں فزا تقریب نکاح پہنچ کر موجب مسرت ہوا۔ اللہ تعالیٰ زوجین میں محبت عطا فرما کر اولاد صالح عطا فرمائے۔ اس مبارک تقریب کو والدین اور برادران کے تعلق میں قوت کا سبب بنائے کمی کا سبب نہ بنائے۔ اہلیہ کو خاص طور سے سلام مسنون و مبارکباد کے بعد کہہ دیں کہ دین و دنیا کی سعادت اور تعلقات کی خوشگواری اس میں ہے کہ شروع ہی میں خاص طور سے سسرال والوں کے ساتھ بہت زیادہ نیازمندی اور دلداری اور خدمت کا اہتمام کیا جاوے۔ یہ ہمارے اپنے گھروں کا خاص طریقہ ہے۔ شروع میں جو لڑکیاں سسرال والوں کے ساتھ چھوٹی بن کر رہتی ہیں وہ ان سب کے قلوب کو اپنی طرف مائل کر لیتی ہیں اور جو شروع میں ذرا نازونخرے سے رہتی ہیں وہ دلوں سے اتر جاتی ہیں۔ اس کا خیال رکھیں۔"

(۵)

ایک تعزیتی مکتوب:

"اسی وقت گرامی نامہ متضمن بہ حادثۂ جانکاہ پہنچ کر موجب رنج و قلق و اضطراب ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مقدرات اپنی جگہ اٹل ہیں جو آیا ہے جانے ہی کے واسطے آیا ہے۔ اللہ جل شانہ مرحوم کی مغفرت فرما کر اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرماوے۔ پسماندگان کو خصوصاً آپ کو صبر جمیل اجر جزیل عطا فرماوے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو بہت بلند درجے عطا فرمائے۔ دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔ مرحوم نے جو تکلیف اٹھائی اس کا بھی بہترین بدلہ عطا فرماوے۔ جہاں تک رنج و قلق کا تقاضہ ہے فطری چیز ہے مگر اس سے نہ جانے والے کو کوئی فائدہ ہے نہ رہنے والوں کو۔ اس اہم وقت میں جو کچھ بھی ایصال ثواب جانی یا مالی کیا جاوے وہ بہت قیمتی

ہوتا ہے اس لیے کہ اس وقت طبیعت دنیا سے متنفر ہوتی ہے آخرت کا استحضار اور قبر کی منزل کا خیال لگا ہوا ہوتا ہے۔ اس لیے جو کچھ بھی صدقہ کیا جاوے یا پڑھا جاوے بڑا کارآمد اور قیمتی ہوتا ہے۔" فقط

(۶)

[ایک مکتوب میں حضرت نے معمولات کی پابندی کی سخت تاکید فرمائی۔ اس کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمایا جائے]

"معمولات کی پابندی احوال کی تبدیلی کے لیے لازم ہے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ تعالےٰ کا پاک نام بغیر اثر کیے رہ جائے، البتہ تبدیلی کا احساس دیر میں ہوا کرتا ہے۔ قلب پر جتنی زیادہ کدورت ہوگی اتنا ہی اثر دیر میں محسوس ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا پاک ذکر قلب کی صفائی کا واحد ذریعہ ہے۔ کپڑے پر میل کم ہوتا ہے تو جلدی صاف ہوجاتا ہے اور جتنا زیادہ میل ہوتا ہے اتنی ہی دیر میں صفائی ہوتی ہے اس لیے اثر محسوس ہو یا نہ ہو معمولات کی پابندی بہت اہتمام سے کرتے رہیں۔ آپ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ زیارت حرمین شریفین کے سوا چارہ نہیں۔ یقیناً حرمین شریفین کی زیارت موجب برکات و ترقیات ہے اور اسباب مساعد ہوں تو ضرور ارادہ کریں لیکن قلب کی صفائی جتنی اللہ کے ذکر سے ہوتی ہے اتنی کسی چیز سے نہیں ہوتی۔ اللہ جل شانہٗ کا پاک نام چاہے جتنی غفلت سے لیا جائے اثر کیے بغیر نہیں رہتا۔ معمولات کی پابندی ترقی کا زینہ ہے۔ جتنا ہوسکتا ہے اس میں کسر نہ چھوڑنا چاہیے۔ یہ چیزیں روحانی غذا ہیں، اور ان کا ترک روح کی ضعف کا سبب ہے اور ان کی پابندی روح کی قوت کا سبب ہے۔ جیسا کہ مادی غذاؤں میں اگر کوئی شخص بیماری کی حالت میں غذا چھوڑتا ہے تو ہر شخص سر ہوجاتا ہے کہ کچھ نہ کچھ ضرور کھالو ورنہ ضعف ہوجائے گا۔ یہی حالت روحانی غذا کی ہے بالکلیہ ترک نہ ہونا چاہیے۔ اگر مجبوری سے کمی ہوجائے تو مضائقہ نہیں ہے۔"

(۷)

مؤرخہ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۱ مئی ۱۹۷۱ء بروز جمعہ بعد عصر اقدام عالیہ میں مولانا ہارون صاحب صاحب زادہ مولانا انعام الحسن صاحب دامت برکاتہم

کو بیعت کی اجازت مرحمت فرماکر مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب سے مندرجہ ذیل مکتوب لکھوایا۔

مکرمان محترمان مولانا انعام الحسن صاحب مولانا الحاج علی میاں و مولانا منظور نعمانی صاحبان، مولانا معین الدین صاحب اور مفتی محمود حسن صاحب مد فیوضکم۔ بعد سلام مسنون تبلیغی مصالح کی بنا پر آج ۲۶ ربیع الاول سنہ ۹۱ھ اقدام عالیہ میں عزیز ہارون کو میں نے توکلاً علی اللہ بیعت کی اجازت دی ہے، البتہ دینی مصلحت اور تبلیغی مصلحت کی بنا پر اس کو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ مولانا انعام الحسن صاحب کی حیات میں نظام الدین یا میوات میں کسی کو بیعت نہ کرے۔ حب جاہ اور حب مال سے بہت زیادہ احتراز کرے۔ اہل دنیا سے ان کی دنیاوی وجاہت کی وجہ سے تعلق نہ رکھے۔ دینی مصالح کی بنا پر اجازت میں تقدیم و تاخیر اکابر سے بھی منقول ہے اور بیک وقت کئی مشائخ کا ایک جگہ موجود ہونا بسا اوقات موجب ترقیات بھی ہوا تھانہ بھون میں حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب، حضرت حافظ محمد ضامن صاحب، حضرت مولانا شیخ محمد صاحب بیک وقت ایک ہی مسجد میں مقیم رہے۔ اور حضرت شیخ الہندؒ اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دارالعلوم میں بیک وقت موجود رہے۔ یہ ناکارہ اور مولانا اسعد اللہ صاحب ان کی خلافت کے بعد سے مظاہر علوم میں موجود رہے۔ میرا خیال ہے ہم دونوں کا بیک وقت موجود ہونا دونوں کے لیے موجب ترقی بنا، چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کے بعد عزیز مولانا یوسف صاحب اور قاری رضا صاحب رحمہم اللہ اور مولانا انعام الحسن صاحب اور حافظ مقبول صاحب کا بیک وقت نظام الدین میں قیام رہا۔ میری دعا ہے کہ اللہ جل شانہ ان دونوں عزیزوں کے بیک وقت قیام کو بھی دونوں کے لیے موجب ترقیات بنائے لیکن زمانہ فساد کی طرف دوڑ کر چل رہا ہے۔ اس لیے میں نے عزیز ہارون کو یہ کہہ دیا ہے کہ مولانا انعام الحسن صاحب (اللہ انھیں تادیر زندہ سلامت رکھے) کی حیات میں نظام الدین اور میوات میں کسی کو بیعت نہ کرے۔ اگرچہ مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں لوگ مولانا انعام الحسن صاحب سے بیعت ہوتے رہے ہیں۔

چونکہ اس ناکارہ کو بھی اپنی زندگی کا اعتبار نہیں ہے اس لیے تم دوستوں کو بھی اس کی اطلاع کر دیتا ہوں۔ نیز میرے جستی تنکے میں چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کا وہ عمامہ ہے جو مجھے

بیعت کے لیے دیا تھا اسے عزیز ہارون کے حوالے کر دیا جائے کہ یہ بیکار تو اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکا۔ اللہ تعالیٰ عزیز موصوف کو اس سے تمتع نصیب فرمائے۔

اس تحریر کی ایک نقل عزیز مولوی احسان الحق کو رائے ونڈ اور ایک عزیز مولوی عبدالرحیم متالا کو بھیج دی جائے۔ فقط والسلام

حضرت اقدس شیخ الحدیث صاحب مدفیوضہم
بقلم عبدالحفیظ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ

(۸)

[ایک مدرسہ کے ذمہ دار کے نام ایک مکتوب میں شیخؒ نے ۱۰ انتہائی ضروری اصولی ہدایات تحریر فرمائی تھیں۔ مدارس اور دوسرے اجتماعی کاموں کے ذمہ دار حضرات کے لیے یہ مکتوب خاص طور پر مفید ہوگا۔]

امن تذکر جیران بذی سلم مزجت دمعا جری من مقلة بدم
أم هبت الریح من تلقاء کاظمة واومض البرق فی الظلماء من اضم

عزیز گرامی قدر صاحب بعد سلام مسنون تمہارے خط نے مدرسہ کی یاد ایسی بھڑکائی کہ تھوڑی دیر کو تو بے چین کر دیا۔ تمہارے اور مدرسہ کے لیے بہت اہتمام سے دعا کرتا ہوں کہ عمر کے سارے دور بچپن جوانی کہولیت ضعف پیری تقریباً ۷۵ سال مدرسہ میں گزرے تو اس کے بارے میں غفلت تو بہت دشوار ہے۔ البتہ چند بہت اہم مشورے اپنے تجربات سے ضرور لکھواتا ہوں۔

۱۔ بڑے فتنہ کا زمانہ ہے غیر معمولی امور میں سرپرستوں سے مشورہ کا بہت ہی اہتمام رکھیں تاکہ تمہارے لیے وقایہ بنا رہے۔

۲۔ اس کو بار بار اپنے دوران قیام میں بھی کثرت سے کہتا رہا ہوں۔ اہتمام کی وجہ سے اب بھی لکھواتا ہوں (الف) اپنے ذاتی تعلقات کی وجہ سے کسی کو مدرسہ میں ہرگز ترقی نہ دیں، نہ علمی نہ مالی، بہت ہی وثوق سے ان شاء اللہ کہہ سکتا ہوں کہ بہت سی جزئیات میں اس ناکارہ کا عمل ہمیشہ یہی رہا، جن طلبہ کا مدرسہ سے اخراج ہوتا تھا میں نے کبھی کسی کی سفارش

تحریری یا زبانی نہیں کی، البتہ اس سے یہ ضرور کہہ دیتا کہ جب تک تیری معافی ہو یا گھر واپسی ہو اس وقت تک تیرا کھانا میرے ساتھ، اس لیے کہ مدرسہ کا کھانا بند ہوجاتا تھا۔ اسی طرح کسی ملازم کی ترقی اپنے تعلقات سے نہ کبھی کی اور نہ سفارش کی (ب) اپنے مخالفوں کو کبھی گرانے کا ارادہ نہ کیجیو، نہ ان کی ترقی روکنے کا، میں نے اپنے حضرت کے یہاں اپنے سخت ترین مخالف کی سفارش کی جس پر میرے حضرت کو بھی بہت تعجب ہوا اور میرا خیال ہے کہ میری وقعت میں حضرت کے یہاں اضافہ کا سبب بنا۔

۳۔ تعلیم مدرسہ کا اکابر کے زمانے میں بہت ہی ما بہ الامتیاز تمغہ رہا ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے قاری طیب صاحب کے چھوٹے بھائی عزیز طاہر مرحوم کو مدرسہ میں میری نگرانی میں داخل کیا تھا اور میرا زمانہ کم عقلی کا تھا جواب بھی باقی ہے میں نے بغیر پوچھے کہیں جانے پر دو روسید کیے جس کا اس مرحوم کو تحمل نہ ہوا اور آب و ہوا کی عدم موافقت کا عذر کر کے چلا گیا۔ اس لیے تمہارے لیے عمومی تنبیہ تو مشکل ہے یعنی ہر شخص کو ٹوکنا لیکن جن سے تعلقات ہوں ان کو ضرور من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ الحدیث کی بنا پر تنبیہ کرتے رہا کریں اور جن سے تعلقات نہ ہوں ان کے لیے ایک عمومی اطلاع نامہ مدرسین کے دستخطوں کے لیے بھیج دیا کریں جس میں کسی کا نام نہ ہو کہ بعض مدرسین کی یہ شکایت پہنچی ہے۔ اس کا سب حضرات لحاظ کریں۔

۴۔ مدرسین یا ملازمین بلکہ طلبہ کی بھی بدتمیزیوں سے اعراض سے کام لیا کریں۔

۵۔ اگر کوئی شخص کسی کی شکایت کرے تو محض شاکی کی روایت پر اس کو اپنے دل میں جگہ نہ دیں۔ اسی طرح کسی کی تعریف پر بلکہ دوسرے ذرائع سے چپکے چپکے شکایت اور تعریف کی تحقیق کر لیا کریں۔

۶۔ پارٹی بندی سے تو کون سی جگہ خالی ہے یا ہوئی ہوگی لیکن اکابر کے زمانے میں تو یہ امور دلوں میں یا رازوں میں رہا کرتے تھے۔ اب کئی سال سے زبانوں پر بھی آنے لگے۔ تمہاری زبان سے کسی مجمع میں کوئی ایسا لفظ نہ نکلنا چاہیے جس سے کسی پارٹی کی موافقت یا مخالفت معلوم ہوتی ہو۔

۷۔ مدرسہ کی مالیات کا مسئلہ بہت ہی نازک ہے آخرت میں تو جو ہوگا ہو ہی گا۔ دنیا میں بھی اس کے ثمرات سے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے، اپنی ذات کی حد تک مالیات کے سلسلہ میں بہت ہی احتیاط رکھنا اور ملازمین کو وقتاً فوقتاً اس کی طرف متوجہ کرتے رہنا۔ کُلّما تکرر فی السمع تکرر فی القلب۔ آپ بیتی اوّل حصہ میں میں نے اکابر کے بہت سے معمولات اس سلسلہ میں لکھوائے تھے ان کو خود بھی ملاحظہ فرماویں اور اکابر اہل مدرسہ کو چاہئے تعلیمی ہوں چاہے مالی ان کے دیکھنے کی ترغیب بھی دیتے رہا کریں۔

۸۔ اکابر کا طرز اگرچہ تم نے اکابر کا دور بہت ہی کم دیکھا ہے مگر اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ کا دور تو خوب دیکھا ہے ان کو (رحمۃ اللہ علیہ) اکابر کے اتباع کا بہت ہی اہتمام تھا۔ ان کے طرز عمل کو اپنانے کی بہت اہتمام سے کوشش کرتے رہیں۔

۹۔ مدرسہ کی شہرت یا اس کے مفاخر خوبیاں تو جتنی بھی چاہے پھیلائی جائیں مگر اپنی ذاتی شہرت اور ذاتی مفاخر کے پھیلانے کا ہرگز ارادہ نہ کریں۔

۱۰۔ جن سے کسی وجہ سے تکدر ہو معاملات میں گفتگو میں اس کا ظہور نہیں ہونا چاہئے خندہ پیشانی سے ضرور ملا کریں۔ چاہے اپنے کو کتنا ہی مشقت اٹھانا پڑے۔ حضرت ابو الدرداءؓ کا ارشاد بخاری میں ہے انا الی اقوام تلعنھم قلوبنا اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔

"تلک عشرۃ کاملۃ" باتیں تو ابھی ذہن میں بہت ہیں مگر اس وقت تو ان ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔

(۹)

ذیل کا مکتوب بھی اہل مدارس کے لیے بہت مفید اور ضروری نصائح پر مشتمل ہے۔ یہ دراصل مولانا محمد عثمان صاحب نائب مہتمم دار العلوم دیوبند کے ایک خط کا جواب ہے، جس میں انھوں نے نیابت اہتمام کی ذمہ داریوں کی بخوبی ادائیگی کی توفیق کے لیے حضرت شیخؒ سے دعاؤں کی اِستدعا کی تھی۔ حضرت شیخؒ نے اس کی ایک نقل والد ماجد حضرت مولانا نعمانی مدظلہٗ کو بھی بھیجی تھی

جس میں مکتوب الیہ کا نام درج نہیں تھا بعد میں انھیں معلوم ہوا کہ یہ مکتوب مولانا محمد عثمان صاحب کے نام تھا۔]

مکرم و محترم زادمجدکم بعد سلام مسنون! گرامی نامہ مورخہ ۱۰ر جولائی ۱۴ر رمضان آج ۲۷ر جولائی ۲۶ر رمضان کو پہنچ کر موجب عزت ہوا۔ میری طبیعت تو کئی سال سے بہت خراب ہے اور بہت تعجب اس پر ہے کہ جو شخص اپنی صحت و قوت اور جوانی کے زمانے میں سہارنپور سے رائے پور اور نظام الدین یا چچا جان نوراللہ مرقدہ کے ساتھ میوات چلا گیا ہو کہیں اور نہ گیا ہو۔ وہ اس ضعف و پیری اور لب گور ہونے کی حالت میں دنیا بھر میں جھک مارتا پھر رہا ہے مگر جہاں جہاں کا رزق مقدر ہو چکا ہے وہ تو کھانا ہی ہے۔ میں بہت زیادہ بیمار ہوں اور یہاں کی سردی میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔ دو دو لحاف اور دو دو ہیٹروں کے سائے میں ایک مسجد میں صورت اعتکاف بنائے پڑا رہتا ہوں۔ دارالعلوم میرے اکابر کا لگایا ہوا باغ ہے اس لیے ہر قسم کی ترقی موجب فرحت اور ہر قسم کا خزاں میرے لیے موجب کلفت ہے۔ دارالعلوم کے اختلافات کی چنگاری تو ۱۰۔۱۲ برس سے سن رہا تھا مگر صد سالہ اجلاس کے بعد یہ چنگاری جو لاوا ہو کر پھوٹی ہے اس نے بہت ہی بے چین کر رکھا ہے۔ بلا توریہ اور بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ دارالعلوم کے موجودہ انتشار اور فساد سے جو بے چینی دل پر گزرتی ہے وہ اللہ ہی کو معلوم ہے یا میرے ان مخلص دوستوں کو جو شوریٰ کے ممبر ہیں اور مجھے ان سے خصوصی تعلقات ہیں دارالعلوم کی صلاح و فلاح کے لیے دل سے دعا کرتا رہتا ہوں مگر بقول حضرت مدنی قدس سرہٗ کے کہ جب ان سے کوئی دعا کو کہتا تھا تو وہ جوش میں فرماتے کہ اگر میری دعا میں کچھ ہوتا تو انگریز کب کا منہ کالا کر چکا ہوتا۔ اگرچہ حدیث میں دعوت فلم یستجب لی کی ممانعت آئی ہے مگر اپنا حال مطعمہ حرام وشربہ حرام فانی یستجاب لہ۔ دارالعلوم کے لیے تو بہت ہی اہتمام سے دعائیں کر رہا ہوں اور آج سے آپ کے گرامی نامہ سے خصوصیت سے آپ کے لیے دعا کا وعدہ کرتا ہوں، انشاءاللہ تعالیٰ ضرور کروں گا۔ اللہ تعالیٰ آپ سے دارالعلوم کو اور دارالعلوم سے آپ کو بہترین سرخروئی عطا فرمائے۔ اس اکابر کی یادگار کو آپ کی مساعی جمیلہ اکابر کے نقش قدم پر چلانے میں کامیاب ہوسکے تو گستاخی مگر اپنا ایک تجربہ آپ کو لکھتا ہوں انشاءاللہ

اگر آپ اس کو اپنائیں گے تو اکابر کی نگاہ میں بھی سرخرو ہوں گے اور معاصرین بھی بے جا اصرار آپ پر نہیں کر سکیں گے۔ اس ناکارہ کا تعلق مدرسہ مظاہر علوم سے یکم محرم ۱۳۲۸ھ کو ہوا تھا اور مختلف اطوار سے گزرتے ہوئے ۱۳۹۰ھ میں مدینہ منورہ کا تابعیہ مل گیا تھا۔ اس ۷۰ سالہ مظاہر علوم کی مختلف خدمات، مدرسی، صدر مدرسی، مشیر ناظم اور سرپرستی سارے مراحل گزرے مگر ان سارے مرحلوں میں اللہ کے فضل وکرم سے محض اس کی اعانت سے ایک اصول کا بہت پابند رہا کہ اپنے ذاتی تعلقات کی وجہ سے کسی ملازم یا طالب علم کی مدرسہ میں داخلہ کی سفارش نہیں کی۔ اس ۷۰ سالہ زندگی میں سیکڑوں واقعات طلبہ کے ایسے پیش آئے ہوں گے کہ مدرسہ سے ان کا اخراج ہو گیا۔ ان کے یا ان کے سرپرستوں کے زور دینے پر میں نے صاف انکار کر دیا کہ "مدرسہ میں سفارش کرنے سے معذوری ہے البتہ مدرسہ سے مخفی اس مخرج کے کھانے کا انتظام میرے ذمہ ہے، سفارش کسی اور سے کرا" اور مدرسہ سے مخفی کا راز یہ تھا کہ اہل مدرسہ کو یہ خیال نہ ہو کہ ہمارے یہاں کے مخرج کی یہ سرپرستی کر رہا ہے۔ اسی طرح سے اپنے کسی مخالف کی چاہے اس سے مجھے کتنی ہی اذیتیں پہنچی ہوں میں نے مدرسہ سے اخراج کی کبھی کوشش تو در کنار (اخراج ہیں) ہمنوائی بھی نہیں کی۔ میری سرگزشت میری آپ بیتی میں جو ایک جنگل ہے سیکڑوں نکلیں گی۔ غالباً آپ کی نظر سے بھی گزری ہوں گی۔ ان واقعات کا لکھوانا تو مجھ بیمار کے لیے بہت دشوار ہے۔ ایک الف لیلہ چاہیے مگر میری آپ بیتی میں بہت سے قصے آچکے ہوں گے نمونۃً دونوں لائن کے ایک ایک لکھواتا ہوں۔ دارالعلوم کی ۱۳۴۵ھ کی اسٹرائک میں میں نے مظاہر علوم کے سرپرستان کے یہاں کوشش کر کے یہ منظور کرالیا تھا کہ دارالعلوم کا کوئی مُخرج مظاہر علوم میں داخل نہیں کیا جائے گا۔ اس زمانہ میں سیکڑوں واقعات اس کے خلاف میرے ساتھ پیش آئے اور یہ میرا اقدام دارالعلوم کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ بقول حضرت مدنی قدس سرہٗ کے اپنی بزدلی کی وجہ سے تھا۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ مجھے بہت طعنہ دیا کرتے تھے کہ تم مظاہر علوم والے جتنے بزدل ہو ہم دارالعلوم والے اتنے بزدل نہیں اور میں حضرت قدس سرہٗ کے سامنے اپنی بزدلی کا اقرار بھی بڑی خوش دلی سے کر لیتا تھا۔

دارالعلوم کے ۱۳۴۵ھ کے واقعہ میں بیسیوں بلکہ سیکڑوں طالب علم اور ان کے اکابر

مظاہر علوم میں داخلہ کے لیے آئے۔ ہمارے مدرسہ کے ناظم حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نوراللہ مرقدہٗ ہر شخص سے یہ کہہ کر الگ ہو جاتے تھے کہ اس کا تعلق مجھ سے نہیں زکریا سے ہے اگر وہ منظور کرلے تو داخلہ ہو سکتا ہے ورنہ نہیں ہو سکتا، اس زمانہ کے بہت سے واقعات مجھ پر گزرے۔ ایک واقعہ میرے ماموں زاد بھائی مولوی ادریس کاندھلوی کے چھوٹے بھائی موسیٰ مرحوم کا ہوا۔ اس کے والد اس کو لے کر مظاہر علوم میں آئے اور جب ناظم صاحب نے یہ کہہ دیا کہ اس کا تعلق مجھ سے نہیں بلکہ زکریا سے ہے تو وہ بہت خوش ہوئے کہ معاملہ تو اپنے گھر میں آگیا۔ جب مجھ سے فرمایا کہ اس کا داخلہ کرنا ہے اور میں نے صاف انکار کر دیا تو وہ بہت ہی ناراض ہوئے اور مجھ سے بولنا بھی چھوڑ دیا اور عزیز مولوی ادریس مرحوم پر جو اثر ہوتا وہ تو اور بھی قرین قیاس تھا۔ ماموں جان مرحوم نے فرمایا کہ اگر حضرت تھانویؒ سفارش لکھ دیں تب بھی تم داخلہ کرو گے یا نہیں۔ حضرت تھانوی کے ساتھ ماموں کے بہت گہرے تعلقات تھے اور مجھے یقین تھا کہ یہ ضرور سفارش لکھوا لائیں گے۔ میں نے ماموں جان سے کہا کہ اگر حضرت تھانویؒ نے صرف سفارش لکھی تب تو قبول نہیں کروں گا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول کرنے سے معذرت کر دی تھی البتہ اگر حضرت تھانویؒ یہ تحریر فرما دیں کہ میں بحیثیت سرپرست حکم دیتا ہوں کہ اس کا داخلہ کر لیا جائے تو میں ضرور کر لوں گا اور اس کے بعد موسیٰ مرحوم کی نظیر کوئی پکڑے گا تو میں کہہ دوں گا کہ تو بھی حضرت تھانوی سے حکم نامہ لکھوا لا۔

اور اس کے بالمقابل دوسرا واقعہ ہمارے مدرسہ کے ایک بہت اونچے آدمی جو حضرت مرشدی نوراللہ مرقدہٗ کے بھی بہت معتمد تھے مگر میرے والد صاحب سے بعض وجوہ سے ان کو پرخاش تھی جس کی وجہ سے چچا جان اور مجھ سے بھی عداوت تھی۔ ہم لوگوں کی بڑی بڑی شکایتیں جھوٹ سچ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کرتے رہتے تھے۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد چچا جان کے نظام الدین چلے جانے کے بعد یہ ناکارہ ہی رہ گیا جس کی بہت ہی مخالفتیں جھوٹی سچی شکایتیں حضرتؒ کے یہاں ہوتی رہتی تھی۔ آخر کار کی عداوت رنگ لائی اور انھوں نے حضرت کی مخالفت بھی اپنی علو شان پر شروع کر دی۔ حضرت نوراللہ مرقدہٗ نے

مظاہر علوم سے ان کو نکال دیا تو میں نے حضرت کی خدمت میں اس مرحوم کی سفارش کی تو میرے حضرت قدس سرہٗ نے بڑے استعجاب اور حیرت سے فرمایا کہ تم بھی اس کی سفارش کرتے ہو میں نے عرض کیا کہ حضرت بڑے اخلاص سے حضرت کا تو کوئی دینی یا دنیوی نقصان نہیں ہو سکتا مگر اس شخص کا دین و دنیا دونوں برباد ہو جائے گا دنیا کی بربادی کا تو کچھ قلق نہیں مگر میں دین کی بربادی کی وجہ سے عرض کر رہا ہوں، حضرت للہ معاف فرما دیں، حضرت نے میری سفارش تو قبول نہیں فرمائی مگر میرا خیال ہے کہ حضرت قدس سرہٗ کی نگاہ میں اس قسم کے واقعات سے میری وقعت بڑھتی رہی۔ اس لیے آپ سے بڑی مؤدبانہ درخواست ہے کہ دارالعلوم کے معاملہ میں کبھی بھی اپنے ذاتی تعلقات یا ذاتی دشمنی کو حائل نہ ہونے دیں۔

دوسری درخواست میری یہ ہے کہ دارالعلوم کے مالیات میں ہمیشہ اپنے آپ کو مالک الملک کے سامنے جواب دہی کے لیے تیار رکھیں۔ میرے بڑے حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کا بہت مشہور ارشاد ہے جو بار بار حضرت نے فرمایا کہ میں مدرسہ کی سرپرستی سے جتنا ڈرتا ہوں اتنا کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ ہم سرپرست لوگ مدرسہ کے مال کے مالک تو ہیں نہیں معطیان چندہ کے وکیل ہیں۔ اگر کسی شخص کی ذرا سی بددیانتی پر ہم لوگ اپنے تعلقات سے درگزر کریں تو اس سے تو معاف ہونے کا نہیں، اس لیے کہ ہمیں معاف کرنے کا کیا حق ہے مگر ہماری پکڑ ضرور ہو جائیگی۔ اس لیے دارالعلوم کے مالی معاملات میں آپ اپنے کو بہت ہی بچائے رکھیں۔ میرے والد صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے جتنے دنوں مدرسہ میں کام کیا اس کی تنخواہ نہیں لی۔ میں نے اپنے مرشد حضرت سہارنپوری نوراللہ مرقدہٗ کے ارشاد پر ابتداء میں لی تھی مگر بڑے حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ نے بحیثیت سرپرستی مدرسہ میں لکھا تھا، تنخواہ بہت تھوڑی ہے کچھ اور اضافہ کر دیا جائے جس کو میرے حضرت نے یہ کہہ کر منظور نہ کیا تھا کہ مدرسہ کے مصالح اس سے زیادتی کی اجازت نہیں دیتے مگر اعلیٰ حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ جب اللہ توفیق دے تو مدرسہ کی تنخواہ چھوڑ دیجو، حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے

میری اعانت فرمائی اور محض اپنے فضل و کرم سے جتنے دنوں کی تنخواہ میں نے مدرسہ سے
لی تھی وہ مالک نے محض اپنے فضل و کرم سے واپس کرادی۔ اللھم لک الحمد کلہ
ولک الشکر کلہ اللھم لا احصی ثناء علیک۔ مجھے اس خط کے لکھوانے میں وقت تو
بہت ہوئی اور دوران سر کی وجہ سے دیر بھی بہت لگی مگر جس اخلاص کی وجہ سے آپ نے
اس روسیاہ ناکارہ کو دعا کے لیے لکھا اس سے متاثر ہو کر میں نے بھی اپنے ۶۰ سالہ تجربات
میں سے چند لکھوادیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے۔ دارالعلوم کو آپ سے اور آپ کو
دارالعلوم سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ میری اس بے ربط تحریر سے خدا کرے کوئی
تکدر آپ کو نہ ہوا ہو۔ اگر ہوا ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ میں نے بھی محض اخلاص سے یہ
طویل بکواس لکھوادی۔

فقط والسلام
حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب زیدمجدہ
بقلم نجیب اللہ۔ ۲۸ جولائی ۱۹۷۴ء
اسٹنگر۔ جنوبی افریقہ

(۱۰)

[درج ذیل مکتوب شیخ مولانا عبدالجلیل صاحب مدظلہ کے نام ہے جو حضرت
مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے برادرزادے اور خلیفۂ مجاز ہیں۔ حضرت شیخ
سے بھی تلمذ اور خاص تعلق کا شرف حاصل رہا۔

مولانا موصوف نے ایک خط میں حضرت شیخ الحدیث سے مسئلہ حیات النبی
کے متعلق اپنے اکابر کے مسلک کی وضاحت کی درخواست کی تھی، جس کے
جواب میں حضرت نے درج ذیل مکتوب تحریر فرمایا۔

جس واضح اور دوٹوک انداز میں اور محدثانہ شان کے ساتھ حضرت شیخ
نے اس نازک مسئلہ پر اظہار خیال کیا ہے اس سے حضرت کے علمی ذوق
کا بآسانی پتہ چل سکتا ہے اس پہلو سے اس مکتوب کی خاص اہمیت ہے

اور علمی برادری کو اس سے خاص طور پر استفادہ کرنا چاہیے۔]

"عزیز گرامی قدر حافاکم اللہ وسلّم۔ بعد سلام مسنون۔ بذریعہ ڈاک کارڈ ۲ صفر جس میں تم نے "حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے متعلق استفسار کیا اور اس کے بعد حاجی ریاض الدین صاحب کی معرفت دستی گرامی نامہ پہنچا۔ حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو میرا خیال تو یہ ہے کہ تم نے مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ[1] کے خدام سے جو نقل کیا، وہ صحیح ہے، اور حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہٗ نے آب حیات میں کیا لکھا؟ اس کے دیکھنے کا نہ تو کبھی ارادہ کیا۔ نہ آئندہ ہمت، جب سے اکابر کے اس سلسلہ میں واقعات سُنے ہیں۔ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی تصانیف کے مطالعہ کی ہمت نہ پڑی، دو واقعے ان میں سے تمھیں سناتا ہوں۔

اول یہ کہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کا وصال ہوا تو حضرت شیخ الہندؒ نے منطق، فلسفہ پڑھانا بالکل ترک کر دیا اور باوجود اصرار کے نہ پڑھایا، اور وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ اب تک منطق، فلسفہ کی مزاولت اس شوق میں تھی کہ حضرت کی تقریریں سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے، اب وہی نہ رہے تو ان میں کون وقت ضائع کرے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت مدنی قدس سرہٗ اور مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم کا ہمیشہ یہ ارادہ، خواہش، اصرار رہا کہ حضرت نانوتویؒ کی تصانیف حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ سے پڑھیں مگر سنا یہ ہے کہ کبھی تو جواب

---

[1] مولانا شاہ حسین علی صاحبؒ ضلع میانوالی پاکستان کے اکابر علماء و مشائخ میں سے تھے۔ توحید اتباع سنت اور رد شرک و بدعت کا رنگ غالب تھا، ان کے مشہور تلامذہ میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ تھے جنھوں نے ان کے تفسیری افادات کو مرتب کر کے دو ضخیم جلدوں میں جواہر القرآن کے نام سے شائع کیا ہے۔

"مَا المسئول عنہ اعلم من السائل" ملا اوکما قال۔ اور کبھی ہمت کی تو موقعہ نہ ملا۔ ان حالات کے بعد "آبِ حیات" کے مطالعہ کی تو ہمت نہیں، البتہ اپنے اکابر کا عقیدہ جو ہمیشہ سے سنتے چلے آئے ہیں اور اس میں کوئی تردد نہیں۔ وہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنے جسد مبارک کے ساتھ قبروں میں زندہ ہیں" فان اللہ حرم علی الارض ان تاکل جسد الانبیاء" اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم دوسری حدیث میں "نبی اللہ حیّ یرزق" وغیرہ کثرت سے ہیں۔ اور یہ وہی حیات ہے جو شہداء کے لیے قرآن پاک میں ذکر کی گئی ہے، البتہ حسب مراتب ان حضرات کی حیات شہداء کی حیات سے زیادہ قوی ہے لیکن وہ دنیوی حیات بھی نہیں ہے۔ حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ نے حضرت مدنی کی درخواست پر اپنے اور اپنے اکابر کے عقائد ان مسائل میں عرصہ ہوا لکھے تھے، جو "المہند" کے نام سے والد صاحب کے زمانہ میں تو کثرت سے طبع ہوا کرتے تھے۔ اب ایک نسخہ دیوبند سے منگا کر ارسال ہے۔ رسید سے مطلع کریں۔ فقط

(۱۱)

[حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کے خواہرزادے مولانا سید واضح رشید ندوی نے دہلی میں ریڈیو کی اعلیٰ مشاہرہ کی ملازمت محض اپنے دینی شعور واحساس کے تقاضے سے مجبور ہو کر ترک کر دی تھی، بعض حضرات کا اصرار تھا کہ مولانا موصوف کا دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عربی ادب کے استاذ کی حیثیت سے تقرر کیا جائے کہ اس میدان میں ان کی اہلیت مسلّم تھی۔ لیکن حضرت مولانا کو لوگوں کی نکتہ چینیوں کے خیال سے اس میں کچھ تردد تھا۔ حضرت مولانا نے شیخؒ سے مشورہ کیا۔ شیخ نے جواب میں جو مکتوب ارسال فرمایا اس کا ایک اقتباس ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے۔]

مدارس کے ذمہ داران اپنے اقربا و متعلقین کے بارے میں جس آزمائش سے دوچار ہوتے ہیں۔ اس کے متعلق اس مکتوب میں واضح اور معتدل راہ عمل کی دوٹوک انداز میں تعیین کر دی گئی ہے۔]

"واضح سلا کے متعلق میں تو اپنی رائے پر بہت مصر ہوں کہ تنخواہ سے تو وہ صرف نظر کریں اور طعن و تشنیع کی آپ پرواہ نہ کریں ؎

غیر کرتے ہیں ملامت دوست کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں

میرا مذہب اللہ کے فضل سے شروع سے یہ ہے کہ فیما بینی و بین اللہ تو معاملہ صاف ہونا چاہیے اور خود غرضی یا اقربا پروری مدرسہ کے معاملہ میں ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔

میرے مدینہ پاک کے قیام میں موجودہ ناظم صاحب نے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ طلحہ کا تقرر یا کم از کم سبق پر بہت ہی اصرار کیا۔ میں نے مدینہ پاک سے انکار کر دیا کہ اس میں پڑھانے کی اہلیت نہیں۔ لیکن عاقل ہلمان کے بارے میں خوب گالیاں کھائیں مگر اس کی پرواہ نہیں کی۔ اس لیے کہ میرے نزدیک دونوں میں پڑھانے کی اہلیت تھی۔"

مکتوب مورخہ ۱۱؍ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ

(۱۲)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ۱۹۶۱ء میں مصر و شام وغیرہ کا ایک طویل تبلیغی سفر فرمایا تھا، اسی سفر کے دوران مولانا موصوف کے نام ایک گرامی نامہ میں حضرت شیخ نے تحریر فرمایا تھا۔

"سفر کے احوال سے مسرت ہوتی رہی مگر عربوں کی تقسیم کی وجہ سے بربادی کی حالت سے بہت ہی رنج و قلق ہوا۔ زیادہ رنج اس پر ہے کہ تمام عالم میں مسلمانوں کی جو بربادی ہو رہی ہے وہ بھی آنکھوں کے سامنے

اور جن اسباب پر یہ بربادی مرتب ہے وہ بھی سامنے ہیں، لیکن یہ سب کچھ دیکھنے اور سمجھنے کے باوجود جب خود اپنی ہی دینی حالت درست نہ ہو سکے بلکہ ہر دن بجائے دینی صلاح کے خود اپنے کو فساد فی الدین والاعمال میں مبتلا دیکھا جائے تو پھر کسی دوسرے کا کیا شکوہ! اور کیا منہ کسی دوسرے سے دینی اصلاح کی امیدواری کا! اللہ تعالیٰ ہی کی رحمت امت کی صلاح کی طرف صرف اپنے پاک رسول کے طفیل متوجہ ہو جائے تو خیر ہے ورنہ بربادی اور ہلاکت تو ہم خود ہی خرید رہے ہیں۔"

ازمکتوب مرقومہ ۱۱/۶/۱۹۶۱ء

(۱۳)

دعوت کی راہ کا عملی تجربہ رکھنے والے حضرات اس مشکل سے بخوبی آشنا ہیں کہ ایک طرف دعوت کی حکمت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ تالیف قلوب کے لیے صرف مثبت طرز ہی اختیار کیا جائے، الاہم فالاہم کے اصول کی پابندی کی جائے، نرمی اور تیسیر کا لحاظ رہے اور جزئیات اور ظاہری امور پر براہ راست زور نہ دیا جائے — دوسری طرف اس کے نتیجہ میں خود داعی کے اندر دین و مظاہر دین اور سنن و مستحبات اور اتباع سلف میں بسا اوقات غیر شعوری طور پر تساہل پیدا ہونے لگتا ہے — مدارات مداہنت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور داعی خود مدعو بن جاتا ہے، اس کی دینی حالت میں پختگی باقی نہیں رہتی۔ اور یہ سب وسوسۂ شیطانی سے حکمتِ دعوت کے دھوکے میں ہوتا ہے — ایک عالم دین کے نام جو شرق اوسط میں ایک دعوتی سفر پر تھے، حضرت شیخ نے ایک مکتوب میں اس طرف توجہ دلاتے ہوئے تحریر فرمایا۔]

"البتہ گستاخانہ یہ درخواست جناب سے اہمیت سے اور دوسرے درجہ میں رفقاء سے ہے کہ طبیعت بے ارادہ اثر قبول کیا کرتی ہے، تجدد

کے اثرات سے بہت اہتمام سے تعوذ و استغفار فرماتے رہیں، اور قدامت کو زور سے کھینچنے کی سعی فرماتے رہیں، دین میں وسعت بہت پھیلتی جارہی ہے ...... الفاظ تواضع سے یہ چیز آپ سے زائل نہیں ہوسکتی آپ کے تھوڑے سے تسامح سے متعلقین بہت زیادہ مداہنت کرنے لگیں گے اس لیے اس کی بہت سعی تمام سفر میں رہنا چاہیے کہ لوگوں کی دلداری اوران کے قریب لانے کے جذبۂ شوق میں آپ حضرات نیچے نہ اتریں۔ حضرت ابوبکر صدیق کا اسوہ مرتدین کے زور کے زمانہ میں اور حضرت عمر جیسے شدید کو "أجبار في الجاهلية وخوار في الاسلام" کا طعنہ محفوظ رہنا چاہیے"۔

از مکتوب مرقومہ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ

(۱۴)

[مولانا سید محمد ثانی حسنی علیہ الرحمۃ حضرت شیخ کے خواص اہل تعلق میں سے تھے۔ ان کے نام ایک مکتوب مرقومہ ۲۶ مارچ ۱۳۸۵ھ میں حضرت شیخ نے تحریر فرمایا۔]

"اس سے بہت ہی مسرت ہوئی کہ ذکر و معمولات کی پابندی کا سلسلہ قائم ہے، بہت مبارک ہے، ترقی کا زینہ ہے، اللہ تعالیٰ تمھیں بہت ہی ترقیات سے نوازے، جذب و شوق میں یکسانیت کبھی رہا نہیں کرتی اس کا ذکر نہ کریں، اس کا مدوجزر تو سب کے ساتھ رہتا ہے، البتہ غفلت طویل نہیں ہونا چاہیے"۔

اسی مفصل مکتوب میں آگے چل کر تحریر فرمایا۔

"آج کل لوگوں نے توحید مطلب کا مفہوم غلط سمجھ رکھا ہے کہ اپنے شیخ کے ساتھ محبت و عظمت اس راستہ کا جزو لاینفک ہے مگر آج کل جموں نے اس کا مطلب دیگر اکابر کی تنقیص سمجھ رکھا ہے۔ یہ نعمت اپنے والد صاحب کے تعلق سے ملی کہ ان کے یہاں سب اکابر کے ساتھ تعلق ایسا تھا کہ

کسی بزرگ کی اپنے شیخ کے مقابلہ میں تنقیص محسوس نہیں ہوتی تھی، تمھیں بھی خاص طور سے نصیحت کرتا ہوں کہ اہل حق میں سے کسی پر تنقید سے احتراز کرنا ....."

(۱۵)

[ایک بزرگ نے اپنے ایک عزیز کو حضرت شیخؒ کی خدمت میں تعلیم وتربیت کی غرض سے بھیجا اور حضرت سے ان کی جانب خصوصی التفات کی درخواست کی، حضرت نے اس کے جواب میں انھیں لکھا:]

" التفات کے متعلق ایک تجربہ کی بات بے تکلف عرض ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے ہمیشہ اس کا تجربہ کیا کہ یہ چیز التفات خواہ کے قبضے کی ہے، التفات کنندہ کے قبضے کی نہیں ہے۔ فافہم۔"

حکمت تربیت :

حضرت اپنے متعلقین سے ہمیشہ فرماتے رہتے کہ اب ہمتیں کمزور ہوگئی ہیں، ہر شعبہ میں کوئی شخص کمال تک نہیں پہنچ سکتا، لہذا اپنے لیے طبیعت ومزاج اور ضرورت وحالات کے لحاظ سے دین کا ایک شعبہ متعین کرے اور بقیہ شعبوں کے اکابر اور مخصوصین سے تعلق ومحبت خاصہ رکھے اس سے ان شاء اللہ "الرجل مع من أحب" کے تحت سب ہی شعبوں کی برکات اور آخرت میں ان کا ساتھ نصیب ہوگا، اس کا حضرت کو ہمیشہ اہتمام ہوتا کہ جو جس شعبہ میں ہے وہ اس میں کمال تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ حضرت کے مجاز ڈاکٹر اسماعیل صاحب ایلوپیتھک ڈاکٹر ہیں، حضرت کو اگرچہ ساری عمر طب یونانی سے زیادہ مناسبت رہی، مگر اس کے باوجود ڈاکٹر اسماعیل صاحب مدینہ منورہ کے ابتدائی زمانۂ قیام میں جب سلوک کی طرف زیادہ توجہ کی وجہ سے اپنے فن سے بے اعتنائی برتنے لگے تو ان سے اپنے فن کی طرف خاطر خواہ توجہ کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا "ڈاکٹر صاحب! جس لائن میں کوئی ہو اسے چاہیے کہ اس لائن کے کمال تک پہنچنے کی کوشش کرے۔!" (ماخوذ از مضمون مولانا عبدالحفیظ مکی زید مجدہ)

شیخ الحدیث نمبر کی شاندار اشاعت
ہم ادارہ الفرقان کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں
کے بلڈرس
ایس کنٹریکٹرس
ایم اینڈ انجینئرس
وزیر محمد اینڈ سنس
ہر قسم کے تعمیری کام کے لئے ہمیں یاد رکھیں
کئی منزلہ رہائشی عمارت ہوں یا فیکٹری عمارات، گوداموں کی تعمیر کا مسئلہ درپیش ہو یا
سیور کا مسئلہ، ہماری مہارت سے فائدہ اٹھایئے
ہیڈ آفس
۵۷ گنیش گنج
غلہ منڈی
لکھنؤ ۲۲۶۰۰۱
فون، ۳۲۰۹۷
کیمپ آفس
۲۴- نیوبیری روڈ
لکھنؤ ۲۲۶۰۰۱
فون، ۳۲۶۹۳

حضرت شیخ برطانیہ میں

مصلحانہ زندگی کا ایک ورق

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

[جون ۱۹۷۹ء میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا سفر برطانیہ ہوا تھا اور دس دن وہاں قیام رہا تھا۔
برادر معظم مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی صاحب نے اُن دنوں کے حالات وتاثرات اپنے مخصوص انداز میں قلم بند کیے تھے جو اگست ۱۹۷۹ء کے الفرقان میں شائع ہوئے تھے۔
ذیل میں وہی مضمون پیش کیا جارہا ہے ——— مرتب]

برطانیہ ۹۷ فی صدی غیر مسلم اکثریت کا ملک غیر مسلم اکثریت بھی وہ جس کی اسلام دشمنی اور کم سے کم بیزاری یا بیگانگی مشہور و مسلم ہے۔ مسلمانوں کی تعداد یہاں پندرہ بیس لاکھ سے زیادہ نہ ہوگی اور وہ بھی تھوڑے ہی دنوں سے۔
زیادہ سے زیادہ بیس سال ہوتے ہیں کہ یہاں مسلمانوں کی تعداد کسی شمار وقطار کے قابل ہونا شروع ہوئی، اس وقت یہاں اسلامی آثار و نشان کے نام سے دو ایک مسجدیں رہی ہوں گی، جن میں سے ایک ووکنگ کی مشہور مسجد شاہجہاں بیگم ہے۔
مسلمانوں کی کافی تعداد ہوجانے کے باوجود یہاں کے لوگ بتاتے ہیں کہ کوئی چار پانچ سال تک اسلام کے آثار و نشان یا مسلمانوں کی اسلامیت کے مظاہر میں کوئی خاص فرق نہیں

پڑا۔ مگر پھر اللہ کے کرم سے اس بارے میں بھی کچھ صورتیں فرق اور ترقی کی پیدا ہونا شروع ہوئیں، جن میں سب سے زیادہ وسیع الاثر اور سریع الاثر صورت تبلیغی جماعتوں کی آمد اور جدوجہد کی تھی۔ جن کی جدوجہد نے مسجدیں بھی بنوائیں، نمازی بھی بنائے اور مسلمانوں کی صورتوں میں اسلام کا رنگ بھرا۔

آج (مذہبی پہلو سے) گرجاؤں اور کلیساؤں کے اس ملک اور دوسری طرف (مذہب فراموشی کے پہلو سے) رقص گاہوں اور شراب خانوں کے اس ملک میں تین سو سے اوپر مسجدیں ہیں۔ اور خالی مسجدیں ہی نہیں مسجد کے آباد کرنے والے نمازی بھی ہیں۔ اس وقت رمضان قریب ہے۔ رمضان بھر یہ مسجدیں آپ کو تراویح کی شب زندہ داری اور کلام اللہ کی تلاوت و قرأت سے گونجی ہوئی ملیں گی۔ مغرب کے وقت بڑے اہتمام اور شوق سے مل جل کر افطار کرنے والوں کا کم و بیش مجمع آپ کو ہر مسجد میں ملے گا۔ جمعہ کی نماز میں پورے سال ہر مسجد بھر جاتی بلکہ کہیں کہیں دو دو جماعتیں ہوتی ہیں۔

تبلیغی جدوجہد کی برکت سے اوسطاً مہینے میں کم سے کم ایک بار ضرور ہر مسجد دو تین دن کے لیے خصوصی طور پر آباد ہو جاتی ہے اور چونکہ یہاں شہروں کی مساجد میں جمعہ کے علاوہ ہفتہ بھر کی نمازوں خصوصاً دن کے اوقات میں حاضری عموماً بہت ہی کم رہتی ہے اس لیے تبلیغی جماعتوں کا یہ ہر ہفتہ کا سہ روزہ تبلیغی پروگرام بہت ہی قابل قدر اور اس آیت قرآنی کی ایک عملی تفسیر نظر آتا ہے جس میں ارشاد ہے۔

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۝ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ	اُن گھروں (اللہ کے گھروں) میں کہ حکم دیا ہے اللہ نے ان کی تعظیم کیے جانے اور اس کے نام کی یاد ان میں کیے جانے کا، تسبیح کرتے ہیں اُن میں اس کی صبح و شام وہ لوگ کہ نہیں غافل کر پاتی ہے اُن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کا ذکر کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے

الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ ہے۔ وہ خوف کھاتے ہیں اُس دن کا
(سورۃ النور آیت ۳۶، ۳۷) کہ اُلٹ پلٹ ہوجائیں گے اُس میں دل اور آنکھیں۔

تبلیغی کام کے ہر ہفتے کے ان سہ روزہ پروگراموں کے علاوہ مختلف نوعیتوں اور پیمانوں کے بڑے بڑے اجتماع بھی وقتاً فوقتاً ملک کے مختلف علاقوں میں ہوتے رہتے ہیں۔ اسی طرح دوسری جماعتیں بھی اپنی اپنی مخصوص مسجدوں میں اپنے اپنے انداز پر کچھ تبلیغی پروگرام کرتی رہتی ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے علماء و مشائخ کو مدعو کرتے اور جگہ جگہ اُن کے مواعظ و بیانات کرانے کا بھی سلسلہ کافی دن سے شروع ہوچکا ہے اور دن بدن ترقی پر ہے۔ اس سلسلہ سے جہاں کچھ نقصان دیکھنے میں آرہا ہے کہ کچھ ایسے لوگ بھی آجاتے ہیں جو واقعی دینی ذوق اور ایمانی جذبہ ابھارنے کے بجائے فرقہ وارانہ جذبات کو فروغ دینے اور مسلکی اختلافات بھڑکانے ہی پر اپنے بیانات کا زور صرف کرتے ہیں وہاں اللہ کے ایسے بندے بھی ان آنے والوں میں ہوتے ہیں جن سے مثبت دینی فائدہ مسلمانوں کو پہنچتا ہے، اپنی حقیقی ذمہ داریوں اور اپنی کوتاہیوں کا احساس ان میں پیدا ہوتا ہے اور تعلیم و تزکیہ کا نبوی مشن اُن کے بیانات اور ان کی مجالس سے کسی نہ کسی درجہ میں پورا ہوتا ہے۔

غرض جس طرح اور ساری دنیا میں آج جس تیزی سے شر بڑھ رہا ہے اسی تناسب سے خیر کے لیے جدوجہد بھی بڑھ رہی ہے، یہی حال انگلستان کا بھی ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ خیر کی جدوجہد کے اثرات شر کے سیلاب کے مقابلے میں اس وقت تک بہت کمزور ہیں لیکن اگر خیر کی جدوجہد ہمت ہارنے اور شکست ماننے کے بجائے اپنا تناسب اسی طرح بڑھاتی ہی جاتی ہے تو اثرات کا نقشہ جو کچھ بھی ہو۔ بہرحال اس میں امید بندھانے کا سامان ہے نہ کہ مایوس کرنے کا شر اور شیطنیت کے فروغ کے باوجود اگر خیر اور ہدایت حق کے لیے جدوجہد کرنے والوں میں پست ہمتی نہیں آتی بلکہ جوش اور جذبہ کار بڑھتا ہے اور اُن کے قافلے کی تعداد بھی گھٹنے کے بجائے بڑھنے ہی کی طرف جارہی ہے تو مستقبل اور انجام کا علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن یہ علامت ہے کہ اللہ کو اب کچھ منظور ہے۔ شب کی تاریکی کو ان شاء اللہ چھٹنا ہے اور صبح حق نمودار ہونی ہے خواہ کتنی بھی دیر لگ جائے۔ کتنا بھی عرصہ کشمکش حق و باطل میں گزر جائے۔

ہم نے کہا اور یہی ایمان ہے کہ مستقبل اور آج کے واقعات پر مرتب ہونے والے نتائج کا علم حقیقی صرف اللہ کے پاس ہے، ہم محض اندازے اور گمان کی حد تک ہی کسی اچھی امید اور حسن ظن کا اظہار آج کے کسی واقعہ کے نتائج سے متعلق کر سکتے ہیں۔ اسی نوعیت کی یہ بات ہے کہ ان دنوں میں ایک ایسا واقعہ سرزمین انگلستان کے حصے میں آیا ہے جس نے ہم جیسے کتنوں ہی کے دل میں حسن امید اور حسن ظن کی یہ روشنی چمکائی ہے کہ شاید خدا کو انگلستان کے حق میں کوئی خیر منظور ہے۔ اس کی شکل کیا ہوگی؟ اسے بھی وہی جانے اور کتنا عرصہ اس کے ظہور میں لگے گا؟ اسے بھی وہی جان سکتا ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم کی ذات گرامی سے ہندوستان و پاکستان کا کوئی بھی تھوڑا بہت پڑھا لکھا مسلمان مشکل ہی سے ناواقف ہوگا۔ ان کی ذات سے جتنا فیض دخیر ہم جیسوں کے بشری علم و اندازے میں، ہند و پاکستان کے مسلمانوں کو (چاہے وہ کہیں بھی بستے ہوں) پہنچا ہے۔ بظاہر کوئی دوسری زندہ ہستی اس پائے کی اس وقت موجود نہیں ہے، وہ عمر کے چوراسی سال پورے کرنے والے ہیں برسہا برس کے عوارض نے ادنیٰ نقل و حرکت سے بھی معذور کر دیا ہے، ہر چھوٹی چھوٹی ضرورت بھی مدتوں سے اُن جاں نثار خدام کے ذریعہ پوری ہوتی ہے جنھوں نے اپنی جان کو گویا آپ کی جان سے باندھ رکھا ہے اور شب و روز کے ہر لمحہ میں آس پاس رہتے ہیں۔ کئی سال ہو چکے کہ اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث رحمۃ اللہ علیہ کے اتباع میں اپنی عمر کا آخر محسوس کرتے ہوئے روضۂ نبوی (علیہا و علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) کے جوار ہی میں جان دینے اور اُسی خاک پاک کا پیوند بننے کی آرزو میں مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی ہے اور وہاں سے سال بھر میں بس ایک سفر مہینے ڈیڑھ مہینے کے لیے ہندوستانی متوسلین کی اس بے شمار تعداد کی حسرت دور کرنے کے لیے ہندوستان (سہارنپور) کا ہوتا ہے جو حجاز پاک کا سفر کر کے فیض صحبت پانے کی استطاعت نہیں رکھتی۔

جو شخص بھی قریب سے حضرت مولانا کی جسمانی معذوری کو دیکھنے کا موقع پا لے گا، وہ بخوبی اندازہ کر سکے گا کہ یہ ایک سفر بھی اُن کے لیے کس قدر زحمت کا باعث ہوتا ہوگا،

اس لیے کسی دوسرے سفر کا سوال ہی کہاں پیدا ہو سکتا ہے ؟ اور پچھلا سال تو عوارض اور امراض کی ایسی شدت کا گزر چکا ہے کہ اہل تعلق کو ہر وقت کوئی ناشنیدنی سننے کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔ اس لیے جب اس تمام پس منظر میں مئی کے آخری دنوں میں سے ایک دن اس راقم الحروف نے اپنے ایک دوست کی زبان سے اطلاعاً سنا کہ ۲۰ جون کو "شیخ زکریا" تشریف لا رہے ہیں۔ یعنی انگلستان تشریف لا رہے ہیں۔ تو صدق صدنا قابل یقین بات معلوم ہوئی۔ مگر پھر انھوں نے اطلاع اور ذریعۂ اطلاع کی پوری تفصیل بتائی تو خبر کو قابل قبول ماننے کے ساتھ ساتھ ایک طرف تو اس کی حیرت انگیزی میں کوئی فرق نہیں آیا یا دوسری طرف ایک ایسے احساس خوش نصیبی کی لذت دل نے اس خبر سے پائی کہ کیسے بیان ہو۔ حضرت کے عوارض وامراض کی شدت کا ایک عرصے تک تسلسل سنتے سنتے اور اپنے قصدِ سفر کی راہ میں دور تک موانع اور مشکلات دیکھتے ہوئے اس کی توقع قریب قریب نہ ہونے کے درجہ میں رہ گئی تھی کہ اس زندگی میں حضرت کی زیارت ایک بار پھر ہو سکے گی۔ ایسی حالت میں جب یہ خبر کان کے پردے سے ٹکرائی تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کیسی مسرت اور احساس خوش بختی کی کیا کیفیت دل پر طاری ہوئی ہوگی۔ اس وقت بے اختیار اپنے والد ماجد کی تحریروں میں بہ کثرت استعمال شدہ یہ مصرع زبان پر آگیا۔

کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

۲۰ جون کے انتظار میں ایک ایک دن گنا جا رہا تھا کہ تاریخ قریب آنے لگی مگر کوئی چرچا اور تذکرہ سننے میں نہیں آیا تو انہی مخبر دوست سے پوچھا کہ کبھی کیا ہوا ؟ ۲۰ تو قریب آگئی، کوئی تازہ اطلاع اور نہیں آئی تب معلوم ہوا کہ آئی ہے اور اب ۲۰ کی جگہ تاریخ ۲۴ ہو گئی ہے اور یہ انشاء اللہ نہیں بدلے گی اور اس دوسری خبر کی تفصیلات کی نوعیت نے بھی اطمینان دلایا کہ انشاء اللہ اس تاریخ پر تشریف آوری ہو ہی جائے گی۔

حضرت شیخ الحدیث کی یہ تشریف آوری آپ کے خلیفۂ مجاز مولانا یوسف متالا صاحب کی دعوت پر موصوف ہی کے قائم کیے ہوئے مدرسہ عربیہ اسلامیہ دار العلوم ہولکمب بری

... (لنکا شائر) (LANCASHIRE) (HOLCOMB BURY) میں ہو رہی تھی اس دارالعلوم سے باضابطہ اعلان جاری ہوا کہ حضرت ۲۴ کو تشریف لارہے ہیں اور ایک ہفتہ قیام فرمائیں گے، چنانچہ ارادہ کرلیا کہ یہ ہفتہ انشاء اللہ حضرت کی خدمت ہی میں گزارنا ہے۔

۲۳ اور ۲۴ (بروز ہفتہ و اتوار) کو برمنگھم میں پورے ملک کا ایک بڑے پیمانے کا تبلیغی اجتماع تھا، برمنگھم دارالعلوم ہولکمب بری اور لندن کے درمیان میں ہے اس لیے سفر ۲۳ ہی سے شروع کردیا تاکہ اس اجتماع خیر میں بھی تھوڑی سی شرکت ہوجائے۔ اس اجتماع میں (پاکستان کے) حضرت عبدالقادر صاحب مدظلہ بھی شرکت فرمارہے تھے جو مدینہ منورہ سے حضرت کے قافلہ کے ہراول کے طور پر دو دن پہلے تشریف لے آئے تھے۔ اجتماع کے اس وقفہ کا زیادہ تر وقت حضرت قاضی صاحب کی صحبت اور معیت میں گزرا۔ اجتماع کے خاتمہ پر قریب چھ بجے برمنگھم سے دارالعلوم کے لیے روانہ ہو کر قاضی صاحب اور ہم لوگ تھوڑا آگے پیچھے ۸ اور ۹ کے بیچ میں دارالعلوم پہنچ گئے۔ سفر کار سے تھا جو انگلینڈ میں عام ہے اور کار رہمارے کرم فرمائے خاص جناب حافظ محمد ابراہیم صدیقی صاحب کی اور رفاقت علاوہ حافظ صاحب کے ایسے ہی دوسرے محب خاص مولانا محمد عیسیٰ صاحب (امام مسجد اَپٹن پارک لندن) کی اور ایک دوسرے مہربان پٹیل صاحب کی تھی۔ سفر دو گھنٹے کا تھا مگر ہم لوگ ایک گفتگو کی محویت میں سب کے سب ہی اس موڑ کے سائن سے غافل ہوگئے جس پر ہمیں مین روڈ (موٹر وے) کو چھوڑ کر دارالعلوم کے لیے مڑنا تھا۔ اور ے

"یک لحظہ غافل بودم وصد سالہ راہم دور شد"

کے مصداق قریب چالیس میل آگے نکل کر یہ سمجھنے پر مجبور ہوئے کہ ہم اپنی راہ چھوڑ کر آگے نکل آئے چنانچہ اب پلٹے اور یہ مفت میں اسّی میل کی مسافت بھی پڑی اور گھنٹے سوا گھنٹے کی تاخیر بھی۔ بہرحال دارالعلوم پہنچے جو بڑی شہری آبادی "بوسٹن" سے آٹھ دس میل کے فاصلے پر ہولکمب ہل (HOLCOMB HILL) نامی پہاڑی پر واقع ہے۔ یہ اصل میں ایک سینی ٹوریم تھا جو کسی وجہ سے چھوڑ دیا گیا تو اسے غالباً ۱۹۷۳ء میں ایک لاکھ پندرہ ہزار پونڈ کے عوض دارالعلوم کے لیے خرید لیا گیا۔ بہرحال دارالعلوم پہنچے۔ حضرت قاضی صاحب اور

ان کے رفقار سفر (جناب حافظ پٹیل صاحب (امیر جماعت تبلیغ برطانیہ) اور مولانا یعقوب صاحب کاوی وغیرہ) پہلے پہنچ چکے تھے۔ نماز عصر کا وقت تنگ ہو رہا تھا، جلدی سے نماز ادا کی۔ اس کے بعد قاضی صاحب کے ساتھ کھانا کھایا اور اب مغرب کا وقت آگیا کوئی پونے دس کا وقت ہوگا، (انگلینڈ میں آج کل دن اتنا بڑا ہے کہ مختلف علاقوں کے فرق کے اعتبار سے پونے پانچ، پانچ پر سورج نکلتا ہے اور ساڑھے نو پونے دس پر غروب ہوتا ہے۔)

حضرت شیخ الحدیث کے متعلق ہمیں برمنگھم ہی میں اطلاع مل چکی تھی کہ جہاز لیٹ ہو جانے کی وجہ سے ساڑھے دس کے قریب مانچسٹر کے ہوائی اڈے پر اتریں گے۔ مغرب کی نماز میں اس کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ قرب و جوار اور دور دراز سے سینکڑوں آدمی شیخ کے استقبال اور دیدار کے لیے ابتدائی اطلاع کے مطابق تین چار بجے ہی سے پہنچ چکے تھے۔ نیا اعلان سن کر چشم براہ ہوگئے۔ حضرت کو جس جگہ سے کار سے اتر کر اپنے کمرے تک پہیوں والی کرسی کے ذریعہ آنا تھا اس جگہ سے کمرہ تک لوگ دو رویہ قطاروں میں کھڑے ہوگئے۔ اس طرح کمرہ تک پہنچتے پہنچتے اکثر لوگوں کو آپکی ایک جھلک دیکھنے کا موقع مل گیا۔

خیال کیا، بلکہ یقین سا تھا کہ اس وقت رات میں اس سے زیادہ ملاقات کی کسی صورت کا کوئی سوال نہیں۔ صبح آٹھ بجے کے جدّہ سے چلے ہوئے رات کے ساڑھے دس بجے منزل پر پہنچ رہے ہیں۔ تعب و تکان کا کیا حال ہوگا۔ اچھا بھلا تندرست آدمی بھی اتنے لمبے سفر کے بعد آرام ہی چاہے گا۔ چہ جائیکہ ایک پیر ضعیف و مریض مگر حیرت کی انتہا نہ رہی جب نماز عشار میں اعلان سنا کہ لوگ اسی وقت حضرت سے عرض سلام اور مصافحہ کی شکل میں مل سکیں گے ۔۔۔ یا اللہ! یہ مجاہدہ اور اہل شوق و محبت کی یہ رعایت! اس سے جہاں یہ اندازہ ہوا کہ مجاہدہ کرتے کرتے انسان تحمل اور برداشت کے کس درجہ تک پہنچ جاتا ہے اور اہل اللہ کو عین اخلاق الٰہی کے مطابق اہل شوق و طلب کی کتنی رعایت ملحوظ رہتی ہے، وہاں ایک اشارہ میرے اپنے ذہن کو یہ بھی ملا کہ یوں تو حضرات اپنا ایک

ؔ اخلاق الٰہی سے متعلق ایک حدیث میں آتا ہے کہ بندہ اگر میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اسکی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ بڑھ کر آتا ہوں۔ الخ

لمحہ بھی کہیں بھی ہوں ضائع نہیں جانے دیتے مگر یہاں، میرے فہم ناقص کے مطابق وہ اپنے بس بھر جس افادے اور خلق اللہ کی طرف زیادہ سے زیادہ کھینچنے کی نیت اور امید سے تشریف لائے تھے اُسے ملحوظ رکھتے ہوئے یہاں کے قیام کا ایک ایک لمحہ وصول کرنا اور اس کے لیے بہر قیمت وہ طرز عمل اختیار کرنا منظور تھا جو اس مقصد و مدعا کے زیادہ سے زیادہ بڑے پیمانہ پر حاصل ہونے میں مددگار ہو سکے ___ لوگ جانتے ہیں کہ ؏

"فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مرد خلیق"

اس امر کا باعث ہوتی ہے کہ میکدے میں ہجوم زیادہ ہو۔

بہر حال حیرت اور مسرت کے ساتھ یہ اعلان سنا کہ اسی آدھی رات کے وقت ملاقات ہوگی۔ چنانچہ ہوئی اور قریب ایک گھنٹہ اس عمومی ملاقات میں لگا، جس میں قطار باندھ کر لوگ سلام اور مصافحہ کرتے ہوئے گزرتے گئے۔ الحمدللہ یہ سعادت اپنے حصے میں بھی آئی۔ دل و نگاہ دونوں مدت سے پیاسے تھے۔ مصافحہ کے ساتھ آنکھیں بھی ان مبارک ہاتھوں سے لگا کر اس پیاس کو کچھ بجھانے اور سپاس دل گزارنے کی کوشش کی۔ امید کے مطابق التفات پایا تو اظہار خوش نصیبی کے پیرائے میں اس زحمت فرمائی پر زبان سے بھی شکر گزارا ___ کیا مبارک رات تھی۔

نازم بچشم خویش کہ روئے تو دیدہ است

ایک ڈیڑھ بجے سو کر چار بجے فجر کے لیے اٹھنا ہوا اور اس کے بعد رات تک کا وہ پروگرام شروع ہو گیا جس کا حضرت کے دوران قیام میں روزمرہ کے لیے اعلان ہو گیا تھا۔ یعنی ساڑھے پانچ بجے نماز فجر کی ادائیگی کے بعد اوراد و وظائف۔ ۸½ بجے ناشتہ۔ ۹½ بجے سے ۱۱½ تک تصوف و تزکیہ سے متعلق شیخ کی کسی کتاب سے تعلیم۔ ایک بجے دوپہر کا کھانا۔ ۲½ بجے ظہر کی نماز۔ نماز کے بعد مشائخ کا معمول بہ ختم اور اجتماعی دعا۔ پھر ذاکرین کا ذکر بالجہر اور بقیہ لوگوں کی درود، استغفار اور تسبیحات میں مشغولیت۔ اس کے بعد ۴ بجے شام کی چائے۔ پھر ۴½ بجے سے ۷½ تک حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی کا بیان۔ ۸ بجے نماز عصر۔ نماز کے بعد شام کا کھانا۔ پونے دس بجے مغرب کی نماز اور نماز کے بعد نماز گاہ ہی میں قریباً پون گھنٹے کی حضرت کی عمومی مجلس اور پھر ۱۱½ بجے عشاء کی نماز۔

یوں تو کئی سو آدمی مستقل طور سے دارالعلوم میں مقیم ہی رہتے تھے اور اس طرح ہر پروگرام میں اچھا خاصہ مجمع ہوتا تھا لیکن دارالعلوم کی یہ خانقاہ جو حضرت کی آمد سے قائم ہوگئی تھی، اس کی اصل بہار شام چھ بجے سے شروع ہوتی تھی جبکہ قرب وجوار کے لوگ اپنی دکانوں، دفتروں اور کارخانوں وغیرہ سے چھٹی پاکر جوق در جوق وہاں پہنچ جاتے تھے۔ اس وقت یہ مجمع ہزاروں کا ہوتا تھا اور اس بہار کا بھی اصل شباب نماز مغرب سے شروع ہوتا تھا اس کے بعد متصلاً اسی جگہ حضرت مجمع کے بیچ میں تشریف فرما ہوتے تھے۔ یہ وقت چوبیس گھنٹوں کا حاصل تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ دلوں پر سکینت اور فیضانِ حق کا نزول ہو رہا ہے اور کیسے نہ ہوتا، جب کہ ایک بندۂ حق اپنی پوری توجہ قلبی کے ساتھ مراقب ہوکر درمیان میں بیٹھا ہے اور ارد گرد کا سارا مجمع فیضانِ حق کے کچھ چھینٹے پانے کی نیت سے ایک جذبۂ طلب اور حسنِ عقیدت کے ساتھ نظریں اس کے چہرے پر جمائے ہوئے اس کے اپنے الفاظ میں اس کی درخواست اور ہماری تعبیر میں اس کی ہدایت پر کم سے کم ایک ہزار بار درود شریف کا ورد پورا کرنے میں مصروف ہے۔

حضرت نے پہلے ہی دن مجلس میں تشریف فرما ہوتے ہی فرمایا تھا کہ بھئی میرے پاس صرف بیٹھنے اور مجھے دیکھنے کے لیے جمع ہوجانے سے کچھ نہیں ملے گا۔ جو کچھ ملے گا کچھ کرنے سے ملے گا اور کچھ کرنے کے سلسلے میں اس وقت (یعنی اس مجلس کے وقت) میں کم از کم اتنا ضرور کرو کہ ایک ایک ہزار بار درود شریف ہر شخص پڑھ لے اور اس کے علاوہ اوقات میں ہر غیر ضروری بات سے اپنے وقت کی حفاظت کرتے ہوئے دل اور زبان کو زیادہ سے زیادہ اللہ کے ذکر میں مشغول رکھو۔

اس مجلس کے آغاز میں ہر دن حضرت کسی نہ کسی درجے اور کسی نہ کسی پیرائے میں مذکورۂ بالا ہدایت کی یاددہانی ضرور فرماتے تھے اور اندازہ یہ ہے کہ کم از کم اس مجلس کے وقت میں تو تمام ہی حاضرین آپ کی ہدایت پر عمل کرتے تھے اور اس طرح یہ مجلس گویا مجلس درود ہو جاتی تھی۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا (جو کوئی مجھ پر ایک بار درود بھیجے اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے) اس مبارک حدیث کی روشنی میں کیوں کر کسی شبہ کی گنجائش ہوسکتی ہے کہ اس مجلس کے دوران میں دل و روح میں جو ایک غیر معمولی سکینت و شادمانی اور ایک بیان سے بالاتر حلاوتِ ایمانی کا احساس طاری رہتا تھا وہ کوئی واہمہ نہیں

عین ایک حقیقت کا احساس اور اُس رحمت و عنایت حق کا عکس تھا جو اس خاموش درود خوانی کے جواب میں اس مجلس پر برس رہی ہوتی تھی۔

اتنی دیر کی خاموشی کے بعد کہ ایک ہزار مرتبہ درود کا ورد پورا ہو جائے، اُن لوگوں کی بیعت شروع ہوتی تھی جو حضرت سے بیعت ہونا چاہتے تھے۔ اس بیعت کا طریقہ یہ تھا کہ حضرت اپنی زبان سے بیعت کے الفاظ فرماتے جسے حضرت کے خدام میں سے ملک عبدالحفیظ صاحب مانک پروہرا کراس ہدایت کے ساتھ مجمع تک پہنچاتے کہ جو لوگ واقعی بیعت کا ارادہ کر کے آئے ہوں وہی ان الفاظ کو دہرائیں۔ بیعت کے الفاظ میں کیا ہوتا ہے؟ ایمان کی تجدید، گناہوں سے توبہ اور آئندہ کے لیے اطاعت و راست روی کا عہد و اقرار۔ یہ اس مجلس کا خاتمہ ہوتا تھا یعنی درود سے شروع ہو کر توبہ و استغفار پر یہ مجلس ختم ہوتی تھی ــــ اس کے علاوہ اور کیا کسی مجلس کے بابرکت اور ایمان آفریں ہونے کے لیے چاہیے۔

اس انداز پر اور اس شان سے حضرت کے قیام انگلستان کے یہ دس گیارہ دن گزرے انہی میں سے درمیان کا ایک دن (پنجشنبہ ۲۸ جون) برطانیہ کے تبلیغی مرکز (ڈیوزبری) کے لیے رکھا گیا تھا۔ پورے قیام میں بس یہی ایک سفر حضرت نے دارالعلوم سے باہر کا فرمایا۔ صبح ساڑھے دس گیارہ بجے روانگی ہوئی۔ ۱۲ بجے ڈیوزبری سے چند میل ورے بالٹی پہنچ کر ذرا دیر کا قیام فرمایا۔ کیونکہ یہاں خواتین کی بیعت کا پروگرام تھا۔ اس بیعت سے فراغت فرما کر آپ ڈیوزبری کے مرکز میں تشریف لے آئے، عشاء تک وہیں قیام رہا۔ عشاء پڑھ کر وہاں سے پھر دارالعلوم کو واپسی ہو گئی۔ اس قیام میں بھی نظام الاوقات اور پروگرام بالکل وہی رہا جو دارالعلوم میں رہتا تھا۔

حضرت دارالعلوم سے ڈیوزبری چلے تو وہاں کے مقیمین کا بیشتر حصہ بھی آپ کے آگے پیچھے اس طرح وہاں سے منتقل ہو گیا جیسے شمع کے ساتھ پروانے۔ اور ان کے علاوہ ڈیوزبری کے حوالے سے جو آمد شروع ہوئی تو ہر طرف سے موٹریں ہی موٹریں آتی ہوئی نظر آتی تھیں، دارالعلوم تو بالکل ہی آبادی سے الگ اپنی دنیا آپ ہے، مرکز کے ساتھ بھی کوئی خاص آبادی نہیں،

مگر دونوں جگہ جنگل میں منگل کی شان تھی۔ معلوم ہوتا تھا دنیا کی ساری رونق اور زندگی یہیں کھنچ آئی ہے۔

اگر اسے سفر کہا جا سکے تو ایک سفر ڈیوزبری کے علاوہ بھی حضرت نے اور کیا اور وہ دارالعلوم سے آٹھ دس میل پر واقع اس علاقے کے بڑے شہر بولٹن کی زکریا مسجد کا سفر تھا۔ یہاں اتوار یکم جولائی کو ۱۲ بجے دن سے ظہر تک کا پروگرام تھا، جہاں مفتی محمود الحسن صاحب کا بیان خواتین کی بیعت اور دوپہر کے کھانے کی دعوت تھی۔ اس پروگرام میں راقم حروف شریک نہیں ہو سکا، کیونکہ اُسے اسی دن دو بجے لندن کے لیے واپس ہونا ضروری تھا۔ ابتدا میں حضرت کی واپسی بھی اتوار ہی کی تھی اسی کے مطابق میں نے بھی اتوار تک کے ارادے سے لندن چھوڑا تھا۔ مگر بعد میں حضرت کے قیام میں کچھ اضافہ طے ہو گیا اور واپسی جمعرات ۵ جولائی کو طے پائی مگر میں بعض مجبوریوں سے اپنا قیام نہ بڑھا سکا اور حضرت سے اجازت اور آپ کی دعائیں لیکر حضرت کی بولٹن روانگی کے بعد لندن کے لیے روانہ ہو گیا۔

۵ جولائی کی صبح ۹ بجے حضرت مانچسٹر ایرپورٹ سے پرواز کر کے دس بجے کے قریب لندن کے ہیتھرو ایرپورٹ پر تشریف لائے۔ یہاں سے آپ کو ایرانڈیا کے ذریعہ دہلی تشریف لے جانا تھا۔ طیارہ کا اصل وقت دس بجے تھا مگر رات ہی کو اس کا علم دارالعلوم میں ہو گیا تھا کہ دس بجے کے بجائے دو بجے پرواز ہوگی، اس لیے جو آخری فلائٹ اس طیارہ سے سفر کے لیے مانچسٹر سے ہو سکتی تھی وہ اختیار کی گئی۔ مگر یہ مزید دو گھنٹے لیٹ ہوا اور چار بجے گیا۔

دو بجے کی اطلاع ہم لندن کے لوگوں کو بھی مل گئی تھی۔ اس لیے گیارہ کے قریب ہیتھرو پہنچے۔ اُس وقت حضرت مخصوص انتظامات کے تحت برٹش ایرویز کے میڈیکل یونٹ کے ایمرجنسی وارڈ میں تشریف فرما تھے، ہمیں وہیں حاضری کا موقع مل گیا مگر عین اُسی وقت ایرانڈیا کے "مہاراجہ لاؤنج" سے بلاوا آگیا جہاں آرام کا مستقل بندوبست ہو رہا تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد وہاں جا کر رخصتی ملاقات کی تکمیل کی۔

خدا اُن لوگوں کو سدا خوش رکھے جو حضرت کے اس سفر کا ذریعہ بنے اور راقم الحروف

جیسے کتنے ہی آرزومندوں کو انگلستان ہی میں بیٹھے بیٹھے حضرت کی زیارت نصیب کرا دی غیب اور حقیقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے مگر جہاں تک اپنے دل کی بات ہے سودہ تو یہی کہتا ہے کہ حضرت کی معذوریاں جس درجہ کی ہیں ضعف و پیری کی جو کیفیت ہے اور مدینے ہی کی خاک پاک کا پیوند بننے کی جو آرزو لیے ہوئے آپ مستقلاً اسی خاک سے لگ بیٹھے ہیں۔ ان باتوں کو دیکھتے ہوئے یہ سمجھنا بہت ہی مشکل ہے کہ محض کچھ لوگوں کی دلداری کے لیے آپ اس ظلمت کدۂ فرنگ کے سفر پر آمادہ ہو گئے ہوں۔ بلکہ اس آمادگی کے پیچھے مشیت حق کا کوئی ایسا فیصلہ شاید کارفرما تھا جو اس ملک کے مسلمانوں یا خود اس ملک ہی کو کچھ دینے کے لیے کیا گیا ہو! ہماری دانست میں اس سرزمین پر یہ دس دن جس انداز اور کیفیت کے گزرے ہیں ایسے انداز اور ایسی کیفیت کا تجربہ اس سے پہلے اس سرزمین نے کبھی نہیں کیا ہوگا، اور لوگوں کے دلوں نے بھی نور حق اور رحمت حق برسنے کا ایسا تجربہ اس سے پہلے اس سرزمین پر کبھی نہ کیا ہوگا۔

خدایا! ہمارا یہ حسن ظن اور حسن امید بیکار نہ جائے تو فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ہے۔ جس سرزمین پر چاہے پھول کھلا سکتا ہے۔ ہم نے تیری رحمت کی بارش برستی ہوئی یہاں ان دنوں میں دیکھی ہے۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ یہ ضرور اس سرزمین کو نہال کرنے اور تیرے کلمے کو فروغ عطا ہونے کا باعث بنے گی۔

"بندہ صوفیا کی اصطلاحات سے واقف نہیں":

"ایک ... ارشاد حضرت (گنگوہی قدس سرہٗ) کا میں نے مکاتیب میں بھی دیکھا اور مشائخ سے بھی سنا کہ حضرت قدس سرہٗ ایسے لوگوں کو جو تصوف کی باریکیاں یا کسی چیز کی لِم یا اصطلاحی چیزیں پوچھتے تو حضرت قدس سرہٗ کا جواب مجھے بہت ہی پسند آیا کہ "بندہ صوفیا کی اصطلاحات سے واقف نہیں"" (آپ بیتی نمبر ۴ ص ۱۴۱)

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

مختصر فہرست الفرقان بکڈپو، لکھنؤ
مولانا محمد منظور نعمانی کی ایمان افروز تالیفات
ہماری مطبوعات
اسلام کیا ہے؟
نہایت آسان زبان، بیحد دلنشین اور پرُاثر انداز
میں اسلامی تعلیمات کا جامع اور مکمل خلاصہ، نیا ایڈیشن
بہترین کتابت، اعلیٰ طباعت سے مزین
قیمت ۶/ ہندی ۱۰/
انگریزی ۳۰/
ملفوظات
مولانا محمد الیاس رح
دین و شریعت
اس کتاب میں توحید، آخرت، رسالت، نماز
روزہ، زکوٰۃ، حج، اخلاق، معاملات، دعوت و جہاد
سیاست و حکومت اور احسان و تصوف کے مباحث
پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے، نیا ایڈیشن اعلیٰ
طباعت کے ساتھ، قیمت ۱۰/ انگریزی ۲۰/
معارف الحدیث
قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟
تصوف کیا ہے؟
تصوف کے موضوع پر یہ کتاب اپنے
اختصار کے باوجود انصاف، تحقیق اور مباحث
کے سلجھاؤ کے لحاظ سے بہت ممتاز ہے۔
قیمت ۸/
کلمۂ طیبہ کی حقیقت
قیمت ۲/
شیخ محمد بن عبد الوہاب
کے خلاف پروپیگنڈہ اور
ہندوستان کے علماء حق پر اس کے اثرات
تذکرہ مجدد الف ثانی رح
امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رح کے سوانح حیات
آپ کے عرفانی اور ارشادی خصوصیات، قیمت مجلد
۱۶/

بوارق الغیب
زیر طبع
فیصلہ کن مناظرہ
اکابر علماء دیوبند پر مولوی احمد رضا خان بریلوی
کے سنگین تکفیری الزامات کی تحقیق
جواب قیمت
۵/
شاہ اسمٰعیل شہید
اور معاندین اہل بدعت کے
الزامات
مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت
اور اب میرا موقف
مولانا محمد منظور نعمانی کی تازہ ترین تصنیف اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے جس میں مولانا موصوف نے
(جو کہ جماعت اسلامی کے قیام سے بہت پہلے ہی مودودی صاحب سے گہرا تعلق رکھتے تھے اور جماعت اسلامی
کی تاسیس میں ان کے شریک اور پہلے رفیق تھے) مودودی صاحب کی ان باتوں اور نظریات کی نشاندہی کی ہے
جو امت کے لئے بالخصوص ان کے متبعین کے لئے زیغ ضلال اور فتنہ کا باعث بن سکتے ہیں
کتاب کے شروع میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا بصیرت افروز پیش لفظ ہے۔ قیمت ۱۰/
تبلیغی جماعت
جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات
اس کتاب میں درج ذیل ۵ انتہائی اہم مضامین جمع کر دیئے گئے ہیں (۱) تبلیغی جماعت کی اصل دعوت
بنیادی مقصد اور طریق کار کی وضاحت (۲) تبلیغی جماعت سے متعلق ایک سی آئی ڈی افسر کے ایسے
سوالات کا جواب جو بہت سے دلوں میں پیدا ہوتے ہوں گے (۳) مولانا مودودی کا ایک مضمون جس میں انہوں نے
اپنا یہ تاثر اپنے زور قلم کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ اس زمانہ میں احیاء دین کی جدوجہد کا صحیح طریقہ
وہی ہے جو تبلیغی جماعت کا طریقہ ہے (۴) تبلیغی جماعت پر جماعت اسلامی کے حضرات کی طرف سے کئے
جانے والے اعتراضات کا جواب (۵) بریلوی جماعت کی تاریخ اور تبلیغی جماعت کے خلاف بریلوی حضرات کی طرف سے
لگائے جانے والے الزامات اور بہتانوں کی حقیقت۔ قیمت ۳/

دیگر اداروں کی مطبوعات

تصانیف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ارکان اربعہ ۲۲/- انگریزی ۳۵/-
اسلامیات اور مغربی مستشرقین و مسلمان مصنفین ۶/-
اسلامیت و مغربیت کی کشمکش ۱۸/- انگریزی ۲۵/-
اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل میں حدیث کا کردار ۲/-
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ۲۰/-
انگریزی ۲۵/-
پاجا سراغ زندگی ۱۲/-
پرانے چراغ اول ۱۶/- دوم ۲۵/-
تاریخ دعوت و عزیمت مکمل ۴ حصے ۷۰/- انگریزی ۲ حصے ۵۵/-
تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب ۱۰/-
تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک ۱۰/-
تحفۂ کشمیر ۶/-
تحقیق و انصاف کی عدالت میں ایک مصلح کا مقدمہ ۳/۵۰ انگریزی ۶/-
جب ایمان کی بہار آئی ۱۲/-
حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب امیدوں اور اندیشوں کے درمیان ۶/-
خواتین اور دین کی خدمات ۳/-

دریائے کابل سے یرموک تک ۱۶/-
دو ہفتے مغرب اقصیٰ مراکش میں ۶/-
سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری ۱۵/-
سیرت سید احمد شہید مکمل ۲ جلد ۶۰/-
شرق اوسط کی ڈائری ۱۵/-
عالم عربی کا المیہ ۱۲/-
عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح ۷/- انگریزی ۱۶/-
کاروان مدینہ ۱۲/- ہندی ۱۲/- انگریزی ۲۰/-
معرکۂ ایمان و مادیت ۹/- انگریزی ۱۵/-
مذہب و تمدن ۷/- انگریزی ۱۴/-
مغرب سے صاف صاف باتیں ۱۱/- انگریزی ۶/-
منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین ۱۶/- انگریزی ۲۴/-
نبی رحمت ۳۵/- انگریزی ۵۰/-
نقوش اقبال ۱۶/- انگریزی ۲۸/-
نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں ۸/- انگریزی ۱۳/-
ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں ۸/- ہندی ۱۰/- انگریزی ۱۶/-

نوٹ: (الف) مولانا ندوی مدظلہ کی اصلاحی تقاریر کتابچوں کی شکل میں موجود ہیں۔
(ب) مجلس تحقیقات و نشریات لکھنؤ کی انگریزی و ہندی مطبوعات بھی ہمارے پاس رہتی ہیں۔

مختلف موضوعات پر اہم مفید اور قابل مطالعہ کتب

اکمال الشیم عکسی (حضرت شیخ الحدیث) ۱۲/-
اکابر کا سلوک واحسان (") ۵/-
اکابر کا تقویٰ (") ۴/-
آپ بیتی حضرت شیخ الحدیث مکمل ۸۰/-
آپ بیتی کی روشنی میں مودودیت بے نقاب ۵/-
آپ بیتی مولانا عبدالماجد دریا بادی ۲۵/-
آپ تقریر کیسے کریں اول ۳/- دوم ۴/-
• آخری نبی ۲/-
آداب المعلمین والمتعلمین ۳/۵۰
اکابر علماء دیوبند اتباع سنت کی روشنی میں ۵/-
البلاغ المبین ۱/۵۰
• آئینۂ حرم ۲۵/-
اہم سفر ۴/-
الاعتدال اسلامی سیاست (حضرت شیخ) ۱۲/-
ارکان اسلام ۴/-
• احکام المیت -/۴۰
اسلام میں عورت کا مقام ۴/-
• اردو عربی ڈکشنری ۱۵/-
اعمال قرآنی ۵/-
• اسلام اور غیر اسلامی تہذیب ۱۰/-
امت مسلمہ کی مائیں ۴/-
• اسلام کا پریچے ہندی ۵/-
اسلامی حکومت کی کہانی ۱/۵۰
• اسلامی فکر اور تہذیب کا اثر ہندوستان پر ۵/-
ام الامراض (حضرت شیخ) ۵/-
• الانور ۴۰/-
• اصلاحی تقریریں ۲/-
اصلاح الرسوم ۴/-

اصلاح نیت ۲/۵۰
• اعتکاف (مولانا صدیق احمد باندوی) ۱/۵۰
اکابر دیوبند اتباع سنت کی روشنی میں (حضرت شیخ) ۵/-
المائدہ (آسمانی روٹی) ۲/-
• اللہ والوں کے پچیس قصے -/۴۰
الیس منکم رجل رشید ۹/۵۰
• انگشت بوسی سے بائبل بوسی تک ۲/۵۰
ایکسرے رپورٹ اول ۱/۵۰ دوم ۲/-
• باطل شکن ۳/۵۰
بدنظری کا علاج (حضرت شیخ) ۲/۵۰
• بچوں کی قصص الانبیاء اول ۵/-
• بادۂ وحدت ۱/
• بزم رحمت ۱/۲۵
• بشریت انبیاء (مولانا عبدالماجد دریا بادی) ۱۰/-
• بہار تعزیہ و بدعات مروجہ -/۶۰
• پھول ہی پھول ۱/۵۰
تبلیغی نصاب اول سادہ ۲۲/- پلاسٹک ۲۶/-
تبلیغی نصاب دوم پلاسٹک ۳۰/-
تبلیغی تحریک کی ابتدا اور اس کے بنیادی اصول ۵/-
• تجارت اور اسلام ۳/-
• تجدید تعلیم و تبلیغ (مولانا عبدالباری ندوی) ۹/-
• تجدید معاشیات ۱۰/-
تاریخ مشائخ چشت (حضرت شیخ) ۱۲/۵۰
• تجلیات (ذکی کاکوروی) ۶/-
تذکرۃ الخلیل (حضرت شیخ) ۲۰/-
• تذکرہ اولیاء ۳/۵۰
تذکرۃ الرشید مکمل (حضرت شیخ) ۴۵/-
• تذکرہ شاہ طیب بنارسی ۳/-

تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے جوابات ۹/-
• تذکرہ مولانا محمد اویس ندوی ۱۰/-
• تذکرہ مولانا محمد ہارون کاندھلوی ۳/۵۰
تفسیر بالرائے کا شرعی حکم ۱/-
تکفیر کے پردے میں ۹/-
• تفسیر ماجدی جلد اول پارہ ۱ تا ۵ مجلد ۲۰/-
• 〃 جلد دوم 〃 ۶ تا ۱۰ ۲۰/-
• 〃 جلد سوم 〃 ۱۱ غیر مجلد ۵/-
تفہیم القرآن سمجھنے کی کوشش اول ۱۸/-
• تعلیم الاسلام مولانا عبدالحیؒ ۲/-
• تقریر کیسے کریں اول ۲/-
〃 دوم ۴/-
• تقویۃ الایمان مختصر ۴/-
• تمدن اسلام کی کہانی (مولانا دریابادی) ۱/۵۰
جماعت اسلامی ایک لمحۂ فکریہ ۶/۵۰
• حب رسول ۱/-
• حج کے چند مشاہدات و واقعات ۳/-
• حسن معاشرت ۳/۵۰
حضرات صحابہ معیار حق ۱/-
• حق پر کون ہے؟ ۳/۵۰
حقیقت شکر ۳/۵۰
• حق نما (مولانا صدیق احمد باندوی) -/۸۰
حکایات صحابہ (حضرت شیخ) ۵/-
• حقوق والدین ۳/-
حقیقت کی روشنی ۲/۵۰
• حمد و سلام اور منتخب نعتیں ۳/-
حیات خلیل ۲۵/-
• ذکر زبیر ۳/-
• رحمت عالم (سید سلیمان ندویؒ) ۵/-
• رضاخانیت کا تنقیدی جائزہ ۹/-

• زاد سفر (ریاض الصالحین کا سلیس ترجمہ)
(از امۃ اللہ تسنیم صاحبہ) اول ۱۶/-
• 〃 دوم ۲۰/-
• زلزلہ پر زلزلہ ۱/-
• زمزمۂ نعت ۱/۲۵
• سرور حاودداں ۵/-
شریعت و طریقت کا تلازم (حضرت شیخ) ۱۰/-
• شعاع اول (بہترین نعتیہ مجموعہ) ۲/-
• شیعوں کے ۱۱ اہم سوالات کے فیصلہ کن جوابات ۳/-
• شیعہ اور قرآن (مولانا عبدالشکور صاحب) ۱۲/-
• شیعہ حضرات سے سو سوالات ۳/-
• شیم الحبیب (حضرت شیخ) ۳/-
• صحبتے با اولیاء - ملفوظات حضرت شیخ الحدیث ۱۰/-
(از مولانا تقی الدین ندوی مظاہری)
• طریقۂ فاتحہ اور ایصال ثواب ۱/۲۵
• طوفان سے ساحل تک ۱۶/-
• ظہور قدسی ۱/۲۵
• عربی میں نعتیہ کلام ۱۰/-
• عرش ۱/-
• عرفان محبت (مولانا محمد احمد پرتاپگڈھی) ۱۴/-
• عقد ام کلثوم ۳/-
• عقیدت کے پھول -/۶۰
• علم جدید کا چیلنج ۱۵/-
• علم الفقہ مکمل (مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی) ۴۰/-
عورت اور پردہ ۱/۵۰
• فاتحہ کی حقیقت ۱/-
فضائل درود شریف ۴/-
• فتاوی فرنگی محل ۱۰/-
فضائل صدقات (حضرت شیخ) ۲۲/-
• فتح حقانی (مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی) ۸/-

Regd. No. LW/NP.62 Phone : 45547

MONTHLY ALFURQAN

31, Naya Gaon (West), LUCKNOW-226018

VOL. 50 NO. 9 TO 12

ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
خصوصی اشاعت
ولادت
۱۳۱۵ھ
وفات
۱۴۰۲ھ
شیخ الحدیث حضرت مولانا
محمد زکریا
رحمۃ اللہ علیہ
سرپرست
حضرت مولانا
محمد منظور نعمانی
مدیر
خلیل الرحمن سجاد ندوی

۵۳ واں
۵۲ ویں جلد کا آخری شمارہ
ستمبر تا دسمبر ۱۹۸۵ء
محرم الحرام تا ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ
ماہنامہ الفرقان لکھنؤ
دوسری خصوصی اشاعت بیادگار:
شیخ الحدیث حضرت مولانا الشاہ محمد زکریا نور اللہ مرقدہ
مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی
مرتب
خلیل الرحمن سجاد ندوی
۱۶ روپے
سالانہ چندہ
ہندوستان سے: ۲۵/-
پاکستان سے: ۶۰/-
بنگلہ دیش سے: ۳۰/-
پاکستان بیرونی ممالک کے حضرات ملاحظہ فرمائیں
سالانہ چندہ
ممالک غیر سے
بحری/-۶۰ (یا ۴۸ پونڈ)
ہوائی/-۱۴۰ (یا ۱۰ پونڈ)
اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو
اس کا مطلب ہے آپ کی خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کیلئے
چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ
بصیغۂ وی پی روانہ کیا جائے گا۔ منیجر
دفتر ماہنامہ الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی نظیر آباد لکھنؤ

یہ عاجز خود بھی اس کیلئے اپنے رب کریم سے برابر دعا کرتا ہے اور ان سطور کے پڑھنے والے تمام حضرات سے عاجزانہ درخواست ہے کہ وہ بھی اس گنہگار بندے کیلئے یہی دعا فرمائیں اور میرے انتقال کے بعد جب یاد آجائے مغفرت کی دعا فرما کے اس گنہگار پر احسان فرمائیں ــــ اللہ تعالیٰ ان کو اسکی بہتر جزا عطا فرمائے ــــ

دو ضروری باتیں

(۱) "الفرقان" میں پہلے بھی بار بار اعلان کیا گیا ہے کہ "رسالہ الفرقان" اور "کتب خانہ الفرقان" کے انتظامی اور دفتری معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے (بلکہ اب تو ملکیت اور الفرقان کی ادارت کا بھی تعلق نہیں ہے جیسا کہ اب سے تین سال پہلے "شیخ الحدیث نمبر" میں بھی اعلان کیا جا چکا ہے) لہٰذا ان کے بارے میں کوئی خط کتابت مجھ سے نہ کی جائے ــــ اس کے باوجود بعض حضرات رسالہ یا کتب خانہ سے متعلق خطوط میرے نام بھی لکھدیتے ہیں اور اُن میں بعض ایسی باتیں بھی لکھدیتے ہیں جو مجھ ہی سے متعلق ہوتی ہیں اور مجھ سے جواب چاہتے ہیں، آج پھر عرض کرتا ہوں کہ ایسے خطوط نہ لکھے جائیں، مجھے معذور سمجھا جائے ۔

(۲) کسی فقہی یا علمی مسئلہ کے بارے میں بھی استفسار نہ فرمایا جائے، اس بارے میں بھی معذور تصور فرمایا جائے ۔ بفضلہ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جیسے عظیم دینی علمی مراکز موجود ہیں ۔ ان کی طرف رجوع فرمایا جائے ۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ
۱۷ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ یکم دسمبر ۱۹۸۲ء

نگاہ اولین

مدیر

"سلاطین کہتے ہیں شاہی دربار تھا، کہ فوج تھی، عَلَم تھا، پولیس تھی، جلّاد تھے، محتسب تھے، گورنر تھے، کلکٹر تھے، منصف تھے، ضبط تھا، قانون تھا۔

مولوی کہتے ہیں مدرسہ تھا، کہ درس تھا، وعظ تھا، افتا تھا، قضا تھا، تصنیف تھی، تالیف تھی، محراب تھی، منبر تھا۔

صوفی کہتے ہیں خانقاہ تھی، کہ دعا تھی، جھاڑ تھا پھونک تھا، درد تھا، وظیفہ تھا، ذکر تھا، شغل تھا، تحنّث (چلّہ) تھا، گریہ تھا، بکا تھا، وجد تھا، حال تھا، کشف تھا، کرامت تھی، فقر تھا، فاقہ تھا، زہد تھا، قناعت تھی، کنکریاں دی جاتی تھیں کہ کھارے کنوؤں کا پانی میٹھا ہو جائے گا، بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے، جس کو جو کچھ کہہ دیا جاتا ہے پورا ہوتا ہے۔

مگر سچ یہ ہے کہ وہ سب کچھ تھا، اس لئے کہ وہ سب کے لئے تھا، آئندہ جس کسی کو چلنا تھا، جہاں کہیں چلنا تھا، جس زمانہ میں چلنا تھا اسی کی روشنی میں چلنا تھا۔"

یہ محبت اور معرفت میں ڈوبے ہوئے الفاظ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمۃ کے ہیں جو انھوں نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "النبی الخاتم" میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظیم اور معجزانہ جامعیت کا نقشہ

کھینچنے کے لئے لکھے ہیں جو ارشاد باری "فبھداھم اقتدہ" کا ثمرہ، اور آپ کے اُس مخصوص منصب و مقام کا نتیجہ تھا جس کی بنا پر آپ کو اللہ تعالیٰ نے "خاتم النبیین" قرار دیا اور آپ پر سلسلۂ نبوت و رسالت کو ہمیشہ کے لئے ختم فرمادیا۔

اہلِ نظر سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سیرت کے ایک ایک گوشے اور ایک ایک واقعہ میں آپ کی دوسری تمام خصوصیات کی طرح یہ شانِ جامعیت پوری طرح جلوہ فرسروز نظر آتی ہے لیکن اسکے باوجود آپ کی اس شان کی صحیح سمجھ، اس کا ہمہ وقتی استحضار اور عملی طور پر اس کی تطبیق، ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے

ہر ہوسنا کے نہ داند جام و سنداں باختن

اور اسی لئے عموماً سیرت نبوی کا صرف وہی گوشہ ہمارے ذہن و دماغ کی گرفت میں آتا ہے جو اپنے لاشعور میں کسی بھی وجہ سے رچ بس جاتا ہے۔ جب ذوق و مزاج کا اتنا اثر عقل و فہم بلکہ سمع و بصر پر پڑتا ہے کہ اُس جامع الکمالات شخصیت کی سیرت اور اوصاف و کمالات پر غور کرتے وقت بھی ہم اس اثر سے۔ بسا اوقات نکل نہیں پاتے جس کی سیرت کی جامعیت اور بوقلمونی، معجزانہ حد کو پہنچی ہوئی ہے اور بدیہی حقیقتوں میں سے ہے۔ تو، اسی سے اندازہ کرلیجئے کہ ماضی بعید یا قریب کی شخصیتوں، بلکہ اپنے معاصر علماء و مشائخ اور مصلحین و مجددین کے اوصاف و خصوصیات کا بھی تعارف کراتے وقت ہمارے اپنے ذوق و مزاج کا کتنا سایہ۔ غیر ارادی اور غیر شعوری طور پر۔ ہم پر پڑتا ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ جن شخصیتوں کے مزاج میں یہ جامعیت اور تنوع زیادہ ہوتا ہے ان کے عقیدتمندوں، اور سوانح نگاروں میں زیادہ تر وہ ہوتے ہیں جو اُنکی زندگی کے کسی مخصوص گوشے سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ اسی ایک پہلو یا رنگ کے ناقل اور حامل بن جاتے ہیں اور اپنے احساس و مشاہدہ کے اثر سے بے ساختہ ایسا انداز اختیار کرنے لگتے ہیں کہ بہت سے لوگوں کو اس میں ان کے

ذاتی ذوق و مزاج کا فصل صاف نظر آنے لگتا ہے۔ اور کبھی کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی شخصیت کے نہایت قریبی حلقے دو یا دو سے زیادہ گروہوں میں منقسم ہوجاتے ہیں، اور پھر جب ایک تیسرا خالی الذہن اور ناپختہ و غیر آزمودہ کار شخص ان دونوں کی زبانی اس شخصیت کا تعارف سنتا یا پڑھتا ہے تو عجیب سے تضاد کا اسے تجربہ ہوتا ہے۔

ہندوستان ہی کے مصلحین و مجددین میں اس کی بڑی واضح مثال حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والاصفات ہے۔ جنہوں نے ہر اختلافی مسئلہ میں نقطۂ اعتدال کو ملحوظ رکھنے، اور دائیں یا بائیں طرف ذرہ برابر جھکے بغیر درمیانی اور عادلانہ رویہ اختیار کرنے اور اسے عملی طور پر زندگی بھر برتنے میں بے مثال کامیابی حاصل کی اور جن کی زندگی جامعیت اور اعتدال و توازن کا شاہکار تھی، اور جن کا مشن ہی فاصلوں کو کم کرنا اور مصنوعی و خود ساختہ دوریوں کو سمیٹ کر متقابل بلکہ متحارب گروہوں کو ایک دوسرے کے قریب لانا تھا اور جنہوں نے مختلف ذوق و مزاج کے لوگوں کو عصبیت اور منافرت کے جذبات سے پاک کر کے باہم قدر و محبت اور تعاون کے پاکیزہ جذبات سے آراستہ کرنے اور ان کی تمام تر صلاحیتوں اور توانائیوں کو اسلام اور صرف اسلام کی خدمت و نصرت پر مرکوز کر دینے کی بھرپور محنت کی تھی۔

انہی شاہ ولی اللہؒ کو بعد میں آنے والے ان کے بہت سے نام لیواؤں نے انہی اختلافی بحثوں میں گھسیٹ لیا جن کی اہمیت کو کم کرنا ان کی زندگی کا سب سے بڑا مشن تھا، اور اب صورتحال یہ ہے کہ ملت اسلامیہ ہندیہ کا ہر گروہ انہیں اپنا مقتدا و مرجع بلکہ بانی و مؤسس قرار دے رہا ہے اور ان کی شخصیت کے اتنے ہی حصہ کو نمایاں کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے جس سے اس کے دعوی کی تائید ہوتی ہو اور بہت سے ولی اللٰہی ذوق و مزاج سے ذوقی و حقیقی مناسبت رکھنے والوں کو "ماکان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما"۔

کے قرآنی طرز پر شاہ صاحب کی شخصیت کے اصل خد و خال نمایاں کرنے کیلئے زبان و قلم اور دل و دماغ کی توانائیوں کو استعمال کرنا پڑ رہا ہے لیکن کون نہیں جانتا کہ اس واضح قرآنی بیان کے باوجود ذات ابراہیمی کی یہ شانِ "حنیفیت" بحیثیت مجموعی آیت میں مذکور تینوں گروہوں کیلئے بدستور اجنبی ہی بنی رہی، اور وہ تینوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اپنے خیموں میں گھسیٹ کر محصور کر لینے ہی پر اصرار کرتے رہے — بعد میں آنے والے انبیاء کرام اور مجددین و مصلحین کو اس ابراہیمی مرکزیت و جامعیت میں سے جتنا حصہ ملتا ہو شاید اسی قدر ورثہ ان کو اس آزمائش میں سے بھی ملتا ہے۔ یہ بات فکر انگیز بھی ہے اور تسلی بخش بھی، —

جن اہل نظر کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو قریب سے دیکھنے اور ان کے مزاج کو سمجھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے اُن کی دلپذیر و دلنواز شخصیت میں ان کے اپنے مخصوص رنگ کے ساتھ اُس عجیب و غریب جامعیت، اور اسلام اور امت مسلمہ کی خدمت کے مختلف شعبوں اور ان میں لگے ہوئے باتوفیق اکابر و اصاغر کے بارے میں اس حیرت انگیز اور بے مثال اعتدال کی کارفرمائی دیکھی ہے جو اَب خدا جانے کب اور کہاں دیکھنے کو ملے گی؟ وہ ایک طرف علوم شریعت کے امین، ناشر سنت، حدیث کے بلند پایہ مدرس و شارح، دینی مدارس کے سب سے بڑے بہی خواہ و پشت پناہ، استاذ الاساتذہ اور شیخ الشیوخ تھے، ہر علمی کام کی اور اس کے انجام دینے والے کی جس طرح وہ ہمت افزائی اور تائید فرماتے تھے، وہ انہی کا حصہ تھا۔

دوسری طرف وہ دین کے فروغ اور عمومی اصلاح کے لئے ہر وقت بے چین و مضطرب رہتے، اس سلسلہ میں ہر اس کام کی قدر کرتے اور اس کے لئے دعاگو رہتے جس کا رخ اور مزاج کم از کم ان کی دانست میں صحیح ہوتا۔

نسبی اعتبار سے حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ ان کے چچا تھے، اور روحانی اعتبار سے ہم شیخ و ہم نوالہ، اور ان دونوں رشتوں کی وجہ سے جو تعلق ان دونوں کے مابین تھا، وہ دو طرفہ محبت و اعتماد اور للٰہی تعلق و خلوص کہ

تاریخ کا ایک زریں باب ہے ؛۔ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کو مشیت الٰہی نے "طریق نبوت" اور "کار نبوت" کی تجدید و احیاء کے جس عہد آفریں و عالم گیر کام کیلئے منتخب فرمایا تھا، طریق ولایت کے ان کے حال ہمدم و ہم درد کھتے ہر لمحہ اس کے لئے مضطرب رہتے، ان کے روئیں روئیں سے اس کے لئے دعائیں تیں اسکی ترقی سے خوش، اور مسائل و مشکلات سے متفکر ہوتے، ان کی دعاؤں اوران کی فکرمندی کے اس عظیم کام کی حفاظت میں جو حصہ ہے اس کا اندازہ ہم جیسوں کو عالم آخرت ہی میں ہو سکے، اور یہ بات بھی اسی ضمن میں ذکر کی جانی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے بزرگوں کی طرح دین کی حمیت اور کج روی و گمرہی سے عام مسلمانوں کی حفاظت کا جذبہ، اور اس بارے میں غیرت و ذکاوت جس کی دولت بڑی فیاضی سے عطا فرمائی تھی، اور اس میں ان کا وہی طرز تھا جس کی کم از کم ہندوستان میں۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی تصنیفات، حضرت سید احمد شہیدؒ نے اپنی کتاب "صراط مستقیم" اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے "تقویۃ الایمان" اور خود حضرت شیخ کے مربی و مرشد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے "براھین قاطعۃ" اور "ہدایات الرشید" لکھ کر بنا ڈالی تھی اور جس کی وجہ سے یہ سب حضرات مخالفین کا سب سے بڑا نشانہ و ہدف بن گئے اور آج تک بنے ہوئے ہیں۔

تیسری طرف وہ مسند تزکیہ و ارشاد کے شہ نشین تھے، اور اپنے اسلاف کی خصوصیات و کمالات کے حامل بلکہ جامع تھے اور تربیت و ارشاد کا جو کام اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا وہ بھی بلاشبہ اس آخری دور میں انہی کا حصہ تھا،

یہ ان کے مزاج کے اسی اعتدال و جامعیت کا ثمرہ تھا کہ یہ گوناگوں اور بظاہر متضاد رنگ ان کی ذات میں پہلو بہ پہلو نظر آتے تھے، اور یہ بھی اسی کا ثمرہ تھا کہ وہ مختلف مسلکوں اور مشاغل کے حاملین اور مختلف المذاق لوگوں سے بیک وقت عقیدت و محبت، اعتراف و اقرار اور حمایت و دفاع کا تعلق رکھتے تھے، اور سب کے بیک وقت معتمد علیہ تھے اور اس معاملہ میں جو کامیابی انھیں زندگی بھر حاصل رہی۔ بہت کم

لوگ اس میں ان کے شریک حال ہوں گے۔

قصۂ مختصر "الاعتدال فی مراتب الرجال" صرف ان کا تصنیفی شاہکار نہیں ہے، وہ ان کے ذوق و مزاج کا آئینہ ہے۔ ان کی اپنی کہانی ہے، اور سچی بات یہ ہے کہ حضرت کے دیگر کمالات تو اندرونی تھے۔ اور اسلئے ان کے فہم و تشخیص کے لئے تو بڑوں کی بصیرت درکار تھی، مدینۂ منورہ میں ۱۳۷۰ھ سے ۱۳۸۲ھ تک کے زمانۂ قیام میں جو تقریباً روزانہ ہی حضرت کی زیارت و ملاقات کی سعادت اس طفلِ مکتب کو مل جاتی تھی۔ ان کے جس امتیازی وصف کا بہت قریب سے مشاہدہ کرنے کا موقع اس کوتاہ چشم کو بھی ملتا تھا، اور جس کی چوٹ دل پر لگتی تھی وہ یہی اعتدال و جامعیت والا وصف ہے۔

اور اسی لئے جب مدینہ منورہ سے تعلیمی سلسلہ کی تکمیل کے بعد حضرتؒ اور دوسرے بزرگوں کی ہدایت کے مطابق راقم الحروف یہاں واپس آیا اور پھر صرف ایک ہفتہ کے بعد حضرت شیخ کا وصال ہوگیا، اور اسکے بعد راقم الحروف کے دل میں حضرت کے سوانحی تذکرہ کے لئے الفرقان کی ایک خصوصی اشاعت پیش کرنے کا داعیہ پیدا ہوا تھا، اسوقت بھی یہ احساس اپنا کام کر رہا تھا کہ حضرت کی اس شانِ اعتدال کو نمایاں اور عام کرنے، اور اسکو اس کا صحیح مقام دینے کی خاص طور پر ضرورت ہے۔

پانچ مہینے کی شبانہ روز محنت کے بعد وہ خصوصی اشاعت دسمبر ۱۹۸۲ء میں پیش کی گئی تھی، اور ناچیز راقم سطور نے اسکی پوری کوشش کی تھی کہ اس اشاعت سے حضرت شیخ کا روحانی، تعلیمی، فکری اور خاندانی سلسلہ بھی تاریخی حوالوں اور دستاویزی ثبوت کے ساتھ روشنی میں آجائے اور ان کی تربیت اور مدارج کمال تک پہنچنے میں جن جن ہستیوں کا حصہ رہا ہے وہ بھی معلوم ہو اور ساتھ ہی حضرت کی یہ خصوصی شان "اعتدال" نمبر کے ہر صفحہ، اور ہر سطر سے اسی طرح جھلکے جیسے کہ ان کی زندگی کے ایک ایک لمحے سے اسکی عملی ترجمانی ہوتی تھی۔ تاکہ ہر ذوق کے آدمی کو اس میں عبرت و موعظت اور اصلاح و تربیت کا سامان ملے۔ اور اس میں اسکی بھی پوری

احتیاط برتی جائے کہ اس مرجعیت و جامعیت کے بیان میں اتنا غلو بھی نہ ہو جائے کہ صاحب تذکرہ کی اپنی انفرادیت، اور ان کا اپنا "رنگ" چھپ جائے کیونکہ حضرات باہم ہونے کے ساتھ بے ہمہ بھی ہوتے ہیں اور مختلف المزاج لوگوں کے مرجع و محبوب ہونے کے باوجود اپنی انفرادی شان بھی رکھتے ہیں۔ اور سچی بات یہ ہے کہ جو بے ہمہ نہ ہو وہ اگر باہمہ بن کر رہے، اور جس کا اپنا مخصوص رنگ نہ ہو وہ اگر ہر رنگ کی قدر کرتا ہے تو یہ کچھ زیادہ اونچے درجہ کی بات بھی نہیں۔

راقم سطور نے حضرت شیخ نمبر (حصۂ اول) کے "نگاہ اولین" میں لکھا تھا:

"واقعہ یہ ہے کہ مختلف دینی اداروں اور اخلاص کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کی کی جو خدمت بھی کی جائے ..... ان سب ہی کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھنے کے طرز عمل اور آپس کے نزاع اور ایک دوسرے کی آبرو ریزی کو انتہائی مہلک سمجھنے کے ساتھ ساتھ محض اختلاف رائے کو مضر نہ سمجھنا۔ یہ سب وہ اوصاف ہیں جنہوں نے حضرت شیخ کو تاریخ کی ان شخصیتوں کی صف میں نمایاں مقام بخشا جنہوں نے اختلاف کی ظاہری اور معنوی ہیبت ناک شکل سے متأثر نہ ہونے بلکہ عملی طور پر ان کی خلیج کو پاٹنے کی سعی کرتے رہنے اور مختلف المزاج اشخاص سے بیک وقت استفادہ کرنے کا اسوہ قائم کیا، جو ولی اللّٰہی طریقہ کا مایہ الامتیاز وصف ہے۔"

اور پھر اس طفل مکتب کے قلم پر یہ معصوم سی تمنا بھی اُس وقت بے ساختہ آگئی تھی کہ:

"مجھ جیسا ایک ادنیٰ مسلمان اگر حضرت کے اہل تعلق سے اسی روش پر استقامت اور اس طرز عمل کی ترویج و اشاعت کی سعی کی تمنا کرے تو امید ہے کہ نہ اسے خلاف ادب سمجھا جائے گا اور نہ اپنی حدود سے تجاوز!"

جس احساس کی وجہ سے اُس وقت یہ خاص داعیہ دل میں پیدا ہوا تھا، اسی احساس کی کارفرمائی آپ کو اِس حصۂ دوم میں بھی نظر آئے تو چنداں تعجب کی بات نہیں، بلکہ یہ ناچیز اسے اپنی حقیر سی کوشش کی کامیابی کی علامت سمجھے گا۔

اس مضمون کی تمہیدی سطروں میں راقم سطور نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کی مثال ذکر کرکے اس المناک تاریخی حقیقت کی طرف اشارہ کیا تھا کہ جب ان جیسی جامعیت و اعتدال کی شاہکار شخصیت کو اور اس کے اپنے مسلک کو بھی بعد میں اختلاف و نزاع کا ایک نیا موضوع بنادیا گیا تو یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ کسی بھی شخصیت کے ساتھ یہ آزمائش پیش آسکتی ہے اور اس لحاظ سے یہ بات، جیساکہ اوپر عرض کیا گیا صرف فکر انگیز ہی نہیں تسلی بخش بھی ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ اس شخصیت کے عقیدتمندوں اور نیاز مندوں کو اسی صورتحال کی وجہ سے اسکے صحیح خد و خال نمایاں کرنے کی ذمہ داری ادا کرنی ہوتی ہے۔ خدا کرے کہ الفرقان کے یہ دونوں خصوصی شمارے حضرت شیخ کی شخصیت کا صحیح تعارف کرانے میں کامیاب ہوں..... اور یہ کوشش دوسروں سے پہلے اپنے لئے باعثِ سعادت ہو کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ؎

حکایت از قدآں یار دل نواز کنیم
بایں بہانہ مگر عمر خود دراز کنیم

اس اشاعت میں شامل مضامین :

اس شمارے میں پہلا مضمون، عارف باللہ حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی دامت برکاتہم کا ہے۔ پوری کوشش کے باوجود بہت تاخیر ہونے کے باعث یہ مضمون حضرت شیخ نمبر (حصۂ اول) میں شامل نہیں ہوسکا تھا، اب یہ امانت قارئین کی خدمت میں تاخیر کی معذرت کے ساتھ پیش ہے ۔ اس مضمون کے بارے میں کچھ عرض کرنا میرے لئے

موزوں نہیں ہے۔ سوائے اسکے کہ یہ ایک عارف کی کہانی ایک عارف کی زبانی ہے۔ اسے بار بار اور بغور پڑھا جانا چاہیئے۔

دوسرا مضمون، حضرت والد ماجد دامت برکاتہم کا ہے جس میں انھوں نے اپنے مخصوص سادہ اور مؤثر انداز میں حضرت شیخؒ کے کچھ واقعات لکھے ہیں جن سے ان کی شخصیت کے متعدد اہم پہلو روشن ہوتے ہیں، اور ان کی اس مقبولیت و محبوبیت کا راز کھلتا ہے۔ جس درجہ اور جس قسم کا تعلق گذشتہ نصف صدی کے طویل عرصہ میں حضرت والد ماجد اور حضرت شیخؒ کے مابین رہا اس کا تقاضہ تھا کہ ان کے قلم سے حضرت شیخ کی باتوں اور یادوں کا سلسلہ بہت دراز ہوتا لیکن اس سلسلہ میں ان کے مزاج اور افتادِ طبع پر چونکہ اخفاء حال کا غلبہ ہے اسلئے اور اس وجہ سے بھی کہ کئی ماہ سے ان کی صحت میں غیر معمولی رفتار سے انحطاط بڑھ رہا ہے جو کچھ انھوں نے ہم خادموں کے اصرار پر تحریر فرمادیا۔ امید ہے کہ اسے بسا غنیمت سمجھا جائے گا اور اس سے کما حقہٗ فائدہ اٹھایا جائے گا۔

تیسرا مضمون، مولانا سعید احمد اکبرآبادی علیہ الرحمۃ کا ہے جو اللہ کی مشیت کہ اس وقت شائع ہورہا ہے جبکہ صاحب مضمون خود اس عالم میں پہونچ چکے ہیں جہاں اُن کا ممدوح پہلے بسیرا کرچکا تھا۔ یہ مضمون مولانا اکبرآبادی مرحوم نے حضرت شیخ نمبر (حصہ اول) کے لئے لکھ کر ارسال فرمایا تھا لیکن ہمارے ملک کے محکمۂ ڈاک کی روایتی خوش انتظامی کی نذر ہوگیا تھا۔ بعد میں مولانا مرحوم نے اسے دوبارہ لکھ کر بھیجا تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے ان کی مقبول حسنات میں شمار فرمائے۔

چوتھا مضمون، مولانا فریدالوحیدی (مقیم جدہ) کے قلم سے ہے جس میں حضرت شیخ کی ہمہ جہتی شخصیت کا بہت قریب سے اور بڑے محبت بھرے انداز میں تعارف کرایا گیا ہے۔

آخر میں حضرت والد ماجد کے قلم سے حضرت شیخ کی مشہور زمانہ "آپ بیتی" کی

آخری تقریباً تین جلدوں کی تلخیص پیش کی گئی ہے۔ اور اس طرح تقریباً ڈیڑھ سو (۱۵۰) صفحہ میں سولہ سو (۱۶۰۰) صفحات کی تلخیص کا کام مکمل ہوگیا ہے[1]

یہ ہے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اہم مزاجی خصوصیت کا تعارف بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ان کی یاد میں شائع ہونے والی الفرقان کی دو خصوصی اشاعتوں کے اہتمام کے پیچھے کام کرنے والے حقیقی داعیہ کی وضاحت، اب مجھے بلا تاخیر سامنے سے ہٹ جانا چاہیئے لیکن اس حصۂ دوم کی اشاعت میں تاخیر کیلئے معذرت کے طور پر دو جملے اور عرض کرتا چلوں۔ ۱۹۸۲ء کے آخر میں حضرت شیخ نمبر حصۂ اول شائع ہوا تھا، ہونا یہ چاہیئے تھا کہ ۱۹۸۳ء کے آخر تک یہ دوسرا حصہ بھی شائع ہو جاتا، لیکن ہوا یہ کہ ۱۹۸۳ء کے شروع ہی سے حضرت والد ماجد کی توجہ ایرانی انقلاب کے مضمرات اور خمینی صاحب کے ذاتی افکار و خیالات اور شیعیت کے جائزہ و مطالعہ کی طرف مرکوز ہو گئی۔ ناچیز مدیر الفرقان کا بھی کسی حد تک یہی حال رہا۔ اور پھر حضرت شیخؒ کے متعلق کتابوں اور ہند و پاک کے متعدد رسالوں کے خاص نمبروں کی اشاعت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس حصۂ دوم کی اشاعت میں تاخیر پر تاخیر ہوتی گئی، اور اب پورے تین سال کے بعد اس کی اشاعت کی نوبت آرہی ہے یقیناً یہ تاخیر بہت سے اہل ذوق کو گراں گذری ہوگی۔ تاہم امید ہے کہ مذکورہ بالا وضاحت کے بعد ادارہ کو اس بارے میں معذور سمجھ لیا جائے گا۔

اور اب یہ راقم اس دعا کے ساتھ رخصت ہوتا ہے کہ ؎

تیری رحمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول　　پھول کچھ میں نے چنے ہیں انکے دامن کیلئے

---

[1] امید ہے کہ یہ پوری تلخیص یکجا کتابی شکل میں بھی کتب خانہ الفرقان سے جلد ہی شائع ہو جائے گی تاکہ اس سے وہ لوگ بھی فائدہ اٹھا سکیں جو اس پورے ذخیرے کا مطالعہ نہ کر سکیں۔

علماء و اولیاء سلف
کی
ایک بیمثال یادگار

از
حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی دامت فیوضہم
صدر شعبۂ عربی پشاور یونیورسٹی (پشاور)

[پیش نظر مضمون حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی (دامت فیوضہم) نے حضرت شیخ الحدیثؒ کی وفات کے کچھ ہی دن بعد الفرقان کی خصوصی اشاعت کے لئے حضرت والد ماجد مدظلہٗ کی فرمائش پر تحریر فرمایا تھا، لیکن مضمون کی تکمیل سے پہلے ہی حضرت مولانا سخت علیل ہوگئے تھے، جس کی وجہ سے اسکی تکمیل میں کافی تاخیر ہوئی ـــ اُدھر یہاں پریس والوں کی طرف سے جلدی! جلدی! کے پیغام آرہے تھے۔ بالآخر آخری حد تک انتظار کے بعد نمبر اشاعت کے لئے دیدیا گیا اور یہ طے کرلیا گیا کہ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب کا مضمون دوسری خصوصی اشاعت میں شائع کردیا جائے گا۔ اُس وقت یہ اندازہ بھی نہیں تھا کہ اسکی اشاعت میں اتنی دیر ہوجائے گی۔ بہر حال اب یہ گرانقدر تحفہ قارئین کی خدمت میں تاخیر کی معذرت کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے ـــ

اس مضمون کے مشتملات کو چار عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ تجدید و احیاء دین اور خلافت نبوی کا ربانی نظام اور الف ثانی (ہزارۂ دوم) سے اس کا عالمی مرکز۔

۲۔ تجدید و احیائے دین کے کام میں دہلی اور دوآبہ کے علاقے کا حصہ۔

۳۔ حضرت شیخ کی تربیت کے لئے توفیق خداوندی (جو تیسیر اسباب کا دوسرا نام ہے) کی مختصر تفصیل۔

۴۔ خدمت دین اور نیابت نبوت کے سلسلہ میں حضرت شیخؒ کی ہمہ جہتی کوششوں کا تذکرہ۔

دعا ہے کہ اس مضمون سے کما حقہٗ فائدہ اٹھایا جائے، مخدوما حضرت مولانا محمد اشرف صاحب نے اپنی سخت علالت اور معذوریوں کے درمیان جس درد دکرب اور جس کیفیت میں ڈوب کر خون جگر سے یہ مضمون لکھا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا احساس، اور انھیں اجر عظیم نصیب فرمائے۔

آخر میں ایک بار پھر یہ عرض ہے کہ اس مضمون کو، خصوصاً اسکے ابتدائی حصہ کو جس میں پہلے اور دوسرے موضوع پر کچھ نہایت اہم باتیں اشاروں کی زبان میں کہی گئی ہیں، بہت غور سے پڑھنے کی ضرورت ہے ـــ

ان فی ذلک لذکریٰ لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شہید ـــ مدیر]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا و مولانا محمد سید المرسلین و خاتم النبیین وآلہ واصحابہ واتباعہ الیٰ یوم الدین۔

نقوش وتاثرات

آہ! جس حادثہ کا اندیشہ ایک مدت سے تھا، ہو کر رہا اور وہ نفس زکیہ جو برسوں سے گوناگوں امراض اور ضعف واضمحلال کے صبرآزما صدموں کو سہہ کر سنبھل جاتا تھا، اس عالم فانی میں زندگی کے چھیاسی سال نو ماہ اور تقریباً انیس دن بیس گھنٹے چالیس منٹ گزار کر اپنے محبوب حقیقی سے جاملا، یعنی نمونۂ سلف برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد زکریا کاندھلوی ثم سہارنپوری ثم مہاجر مدنی کا المدینۃ المنورہ میں یکم شعبان ۱۴۰۲ھ کو وصال ہو گیا۔
انا للہ وانا الیہ راجعون ۵

ایتها النفس اجملی جزعا ۔ فان ما تحذرین فقد وقعا
(اے نفس صبر جمیل اختیار کر ۔ جس بات کا تجھے اندیشہ و ڈر تھا وہ تو ہو ہی گیا)

واحسرتا! دنیا اس نادرۂ روزگار ہستی سے محروم ہو گئی، جو حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی آنکھیں دیکھی ہوئی تھیں اور جس کا وجود حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی اور حضرت مولانا محمد الیاس رحؒ کے علوم وفیوض کا مجموعہ تھا، اور جس کی مشیخت وعلوشان پر حضرت حکیم الامت تھانوی، حضرت شیخ الاسلام مدنی رحؒ،

قدوۃ المشائخ حضرت عبدالقادر رائے پوری اور جملہ اہلِ حق کا طبقہ متفق تھا اور جس سے قطبیت ارشاد و تکوین اور علومِ نبویہ کی سند یکساں و بیک وقت مزین تھی، جس شخصیت میں حافظ ابن حجرؒ، علامہ بدرالدین عینیؒ، علامہ قسطلانیؒ، ابوالولید باجی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی جلوہ آرائیاں جمع تھیں اور جو اس دور میں جنید و شبلی کے مقام تجرید و تفرید، تبتل و انقار، توکل و رضا کا مظہر تھا۔ دریغا کہ اخلاق و مزایا کا وہ مہرِ منیر غروب ہوگیا، جس سے کمال تقویٰ و احسان، کمال معرفت و اخلاص، زہد و ورع اور کمال اتباعِ سنت و شرع نے فروغ پایا تھا، دینی فضائل و محاسن کا بے مثل نمونہ، سلف صالحین کی بے مثال یادگار محبت و عشقِ الٰہی کی حیرت انگیز تمثال، حبِ نبویؐ کا عظیم پیکر، اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جاملا۔ جس نے زندگی کے ہر لمحہ کی حفاظت کی تھی، اور اسے توشۂ آخرت بنایا تھا، راہیٔ آخرت ہوگیا۔ جس کی محبت نبوی ہر وقت پکارتی تھی ؎

"اے خاک درت تاج سرم"

جو مسجدِ نبوی میں "قدمین مبارکین" کی محاذات میں بیٹھنا اپنے لیے سرمایۂ سعادت و برکت سمجھتا تھا، آخر حضورِ انور روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی سیدھ میں جنت البقیع میں جا سویا اور اپنی عمر بھر کی مراد پاگیا ؎

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر — عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسل خطایاہ بالماء والثلج والبرد ونقہ من الخطایا کما نقیت الثوب الابیض من الدنس وابدلہ دارا خیرا من دارہ واھلا خیرا من اھلہ وادخلہ الجنۃ اللّٰھم انزل علیہ شآبیب رحمتک وارفع درجتہ وارزقنا من برکاتہ۔

یقیناً ان کی موت اسلام کا سانحہ اور پورے عالم کا المیہ ہے۔

؎ رفتم وازرفتنِ من عالمی تاریک شد
من مگر شمعم چو رفتم بزم برہم ساختم

ان کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف گراں مایہ کا بیان یہ ہیچ میرز کیا کر سکتا ہے!

یہ رمزی بے بصیرت ہے تیرے رتبے کو کیا جانے
جو ہم رتبہ ہو تیرا وہی تیرے اوصاف پہچانے

وہ مجسمۂ علم واخلاص تھے، وہ پیکر فضل وکمال، ایمان ومعرفت اور زہد وورع تھے، بچپن سے لے کر آخری سانس تک ان کی زندگی جس پاکیزگی وطہارت، پابندیٔ شریعت کا نمونہ رہی، وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص کا ثمرہ تھی۔ وہ معصوم نہ تھے لیکن پارسائی کا کامل نمونہ ضرور تھے، ارشاد وہدایت، پند ونصیحت، تلقین ذکر وشغل، درس وتدریس، تلاش ومطالعہ تحریر وتالیف، ان کے عمر بھر کے مشاغل رہے، جود وسخا تواضع وانکسار، حق گوئی وصداقت، ایثار وقربانی، صبر وتحمل، شکر واحسان، رعایت جلیس، اکرام ضیف، احترام معاصرین، محبت علماء وصلحاء ان کا شعار تھا، ذہانت وفراست، ملت کا درد، شعائر اسلامی کی عظمت وبقا کی فکر، دینی تصلب وحمیت ان کی قبائے خلق کا امتیازی نشان تھا، وہ جس خانوادہ کے چشم وچراغ تھے، وہ نسلاً بعد نسل علم وعمل کا جامع، ظاہر وباطن اور شریعت وطریقت کی وحدت کا ترجمان تھا، آپ اسی جامعیت علوم وکمالات باطنی کے گوہر تابندہ تھے جن پر پچھلے دور کی علم ومعرفت کی ریاست وقیادت ختم تھی۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے مقام اور کارناموں کے سمجھنے کے لیے اولاً چند حقائق تشریعیہ کا جاننا ضروری ہے، اس لیے ان کا مختصر بیان ناگزیر سمجھتا ہوں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کے آخری نبی اور یہ امت اللہ تبارک وتعالیٰ کے مبعوث انبیاء علیہم السلام کی آخری امت ہے، ارشاد نبوی ہے۔

انا خاتم النبیین وانتم آخر الامم — میں انبیاء علیہم السلام کے سلسلے کا ختم کرنے والا ہوں اور تم آخری امت ہو۔

یہ ارشاد پاک قرآن کریم اور دگر احادیث مبارکہ سے مؤید ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو حکمت ربانی نے ابد الآباد تک مستمر فرمایا، اور اب نہ کوئی نیا نبی یا رسول آئے گا اور نہ کوئی نیا دین یا شریعت آئے گی، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

کالایا ہوا دین و شریعت تاقیام ساعت باقی رہے گا، اس لافانی دین کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی لازوال امت حامل ہوگی، جو قیامت تک اس دین کی بقا و استمرار کا سبب و ذریعہ ہوگی، حکمت الٰہیہ نے گو پوری امت کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا من حیث الامت نائب اور دین کی حفاظت کا ذریعہ بنایا، تاہم جسد ملت کے سنوار و نکھار اور اُن کی دینی قیادت و رہنمائی، تربیت و تعلیم کی ذمہ داری حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص نائبین کی حیثیت سے علمار امت کے سپرد کی، جو امت کے لیے رہبر و رہنما اور بمنزلۂ دل و دماغ کے ہوں گے، جن سے امت کی ہدایت و رہنمائی کا وہ کام لیا جائے گا، جو فرائض نبوت کی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کے سپرد کیا گیا تھا اور جسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قرآن کریم نے ان الفاظ میں ادا فرمایا:

یتلوا علیھم اٰیٰتہ ویزکیھم	وہ (پیغمبر) اُن کو اس کی (اللہ کی) آیتیں
ویعلمھم الکتاب والحکمۃ	پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک صاف کرتا ہے
(سورۂ آل عمران آیت ۱۶۴، سورۂ الجمعۃ-۲)	اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

علمار کی خلافت نبوت، نیابت رسالت، قیادت و سیادت، امت کی رہنمائی اور اُن کے ذریعہ حفاظت دینی کا تذکرہ احادیث مبارکہ میں ان الفاظ میں آتا ہے۔

کانت بنوا سرائیل تسوسھم	بنی اسرائیل کی نگرانی و رہنمائی انبیاء علیہم السلام
الانبیاء کلما ھلک نبیٌ خلفہ	فرماتے تھے جب کوئی نبی وفات پا جاتا تو دوسرا نبی
نبی وان لا نبی بعدی و	اس کے بعد اس کی جگہ آجاتا تھا، لیکن میرے بعد
سیکون خلفاء	کوئی نبی نہیں ہوگا، بلکہ خلفار ہوں گے، (جو
(صحیح بخاری کتاب المناقب، ذکر عن	میری امت کو میرے بعد میری نیابت میں
بنی اسرائیل و صحیح مسلم کتاب الامارۃ)	سنبھالیں گے۔

یہ نیابت اگر خلافت ظاہرہ (سلطنت و حکومت) کے ساتھ مقرون ہو تو خلافت جامعہ و

لہ ان فرائض نبوت کا تذکرہ سورہ بقرہ میں آیت ۱۲۹، اور آیت ۱۵۱ میں بھی ہے۔ م۔ ۱۰

کاملہ ہوگی، جیسے حضرات خلفاء راشدین حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ اور دیگر خلفاء ربانیین کے دور میں تھی جو ظاہراً و باطناً احکام الٰہی اور سنت نبوی کا اجراء فرماتے تھے، اور اگر یہ نیابت وراثت نبوت، دولت و حکومت سے محکم نہ ہو، تو خلافت باطنہ ہوگی، جو علمائے حقانیین کے حصہ میں آئی ہے، حدیث پاک کی شہادت ہے:۔

ان العلما ورثة الانبياء و
ان الانبياء لم يورثوا دينارا
ولا درهما ولكن ورثوا العلم
فمن اخذه اخذ بحظ وافر
(جمع الفوائد ص ۲۷ ج ۱ کتاب العلم
بحوالہ ترمذی و ابوداؤد عن ابی
الدرداء رضی اللہ عنہ)

علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور انبیاء نے دینار و درہم کی میراث نہیں چھوڑی بلکہ ان کی میراث ان کا لایا ہوا علم ہے پس جس نے وہ علم اپنا لیا اس نے بڑا حصہ وراثت کا پایا۔

حضرت ابوہریرہؓ اور ابن عمرؓ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں۔

يحمل هذا العلم من كل خلف
عدوله ينفون عنه تحريف
الغالين وتاويل الجاهلين
وانتحال المبطلين۔
(مجمع الزوائد بحوالہ البزار ص ۱۴۰
باب اخذ العلم من الثقات)

اس علم دین کے حامل و امین ہوں گے ہر آئندہ نسل کے صراط مستقیم پر قائم رہنے والے علماء جو غلو پسندوں کی تحریفات، جاہلوں کی تاویلات، باطل پرستوں کے غلط دعاوی کی نفی (ابطال و تردید) کرتے رہیں گے (اور اس طرح حفاظت دین کا فریضہ انجام دیں گے۔)

ان وارثان انبیاء علمائے امت کے کمالات و جلالت پر قرآن شاہد ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

يرفع الله الذين امنوا منكم
والذين اوتوا العلم درجت

جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں اور جنکو علم ملا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے درجے

واللہ بما تعملون خبیر ٥ (المجادلہ۔ ۵۸)	بلند کرے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے آگاہ ہے۔
انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (فاطر۔ ۴)	اللہ تعالیٰ سے، تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو اس کا علم رکھتے ہیں۔
قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون (الزمر۔۱)	آپ کہئے کہ کیا علم والے اور بے علم (کہیں) برابر ہوسکتے ہیں۔

استقصاء مقصود نہیں، ورنہ متعدد آیاتِ قرآنی علماء کی فضیلت پر گواہ اور احادیث کے دفاتر ان کی بڑائی پر نص ناطق ہیں، ان علماء ربانیین اور خاصان حق کے مختلف درجات ہوتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

فوق کل ذی علم علیم۔ (یوسف۔ ایت ۷۶)	ہر علم والے سے اوپر دوسرا علم والا ہے۔

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ وہ قدسی صفات ہستیاں جن سے اس عالم میں نقش حق کو مرتسم کرنے اور پھر اس کی حفاظت کا کام لیا جاتا ہے، وہ اصلاً نائبین انبیاء ہوتی ہیں، کار نبوت کی نیابت کے لیے ان پر صفات نبوت کا پرتو اس طرح ڈالا جاتا ہے کہ ان کا ظاہر و باطن کمالات نبوت سے (جو مختص بالنبوت نہیں) ایک خاص نسبت حاصل کرلیتا ہے اور ان کے مزاج میں طریقہ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کو اس طرح سمو دیا جاتا ہے کہ شریعت انکی فطرت ثانیہ اور اخلاق نبوت ان کی سرشت بن جاتے ہیں، عبدیت کاملہ محمدیہ سے انصباغ ان میں "عبدیت" کے جواہر کو نکھار دیتا ہے، اور ان میں افتقار الی اللہ، ایثار، فنا و تواضع، توکل واتکال، تسلیم و رضا، تفویض والحاح، زاری و سپردگی، عبادت کا شغف، دعاء کا اشتغال مناجات الٰہیہ کا شوق، اعتماد علی اللہ، رجوع الی اللہ کی جملہ صفات پیدا کردیتا ہے، اور وہ عبدیت کاملہ کے خداوندی رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ ٥ ونحن لہ عٰبدون۔ (بقرہ)	ہم نے قبول کرلیا رنگ اللہ کا اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہ صادق بندے جارحۃ الٰہیہ کے طور پر اس عالم میں اوامر ربانی کے شیوع وفروغ واجرا کا ذریعہ بنا دیے جاتے ہیں، خلافت الٰہیہ اور وراثت نبوت ان خاصانِ خدا کا سرمایہ ہوتی ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کو اپنے ظرف واستعداد اور مقدر کے بقدر عطار ربانی اور فیض نبوت سے حصہ عطا فرمایا جاتا ہے اور ان سے نبوت کے "فرائضِ سہ گانہ" ـــــ دعوت وتلاوت کتاب، تزکیہ وتربیت (نفوس وقلوب) تعلیم کتاب و حکمت ـــــ کا کام لیا جاتا ہے، یہ انبیار علیہم السلام کے سچے وارثین اور خاتم الانبیار صلے اللہ علیہ وسلم کے حقیقی نائبین ہوتے ہیں، جن سے عالم کا تشریعی نظام قائم، ہدایت ربانی کا سلسلہ جاری، دین کے ظاہر وباطن کی بہار قائم رہتی ہے، اس زمرہ اخص الخواص میں سے حکمت تشریعی ہر دور میں ایک ذات کو خاص طور پر چن کر اسے اس وقت کے لیے اپنی ہدایت کا عادی سبب بنا دیتی ہے جو محبوبیت ربانی کے خاص مقام پر فائز ہو کر مقبولیت عند الخلائق سے نوازا جاتا ہے۔ اور علمار ربانیین اور اہل قلوب اس کی روحانی سیادت کو قبول کرتے ہیں۔ اسے "انا قاسم واللہ یعطی" کا مظہر بنا کر عالم کے لیے نزول خیرات وبرکات اور ہدایت ورحمت کا سبب باطنی بنا دیا جاتا ہے، ذٰلك فضل اللہ یؤتیہ من یشاء، واللہ ذوالفضل العظیم۔

حکمت ربانی خاصانِ حق کے اس طبقہ سے مختلف ادوار میں مختلف ممالک وامصار میں دینی خدمت لیتی رہی، اور انہیں کے اخص الخواص سے تجدید واحیار اسلام کا کام دنیا کے مختلف ممالک میں لیا جاتا رہا، یہاں تک کہ سنہ ہجری کے ہزارہ دوم (الف ثانی) سے دینی قطبیت اور تجدید واحیار اسلام کا اصل مرکز برصغیر پاک وہند کو بنا دیا گیا۔ چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی نور اللہ مرقدہٗ اور ان کے اخلاف سے تجدید واحیار دین وسنت کا جو دور سعادت شروع ہوا وہ شاہان دہلی حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ ان کے صاحبزادگان وتلامذہ، امیر شہید سید احمد صاحب بریلوی اور امام شہید مولانا محمد اسمٰعیل رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان کی جماعت مبارکہ سے ہوتا ہوا دہلی اور دوآبہ گنگ وجمن کے خطے کے ان نفوس قدسیہ تک پہنچا ہے۔ جن کی

[1] اس سے برصغیر کے دیگر نواح کے علمار ومشائخ کی نفی مقصود نہیں لیکن اختصاص وکثرت اسی خطہ کو میسر ہی، والسلام۔ محمد اشرف
اس حاشیہ کو بغور سے پڑھا جائے۔ الفرقان

نشاندہی کی چنداں ضرورت نہیں کہ "سیماھم فی وجوھھم" ـــــ ان کے نقوش طیبہ آفتاب سے زیادہ روشن، ہمہ گیر وعالم گیر ہیں ـــــ نزاہت وکرامت، بلندی کردار واخلاق تقویٰ وللّہیت کی ان مثالی شخصیتوں سے دعوت وتبلیغ، جہاد وارشاد، تعلیم وخدمت کتاب وسنت، تربیت وتزکیہ (علیٰ منہاج النبوۃ) کے فرائض کی ادائیگی وازسرنو تازگی کا کام جس پیمانہ پر لیا گیا، وہ تاریخ دعوت وعزیمت، ارشاد وہدایت، جہاد وفتوت کا زریں باب ہے اوران بلا نوشان محبت ہی کا حصہ ہے جس کی مثال قرون متاخرہ میں نہیں ملتی ـــــ

ذٰلک من فضل اللّٰہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون ط (یوسف - آیۃ ۳۸)

قل ان الفضل بید اللّٰہ ط یوتیہ من یشاء ط واللّٰہ واسع علیم ہ یختص برحمتہ من یشاء ط واللّٰہ ذوالفضل العظیم ہ (آل عمران آیت ۷۳، ۷۴)

ان خاصان خدا وناموران انبیاء علیہم السلام کی سلک مروارید وزنجیر طلائی حضرات دیوبند وسہارنپور کا وہ قافلہ بھی ہے، جو عالم میں حق کا نشان بن کر چمکا اور ہدایت وصداقت کا نقش جریدۂ عالم پر ثبت کر گیا، حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ خلیل الامۃ حضرت خلیل احمد سہارنپوریؒ حکیم الامۃ ومجدد الملۃ حضرت اشرف علی تھانویؒ، امام العصر حضرت انور شاہ کشمیریؒ فقیہ الامۃ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنیؒ محدث عصر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جنید وشبلی زمانہ حضرات عبدالرحیم وعبدالقادر رائے پوری، رئیس الدعوۃ والتبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس وحضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، فقیہ العصر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ نور اللّٰہ مراقدہم واعلی اللّٰہ مقاماتہم جیسے اکابر کی جلالت شان وعظمت دین وایمان سے کون ناواقف ہے، یہ چند نام نمونہ کے لیے لکھ دیئے ورنہ ؎ ایں خانہ تمام آفتاب است۔

؎ اولٰئک اٰبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

انھیں ربانیین کا (شاید) آخری گل سرسبد ولعل شب چراغ ہمارے ممدوح برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد زکریا کاندھلوی ثم سہارنپوری ثم مہاجر مدنی نور اللّٰہ مرقدہٗ واعلی اللّٰہ مقامہٗ

تھے جن سے ارشاد و ہدایت و خدمتِ دینی و اشاعتِ حدیث، تزکیہ و تربیت نفوس اور احیاءِ ذکرِ الٰہی کا بڑا کام لیا گیا، جنھوں نے امام ربانیین حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی گود کا فیض پایا، انکے لطف و محبت کا لطف اٹھایا، اپنے والدِ محترم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ (جو امام ربانی حضرت گنگوہی کے نورِ نظر تھے) کی حکیمانہ تربیت کی وہ پابندیاں برداشت کیں، جس کا تصور بھی آج ہم نہیں کر سکتے، یہاں تک کہ جب اٹھارہ برس کی چھوٹی عمر میں نسبتِ الٰہی قوی ہو گئی، توان قیود سے اس حالت میں رہائی ملی کہ دنیا اور اس کی الائشوں کی محبت کا واہمہ بھی دل میں نہ رہا تھا، اور قلب محبوب حقیقی اور آخرت کے لیے خاص ہو چکا تھا، تعلیم کا وقت آیا، تو اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کی ان جامع شخصیتوں کو اساتذہ کی حیثیت سے میسر فرمایا، جن کی ایک نگاہ مسِ خام کو کندن بنانے کے لیے کافی تھی اور جن کا درس و تعلیم ذرہ کو مہر منیر بنا دیتا تھا، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نور اللہ مراقدہم جیسے فحول علم و تقویٰ، ائمہ زہد و ورع، رجال معرفت و یقین، حاملین کتاب و سنت و راسخین فی العلم، ذوالایدی والابصار اصحاب یک وقت کیسے مل سکتے ہیں! اور میسر آبھی جائیں تو ہر ایک کی آنکھ کا تارا بن کر کون ان کے انوارِ باطنی و علومِ ظاہری سے اس طرح فیض پا سکتا ہے کہ جو وہاں تھا وہ یہاں تھا، اور ادھر مفیض بزبانِ حال پکار رہا تھا ؎

جو میرے دل میں ہے اسے اپنے دل میں سمجھ لیجئے گا
دلوں دلوں ہی میں ہو جائے فیصلہ دل کا

بقول رومی:

دانش نوراست در جان رجال — نے ز راہ دفتر و نے قیل و قال
دانش آں را ستاند جان زجان — نے ز راہ دفتر و نے از بیان

اور مستفیض حالاً گویا ادھر استاذ سے مخاطب تھا:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

جب تعلیم کا زمانہ ختم ہوا تو ہر دنیاوی شغلہ اور تنعم سے کاٹ کر درس و تدریس، تعلیم و تعلم کی وہ مسند سپرد کر دی گئی جو چند ابتدائی سالوں کے بعد تا آخر حیات قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمزموں سے پرشور و فیضان نبوت سے سراپا نور تھی۔ خدمت حدیث کا یہ شرف اس قدر طویل عرصے کے لیے کم لوگوں کو میسر ہوا ہوگا، اور اگر یہ سچ ہے اور یقیناً سچ ہے کہ اخلاص و تقوی اور ان اجری الا علی اللہ کے جذبہ کے ساتھ احادیث مبارکہ کا اشتغال (تعلیم و تعلم و تصنیف و تالیف) ایک گونہ صحبت نبوت کا بدل ہے ؎

اهل الحديث اهل النبي هو   ان لم يصحبوا نفسه انفاسه صحبوا

تو کون حضرت "شیخ الحدیث" نور اللہ مرقدہٗ کے اس قابل رشک مقام کو غبطہ و استعجاب کی نگاہوں سے نہیں دیکھے گا۔ نام کا سابقہ "شیخ الحدیث" حقیقۃ الامر کا اعلان بن کر ایسا چمکا کہ مطلقاً "شیخ الحدیث" سے مراد آپ کی ذات ستودہ صفات ہی معنون و مشہور ہو گئی۔

حق تو یہ ہے کہ احادیث مبارکہ کے اس اشتغال و انہماک نے ان کے فطری جواہر کو جلا بخشی اور وہ باطنی دولتیں جو اپنے اکابر سے پائی تھیں اس شغف سے کندن بن کر چمکیں۔ اللہ تعالےٰ کی تشریعی حکمت بالغہ نے نیابت نبوت کے جس مقام پر فائز فرما کر جو کام لینا تھا اس کے لیے جن استعدادوں اور ظروف کی ضرورت تھی حضرت شیخ قدس سرہ کو فطرتاً و اکتساباً عطا فرما دی گئیں اور عالم ناسوت میں اس کا ذریعہ اولاً تربیت و تعلیم و فیضان اکابر کو بنایا گیا۔ پھر حضرت شیخ قدس سرہ کے ظاہری و باطنی مجاہدات، شغف قرأت و اہتمام ذکر، اشتغال حدیث اور تعلیم و تربیت طالبین، تصنیف و تالیف کتب دینیہ قرار دیا گیا۔

اس اجمال کی کچھ تفصیل حضرت شیخ قدس سرہٗ کے اجتبا اور کارناموں کی ہلکی سی جھلک دکھانے کے لیے پیش کی جاتی ہے، جس سے اندازہ ہوگا کہ چودھویں صدی کے نصف آخر اور پندرھویں

صدی کے طلوع پر اس نابغہ امت سے نیابت نبوت کا کتنا عظیم کام لیا گیا۔

اجتبارِ خاص، نورِ چشمانِ اکابر

امامِ ربانی حضرت گنگوہی کی توجہ و دعار:

حضرت شیخ قدس سرہٗ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے شاگرد خاص اور ان کے نورِ نظر تھے اور انھیں کے قدموں میں گنگوہ میں مستقل قیام فرمالیا تھا۔ حضرت شیخ کی عمر ڈھائی سال کی تھی کہ وہ بھی اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت مولانا یحییٰ کے خصوصی تعلق کی وجہ سے حضرت شیخ حضرت گنگوہی کی خصوصی شفقتوں، توجہات اور مقبول دعاؤں کا مورد بن گئے۔ حضرت گنگوہی کے اس خوش نصیب و ہونہار بچے سے محبت و تعلق کا اندازہ صرف ان دو واقعات سے کیجئے جو خود حضرت شیخ نے نقل فرائے ہیں، نقل فرمایا:

> "کہ میں ابھی ڈھائی سال ہی کا تھا حضرت گولر کے درخت کے نیچے چار زانو بیٹھے ہوئے تھے میں حضرت کے پیروں پر کھڑا ہو کر حضرت سے خوب لپٹتا پھر فرمایا کہ جب میں کچھ اور بڑا ہو گیا، راستہ میں کھڑا ہو جاتا جب حضرت سامنے سے گزرتے تو میں بڑی قرأت سے اور بلند آواز سے کہتا السلام علیکم۔ حضرت بھی از راہ محبت اور شفقت اسی لہجہ اور آواز میں جواب مرحمت فرماتے۔"
>
> (سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص۴۷)

حضرت امام ربانی نور اللہ مرقدہ کی عنایات کا یہ عالم حضرت شیخ قدس سرہٗ کے ساتھ تقریباً ساڑھے پانچ سال تک رہا کہ حضرت گنگوہیؒ کا سانحۂ ارتحال پیش آیا۔ کون جانتا ہے

کہ اس مہر رشد و ہدایت نے اس معصوم بچے کو اپنی ان شفقتوں و کرم فرمائیوں اور کیمیا اثر نگاہوں سے ظاہر و باطن کی کن دولتوں سے نوازا ہوگا۔ تاہم زمانے نے ایک دن دیکھا کہ یہ معصوم بچہ امام ربانی کے علوم و معارف کا امین و شارح بن کر عالم میں "الکوکب الدری"[1] کی طرح چمکا اور ان کے جواہر ریزوں کو "لامع الدراری"[2] کی صورت میں جلا بخشی جس سے دنیا بقعۂ نور تھی ؎

یہ فیضان نظر تھا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

تربیت یحیوی :

حضرت شیخ کے والد گرامی حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے خادم خاص، ان کے علم و عرفان کے امین اور ان کے کاتب خطوط و فتاوی تھے، حضرت گنگوہی کو ان کے ساتھ اس قدر تعلق خاطر تھا کہ ان کی جدائی برداشت نہ ہوتی تھی، فرماتے تھے "مولوی یحییٰ تو میری آنکھیں ہیں" حضرت مولانا محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فرزند رشید کی تعلیم و تربیت جس طرز پر کی اس کی مثال نہیں ملتی۔ حضرت شیخ قدس سرہٗ نے آپ بیتی میں ایسے واقعات نقل کیے ہیں جنھیں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اس عجالہ میں ان کی گنجائش نہیں۔ "الاعتدال" میں خود رقم فرماتے ہیں۔

"میری ابتدائی تربیت جن اصولوں کے ماتحت ہوئی ہے وہ یہ تھے کہ مجھے سترہ سال کی عمر تک نہ کسی سے بولنے کی اجازت تھی نہ بلا میت والد صاحب یا چچا جان صاحب کے کہیں جانے کی اجازت تھی حتیٰ کہ مدرسہ کی جماعت میں سبق بھی ان دو حضرات کے علاوہ کسی مدرس سے پڑھنے کی اجازت

---

[1] الکوکب الدری ترمذی کی شرح ہے جس پر حضرت شیخ کے بھی تعلیقات ہیں۔ [2] لامع الدراری علی جامع البخاری، حضرت گنگوہی کے افادات بخاری پر حضرت الشیخ کی دس ضخیم جلدوں میں شرح ہے۔

نہ تھی اور اس کی بھی اجازت نہ تھی کہ میں اپنے اکابر کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد نوراللہ مرقدہٗ کی مجلس میں بھی بلا والدصاحب یا چچاجان صاحب کے ساتھ ہوئے بیٹھ سکوں کہ مبادا میں سبق کی جماعت میں یا حضرت کی مجلس میں کسی پاس بیٹھنے والے سے کوئی بات کرلوں۔ مجھے دو تین آدمیوں کے سوا کسی سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی، تنہا مکان جانے کی اجازت نہ تھی، یہاں تک کہ جماعت کی نماز میں بھی مخصوص حضرات کی زیرنگرانی شرکت کرتا تھا۔ اس دور کی آپ بیتی اگر میں سناؤں تو الف لیلہ بن جائے کہ کس قدر تشدد مجھ پر رہا اور کس قدر قیدیوں کی سی زندگی گزری مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے فضل نے مجھے نباہنے کی توفیق عطا فرمائی جس کی برکات میں اب دنیا ہی میں پا رہا ہوں۔

(الاعتدال ص ۳۱)

حکیم وزیرک والدمحترمؒ کی تربیت کا اثر تھا کہ وہ رذائل جن کے لیے بڑے بڑے مجاہدے کرنے پڑتے ہیں بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ نے ان سے خلاصی دے دی بلکہ یوں کہیے انھیں ابھرنے ہی نہیں دیا، اور محاسن وفضائل اور مزایا وکمالات کا ایسا مخزن بنا دیا جو مدتوں کی صحبتوں اور مجاہدات کے مابعد میسر آتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے اپنے عزیز بیٹے کے بارے جو سندی دی وہ حضرت شیخؒ کی زبانی سنیئے۔

اور (تربیت کے) یہ سارے مراحل والدصاحب نوراللہ مرقدہ کے وصال سے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے ختم ہوگئے۔ اس کے بعد سے گویا نگرانی ختم ہوگئی۔ انتقال سے تقریباً ایک سال پہلے یا اس سے بھی کچھ زائد حضرت شاہ عبدالرحیم نوراللہ مرقدہ وقدس سرہٗ کا شدید اصرار والدصاحب کے بار بار بلانے پر رہتا تھا۔ ان کے خط کے جواب میں والدصاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا کہ اب تک عزیز زکریا کی بیڑی میرے پاؤں میں ایسی زنجیر بنی ہوئی تھی کہ میں اس کی وجہ سے کہیں آجا نہیں سکتا تھا۔ اللہ کا شکر ہے اب اس کی طرف سے

اطمینان ہوگیا۔" حضرت رائپوری کو چونکہ اشتیاق رہتا تھا، اس لیے والد صاحب رائے پور طویل قیام کے لیے تشریف لے گئے اس ناکارہ نے ان کی تشریف بری کے بعد سے ان کی یاد اور ان کی غیبت سے اپنے نقصان کا اظہار کیا تو جواب میں تحریر فرمایا:

"کہ بڑوں کی نگرانی کی حاجت اس وقت تک رہتی ہے، جب تک تعلق مع اللہ پیدا نہ ہو اور اس کے بعد ضرورت نہیں رہتی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کے فضل سے تمہارے اندر پیدا ہو گیا ہے، اب میری ضرورت نہیں رہی۔"

یحیوی تربیت و نگرانی کا اثر یہ ہوا کہ طبیعت ابتدائے جوانی سے ہی زخارف دنیوی سے مستغنی، خلوت پسند، علم و دین کے لیے وقف ہو کر رہ گئی۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"اس کا اثر ہے کہ اب مجھے مجمع سے وحشت ہے، کسی مجمع میں جانا میرے لیے انتہائی مجاہدہ ہے، حتیٰ کہ اپنے کمرے میں اگر تنہا ہوں اور کمرہ کی زنجیر کھلی ہوئی ہو، تو اس کی بہ نسبت مجھے اس میں زیادہ لطف و سکون ہوتا ہے کہ اندر کی زنجیر لگی ہو بھلا ایسا وحشی شخص کیا کہیں شریک ہو، جلسہ جلوس کی خصوصیت نہیں ہے مجھے تقریبات میں شرکت سے وحشت ہوتی ہے، ہر نوع کے مجمعوں کی شرکت میرے لیے دقت کا سبب ہے۔ ؎

قفس دانیم و بس راہ چمن از ما چہ می پرسی
کہ پیش از بال و پر برداشتند از آشیاں ما را"

غرض باکمال باپ کی تعلیم و تربیت نے ہونہار و خوش نصیب بیٹے کو ان لازوال دولتوں سے نوازا، جس کی نظیر دور دور نہیں ملتی۔

فیضانِ و دعائے خلیل:

محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کی جلالت شان و رفعت

مقام سے کون ناواقف ہے۔ صاحب بذل المجہود کا علمی پایہ اور مہارت فن حدیث پر عالم گواہ ہے، باطنی مزایا و کمالات کے بارے میں ان کے مربی و شیخ حضرت گنگوہی کے ارشادات کافی ہیں، جو مکتوبات رشیدیہ سے لیے گئے ہیں۔

"پس یہ نسبت یادداشت و احسان تھی کہ شمہ اس کا میرے سعید ازلی قرۃ العین خلیل احمد کو نصیب ہوئی، جس پر ہزار فخر و ناز یہ بندہ ناساز کر کے اپنا وسیلہ قرار دے مطمئن بیٹھا ہے، اگرچہ اس دولت سے محروم رہا۔"

"تم کو اپنا فخر و باعث نجات جانتا ہوں کچھ نہیں مگر اچھوں سے مربوط ہوں۔"

حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ حضرت شیخ کے استاذ و مرشد، مربی و محبوب و محب سب ہی کچھ تھے، حضرت کے والد محترم رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت گنگوہیؒ کے وصال کے بعد ان سے تجدید بیعت کر لی تھی، حضرت شیخ کی بیعت کا واقعہ بھی عجیب ہے، حضرت علی میاں مدظلہ ارقام فرماتے ہیں۔

"شوال ۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب طویل قیام کے ارادے سے حجاز کا قصد فرما رہے تھے اور لوگ کثرت سے بیعت ہو رہے تھے شیخ فرماتے ہیں کہ بچوں کی طرح سے دیکھا دیکھی اپنے اندر بھی جذبہ پیدا ہوا حضرت سے عرض کیا، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جب میں مغرب کے بعد نفلوں سے فارغ ہو جاؤں اس وقت آجانا، مولانا عبد اللہ صاحب گنگوہی جو خلافت سے سرفراز ہو چکے تھے، انھوں نے بھی تجدید کی درخواست کر رکھی تھی، حضرت نے فراغت کے بعد دونوں کو قریب بلایا اور اپنے دونوں ہاتھ دونوں کے ہاتھوں میں پکڑا دیئے اور بیعت کے الفاظ کہلوانا شروع کیے مولانا عبد اللہ صاحب نے ہچکیوں کے ساتھ دھاڑیں مار کر رونا شروع کیا، جس کا اثر حضرت پر بھی تھا۔ حضرت کی آواز بھر آگئی۔ اس وقت مولانا محمد یحییٰ اور حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ ادھر بیٹھے ہوئے

تھے وہ یہ آواز سن کر منڈیر پر دیکھنے کے لیے آئے دیکھا تو شیخ بیعت ہو رہے ہیں۔ اس پر مولانا کو تعجب اور احساس ہوا کہ بلا علم واطلاع کے انھوں نے اتنا بڑا کام کیا لیکن حضرت رائے پوری نے اس جرأت کی بڑی تصویب فرمائی اور دعائیں دیں۔"

(سوانح حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص ۸۲)

آئندہ چل کر ہونے والے شیخ وقت نے اپنے شیخ سے کیا پایا اور معرفت وعرفان کے کیسے رطل ہائے گراں مایہ نوش فرمائے، یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے یہ "جگر گوشۂ خلیل" خلت کے جس مقام پر فائز ہوا مجھ جیسا بے بصر اسے کیا جانے تاہم اہل نظر نے اسے صفوۃ هذا العصر، وغرۃ هذا الدهر قرار دیا۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے خود انھیں اپنے بیٹے سے بڑھ کر کہا اور انھیں "عزیزی وقرۃ عینی وثلبی" کے الفاظ سے یاد فرمایا۔ بذل المجہود کے مقدمہ میں حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کے بارے میں جو تحریر فرمایا وہ ہر شاگرد ومرید کے لیے باعث نازش وسعادت ہے، اس کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

"میری اس تصنیف پر میرے بعض دوستوں نے خاص کر میرے عزیز اور میرے آنکھوں اور دل کی ٹھنڈک حاجی حافظ مولوی محمد زکریا بن مولانا حافظ حاجی مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی نے مدد کی، چونکہ میں بدن میں رعشہ اور دماغ اور آنکھوں میں ضعف پیدا ہو جانے کی وجہ سے خود لکھنے اور کتابوں کی تلاش پر قادر نہ تھا، میں بولتا رہتا تھا اور وہ لکھتے رہتے تھے اور مشکل مباحث کو ان کے مظان (کمانی مقامات) سے تلاش کرتے تھے تو مجھے لکھانے میں سہولت ہو جاتی تھی، بس اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائے اور ان کو اس بات کی بہترین جزا عطا فرمائے کہ انھوں نے خوب محنت کی، اللہ تعالیٰ ان کو اپنے مفید علوم ظاہرہ وباطنہ سے نیز نیک اور مقبول روشن

---

[1] لامع الدراری تقدیم الکتاب از علامہ محمد یوسف البنوری ص ت

اعمال سے دنیا و آخرت میں عزت بخشیں"۔

(مقدمہ بذل المجہود ص ۴۰)

مرشدِ عالی مقام حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ قدس سرہ کو ۱۳۴۵ھ میں مدینہ منورہ سے رخصت کرتے وقت خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا اور بیعت و ارشاد کی عام اجازت مرحمت فرمائی اور اپنے سرِ مبارک سے عمامہ اتار کر مولانا سعید احمد صاحب فیض آبادی کو دیا کہ حضرت شیخ کے سر پر باندھ دیں۔ جس وقت وہ عمامہ حضرت شیخ کے سر پر رکھا گیا تو حضرت شیخ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ چیخیں نکل گئیں۔ غرض حضرت مولانا زکریا نور اللہ مرقدہ اپنے شیخ کے جانشین خاص اور ان کی جملہ نسبتوں کے حامل بن گئے۔

توجہاتِ اشرفیہ:

مجددالملۃ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز کی توجہات دیگر اکابر کی طرح شروع ہی سے حضرت شیخؒ کی طرف مبذول تھیں، شفقت و محبت کے کئی واقعات نقل کئے گئے ہیں۔ حضرت شیخ فرماتے تھے کہ حضرت کو مجھ سے بچپن ہی میں اتنی محبت تھی کہ از راہِ شفقت اس ناکارہ کا نام برف بھیجنے کے ایک واقعہ کی وجہ سے برفی رکھا تھا، اور جب حاضر ہوتا تو اتنی لذت سے برفی کا لفظ فرماتے کہ مجھے بھی سننے میں مزہ آتا تھا، حضرت قدس سرہ کے یہاں قواعد کی پابندی بہت سوں کو معلوم بھی ہے اور مطبوعہ بھی ہے لیکن شروع زمانے میں ہی حضرت نے اس ناکارہ کو مستثنیٰ فرمادیا تھا اور ایسے ہی اعلاء السنن کی تکمیل کے لیے بھی اس ناکارہ کو تجویز کیا تھا مگر میں نے مدرسے کے انتظامی اور تدریسی خدمات کا عذر کرکے اس سے معافی مانگ لی تھی۔ (محبوب العارفین ص ۳۰)

حضرت شیخ کی عمر ۲۳ برس کی تھی، حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی تشریف آوری ہوئی، شیخ اسٹیشن پر تشریف لے گئے۔ حضرت تھانویؒ نے مصافحہ فرمایا، مصافحہ فرماتے ہی حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہ نے فرمایا، "کہ اکابر کے یہاں تربیت کے بھی طرق عجیب اور مختلف ہوتے ہیں، انکتاب بھی ایک طریقہ ہے۔ یعنی حضرت سہارنپوریؒ قدس سرہ نے کتاب

لکھوانے ہی میں تربیت باطنی اور منازل سلوک طے کروائے۔ اشغال کا متعارف سلوک اختیار نہیں کرنا پڑا۔ (محبوب العارفین ص ۱۹)

حضرت شیخ کے وصال سے تقریباً بچاس سال پیشتر نومبر ۳۲ء میں مولانا عبدالماجد دریابادی نے مشائخ بیعت کے بارے میں حضرت تھانوی سے استفسار فرمایا، حضرت نے نو نام تحریر فرمائے جن میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری، حضرت مولانا اللہ بخش صاحب بہاول نگر، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے بعد چوتھا نام حضرت مولانا محمد زکریا کا شیخ الحدیث سہارنپوری کا تھا، اس کے بعد بالترتیب حضرات حافظ فخر الدین صاحب، مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی، مولانا انور شاہ صاحب، مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا اصغر حسین صاحب کے اسمار گرامی تھے۔ (حکیم الامت ص ۲۵۰)

اس سے جوانی کی عمر میں حضرت شیخ کا جو مقام حضرت تھانوی کے نزدیک تھا اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ کے دل میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی جو عظمت و محبت تھی اس سلسلے میں ایک واقعہ یاد آگیا۔ اس ہیچمدان نے تبلیغی حضرات اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے ایمار پر کتب فضائل کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ ترجمہ کے بعد ایک خواب میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا، آپ (یعنی حضرت تھانوی) نے راقم سے ارشاد فرمایا۔ آپ کو فارسی آگئی اور آپ نے میری کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کر دیا، پھر پوچھا کیا آپ کو عربی آتی ہے بندہ کے اثبات کے جواب پر استفسار فرمایا "جرس" کے کیا معنی ہیں اور جب بندہ نے معنی عرض کئے تو انتہائی مسرت و ابتہاج میں حافظ کی وہ پوری غزل سنائی جس کا ایک مصرع یہ ہے ع

جرس فریاد می دارد کہ بربندید محملہا

بندہ نے ایک سفر حج پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ و اعلی اللہ مقامہ کو یہ خواب سنایا۔ انتہائی مسرور ہوئے اور خوشی کی خاص کیفیت کے ساتھ فرمایا "حضرت نے میری کتابوں کو اپنی کتابیں فرمایا" اس کے تھوڑی دیر بعد حضرات تبلیغ مخدومی المکرم حضرت مولانا انعام الحسن صاحب مدت فیوضہم وغیرہ تشریف لائے تو حضرت نے بندہ سے مسرت کے ساتھ فرمایا۔ ان حضرات

کو بھی اپنا خواب سنایا اور پھر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب سے فرمایا، حضرت نے میری کتابوں کو اپنی کتابیں کہا ہے اور پھر ایک پٹھان بزرگ کا ایک واقعہ نقل فرمایا جنھیں حضرت تھانوی نے خواب میں کہا تھا کہ میرے بھتیجے محمد زکریا کو میرا سلام پہنچا دیں۔

حضرت مولانا محمد الیاس قدس سرہٗ کی شفقتیں:

حضرت شیخ قدس سرہ فرماتے ہیں۔

میرے صنو الاب، نائب شیخ، مربی و استاذ کی شفقتیں تو میرے حال پر جتنی بھی ہونی چاہئیں تھیں ظاہر ہے۔ مگر ان شفقتوں کے ساتھ ساتھ ان کا طرز ایسا ہو گیا تھا جس نے مجھے شرمندہ کر رکھا تھا (حالانکہ ان کو اپنا چچا ہونا بھی یاد رہتا تھا۔ (آپ بیتی)

حضرت شیخ کا مقام حضرت مولانا الیاس نور اللہ مرقدہ کے نزدیک کیا تھا، حضرت کے خطوط کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

"آپ کی تشریف آوری کا جس قدر اشتیاق ہے اسی قدر خیال ہے کہ سامنے ہونے سے میری گندگیاں اور ظاہر ہوں گی، مگر اس امید پر جی چاہتا ہے کہ آپ جیسوں کی مجالست اور ہم نشینی سے اپنی کچھ اصلاح ہو جائے۔"

(اس خط پر ۵ فروری ۱۹۳۱ء کی مہر ہے، اس وقت حضرت کی عمر ۳۵ سال تھی)

دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"آپ غور فرمائیں گے تو آپ نہایت تصدیق فرمائیں گے میں آپ کی دعوات اور توجہات کا سخت ترین محتاج ہوں"

ایک والا نامہ میں حضرت شیخ کو ان القاب سے مخاطب فرمایا:

"گرامی قدر، عزیز محترم منبع الاخلاق والشیم، معدن جود و کرم، مخزن فضل و علم مولانا الشیخ الحافظ الحاج شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب"

تبلیغ کے بارے میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت مولانا الیاس نور اللہ مرقدہٗ کا تعلق

خاطر اور آپ کی شمولیت و برکت کا تذکرہ آئندہ آرہا ہے، اس لیے یہاں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔
حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کی حضرت والا سے یگانگت شفقت و محبت بلکہ عقیدت اظہر من الشمس ہے اس لیے ان کا تذکرہ اس عجالہ میں حذف کرتے ہوئے اس شیریں حکایت

"ذکر رحمۃ ربک عبدہ زکریا"

کا اتمام حضرت الاستاذ علامہ محمد یوسف البنوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک تحریر کے ترجمہ پر کرتا ہوں۔

"پس (حضرت مولانا شیخ محمد زکریا) کی صالح پرورش ان فقہاء محدثین و ارباب قلوب ـــــ علماء ربانیین کے زیر سایہ ہوئی جو اپنے فنون کے ماہر و نقاد، منتخب زمانہ اور بہترین عصر افراد تھے، ان کی تربیت نے حضرت شیخ کو ایک صالح پاکباز و متقی نوجوان بنا دیا، جن کی روشن جبین ان کی شرافت و سعادت کے آثار سے جگمگا رہی تھی اور چمکدار اور روشن مستقبل کی غماز تھی۔

انھوں نے امام ربانی حضرت شیخ گنگوہی قدس سرہ کا زمانہ دیکھا، ان کی دعوات و عنایات کی برکات سے مستفید ہوئے۔ (امام ربانیؒ کی وفات کے وقت حضرت شیخ آٹھ سال کے تھے) مشیت ازلیہ نے چاہا کہ ایام طفلی سے لے کر ادھیڑ عمر تک حضرت شیخ پر رحمت الٰہیہ کا وہ پردہ رہے جو انھیں ان ارباب قلوب کے انفاس قدسیہ نے پہنا دیا تھا (ان انفاس قدسیہ کی برکت سے) انھیں نفس مطمئنہ اور پاکیزہ و طاہر سبک روح سے نوازا گیا۔ عمدہ ذوق و وجدان کی ارزانی ہوئی اور ہر خیر کی عظیم توفیق بخشی گئی۔ وہ خیر عبادت و تقوی ہو، تدریس و تالیف ہو یا شریفانہ عادات ـــــ خندہ پیشانی، حسن لقاء، کریم النفسی، جود و سخا، مہمانوں کا اکرام، طبعی رقت،

چمکدار دائمی کشادہ روئی ____ (وغیرہ) پر مشتمل ہوں"۔

نیابت فرائض نبوت ____ حضرت شیخ قدس سرہ کا اصل کارنامہ

تفصیلاً گزر چکا کہ نبوت[1] کے فرائض، دعوت و تلاوت کتاب ۲۔ تزکیہ قلوب و تربیت نفوس اور ۳۔ تعلیم کتاب و حکمت (سنت) ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت کی برکت سے ان فرائض کی ادائیگی کا کام نیابتاً امت کے سپرد کیا گیا اور خاصان امت کو ہر زمانہ میں اس امانت کی ادائیگی کے بقدر نوازا گیا۔ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کو پچھلے دور میں امامت و قیادت امت کے جس مقام رفیع سے نوازا گیا اس کا فطری لازمہ تھا کہ آپ ان فرائض کی ادائیگی میں گوئے سبقت لے جائیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ کام لیا اور خوب لیا (فجزاہ اللہ تعالیٰ عن سائر الامۃ احسن الجزاء) ذیل میں اس کارنامہ کا کچھ بیان ہے۔

دعوت ____ :

یتلوا علیھم ایاتہ سے مراد جیسا کہ مفسرین نے تصریح کی ہے، دعوت بالقرآن ہے جیسا قرآن کریم کی دوسری آیت

فذکر بالقرآن من یخاف وعید (ق۔ آیت ۴۵)	پس نصیحت دے ساتھ قرآن کے اس شخص کو کہ ڈرتا ہے ڈرانے میرے سے مؤید ہے۔

اس دور میں دین کی دعوت کی علمبردار اور مدعی بے شمار جماعتیں ہیں، لیکن ہمارے نزدیک اپنی بنیاد و نہاد اور اپنے اصول و طریق کار میں اقرب الی السنۃ واشبہ بطریق الصحابۃ وہ دعوت ہے جس کے داعی اول حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے استاذ و چچا حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ یہ دعوت اپنی عالمگیری میں

---

[1] دیکھئے آیت کریمہ: ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ (سورۃ جمعہ)

اس وقت بحمداللہ تعالیٰ پورے عالم پر محیط ہے، اس دعوت کی اساس و بنیاد اور اس کے اصول وفروع میں حضرت شیخ قدس سرہ کا جس قدر حصہ ہے اس کا اندازہ بانی جماعت حضرت مولانا الیاس رحمہ اللہ تعالیٰ کے مکتوبات سے ہو سکتا ہے، حضرت شیخؒ کو ایک خط میں ارقام فرماتے ہیں۔

"میرا یوں جی چاہتا ہے کہ تبلیغ کے ہر نمبر کے متعلق آپ ایک ایک رسالہ لکھ دیں"
(مہر ڈاک ۵ فروری ۱۹۳۱ء)

ایک اور گرامی نامہ میں تحریر فرمایا۔

"میرے عزیز اس تبلیغ کے بوجھ کو بھاری سمجھتے ہوئے بطور اضطرار کے آپ کی خدمت میں دعا اور ہمت کا سائل ہو کر یہ خط لکھ رہا ہوں۔
میرے عزیز اس میں شک نہیں کہ آپ کی ہر طرح کی ہمت اور ہر طرح کی شرکت اس کے فروغ کا سبب ہے ..... تمھاری اس ہمت کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ بندۂ ناچیز کو اس تبلیغ کے اصول قرار دینے میں آپ کی صحبت کو بہت زیادہ دخل ہے۔ حق تعالیٰ مجھے آپ کے شکر کی توفیق بخشیں۔ اللہ کو منظور ہوا اور جیسے کہ آثار ہیں یہ تبلیغ فروغ پکڑے گی تو انشاء اللہ یہ تمھاری تصانیف اور فیوض ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ عرب و عجم کو سیراب کریں گے اللہ تعالیٰ تمھیں جزائے خیر دے، میری اس میں ضرور دعا سے مدد کیجیو اور میں بھی دعا کرتا ہوں۔"
(بندہ محمد الیاس ۲۶ رمضان ۵۳ھ)

ایک والا نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"مجھے آپ اور حافظ صاحب کے خط کا خصوصیت سے انتظار رہتا ہے کیونکہ اصل بنیاد تبلیغ کی آپ کے قلوب کی ہمت، آپ کی متانت اور استقلال ہر دل تسلیم کئے ہوئے ہے، ــــ باقی سب آپ کے قلوب کی کچھ تبلی ہیں۔"

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ، حضرت علامہ محمد یوسف بنوری قدس سرہ کو ۲۸ رجب ۱۳۹۴ھ کے

ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں ۔

"بعد سلام مسنون گرامی نامہ ۹ رجب مولوی سلیمان افریقی کی معرفت ایسے وقت میں پہنچا کہ یہ ناکارہ میوات کے سفر سے نظام الدین واپس آیا چچاجان نوراللہ مرقدہ کے زمانے میں میوات کا سفر ہر ماہ میں ایک ورنہ دو میں ہوجاتے تھے، عزیز مولوی یوسف مرحوم کے زمانے میں یہ افراط تو نہ رہی، مگر دو چار ماہ میں ایک سفر ہو ہی جاتا تھا، شروع میں تو زیادہ مگر ۱۹۴۷ء کے ہنگامے کے بعد سے کم ہوگئے۔ عزیز مولوی انعام الحسن سلمہ کے دور میں اس ناکارہ کے امراض کی کثرت نے گویا کالعدم کردیا تھا۔ عزیز ہارون مرحوم کے حادثہ کے بعد قاضی صاحب مرحوم کا اصرار رمضان ہی میں ہوا تھا۔ اس کے بعد مولانا انعام صاحب کے سفر حج پر ان کا اور مولانا علی میاں صاحب کا اصرار ہوا تھا کہ تیرا سفر حج ضروری ہے، اس لیے مدینہ پاک میں وعدہ ہوگیا تھا کہ میوات کے دو تین معروف قصبات میں ایک سفر ہو، اگرچہ معذوری تو اس ناکارہ کی روز افزوں ہے، پھر بھی ان احباب کے اصرار پر ۱۰ اگست کو سہارنپور سے چلا تھا۔ ۱۱ کو ایک جگہ اور ۱۲ کو دوسری جگہ اور ۱۳ کو تیسری جگہ ایک ایک شب کا قیام کرکے کل ۱۴ کو نظام الدین واپس پہنچا۔ چونکہ اس ناکارہ کا بہت دنوں میں جانا ہوا تھا، اس لیے ۲۴ گھنٹے اس قدر ہجوم نے گھیرے رکھا کہ بعض جگہ تو مجھے یہ خطرہ ہوگیا تھا کہ شاید میں زندہ واپس نہ جاسکوں مصافحوں کا اور قریب آنے پر اتنی دھکا بازی ہوئی تھی کہ جس کی وجہ سے بہت ہی دقتیں اٹھانی پڑیں۔ ۵۰/۶۰ تو مجھے گھیرے میں رکھتے تھے ....

اس خط کو اس لیے نقل کررہا ہوں تاکہ حضرت شیخؒ کے اعذار قویہ کے باوجود اس کام میں عملی شرکت کا اندازہ ہوسکے ــــــ اسی طرح اپنے متعلقین، مریدین اور عام مسلمانوں کو اس کام کی ترغیب دیتے رہے۔ اس عالمگیر و مقبول تبلیغی کام میں آپ کی شرکت اپنی ان تصنیف کردہ فضائل کی کتابوں کے ذریعہ سے بھی ہے جو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب

کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کے اصرار پر لکھی گئیں، اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں کو وہ مقبولیت بخشی جس کی نظیر دور دور تک نہیں ملتی۔ ان رسائل کا عربی، فارسی، انگریزی، ملیشیائی جاپانی اور دیگر ایشیائی زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے، اردو میں تو بلا مبالغہ یہ کتابیں لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکی ہیں۔ بندہ نے فارسی ترجمہ کیا، پچھلے دو سال میں پانچ ہزار کی تعداد میں طبع ہوکر پاکستان، افغانستان و ایران میں پھیل چکا ہے۔ یہ حضرت شیخ کا خلوص و برکت، طرز ادا کی خوبی و تاثیر اور حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اس پیش گوئی کو حرف حرف سچ کر دکھایا کہ۔

"اللہ کو منظور ہوا اور جیسے کہ آثار ہیں، یہ تبلیغ فروغ پکڑے گی، تو انشاء اللہ تمھاری تصانیف اور فیوض ہندوستان میں نہیں بلکہ عرب و عجم کو سیراب کریں گے۔"

عام تبلیغی حضرات کا علمی ذہن انھیں کتابوں کا رہین منت ہے اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا کمال اور مسلمانوں پر احسان ہے کہ سادہ اور پر اثر زبان میں عامۃ الناس کے لیے ہزاروں احادیث کی تشریح کر دی اور ایک حدیث کے ضمن میں دوسری کئی احادیث بیان فرمادیں، "شیخ الحدیث" نے اس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ تک ہر مسلمان کی رسائی کا آسان راستہ کھول دیا۔

تبلیغی کام کی شرکت کے علاوہ آپ کے بیسیوں اصلاحی و دینی رسائل ہیں، ان کی اشاعت کی اجازت ہر شخص کو ہے۔ حضرۃ الشیخؒ کے مفاخر عالیہ میں سے یہ بات بھی ہے کہ آپ نے اپنی کتابوں کو کسب مال کا ذریعہ نہیں بنایا اور جو کچھ لکھا حسبۃً للہ اس کی طباعت و اشاعت کی عام اجازت دے دی، اس وجہ سے آپ کی کتابوں کی ترویج خوب ہوئی اور لوگوں نے حضرت کے علوم سے استفادہ کیا، آپ کی کتابیں مختلف اعتبار سے لکھی گئی ہیں، اردو کتابیں عموماً اصلاحی اور تبلیغی رنگ کی ہیں۔ بعض تحقیقی و علمی رنگ کی اور بعض میں دونوں رنگوں کا امتزاج پایا جاتا ہے، اس لیے ہر طبقہ آپ کے علوم نافعہ سے مستفید ہوا،

اور ہو رہا ہے۔

۲۔ تزکیہ قلوب، تصفیہ نفوس:

حضور انور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی کو اللہ تعالیٰ نے مزکی اور سراج منیر بھی بنا کر بھیجا تھا۔ آپ کی صحبت دلوں کو نکھارتی، رذائل سے پاک اور فضائل اخلاق سے آراستہ کرتی تھی۔ اس روشن چراغ سے دل ہدایت ربانی سے روشن، تعلق الٰہی سے منور اور یادِ حق سے سرشار ہو جاتے تھے، زخارف دنیویہ کی محبت نکل کر رگ و پے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت سمو جاتی تھی۔ آپ کی تاثیر سے ایمان و یقین، اخلاص و احتساب کی وہ دولت ہاتھ آتی، جس کے سامنے ہفت اقلیم کی بادشاہی گرد معلوم ہوتی تھی۔ عظمت الٰہیہ کے سامنے نفس کے تمام جذبات دب جاتے تھے اور خشیت الٰہی حال بن جاتا تھا۔ اوامر الٰہیہ سے فطری مناسبت ہو جاتی اور دین طبیعت ثانیہ بن جاتا، رضائے حق مقصود ہو جاتی، اور اسوۂ نبویہ کا اتباع زندگی کا مقصد، گویا وہ طبقہ جو اللہ کے نام سے ناآشنا ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ کے نام سے ان کے دل لرز اٹھتے تھے، اور ان کے دل احکام الٰہیہ کے منقاد ہو کر سراپا عمل بن جاتے تھے۔ عبدیت تامہ انھیں الٰہی رنگ میں رنگ دیتی تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صفت کو "تزکیہ" کہتے ہیں۔ اور یہ صفت "ختم نبوت" کی برکت سے باقی صفات نبوت اور دین متین کی طرح اس آخری امت میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی چلی آئی ہے۔ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کو جن مشائخ نور اللہ مراقدہم کی صحبت و تربیت نصیب ہوئی اور جن سے انھوں نے فیض پایا وہ ظاہر و باطن کے جامع، الٰہی رنگ میں مصبوغ، عبدیت کاملہ سے متصف اور نسبت محمدیہ (علی صاحبہا الف الف سلام وتحیۃ) کے حامل تھے۔ ہندوستان میں جو طریق سلوک محمد دسر ہندی، شاہ ولی اللہؒ امیر شہید و امام شہید اور حاجی امداد اللہؒ وغیرہ کی برکت سے شریعت و طریقت کی عینیت اور حشو و زوائد سے پاک ہو کر طریقہ نبوت و طریقہ صحابہ کے مطابق ہو گیا تھا

وہی اس خاندان تصوف کا مزاج تھا۔[1]

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو خاص صلاحیتیں، بیمثال استعداد، وسیع ظرف رکھا تھا، اور جیسے والد ماجد قدس سرہ کی طفولیت سے ہر آن کی نگہداشت وتربیت نے جلا بخشی تھی اور جسے امام ربانی حضرت گنگوہی حضرت شاہ عبدالرحیم، حضرت تھانوی نور اللہ مراقدہم جیسے باکمال اور فحول رجال سلوک کی صحبتوں اور شفقتوں نے باطنی اور روحانی کمالات ومزایا کا محل بنا دیا تھا، اور جسے خلیل وقت حضرت خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ کے فیض باطنی نے سراپا نور وہدایت بنا دیا تھا، اپنے اندر اس سلسلۂ عالیہ کی جملہ نسبتوں کو انتہائی عالی ظرفی کے ساتھ لیا، جوانی ہی میں اچھے اچھوں سے گوئے سبقت لے گئے۔ تفصیل کی گنجائش نہیں، نہ اپنی آنکھ ہے ورنہ بتایا جاتا کہ سدرہ کا یہ شہباز ابتداء ہی سے کیا پرواز رکھتا تھا، یہ محجوب اور بے بصیرت سمجھتا ہے کہ حضرت کا سینۂ صافی ایسی مخروج نسبت کا حامل تھا، جو چشتی ذوق وشوق اور نقشبندی سکینت وانس کے ساتھ قادریہ اور سہروردیہ نسبتوں کا رنگ لیے ہوئے تھی۔ [چشتیت کی کیفیت سوختن وافروختن وجامہ دریدن کو نقش بندی انس وسکینت وضبط نفس نے ایسے دبا رکھا تھا جیسے آتش فشاں

---

[1] حضرت شیخ قدس سرہٗ اپنے اکابر کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔
مجھے ان سب اکابر کا دور اس واسطے بتانا پڑا کہ ان شموس ہدایت کی برکت سے دو آبہ کا ذرہ ذرہ شریعت و طریقت کا مرکز رہا اور ان کی برکات سے ہر شخص کے ذہن میں یہ تھا کہ شریعت وطریقت ایک دوسرے کے متلازم ہیں۔ ان میں کا ہر شخص ؎

بر کفے جام شریعت در کفے سندان عشق

ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن

کا مصداق تھا، اس لیے بچپن ہی سے شریعت وطریقت کا باہمی ربط وتلازم ایسا قلب میں پیوست تھا، کہ اس کے خلاف کوئی چیز قابل التفات نہ تھی۔

پہاڑ پر برف پڑی ہو]

اور ان سب پر غالب وہ نسبت تھی جس کا سینۂ پاک نبوت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیضان ہوا تھا جس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں قلب منور کو مصبوغ فرما کر آئینہ کمالات و جمال نبوی بنادیا تھا جس کی وجہ سے اس دور میں آپ کو خلافت باطنۂ نبوت کا حامل اور صوفیہ کی خاص اصطلاح میں قطب الارشاد اور غوث[1] اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت "انا قاسم واللہ یعطی" کا مظہر بنا کر فیوض و برکات کا مصدر بنایا گیا، اور عالم میں محبوبیت و سیادت و قیادت روحانیہ کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عالی نسبت کا ثمرہ تھا، کہ نسبت صحابہ جو عظمت الٰہیہ اور محبت ربانیہ سے ناشی ہوتی ہے، اور جس کی وجہ سے قلوب منقاد و مطیع ہو کر رغبت و رہبت کے ساتھ احکام الٰہیہ کے پابند ہو جاتے تھے، اور آج کل کی اصطلاح میں جوش طریقت "ہوش شریعت" سے دب جاتا تھا، اولٰہیت رگ رگ پے میں سرایت کر جاتی تھی، اور زندگی خداوند قدوس کی ہو کر اسوۂ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں رنگ جاتی تھی۔ اس کا انعکاس بلکہ استقرار حضرت قدس روحہ کے قلب اقدس پر ہو چکا تھا۔ غرض آپ روحانیت و بزرگی کے اس مقام پر تھے جس کا ادراک بھی مجھ جیسے کے لیے مشکل ہے، اللہ معاف کرے قلم کی جولانی میں کیا کچھ لکھ گیا، (ورنہ کہاں وہ عالی مقام اور کہاں یہ ہیچ میرز ننگ انام)

یوں تو شیخ طریقت کی حیثیت سے آپ سے بے شمار افراد کا تعلق ابتدا ہی سے تھا، جنکی تربیت آپ انتہائی دلسوزی سے فرماتے تھے۔ لیکن "تزکیہ" کے سلسلہ میں آپ کا کارنامہ اسے منظم فرمانا اور مختلف ملکوں میں اس کا انتظام و انصرام فرمانا، مساجد و مدارس میں اس کے قیام کی کوشش فرمانا اور انتہائی ضعف و کمزوری اور بڑھاپے میں دور دراز ملکوں کے سفر فرمانا ہے

---

[1] غوث صوفیہ کی ایک اصطلاح ہے حق تعالیٰ جس اپنے مقبول بندہ کو اپنے تمام بندوں کے مقاصد کے پورا کرنے کا بذریعہ دعا و ہمت ذریعہ بنالیں وہی غوث کہلاتا ہے، اور اس کا دوسرا نام قطب تکوین ہے، جیسے قرآن پاک میں حضرت خضر کا قصہ ہے۔ اس اصطلاح کے مطابق (غوث کہنا) جائز ہے۔ (افادہ حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ م۔۱)

اس سلسلہ میں حضرت شیخ کا ایک خواب نقل کرتا ہوں: فرمایا کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مجھے زیارت ہوئی اور حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے، انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ زکریا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق بہت ہو رہا ہے، لیکن میرا جی چاہے کہ کچھ اور اس سے کام لیا جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اس کو یہاں آنے کا اشتیاق تو بہت ہے، مگر میرا ابھی یوں جی چاہے کہ اس سے کچھ اور کام لیا جائے"۔

حضرت شیخ نے فرمایا اس خواب کے بعد میں بہت حیرت میں پڑ گیا، کہ میں کسی کام کا نہیں ساری عمر یوں ہی ضائع کی، اب کیا کام کروں گا اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق، میں کیا کروں؟ مگر کچھ دنوں بعد چچا جان کا واقعہ یاد آیا۔ وہ یہ کہ جب چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ) مدینہ منورہ آئے تو ان کا ارادہ یہاں ٹھہر جانے کا ہوا۔ روضۂ اقدس سے اشارہ ہوا کہ ہندوستان جاؤ تم سے کام لینا ہے۔ چچا جان نے فرمایا کہ میں بہت دنوں تک پریشان رہا کہ بولنا مجھے نہیں آتا، لکھنا مجھے نہیں آتا، میں ضعیف کیا کام کروں گا؟ کچھ دنوں بعد حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے بڑے بھائی مولانا سید احمد صاحب مہاجر مدنیؒ نے جب انھیں پریشان دیکھا تو کہا اس میں پریشانی کی کیا بات ہے یہ تو نہیں کہا گیا کہ تم کام کرو بلکہ تم سے کام لیا جائے گا، لینے والا خود لے لے گا، اس کے بعد چچا جان کو اطمینان ہوا، ہندوستان آکر یہ تبلیغی کام شروع ہوا اور ماشاء اللہ خوب چلا۔ میں نے بھی سوچا کہ یوں نہیں کہا گیا کہ تو کر، بلکہ یوں فرمایا گیا ہے کہ کام لیا جائے گا، میں سوچتا ہی رہا، کچھ دنوں بعد خیال ہوا کہ ذکر و شغل کی[1] لائن ٹوٹ گئی ہے، ہندوستان، پاکستان کی اکثر خانقاہیں غیر آباد ہو گئی ہیں۔ اس واسطے حضرت گنگوہی کی بھی یہی منشا ہوگی۔ ذکر و شغل ان کی خانقاہ کا اہم مشغلہ تھا جب آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے تو تعلیم کی جگہ بھی ذکر و شغل نے لے لی۔ اس لئے مجھے ذکر کا اہتمام ہو گیا اور اس بنا پر اپنے معمولات اور معذوری

---

[1] یہی تزکیہ کی لائن ہے۔ (محمد اشرف)

کے باوجود لندن یا پاکستان اور اب افریقہ جہاں جہاں بھی خانقاہ قائم کرنے کا وعدہ ہو، جس حال میں بھی ہوں، پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں، اللہ کرے یہ کام اللہ کے فضل سے کچھ چل نکلے اور یہی مراد حضرت کی بھی ہو تو کچھ سرخروئی ہو جائے"۔

(حقائق القلوب ص ۱۲۸، ۱۲۹)

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے بندگان خدا کی تربیت اور تزکیہ وارشاد کے لیے پیرانہ سالی اور انتہائی ضعف کے باوجود ہزاروں میل کے سفر کیے، ہندوستان میں سہارنپور، پاکستان میں فیصل آباد، انگلینڈ میں "بری" اور افریقہ میں ری یونین اور اسٹینگر وغیرہ آپ کی فرودگاہ رہیں۔ قلوب کی اصلاح، ذکر کی تخم ریزی، اور نفوس کی پاکی کے لیے ماہ ہدایت یعنی رمضان المبارک کو منتخب فرمایا گیا اور زمین کے مقبول ترین قطعات یعنی مساجد کو تزکیہ گاہ بنایا گیا۔ پورا رمضان المبارک اعتکاف میں گزرتا تھا، رات بھی تراویح کے علاوہ ذکر و نوافل و تلاوت کے ساتھ شب بیداری میں گزرتی، اور دن کے اوقات گزارنے کی بھی باقاعدہ ترتیب ہوتی۔ کثرتِ تلاوت، ذکر، درود شریف، استغفار اور دیگر معمولات کی پابندی کے علاوہ خاص دینی کتب سنی سنائی جاتی تھی، ایک روحانی اور دینی فضا بن جاتی تھی جس میں اہل ذکر بزرگوں کی توجہات، گریہ اور دعائیں عجب نورانی کیفیت پیدا کر دیتی تھیں۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی صحبت کی تاثیر، قلبی فیضان، روحانی برکات سے جملہ معتکفین مستفید ہوتے اور دور دور سے لوگ اس بابرکت فضا سے فیضیاب ہونے کے لیے پروانہ وار آتے اور ہر شخص بقدر ظرف مستفید ہوتا، مدتوں اس کے اثرات باقی رہتے تھے، حضرت اقدس قدس سرہ اپنے ان اسفار کے ذریعہ ان علاقوں میں داغ بیل ڈال آتے، جسے باقی رکھنے کی ترغیب وتقاضا بھی اپنے متعلقین کو فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپ کے فیض یافتہ خلفاء آپ کے وصال کے بعد بھی اس طریقہ حسنہ کو جاری رکھے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں برکت دے تاکہ حضرت کا فیض جاری رہے۔

رمضان کے قیام کے بارے میں حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کے بعض خطوط سے جو کہ عزیزی سید محمد بنوری سلمہٗ کے نام ہیں روشنی پڑتی ہے، اس لیے متعلقہ اقتباسات مختلف خطوط

سے نقل کرتا ہوں۔

"میرا بھی جی چاہتا ہے کہ تمہارا ماہِ مبارک اگر سہارنپور میں میرا رمضان گزرے تو میرے ساتھ ضرور گزرے، حرمین میں کوئی اجتماعی قیام کی صورت نہیں بنتی سہارنپور میں بڑی سہولت رہتی ہے اس ناکارہ کا صحیح نظام ابھی تک معلوم نہیں ہوا۔ البتہ ہندی احباب کے تقاضے اس مضمون کے آرہے ہیں، کہ اکابر کی خانقاہیں بالکل ہی خاموش ہیں اور مدارس کے مدرسین کو رمضان ہی میں فراغت ملتی ہے۔"

"اور تم سے زیادہ میری تمنا ہے کہ ایک رمضان میرے ساتھ میرے اصول پر گزر جائے، اب تو بیماریوں نے اور مجبوریوں نے بالکل ہی بیکار کردیا ورنہ آپ بیتی میں تم نے شاید پڑھا ہوگا کہ میری جوانی میں میرے اوپر رمضان بخار کی طرح مسلط ہوتا تھا، تراویح کے بعد کے ایک آدھ گھنٹہ کے علاوہ میرے یہاں نہ گھر والوں سے نہ باہر والوں سے، نہ اکابر سے نہ اصاغر سے ملاقات یا بات کا وقت نہیں تھا۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میرے دوست اس طرح رمضان گزارا کریں۔ اگرچہ یہ ناکارہ مشائخ میں نہیں ہے، مگر صورت تو ان ہی کی بنا رکھی ہے، ان کا مشہور مقولہ ہے، جو ہماری ابتدا دیکھے گا وہ کامیاب اور جو انتہا دیکھے گا وہ ناکامیاب۔"

"رمضان کے معمولات جو مستقل ہیں وہ تو ہیں ہی۔ میرے رمضان المبارک میں کھانے یا سونے پر کوئی پابندی نہیں ہے..... البتہ میرے یہاں رمضان کا سخت معمول جس پر گرفت ہے، میں یہاں بڑے بڑے اکابر مشائخ کو بھی نہیں چھوڑتا بات نہ کرنا ہے یہاں تو میں دینی باتوں کو مستثنیٰ کردیتا ہوں، مگر تمہارے لیے اس کا بھی سلسلہ نہیں، اس لیے کہ تم تو ماشاء اللہ اپنی ہر بات کو دین سمجھو گے۔ اس لیے تمہارے لیے دینی باتوں کا بھی استثناء نہیں ہے۔"

حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری صاحب نور اللہ مرقدہ کو ارقام فرماتے ہیں ۔

"سفر کی ہمت بالکل نہیں لیکن احباب کے تقاضے بڑھتے جا رہے ہیں،
نیز احباب کا یہ بھی اصرار ہے کہ آئندہ رمضان سہارنپور ضرور گزارے کہ ماہ مبارک
میں مدارس کے مدرسین خاص طور سے جمع ہو جاتے ہیں، اس لیے خیال ہوتا
ہے کہ اپنی نااہلیت کے باوجود آئندہ رمضان سہارنپور میں گزاروں"

غرض مختلف ممالک کے ان اسفار میں حضرتؒ نے سلوک کے مجموعی اور اجتماعی طور پر
زندہ کرنے کی پوری کوشش فرمائی اور ہمارے لیے نمونہ قائم فرما گئے۔

جیسے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے رمضان میں تزکیہ و ذکر کی ان مجالس کو قائم فرمایا، اسی
طرح دینی مدارس میں تزکیہ اور ذکر کے احیاء کی پوری کوشش فرمائی اور اہل مدارس کو اس کی طرف
متوجہ فرمایا۔ عزیزی مولوی محمد بنوری سلمہ کو ایک طویل مکرمت نامہ حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کو متوجہ
کرنے کے لیے (مکہ مکرمہ سے) تحریر فرمایا تھا جسے من وعن نقل کرتا ہوں۔

"عزیزی الحاج مولوی محمد بنوری سلمہ۔ بعد سلام مسنون! ایک بہت ہی اہم
مضمون حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، مولانا کی تشریف آوری
مدینہ منورہ تو ہو چکی ہے اور سنا ہے کہ حج کے قریب یہاں تشریف آوری ہوگی،
ہجوم اتنا ہے کہ معلوم نہیں ملاقات کا وقت مل سکے گا یا نہیں اور اس سے اطمینان
سے بات کرنے کا وقت ملے گا یا نہیں اور زبانی گفتگو محفوظ بھی نہیں رہتی
اس لیے اس کو بہت احتیاط سے رکھیں اور مولانا کی تشریف آوری پر پیش بھی
کردیں اور یہ بھی کہہ دیں کہ میں اپنے مضمون کو اپنی کم مائیگی کی وجہ سے کما حقہ
ادا کر سکوں یا نہ کر سکوں، مگر جناب کے متعلق یقین ہے کہ انشاء اللہ میرے
مقصد سے آگے سمجھیں گے۔ مدارس کے روز افزوں فتن، طلبہ کی دین سے
بے رغبتی بے توجہی اور لغویات میں اشتغال کے متعلق کئی سال سے میرے
ذہن میں یہ ہے کہ مدارس میں ذکر اللہ کی بہت کمی ہوتی جا رہی ہے، بلکہ
معدوم بلکہ اس لائن سے بعض میں تو تنفر کی صورت دیکھتا ہوں جو میرے نزدیک

بہت خطرناک ہے، ہندوستان کے مشہور مدارس دار العلوم مظاہر علوم
شاہی مسجد مرادآباد وغیرہ کی ابتدا جن اکابر نے کی تھی وہ سلوک میں بھی
امام الائمہ تھے، ان ہی کی برکات سے یہ مدارس ساری مخالف ہواؤں کے
باوجود اب تک چل رہے ہیں، میں اس مضمون کو کئی سال سے اہل مدارس
منتظمین اور اکابرین کی خدمت میں تقریراً تحریراً کہتا اور لکھتا رہا ہوں
میرا خیال یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات اس کی طرف توجہ فرماویں تو مفید اور
مؤثر زیادہ ہوگا۔ مظاہر علوم میں کسی درجہ میں اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں
اور دار العلوم کے متعلق جناب الحاج مولانا قاری طیب صاحب سے عرض
کرچکا ہوں اور بھی اپنے سے تعلق رکھنے والے اہل مدارس سے عرض کرتا
رہتا ہوں۔ روزافزوں فتنوں سے مدارس کے بچاؤ کے لیے ضروری ہے
کہ مدارس میں ذکر اللہ کی فضا قائم کی جائے۔ شر ور فتن اور تباہی و
بربادی سے حفاظت کی تدبیر ذکر اللہ کی کثرت ہے۔ جب اللہ کا نام لینے
والا کوئی نہ رہے تو دنیا ختم ہوجائے گی۔ جب اللہ تعالیٰ کے پاک نام میں
اتنی قوت ہے کہ ساری دنیا کا وجود اس سے قائم ہے تو مدارس کا وجود
تو ساری دنیا کے مقابلہ میں ایک قطرہ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو
ان کے بقا اور تحفظ میں جتنا دخل ہوگا ظاہر ہے۔ اکابر کے زمانہ میں ہمارا
ان جملہ مدارس میں اصحاب نسبت اور ذاکرین کی کثرت جتنی رہی ہے وہ
آپ سے مخفی نہیں اور اب اس میں جتنی کمی ہوگئی ہے وہ بھی ظاہر ہے۔
اس گرامی نامہ کے آخر میں حضرت شیخ نے تحریر فرمایا ہے۔

اس ناکارہ نے رسالہ فضائل ذکر میں حافظ ابن قیمؒ کی کتاب
الوابل الصیب سے ذکر کے سو کے قریب فوائد نقل کیے ہیں جن میں شیطان سے
حفاظت کی بہت سی وجوہ ذکر کی گئی ہیں، شیاطینی اثر ہی سارے فتنوں
اور فساد کی جڑ ہیں۔ فضائل ذکر سے یہ مضمون بھی اگر جناب سن لیں تو

میرے مضمون بالا کی تقویت ہوگی۔ اس کے بعد میرا مضمون تو اس قابل نہیں
جو اہل مدرسہ پر کچھ اثر انداز ہوسکے آپ میری درخواست کو زوردار الفاظ میں
نقل کراکر اپنی یا میری طرف سے بھیجدیں تو شاید کسی پر اثر ہوجائے دارالعلوم
مظاہر علوم، شاہی مسجد کے ابتدائی حالات آپ کو مجھ سے کہیں زیادہ معلوم
ہیں کہ کن صاحب نسبت اصحاب ذکر کے ہاتھوں ہوئی ہے ان ہی کی برکات
سے یہ مدارس اب تک چل رہے ہیں، یہ ناکارہ دعاؤں کا بہت محتاج ہے
بالخصوص حسن خاتمہ کا کہ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہے، فقط والسلام
حضرت شیخ الحدیث صاحب بقلم حبیب اللہ ۳۰ نومبر ۱۹۷۵ء مکۃ المکرمۃ
حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کے جواب میں حضرت بنوری قدس سرہ نے تحریر فرمایا۔
"عزیزم محمد سلمہ نے آپ کا مکتوب مبارک دیا بلکہ سنایا۔ دوبارہ خود بھی پڑھا
حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی عیادت و زیارت کے لیے دارالعلوم گیا تھا وہاں
بھی میں نے ذکر کیا۔ فرمایا کہ زبانی (حضرت شیخ سے) اس کا ذکر آیا تھا۔ اساتذہ
مدرسہ عربیہ اسلامیہ کا شوری کا اجلاس تھا۔ اس مجلس میں مکتوب گرامی سنایا
گیا اور عمل کرنے کے لیے تدبیر و مشورہ پر غور بھی ہوا۔ بات تو بالکل واضح ہے
ذکر اللہ کی برکات وانوار سے جو نتائج مرتب ہوں گے وہ بھی واضح ہیں اور
میں اس کی تلافی کے لیے ہمیشہ یہ کہا کرتا تھا کہ ہر مدرسے کے ساتھ خانقاہ
کی ضرورت ہے، ہمارے اکابر جس اخلاص اور تعلق مع اللہ کے مجسمے تھے
وہ محتاج بیان نہیں، ان کی تدریس و تعلیم سے غیر شعوری طور پر بھی تربیت
ہوتی تھی اور ان کی قوت نسبت سے اتنا اثر ہوتا تھا کہ درس سے فراغت کے
بعد ایسا محسوس ہوتا تھا، جیسے کوئی ذاکر اعتکاف سے باہر آرہا ہے، بلاشبہ
کاملین کا دور ختم ہوا تو اس کی تکمیل کے لیے اس قسم کی تدابیر کی ضرورت ہے
حق تعالیٰ جلد سے جلد عملی طور پر اس کی تشکیل کی توفیق نصیب فرمائے۔ یہ
چیز واضح ہے کہ عام طور پر طلبا ر تعلیم کے زمانہ میں اپنی تربیت و اصلاح کی طرف

قطعاً متوجہ نہیں ہوتے اور یہ پہلو بے حد خطرناک ہے، جب مدرسین بھی اس قوی نسبت سکینہ کے حامل نہ ہوں اور طلبا بھی اپنی اصلاح سے غافل ہوں اذکار وادعیہ کا التزام بھی نہ ہو حفت النار بالشہوات کا منظر قدم قدم پر ہو تو ذکر اللہ کی کثرت کے بغیر چارۂ کار نہیں۔ میں آپ کی خاص دعوات و توجہات کا محتاج ہوں "

(صقالۃ القلوب ص ۱۳۴، ۱۳۵)

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے جواباً ارقام فرمایا:

......آپ نے اکابر کے متعلق جو لکھا وہ حرف بہ حرف صحیح ہے بہت سے اکابر کی صورتیں خوب یاد ہیں بلا مبالغہ صورت سے نور ٹپکتا تھا اور چند روز پاس رہنے سے خود بخود طبائع میں دین کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوتی تھی، میری نگاہ میں ایسے اشخاص گزرے ہیں یعنی طلبا جو دورۂ حدیث سے فارغ پر صاحب نسبت ہو جاتے تھے۔ حضرت میاں جی نور اللہ مرقدہٗ کے یہاں تلاوت قرآن کے درمیان میں ہی بہت سے مراحل طے ہو جایا کرتے تھے مگر یہ چیز تو قوت تاثیر اور کمال تاثر کی محتاج ہے جو ہر جگہ حاصل نہیں ہوتا، کہیں یہ چیز حاصل ہو جائے تو یقیناً ذکر شغل کی ضرورت نہیں۔ قرآن پاک اور احادیث میرے خیال میں مقویات اور جواہرات ہیں لیکن جس کو پہلے معدہ کے صاف کرنے کی ضرورت ہو اس کو تو پہلے اسہال کے لیے دواہی دیں گے، ورنہ تو یہ قوی غذائیں ضعف معدہ کے ساتھ بجائے مفید ہونے کے مضر ہو جاتی ہیں چونکہ طلبا میں اب (جیسا کہ آپ نے بھی لکھا ہے) بجائے تلاوت کے لغویات کی مشغولی رہ گئی ہے بلکہ بعضوں میں تو استکبار کی نوبت آجاتی ہے، اس لیے اس کی ضرورت ہے کہ قرآن و حدیث کی اور اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنے کے لیے کوئی لائحہ عمل آپ حضرات تجویز فرمائیں، پہلے ہر شخص کو (طلبا کو) اپنی اصلاح کی خود فکر تھی، وہ خود ہی امراض کے علاج کے لیے

اطباء کو ڈھونڈتے تھے، اب وہ امراض قلبیہ سے اتنے بے گانہ ہو چکے ہیں کہ مرض کو مرض بھی نہیں سمجھتے۔ کیا کہوں اپنے مافی الضمیر کو اچھی طرح ادا کرنے پر قادر بھی نہیں اور ان مہمانان رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں تحریر میں کچھ لانا بھی بے ادبی سمجھتا ہوں ورنہ اہل مدارس کو سب کو ان کے تجربات خود حاصل ہیں کہ جماعت اور تکبیر اولیٰ کی بجائے سگریٹ اور چائے نوشی میں جماعت بھی جاتی رہتی ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

آپ یہ دیکھ ہی رہے ہیں کہ قرآن وحدیث کے پڑھنے پڑھانے کا اسٹرائکوں سے مقابلہ کیا جا رہا ہے۔" (مدینہ منورہ ۲۰/۱/۹۶ھ)

(صحیفۃ القلوب ص ۱۳۶،۱۳۵)

احیائے نظام تزکیہ وذکر کی ان عملی کوششوں کے علاوہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ جہاں بھی رہے، اپنی ذات میں "خانقاہ" تھے، ذاکرین وشاغلین کا ہجوم رہا۔ آپ باقاعدہ ذاکرین کی جماعت کو ذکر کی تلقین فرماتے، تربیت باطنی کا اہتمام فرماتے، طالبین کی ایک ایک حرکت پر نظر ہوتی، شفقت ومحبت تربیت کا منشا رتھا، لیکن تربیت میں کمی کی رعایت نہ تھی، اصلاح کے لیے جس بصیرت، دقیقہ رسی اور حذاقت کی ضرورت تھی، وہ حضرت شیخ کا جادۂ پا افتادہ تھا۔

تربیت کا ایک دوسرا رُخ مکاتبت کا تھا۔ حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ کی طرح حضرت شیخ کے تربیتی خطوط خاصہ کی چیز تھے، جو طالبین کی صلاح وفلاح کا ذریعہ تھے، مزید برآں سلوک وتصوف کے بارے میں آپ کی تصنیف شدہ کتابیں یا سفارش کردہ کتابیں سلوک کی گھاٹیوں کے طے کرانے کے مجرب نسخے تھے۔

غرض حضرت شیخ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سلسلے میں جو عالمگیر خدمت لی، اس کی نظیر بعض اعتبار سے شاید ہی ملتی ہو۔ اپنے بعد اپنے نہج اور طریق پر لاکھوں مریدین، ہزاروں مستفیدین کو چھوڑا، خاص کر آپ کے خلفاء ومجازین ایک سو کی تعداد میں اپنی تربیت اور طرز کا ایک گونہ نمونہ بنا کر چھوڑ گئے۔ ان خلفاء کی فہرست پر نظر کی جائے تو حضرت شیخ کے کام کی وسعت و

آفاقیت کا اندازہ ہوتا ہے، اس میں برصغیر ہند و پاک کے دور دراز گوشوں کے رہنے والے بھی ہیں، برما کے بھی ہیں، افریقہ کے مختلف ممالک زامبیا، جنوبی افریقہ وغیرہ کے مختلف شہروں چپاٹا، اسٹنگر، جوہانسبرگ، واٹرفال وغیرہ کے بھی ہیں بعض خلفاء انگلینڈ میں ہیں اور بعض کینیڈا (امریکہ) کے ہیں۔ حرمین شریفین مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بھی آپ کے خلفاء ہیں۔

ایک اور اعتبار سے دیکھا جائے تو ان خلفاء میں مختلف مراکز علم اور مکاتب فکر کے اور مختلف طبقات کے لوگ دکھائی دیں گے، یہ حضرت شیخ کا زریں کارنامہ تھا کہ آپ نے دیوبند و سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور علی گڑھ کی مسافتوں کو سمیٹ لیا تھا، اور جملہ اہل حق آپ کی طرف مائل بلکہ قائل و گھائل ہو گئے تھے۔ ؎

ہم ہوئے کہ تم ہوئے کہ میر ہوئے
ان کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

یہ حضرت شیخؒ کی مرجعیت و محبوبیت کا بڑا نشان اور برہان ہے، حضرت کی یہ بڑی کرامت تھی کہ مختلف بلکہ متضاد طبائع اور مسالک کے لوگ آپ پر متفق تھے، اور آپ کی شان علم و تقویٰ اور تربیت کے گرویدہ اور آپ ہر ایک سے اس کے مقام، مزاج اور طبیعت کے مطابق برتاؤ فرماتے تھے، سلوک میں یہ "مقام" انھیں شاذ و نادر حضرات کو ملتا ہے، جن کے قلوب "تجلی ذات" کا محل ہوتے ہیں، وہ اپنے خاص "لون" کے باوجود بے رنگ، اور "وحدت" کے باوجود "کثرت" کا مظہر اور با ہمہ و بے ہمہ کا منظر پیش کرتے ہیں۔ ؎ کسی نے کہا۔ ع

من جلوہ گاہ ذاتم من مظہر صفاتم ازایں و آں رمیدہ

یہ مختصر مجال تفصیلات کا متحمل نہیں، اس لیے اس عنوان کو یہیں ختم کرتا ہوں۔

قلم بشکن، سیاہی ریز و دم درکش
کہ ایں قصۂ عشق است در دفتر نمی گنجد

۴۔ تعلیم، کتاب و حکمت :

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ جس خانوادۂ علم سے تعلق رکھتے تھے، ان کا شعار ہی شغف قرآن وحدیث تھا، آپ نے آنکھیں کھولیں، تو آپ کو وہی رجال علم واساتذۂ قرآن وحدیث نظر آئے جن کی زندگیاں اس پاک مشغلہ میں گزر چکی تھیں، آپ کے کان اولاً قرآن وحدیث کی پاک صداؤں سے آشنا ہوئے، ماہرین فن سے قرآن وحدیث، اور دیگر علوم حاصل کئے اور اپنی خداداد محنت و ذہانت سے ابتدائی عمر میں ہی وہ مہارت وعبور حاصل کرلیا، جس کے لیے عموماً سالہا سال جان کھپانا پڑتی ہے، غرض بہت سوں کی "نہایت" آپ کی "بدایت" تھی۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ کی تعلیم کا زمانہ ۱۳۲۵ھ سے ۱۳۳۶ھ تک رہا، درس و تدریس کی مسند پر محرم الحرام ۱۳۳۵ھ سے لے کر ۱۳۸۸ھ تک مسلسل چون سال تک آپ رونق افروز رہے گو حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مدت میں پینتیس کے قریب کتابیں پڑھائیں جس میں علم الصیغہ اور نحو میر جیسی صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں بھی تھیں، لیکن اصلاً یہ مسند درس حدیث مبارکہ کی تدریس سے ہی مزین رہی جس نے آپ کو مسندالوقت اور شیخ الحدیث کے مقام پر فائز فرمادیا۔ اس دوران میں آپ نے مشکوٰۃ شریف تین بار، ابوداؤد شریف تیس بار، بخاری شریف صرف جلد اول پچیس بار اور کامل دونوں جلدیں سولہ مرتبہ پڑھائیں۔

(کتب فضائل اوران پر اشکالات ص ۲۰۶)

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کو حدیث کے ساتھ جو عشق و شغف تھا، اس کا ذکر آپ بیتی میں بہت لطف اندوز پیرایہ میں فرمایا ہے، تحریر فرماتے ہیں :

> "محرم ۳۲ھ کو ظہر کی نماز کے بعد میری مشکوٰۃ شریف شروع ہوئی، والد صاحب نے ...... دو رکعت نفل پڑھی پھر میری طرف متوجہ ہو کر پندرہ بیس منٹ تک بہت ہی دعائیں مانگیں، مجھے معلوم نہیں کیا کیا دعائیں مانگیں لیکن میں اس وقت ان کی معیت میں صرف ایک ہی دعا کرتا رہا کہ یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا اس کو مرنے تک اب میرے ساتھ وابستہ

رکھئے۔ اللہ جل شانہ نے (یہ دعا) میری ناپاکیوں، گندگیوں، سیئات کے باوجود ایسی قبول فرمائی کہ محرم سنہ ۳۲ھ سے سنہ ۹۰ھ تک تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا کہ جس میں حدیث پاک کا مشغلہ نہ رہا ہو، اگرچہ دعا کے وقت میں یہ سوچ رہا تھا، کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے، اگر میں نے پڑھ بھی لیا، پھر مدرس بھی ہو گیا، تو حدیث پاک پڑھانے تک دس بارہ برس تو لگ ہی جائیں گے، کہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جو یکم جمادی الاول سنہ ۲۳ھ سے مدرس تھے، اس وقت تک مشکوٰۃ تک نہیں پہنچے تھے مگر اللہ تعالےٰ مسبب الاسباب ہے کہ جب وہ کسی کام کا ارادہ فرمائے تو اسباب تو خود اس کی مخلوق ہیں۔

سنہ ۳۲ھ میں مشکوٰۃ پڑھی، سنہ ۳۳ھ سنہ ۳۴ھ میں دورہ سنہ ۳۵ھ سے بذل شروع ہوئی جو سنہ ۴۵ھ میں ختم ہوئی اور اس کے بعد اوجز کی تالیف شروع ہوئی جو سنہ ۷۵ھ میں ختم ہوئی، اس کے ساتھ ہی دوسرے علم حدیث کے تالیفی سلسلے بھی شروع ہوتے رہے، جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب تک ساتھ دے رہے ہیں اور سنہ ۴۱ھ سے علم حدیث کی تدریس کا سلسلہ بھی شروع ہوا جو سنہ ۸۸ھ تک رہا اور اس کے بعد نزول آب کی وجہ سے تدریس کا مبارک سلسلہ چھوٹ گیا، اللہ ہی کا شکر و احسان ہے کہ اب سنہ ۹۰ھ تک تو حدیث کی تالیف کا سلسلہ باقی ہے۔

(آپ بیتی ص ۸۷)

راقم عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ نعمت وصال تک میسر رہی اور مولانا محمد عاقل صاحب جو مسلم شریف پر کام کر رہے تھے، وصال سے دو تین دن پہلے تک استفادہ فرماتے رہے۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے تقریباً نصف صدی تک درس حدیث دیا، اس دوران میں آپ کے افادہ کا سیلان جاوا (انڈونیشیا) و برما سے لے کر افریقہ تک موجزن رہا۔ پاک و ہند

اور بیرون برصغیر کے جو تشنگان علم آپ سے فیضیاب ہوئے ان کی تعداد اللہ تبارک و تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، ان میں بیسوں ایسے باکمال پیدا ہوئے جو خود مسند درس و تدریس کی رونق بنے۔ اور خدمت قرآن و حدیث کو اپنا مقصد بنایا، ان میں سے بعض صاحب تصنیف و تالیف ہوئے، تو بعض محدث و فقیہ، مفسر و داعی، جنھوں کے حضرت کے فیض علمی کو اکناف عالم میں پھیلایا اور پھیلا رہے ہیں، انھیں خوش نصیبوں میں امام الدعوۃ والتبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی صاحب امانی الاحبار و حیاۃ الصحابہ جیسی نادرۂ روزگار ہستی بھی ہے اور حضرت مولانا انعام الحسن مدت فیوضہم جیسی صاحب اتقاء با خدا داعی شخصیت بھی، مزید برآں حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مفتی اعظم و استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی استاذ حدیث دارالعلوم کراچی (مقیم حال مدینہ منورہ) مولانا محمد یونس صاحب جونپوری شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور وغیرہ جیسی ہستیاں آپ کے خوان علم و معرفت کی زلہ بار ہیں، اس سے آپ کی خدمت قرآن و سنت کی وسعت کے ایک پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ دوسرا رخ تصنیف و تالیف کا ہے، اس کا بھی کچھ تذکرہ پیش ہے۔

حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ ابتدائے جوانی سے مصنف تھے اور وصال تک تصنیف و تالیف کا سلسلہ کسی نہ کسی صورت میں باقی رہا۔ "آپ بیتی" میں آپ کی ۸۳ کتابوں کے نام اور پچیس تیس مزید کتابوں کے ہونے کا اشارہ ہے، تقریباً سو کتابوں کا یہ ذخیرہ جس میں بعض کتابیں چار اور پانچ ہزار (ٹائپ شدہ) اوراق پر مشتمل ہیں۔ "یعلمہم الکتاب والحکمۃ" کی نیابت کی روشن مثال ہے، حضرت شیخ رحؒ اپنے مخصوص انداز میں ۸۳ کتابوں کی فہرست اور ان کے مختصر تعارف کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

> "اب تک ان ہی رسائل اور اجزا کا پتہ چلا ہے۔ میرے اندازے میں پچیس تیس ابھی اور بھی ہیں لیکن اپنی فضیلت کے اظہار کے واسطے اتنے بھی کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ریاکاری کو معاف فرمائے۔"

حضرت شیخ رحؒ کی دوسری علمی و تصنیفی خدمات کو چھوڑ کر جو خود بھی صورت میں قرآن و حدیث کی تعلیمات پر مشتمل ہیں۔ آپ کی مشہور کتب حدیث کے تذکرہ سے پیشتر صرف ان

غیر مطبوعہ کتب کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے، جو خدمت حدیث کے بارے میں ہیں۔ کاش حضرت کے متعلقین خصوصاً جانشین شیخ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ العالی و حضرت مولانا محمد عاقل صاحب زید مجدہم (صدر مدرس مظاہر علوم سہارنپور) و جناب مولوی محمد شاہد صاحب ان "کنوز مخفیہ" کو خفا کے پردے سے نکال کر شائع فرماسکیں تاکہ حضرت شیخؒ کی ان خدمات کا دنیا کو علم ہوسکے۔

۱۔ تقریر مشکوٰۃ (اردو میں) شوال ۱۳۴۱ھ میں دوبارہ لکھی، اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ حضرت شیخؒ فرماتے ہیں۔ "یہ تقریر طبع تو نہیں ہوئی مگر شاید سو سے زائد نقلیں طلباء و مدرسین کے جا چکے ہیں"۔

۲۔ تقاریر کتب حدیث (غیر مطبوع) حضرت شیخؒ فرماتے ہیں۔ "اس ناکارہ نے کتب صحاح اولاً اپنے والد صاحب سے پڑھیں، ثانیاً حضرت قدس سرہٗ سے، ہر شیخ کی درس کی تقریروں کے لکھنے کا اہتمام رہا مگر مکمل و مرتب نہیں، البتہ حضرت قدس سرہ کی نسائی شریف کی تقریر مختصر مکمل میری تالیفات کی الماری میں ہے، مجھے خوب یاد ہے میرے حضرت قدس سرہ اگر کوئی لفظ ایسا فرماتے تھے جو بین السطور میں ہو، میں اس کو بھی نقل کرلیتا تھا، یہ سمجھ کر کہ میرے حضرت کا فرمایا ہوا ہے"۔۔۔۔ خیال ہے کہ یہ جواہر پارے ان دونوں اساطین حدیث کے فہم حدیث کا نچوڑ ہوں گے۔

۳۔ تلخیص البذل: یہ بذل المجہود کے ابحاث طویلہ کا خلاصہ حضرت شیخؒ کی اپنی عبارت میں ہے۔

۴۔ شذرات الحدیث: حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ "بذل کے لکھنے کے زمانے میں شروح بخاری وغیرہ میں جب کسی دوسری کتاب کے متعلق کوئی مضمون نظر سے گزرتا تو میں نے ہر کتاب کی ایک کاپی بنا رکھی تھی اور اس کتاب کے نام سے اس کاپی پر نام لکھا تھا، شخ، شذرات بخاری، اسی طرح شم، شت، شد، وغیرہ صحاح ستہ کی ہر کتاب اور مؤطئین اور طحاوی اور ہدایہ کی کاپیاں رکھی تھیں، اس کو اس واسطے لکھوا رہا ہوں کہ میری مطبوعہ تالیفات میں 'کذا فی الشذرا والبسط

فی الشذرۃ کے حوالے کہیں کہیں آگئے ہیں۔

۵۔ حواشی بذل المجہود : بذل المجہود کے وہ حواشی ہیں، جو حضرتؒ نے اس کی طباعت کے بعد ۱۳۸۸ھ تک لکھے جو ایک مستقل ذخیرہ ہے۔

۶۔ مقدمات کتب حدیث : فرماتے ہیں "اس ناکارہ نے مختلف ایام میں ۱۳۶۶ھ سے ۱۳۸۵ھ تک کے دوران میں ایک مقدمہ علم الحدیث پر لکھا تھا جو مقدمہ اوجز میں طبع ہو گیا اس کے علاوہ سب کتابوں کا مقدمۃ الکتاب بھی لکھا۔ جس میں اس کتاب کی خصوصیات، مصنف اور اس کے حالات، اس کے علاوہ اس کتاب کے مناسب جو چیزیں تھیں لکھیں، اس میں 'مقدمہ بخاری' بہت سے اضافوں کے ساتھ 'مقدمہ لامع' میں آگیا ہے، اسی طرح بقیہ کتب ستہ نیز شمائل ترمذی و نیز طحاوی وغیرہ کے مقدمۃ الکتب لکھے ہوئے ہیں۔

۷۔ "اصول حدیث علی مذہب الحنفیہ": مسلک حنفیہ پر اصول حدیث کا متن ہے۔ جس پر حواشی کا سلسلہ ۱۳۸۸ھ تک چلتا رہا۔

۸۔ "جزء وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم :

۹۔ "جزء روایات الاستحاضۃ"

۱۰۔ "جزء رفع الیدین"

۱۱۔ "جزء الاعمال بالنیات"

۱۲۔ "جزء اختلافات الصلوٰۃ"

۱۳۔ "جزء المبہمات فی الاسانید والروایات": احادیث کی اسانید میں جو مبہم نام آئے ہیں وہ دوسرے ذخائر حدیث سے تلاش کر کے لکھ دیئے گئے ہیں جو تہذیب، تقریب، تعجیل وغیرہ میں آگئے ہیں، ان سے تعرض نہیں کیا گیا۔

۱۴۔ "حواشی الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ":

۱۵۔ "حواشی و ذیل التہذیب": اس کے بارے میں حضرت ارقام فرماتے ہیں، "حافظ ابن حجر کی" تہذیب التہذیب" "تقریب" "تعجیل" وغیرہ پر حواشی تو سبھی پر

لکھتا رہا۔ لیکن "تہذیب التہذیب" پر کثرت سے لکھے گئے اور "ذیل التہذیب" کے نام سے مستقل بارہ جلدیں مجلد کرا کر تہذیب کے موافق اس پر صفحے ڈال دئے تھے تاکہ اس پر تہذیب کا استدراک اور ذیل لکھا جائے، مگر تہذیب پر حواشی تو لکھنے کی زیادہ نوبت آئی مگر ذیل پر لکھنے کی نوبت کم آئی۔

۱۶۔ "حواشی مسلسلات ورجال مسلسلات"

۱۷۔ "جزء مکفرات الذنوب": احادیث شریفہ میں جن جن اعمال کو کفارۂ ذنوب بتایا ان احادیث کا مجموعہ۔

۱۸۔ "جزء ملتقط المرقاۃ"

۱۹۔ "جزء ملتقط الرواۃ عن الرواۃ":

۲۰۔ "معجم المسند للامام احمد": حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں "مسند امام احمد کی روایات ترتیب صحابہ پر ہیں، جس میں حدیث کا تلاش کرنا مشکل ہے، اس رسالہ میں حروف تہجی کے اعتبار سے ان سب صحابہ کی روایات کی فہرست لکھی گئی، جس میں ہر صحابی کی احادیث مع جلد وصفحہ درج کی گئی ہے، بہت مفید رسالہ ہے، جس سے احادیث کا نکالنا بہت آسان ہے۔

۲۱۔ "جزء المناط"

۲۲۔ "جزء صلوٰۃ الاستسقاء"

۲۳۔ "جزء صلوٰۃ الخوف"

۲۴۔ "جزء صلوٰۃ الکسوف"

۲۵۔ "جزء تخریج حدیث عائشۃ فی قصۃ بریرۃ"۔

۲۶۔ "تقریر نسائی": یہ تقریر جیساکہ آپ بیتی میں ہے بہت جامع ہے، اس میں نہ صرف حضرت شیخ قدس سرہٗ کی تقریر ہے بلکہ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی دو تقریریں جو حضرت کے والد رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کی تھیں آگئی ہیں اور حضرت مولانا سہارنپوری کی تقریر بھی آگئی ہے۔

۲۷- "جزء رسا یشکل علی الجارھین"
۲۸- "اولیات القیامۃ"
۲۹- "مختصات المشکوٰۃ"
۳۰- "جامع الروایات والاجزاء: اس کے بارے میں حضرت شیخ نے فرمایا کہ اس ناکارہ نے اپنی ابتدائی زندگی میں جس کو میں ۱۳۳۵ھ کے بعد سے شروع اور ۱۳۴۸ھ پر ختم سمجھتا ہوں، کتب احادیث کے اطراف لکھنے شروع کئے تھے، جن کی روایات کو "جامع الروایات" کے نام سے جمع کرنا شروع کیا تھا اور ان کی تفاصیل کو اجزاء کے نام سے لکھنا شروع کیا تھا، اس میں صحاح ستہ اور مؤطین، طحاوی، حاکم، بیہقی وغیرہ کے اطراف لکھنے شروع کئے تھے، بہت بڑا ذخیرہ اس کا ہو چکا تھا، جس کو مشکوٰۃ کی ترتیب سے شروع کیا تھا، مشکوٰۃ تو پوری ہوگئی تھی، خیال تھا کہ بقیہ جملہ حدیث کی کتابوں کو بھی نقل کروں لیکن پھر زندگی ختم ہوگئی، اس لیے اس کی تالیف ناقص رہ گئی۔ کاش کوئی پوری کرنے والا ہوتا۔
۳۱- "معجم رجال تذکرۃ الحفاظ للذہبی"
۳۲- "تبویب تاویل مختلف الاحادیث لابن قتیبۃ" (ابواب فقہیہ کی ترتیب پر)
۳۳- "تبویب مشکل الآثار" (ابواب فقہیہ کی ترتیب پر)
۳۴- "معجم الصحابۃ الذین اخرج عنہم ابوداؤد الطیالسی فی مسندہ (باعتبار حروف التہجی)

غیر مطبوعہ کتابوں کی اس فہرست پر نظر ڈالنے سے ہی ہر منصف مزاج اس بات کا قائل ہوگا کہ حضرت اس دور کے عظیم خادم حدیث تھے، جنہوں نے چودھویں صدی ہجری میں ائمہ سلف کی یاد تازہ کر دی، آپ کی ذات میں حافظ ابن حجرؒ، علامہ ابن عبدالبرؒ، علامہ عینیؒ علامہ ذہبیؒ، حافظ ابن تیمیؒ، شاہ ولی اللہؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے کمالات یکجا دیکھے جاسکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دور میں قدیم اساطین علماء و محدثین کا ایک نمونہ پیدا فرمایا تھا جو اپنے شغف حدیث، وسعت نظر، وفور علمی ذوق، کثرت مطالعہ، حذاقت و مہارت فن میں اپنی

نظیر آپ تھا۔

مطبوعہ عظیم الشّان ذخیرۂ کتب حدیث

بذل المجہود کی تالیف میں اعانت :

خلیل وقت حضرت خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ربیع الاول ۱۳۳۵ھ میں ابوداؤد کی شرح بذل المجہود کے لکھنے کی ابتدار فرمائی اور معین کے طور پر اُن کی نگاہ انتخاب بیس سالہ نوجوان، آئندہ چل کر امام وقت ہونے والے مولوی محمد زکریا صاحب پر پڑی جنہوں نے اسے اپنی دعار کا اثر سمجھا اور اپنی جملہ صلاحیتوں کو اپنے شیخ واستاذ کی خدمت میں لگادیا، فنا کی ایسی مثالیں کم دیکھنے میں آئی ہوں گی، اپنی محنت شاقہ وانہماک وتقویٰ اور فطری صلاحیتوں اور بزرگوں کی دعار وبرکت سے جلد ہی حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے شاگرد باختصاص اور معین باعتماد بن گئے، حضرت سہارنپوریؒ کتابیں بتادیتے تھے اور خوش بخت شاگرد مطلوبہ مضامین کی تلاش وتفحص اور مظانِ قریبہ وبعیدہ سے ان کو حاصل کرتے اور استاذ کی خدمت میں پیش کرتے اور حضرت سہارنپوری انتخاب کے بعد املار کراتے، اور آپ لکھتے جاتے، یہاں تک کہ یہ عظیم کارنامہ مکمل ہوا، اس وقت حضرت شیخ کی عمر صرف تیس سال تھی استاذ نے مسرت میں جو مقدمہ میں لکھا وہ گزر چکا یہاں وہ جملہ نقل کرتا ہوں جو حضرت شیخؒ نے یہ کہہ کر قلم زد کردیا تھا کہ اس میں گو میری تعریف ہے لیکن بذل کی توہین ہے، وہ جملہ یہ تھا۔

وھوجدیر بان ینسب ھٰذا التعلیق الیہ — یہ مولانا محمد زکریا اس لائق ہیں کہ یہ شرح ان کی طرف منسوب کی جائے۔

اس سے بڑھ کر ایک شاگرد کی اور کیا تعریف ہوسکتی ہے۔

اس اعانت کا سب سے بڑا فائدہ حضرت شیخ قدس سرہٗ کو یہ ہوا کہ آپ کو حدیث مبارکہ کے ساتھ خاص مناسبت اور مباحث علمیہ سے شغف، تصنیف وتالیف کا ذوق اور تلاش وتحقیق کا شوق اور علوم حدیث سے گہرا تعلق اور مختلف مظان سے مطلوبہ مطالب کو جمع کرکے سلیقہ

سے مرتب کرنے کا مادہ پیدا ہوگیا، اور یہ اعانت استاذ آپ کی باقی زندگی کی علمی تحقیقات وتصنیفات کے لیے بنیاد بن گئی، جس پر آپ نے علوم کی وہ عظیم الشان عمارت اٹھائی جسکی نظیر دور دور تک نہیں دکھائی دیتی۔ الا ماشاء اللہ

"اوجز المسالک":

مدینہ طیبہ میں بذل المجہود کے خاتمہ پر غرہ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ میں اقدام عالیہ میں بیٹھ کر مدینہ منورہ کی مناسبت سے امام دار الہجرۃ کی کتاب مؤطا امام مالک کی شرح کی بسم اللہ لکھی گئی جو بالآخر چالیس سال کی محنت شاقہ اور عرق ریزی کے بعد ۱۳۷۵ھ میں مکمل ہوئی اگر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی اور تالیف نہ بھی ہوتی تو یہی ایک کتاب ان کے تبوغ فی العلم، وسعت مطالعہ، عمق نظر، مہارت فن، دقیقہ رسی، اور تحقیق پر دلیل قاطع اور شاہد عدل تھی، بقول شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مؤطا مالک دیگر کتب حدیث کے لیے متن کا درجہ رکھتی ہے، اس لیے اس کی شرح گویا جملہ کتب کی ایک معنی میں شرح بن جاتی ہے۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے جس استیعاب اور احاطت سے ہر مسئلہ اور مضمون کو کھنگالا ہے، وہ انھیں کا حصہ ہے، اس لیے دیگر کتب حدیث کے مطالعہ میں بھی اس شرح مؤطا سے مفر نہیں، گنجائش نہیں ورنہ اس حیرت انگیز کتاب کی خصوصیات پر کچھ لکھتا، تاہم ایک واقعہ اس کتاب کی مقبولیت کے ضمن میں برسبیل تذکرہ بیان کرنا شاید نامناسب نہ ہو۔

گزشتہ سال پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت نے "رجم" کو شرعی حد ماننے سے انکار کر دیا، جس سے ملک میں ہیجان پیدا ہوگیا اور علماء کے اصرار پر حکومت نے انھیں اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرنے کے لیے کہا، انھوں نے مختلف لوگوں سے دلائل مانگے، فقیر سے بھی کہا گیا، بندہ اس وقت شدید بیماری میں ہسپتال میں تھا، لیکن قدرتاً شدید داعیہ پیدا ہوا، ڈاکٹروں کی ہدایت کے علی الرغم ہسپتال میں کتابیں منگوائیں، دیکھتا تھا اور املاء کراتا تھا، آخر ایک بڑا بیان تیار ہوگیا، اور بندہ ڈاکٹروں کی ممانعت کے باوجود بمشکل عدالت میں پہنچا، بیان دیا، عدالت بحمد اللہ متاثر ہوئی، صرف دو اشکال رہ گئے ایک کہ "سنین رجم"

کون سے ہیں (یعنی رجم کی سزا مجرموں پر کن سنوں میں نافذ کی گئی تھی) اور دوسرا سوال یہ تھا کہ کیا "حد" تعزیر میں بدل سکتی ہے؟ بندہ نے جواب لکھ کر بھیجے اور بحمداللہ عدالت نے اپنے غلط فیصلہ سے رجوع کر کے پھر سے "رجم" کو شرعی حد قرار دے دیا، اس بارے میں "سنین رجم" کے سلسلے میں مواد نہیں مل رہا تھا، خواب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی کہ میری دائیں طرف تشریف فرما ہیں، اور سامنے حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ بندہ کی طرف پیٹھ کئے ہوئے بیٹھے ہیں اور ایک دوسرے مولوی صاحب کا منہ میری طرف ہے، حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان سے پوچھ۔ دوسرے مولوی صاحب کہتے ہیں مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تجھ سے کون کہتا ہے۔ ان سے۔ اور شیخ الحدیثؒ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ بندہ نے بیداری کے بعد سمجھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد حضرت شیخؒ کی کتابوں سے استفادہ کا ہے، اوجز کی کتاب الحدود نکالی اور فوراً ہی "سنین" کا مسئلہ حل ہو گیا۔ ع

حل این نکتہ از روئے نگار آخر شد

حضرت شیخ قدس سرہ کو یہ خواب لکھ کر جناب صوفی محمد اقبال مدنی کے ہاتھ بھیجا گیا، حضرت شیخؒ نے مسرت کا اظہار فرمایا اور اپنی یادداشت میں نقل کر لیا۔ بندہ سمجھتا ہے کہ یہ "اوجز" کی مقبولیت کا نشان ہے۔

لامع الدراری علی جامع البخاری:

اصح الکتب بعد کتاب اللہ جامع صحیح بخاری کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو حسن قبول بخشا ہے، اور امام بخاریؒ کی ذہانت، فراست، بنوغ، مہارت اور سب سے بڑھ کر تدین وتقویٰ نے کتاب کو جن محاسن ومزایا کا مجموعہ بنا دیا ہے اور "ابواب وتراجم" میں جن غوامض اور بعید عن الادراک امور کا اہتمام فرمایا ہے، اس نے اس کتاب کو دیگر جملہ امہات کتب سے ممتاز ومتمیز کر دیا ہے، اس وجہ سے امت میں اس کتاب کو جو اہمیت اور اعتناء نصیب ہوا، وہ قرآن کریم کے بعد کسی کتاب کو میسر نہیں آیا۔ اس کے علوم ومعارف اسرار

ورموز پر ہر دور میں کام ہوتا رہا، پھر بھی "لاتنقضی عجائبہ" کے الفاظ اس کتاب پر بھی صادق آتے رہے۔ امام ربانی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی درسی تقاریر بخاریؒ میں (جو حضرتؒ کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے قلمبند کی تھیں) بخاری کے اسرار و معارف، مشکلات و غوامض و دقائق کے بارے میں جو نکات اشارات میں بیان فرمائے تھے وہ جواہر ریزے ان علوم غامضہ اور افادات مبتکرہ پر مشتمل تھے جن کی نظیر نہیں ملتی، ان جواہر پاروں کی شرح و توضیح کی ضرورت تھی حضرت شیخ الحدیث قدس روحہ کے قلم حقیقت رقم اور کلک سیال نے ان کی شرح ٹائپ کے تقریباً پانچ ہزار صفحات پر دس جلدوں میں فرمائی۔ آپ نے اس کتاب میں جملہ مباحث کی جس شان اور حسین اسلوب سے شرح فرمائی ہے وہ قاری کے لیے تشفی کا پورا سامان ہے اور یہ کتاب اپنے مباحث فاضلہ، دقائق فائقہ، حقائق رائقہ، معلومات واسعہ، معارف عالیہ اور رموز عجیبہ کی وجہ سے اسم بامسمیٰ ہے، علم کا بحر زخار ہے جو ضخامت و حجم میں فتح الباری، عمدۃ القاری کی ہمسری کر سکتا ہے اور مطالب و فوائد کے لحاظ سے غنیمت باردہ اور تشنگان علم کے لیے آب زلال ہے، کتاب گو کامل بخاری شریف کی شرح نہیں، بلکہ صرف ان نکات غریبہ کی توضیح ہے، جو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے دوران درس میں فرمائی، لیکن شارح کا فیاض قلم افادہ کی وسعتوں اور مطالب کے احتوار میں تقریباً جملہ اہم مقامات کو لے لیتا ہے، مؤلف کے ذاتی علوم وافرہ اور دقیقہ رسی کے علاوہ جہابذہ فن کے اقوال قیمہ اور مستند اور عسیر الوصول کتب کے اقتباسات نے کتاب کو صحیح بخاری کے ہر طالب کے لیے ضروری کر دیا ہے۔

کتاب کا مقدمہ حضرت شیخؒ کے تبحر اور تحقیق کا شاہکار ہے، ویسے تو تمام مباحث قابل دید ہیں، لیکن اصول تراجم بخاری کو جس شرح و بسط سے کھولا ہے، تراجم بخاری جس دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی سے کلام فرمایا ہے اور تراجم کے متعلق ابواب کی جو سترہ مفاتیح مہیا فرما دی ہیں، وہ حضرت شیخؒ کا ہی حصہ ہے۔

فقیر نے ربیع الاول ۱۳۹۲ھ رسالہ "الحق" اکوڑہ میں اپنے ایک مقالہ میں

لکھا تھا کہ:

"علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں اپنے بعض شیوخ سے نقل کیا ہے کہ بخاری کی شرح کا قرض امت پر ہے (کہ اس وقت تک علماء امت میں سے کسی نے بھی بخاری کی شایان شان شرح نہیں لکھی تھی) حافظ ابن حجر کے شاگرد حافظ شمس الدین سخاوی نے الضوء اللامع میں لکھا ہے کہ یہ قرض علامہ ابن حجر نے فتح الباری لکھ کر پورا کر دیا۔ حضرت الاستاذ علامہ محمد یوسف البنوری نے تحفۃ العنبر ص ۱۰۴ میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا قول مجھ تک پہنچا ہے کہ حافظ ابن حجر سے تراجم صحیح بخاری کا حق پورا نہ ہو سکا، حضرت علامہ بنوری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں، شیخ الہند نے جو صحیح بخاری کے ابواب کی شرح لکھنی شروع فرمائی تھی مکمل ہو جاتی تو انشاء اللہ تراجم کا حق بھی ادا ہو جاتا، لیکن افسوس وہ کام مکمل نہ کر سکے، تاہم جو حصہ انھوں نے تالیف فرمایا اور شائع ہوا وہ مستفیدین کے لیے چراغ و معیار ہے۔

ہیچمداں راقم اپنی کم مائیگی کا معترف ہے تاہم خیال آتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے مقدمہ لامع الدراری سے شاید یہ قرض ادا ہو گیا (واللہ اعلم)"

الحمد للہ تعالیٰ ٹائپ شدہ مطبوعہ لامع پر حضرت البنوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی "تقدیم" ۱۵ رمضان ۱۳۹۲ھ کی لکھی ہوئی پڑھ کر اس عبارت سے مسرت ہوئی کہ حضرت الاستاذ نے کودک ناداں کی بات کی تصدیق فرما دی اور لکھا کہ:

"اب میں کہتا ہوں کہ یہ ازلی سعادت الشیخ زکریا کے حصہ میں تھی کہ وہ انھیں اور "ابواب و تراجم" کے اس قرض کو چکا ئیں، میں امید کرتا ہوں کہ انھوں نے انشاء اللہ تعالیٰ شرح ابواب و تراجم کی خدمت سے اس قرض کو چکا دیا ہوگا"

اس ضمن میں حضرت شیخ کی جدید کتاب "الابواب والتراجم" بھی ہے، جس میں حضرت شیخ

نے ایک ایک "باب" کو لے کر اس پر سیر حاصل بحث فرما کر "ترجمۃ الباب" سے تطبیق دی ہے یہ اپنی شان میں بے نظیر اور بڑا کارنامہ ہے۔ ہیچمدان کے نزدیک یہ کتاب بھی اپنے موضوع میں نہایت بیش قیمت اور بلند معیار ہے۔

حضرت شیخؒ نے ۱۳۹۶ھ کے حج کے موقع پر دیگر کتابوں کے ساتھ اس کے تین مطبوعہ اجزاء عطا فرمائے اور ازراہ عنایت فرمایا کہ "اس کے دو جزء ابھی شائع نہیں ہوئے۔ اگر میری زندگی میں شائع ہو گئے تو مجھ سے مانگ کر لے لیجیو اور اگر میں مر گیا تو میرے ورثاء سے تقاضا کر کے لے لیجیو۔"

"الکوکب الدری" پر بھی حضرتؒ کے مفید حواشی ہیں۔

حجۃ الوداع وجزء عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم :

حضرت شیخؒ کی ۲۳۰ صفحات پر مشتمل حجۃ الوداع پر شاہکار اور اچھوتی اور بے مثل کتاب ہے۔ آپ نے یہ کتاب جوانی میں ۲۷ سال کی عمر میں تیس گھنٹوں میں لکھی تھی، آخری عمر میں ایک خواب کی بنا پر عمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جزء بڑھایا اور اصل کتاب میں اضافہ فرمایا۔ کتاب میں فقہی احکام کو واضح الفاظ میں نقل فرمایا گیا ہے اور ایسے مضامین بھی تحریر فرمائے ہیں جو بڑے بڑے علماء اور شارحین کی کتابوں میں نہیں ملتے، غرض یہ کتاب حج پر ایک جلیل القدر، اہم اور عجیب تصنیف ہے۔

شاید اس مختصر خاکے سے کسی حد تک فقیر کی اس بات پر روشنی پڑ سکے کہ اس دور میں نیابت نبوت کا جو کام حضرت شیخ الحدیثؒ نور اللہ مرقدہ سے لیا گیا، یا انھیں کا حصہ تھا، اور یہ اللہ تعالیٰ کی موہبت خاصہ اور انعام مخصوص تھا، جو حضرت قدس سرہ پر ہوا۔

مضمون بڑھتا جا رہا ہے، اور حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے محاسن و مزایا کمالات و خدمات کا عشر عشیر بھی یہ قاصر قلم پیش نہ کر سکا۔ اول تو یہ درماندہ و در افتادہ، بے علم و کم سواد حضرت شیخ قدس روحہ کے مقام و کمالات کو کیا جانے اور کیا پہچانے اور پھر ذرہ میں صحرا اور قطرہ میں دریا کو کیسے دکھایا جائے ان پر قلم اٹھانا حقیقت میں مجھ جیسوں کا کام نہیں لیکن

اپنے مخدوم و مکرم حضرت مولانا نعمانی دامت فیوضہم کے حکم نے امتثال امر پر مجبور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ ان کی برکت سے راقم کی ہرزہ سرائی حضرت شیخؒ کے مقام رفیع کے لیے نامناسب نہ ہو۔ فقیر کو ۱۳۹۳ھ میں خواب میں کہا گیا تھا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ قطب الارشاد ہیں۔ چودھویں صدی کے ختم ہونے سے دو تین سال پہلے سے خیال آتا تھا کہ شاید حضرت شیخؒ کو پندرہویں صدی کے کچھ سال مل جائیں کہ بعض مجدد نئی صدی کے شروع میں فوت ہوئے ہیں۔ مثلاً حضرت امام غزالیؒ کا وصال ۵۰۵ھ میں اور حضرت عمر ابن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ کا وصال ۱۰۱ھ میں ہوا۔

بہرحال کیا یہ بندہ اور کیا اس کی خام خیالیاں، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اس پچھلے دور میں امت کے لیے ایک ایسی ہستی پیدا فرمائی جو علم و عمل، ورع و تقویٰ اخلاص و توکل مجاہدہ و ایثار، للہیت و اخبات، محبت و خشیت الٰہی اور جملہ دینی کمالات میں اسوہ تھی۔ اللہ تعالیٰ امت کے جملہ طبقات کو ان کی برکات سے نفع پہنچائے اور ان کے بعد ان کے فیوض سے امت کو محروم نہ فرمائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام

علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ و اتباعہ اجمعین

ہماری ۳ اہم مطبوعات
انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت
از مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی
اس کتاب میں ایران کے اسلامی انقلاب کی اسلامیت کا جائزہ لیا گیا ہے اور مکمل غیر جانبداری اور توازن کے ساتھ اس کے ان پہلوؤں کا ذکر کیا گیا ہے جن کی وجہ سے بہت اسلام پسندوں کو اس کے ساتھ ہمدردی ہوئی اور بہت سے ان گوشوں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے جن کو پیش نظر رکھے بغیر انقلاب ایران کی اسلامیت کے بارے میں صحیح رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔
قیمت : ۷/-
بریلوی فتنہ کا نیا روپ
از: مولانا محمد عارف سنبھلی
یہ کتاب ارشد القادری کی کتاب زلزلہ کا جواب ہی نہیں بریلوی فتنہ پر ایک ضرب کاری ہے مسئلہ علم غیب اور کائنات میں تصرف کے عقیدہ کی جو تنقیح کی گئی ہے وہ اس کتاب کا خاص تحفہ ہے۔
ساتھ میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کا ایک اہم مضمون علماء دیوبند پر بریلویوں کے الزامات کا پس منظر بھی ملاحظہ کیجئے۔
قیمت : ۱۲/-
قرآن کی بیسک ریڈر یا رہنمائے تلاوت
از: سید محمود حسن ایڈوکیٹ
قرآن کریم کو صحیح اور تجوید کے قواعد کے مطابق پڑھنا ضروری ہے، ہم اکثر ان قواعد سے ناواقفی کی وجہ سے تلاوت میں بہت سنگین غلطیاں کرتے ہیں اس کتاب میں ان قواعد کو نہایت آسان اور عام فہم انداز میں بتایا گیا ہے، ساتھ ہی حروف والفاظ با حرکات کی آوازیں سمجھانے کے لئے ہندی و انگریزی سے مدد لی گئی ہے۔
معمولی پڑھے لکھے بچے، جوان، بوڑھے اور ہندی ذریعۂ تعلیم کے پڑھے ہوئے انگریزی داں نوجوان اور اسکولوں، کالجوں نیز مدارس کے طلبہ و اساتذہ سب ہی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ

کچھ یادیں ☆ کچھ باتیں

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

جہانتک یاد ہے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہٗ کو سب سے پہلے اپنی طالب علمی کے زمانے میں (۱۳۴۲ھ میں) دارالعلوم دیوبند میں دیکھا تھا، کسی ضرورت سے تشریف لائے تھے، اور کسی جاننے والے نے بتلایا تھا کہ یہ مظاہر علوم سہارنپور کے استاذ مولانا محمد زکریا صاحب ہیں —— اس کے بعد بھی زیارت و ملاقات تو کبھی کبھی ہوئی لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں جانا کہ مظاہر علوم کے حدیث شریف پڑھانے والے بڑے اور مقبول اساتذہ میں ہیں۔

اپنی جماعت کے اصحاب ارشاد مشائخ واکابر میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کی اس عاجز کے دل میں عظمت وعقیدت بھی تھی اور اپنے خیال میں کسی درجہ کی ذوقی مناسبت بھی۔ حضرت کی خاص شفقت وعنایت بھی حاصل تھی —— اللہ تعالیٰ کی حکمتِ تکوینی اور اس کے ایک تقدیری فیصلے کے نتیجہ میں ۱۳۶۲ھ کے اوائل میں چند روز حضرت کی خانقاہ میں قیام کے ارادہ سے رائے پور کا سفر کیا۔ اور قریباً ایک ہفتہ قیام رہا —— یہ سفر تو اس ارادہ سے نہیں کیا گیا تھا لیکن خانقاہ کے اس قیام کے دنوں میں حضرت سے بیعت اور اصلاحی تعلق قائم کرنے کا دل میں داعیہ پیدا ہوا[1] اور ایک

---

[1] اس عاجز نے رائے پور کا یہ سفر کیوں اور خانقاہ میں قیام کس غرض سے کیا تھا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

دن اس کیلئے درخواست کی ـــ حضرت نے بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ اس مقصد کے لئے حضرت مولانا محمد الیاسؒ یا حضرت شیخ الحدیثؒ کی طرف رجوع کرنے اور ان سے یہ تعلق قائم کرنے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ ان دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی یہ تعلق کرنا آپ کے لئے زیادہ مفید ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ میں ان دونوں حضرات سے کچھ واقف ہوں لیکن میرے دل میں حضرت ہی سے یہ تعلق قائم کرنے کا داعیہ ہے۔ میرے اس عرض کرنے پر حضرت نے ان دونوں حضرات کے متعلق بہت بلند کلمات ارشاد فرمائے۔ اسکے بعد بھی اگرچہ میں نے اپنی درخواست ہی پر اصرار جاری رکھا اور بالآخر حضرت نے قبول فرمالیا ـــ لیکن ان دونوں بزرگوں کی بلند مقامی سے مجھے باخبر کرنے کیلئے اس وقت جو کچھ حضرت نے ارشاد فرمایا اس کے نتیجہ میں ان حضرات کی وہ عظمت قلب میں پیدا ہوگئی جو اب تک نہیں تھی، اسکے بعد سے ان دونوں حضرات سے بھی خاص درجہ کی عقیدت و نیازمندی کی سعادت بفضلہٖ تعالیٰ نصیب ہوگئی ـــ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا یہ آخری دور حیات تھا، قریباً ڈیڑھ سال بعد ہی (رجب ۱۳۶۳ھ میں) حضرت کا وصال ہوگیا۔ اس تھوڑی سی مدت میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حضرت کے ساتھ جو نیازمندانہ تعلق نصیب ہوا اسکی برکتوں میں سے (یا کہا جائے کہ اسکی نشانی اور یادگار) اس عاجز کا مرتب کیا ہوا حضرت کے ملفوظات کا وہ مجموعہ ہے جو کتابی شکل میں شائع ہوچکا ہے۔ ـــ البتہ حضرت شیخ الحدیثؒ اسکے بعد قریباً چالیس سال ہماری اس دنیا میں رہے، اور بلاشبہ اس عاجز پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے یہ عظیم نعمت بھی ہے کہ اس طویل مدت میں حضرتؒ کی خاص شفقت و عنایت نصیب رہی۔ پچاسوں دفعہ حضرت کی خدمت میں حاضری اور بار بار طویل قیام بھی رہا۔ ایسے واقعات بے شمار ہیں

(بقیہ صفحہ گزشتہ) اور پھر بیعت کا یہ داعیہ کن مرحلوں سے گذرنے کے بعد اور کس طرح دل میں پیدا ہوا، یہ لمبی کہانی ہے، یہاں اس کا ذکر غیر ضروری سمجھ کر قلم انداز کردیا گیا ہے۔ اپنی کتاب "تصوف کیا ہے؟" کے آغاز میں راقم سطور نے اس کا اجمالی تذکرہ کیا ہے۔

جو قابل ذکر ہیں اور جن کا یہ عاجز عینی شاہد ہے لیکن اس صحبت میں صرف چند ہی واقعات نذرِ ناظرین کرنے کا ارادہ ہے جن کا اس عاجز کی ذات ہی سے تعلق ہے۔ امید ہے کہ انکا ذکر انشاء اللہ عام ناظرین کے لئے بھی نافع ہوگا۔

(۱)

حضرت شیخ کے بارے میں مختلف حضرات سے سنا تھا کہ رمضان مبارک میں دن رات کے نوافل میں روزانہ ایک قرآن مجید ختم کر لینے کا معمول ہے، ایک دن میں نے عرض کیا کہ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ معمول کب سے ہے اور اسکی ترتیب کیا ہے؟ شاید میرے ذریعہ اللہ کے کسی ایسے بندے کو معلوم ہو جائے جسکو اس معمول کے نقل کی توفیق ہو تو انشاء اللہ مجھے بھی کچھ مل جائیگا۔ میرے اس سوال کے جواب میں فرمایا۔ مولوی صاحب! جب پہلی دفعہ حج کیلئے مکہ معظمہ حاضری ہوئی تھی تو رمضان مبارک کا مہینہ تھا اور جوانی کا زمانہ تھا، وہاں روزانہ کا معمول یہ بنالیا کہ حرم شریف میں تراویح ختم کرکے تنعیم چلے جاتے اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کے حرم شریف آکر طواف اور اس کے بعد سعی کرتے اور حلق کراتے، اس طرح عمرہ سے فارغ ہو جانے کے بعد حرم شریف ہی میں تہجد کی رکعتیں پڑھتے اس میں سحر کا وقت ہو جاتا، سحری سے فارغ ہو کر حرم شریف آجاتے اور فجر کی نماز پڑھتے، اس کے بعد کچھ دیر کے لئے سو جاتے، پھر اٹھ کر چاشت کے نوافل پڑھتے اور اپنے مشاغل میں مشغول ہو جاتے۔ اس طرح رات کو سونا بالکل نہ ہوتا، بس فجر کے بعد ہی کچھ سو لیتے تھے۔ اس سال مکہ معظمہ میں رمضان مبارک اس طرح گذرا۔ اس کے بعد سے یہ طے کر لیا کہ اللہ توفیق دے تو رمضان مبارک اسی طرح گذرا کرے۔ اب میرا معمول یہ ہے کہ ماہِ مبارک شروع ہو جانے پر مغرب کی نماز کے بعد اوابین کی رکعتوں میں تین پارے پڑھتا ہوں پھر عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ کے گھر آجاتا ہوں اور تراویح گھر پر پڑھتا ہوں، میری بچیاں مقتدی ہوتی ہیں، تراویح میں پھر وہی تین پارے پڑھتا ہوں، تراویح سے فارغ ہو کر انہی تین پاروں کی قرآن مجید میں دیکھ کر غور و فکر کے ساتھ تلاوت کرتا ہوں۔ اسوقت بعض تفاسیر بھی پاس رکھتا ہوں اور غور و فکر کے سلسلہ میں حسب ضرورت انکا مطالعہ

کرتا ہوں اس کے بعد تہجد کی رکعتیں پڑھتا ہوں، ان رکعتوں میں بھی وہی تین پارے پڑھتا ہوں، اس میں سحری کا وقت آجاتا ہے، سحری کھا کے فجر کی نماز کیلئے مسجد چلا جاتا ہوں، نماز سے فارغ ہوکر گھر آجاتا ہوں اور دو ڈھائی گھنٹے سو لیتا ہوں، پھر اٹھ کر ادر ضروریا سے فارغ ہوکر چاشت کی رکعتیں پڑھتا ہوں اور ان میں بھی پھر وہی تین پارے پڑھتا ہوں۔ اس کے بعد انہی تین پاروں کی قرآن مجید دیکھ کر تلاوت کرتا ہوں۔ اسکے بعد چار رکعتیں پڑھتا ہوں اور ان میں بھی یہی تین پارے پڑھتا ہوں۔ اسکے بعد ظہر کا وقت آجاتا ہے تو ظہر سے پہلی اور بعد کی سنتوں، نفلوں میں پھر وہی تین پارے پڑھتا ہوں، اس سے فارغ ہونیکے بعد ان ہی تین پاروں کی قرآن مجید دیکھ کر تلاوت کرتا ہوں۔ اس میں عصر کا وقت آجاتا ہے۔ عصر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہی تین پارے کسی کو سناتا ہوں ــــ اس طرح یہ تین پارے دس دفعہ ہو جاتے ہیں اور ایک عشرہ میں دس قرآن پاک ہو جاتے ہیں، پھر جب عشرہ اخیرہ شروع ہو جاتا ہے تو مقدار اس حساب سے بڑھا دیتا ہوں کہ ۹ دن میں ۱۰ قرآن پورے ہو جائیں تاکہ اگر ۲۹ کو چاند ہو جائے تب بھی میرے تیس پورے ہو جائیں پھر جب ۲۹ کا چاند نہیں ہوتا تو آخری دن میں ایک قرآن پاک مزید ہو جاتا ہے ــــ

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ حضرت شیخ کا یہ معمول اس وقت تک تھا جب انھوں نے میرے سوال کے جواب میں یہ بیان فرمایا تھا، لیکن یہ معلوم ہے کہ بعد میں حالات کی تبدیلی کے ساتھ اس معمول میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں اور آخری سالوں میں تو پورے ماہِ مبارک کے اعتکاف کا معمول رہا۔

(۲)

۱۳۶۷ھ (۱۹۴۸ء) کا پورا رمضان مبارک حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کی خدمت میں گذارنے کی نیت سے یہ عاجز ماہ مبارک شروع ہونے سے پہلے ہی رائے پور کی خانقاہ میں پہونچ گیا تھا۔ ۹ر رمضان مبارک کو چھوٹے بھائی مولوی حکیم محمد احسن کا خط ملا، جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ کچھ دن پہلے والد ماجد نے خواب میں آفتاب غروب ہوتا دیکھا تھا، ہم لوگوں سے اس خواب کا ذکر کر کے فرمایا تھا کہ اسکی تعبیر یہ ہے کہ ہماری زندگی کا

آفتاب جلدی ہی غروب ہونے والا ہے۔ خواب کی یہ تعبیر واقعہ بن کے سامنے آگئی۔
۵ رمضان مبارک کو والد ماجد کی زندگی کا آفتاب غروب ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون
میں نے خاصکر والدہ ماجدہ اور چھوٹی بہن کی تسلی تشفی کے لئے بلا تاخیر وطن پہونچنا
ضروری سمجھا اور حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کرکے اور دعائے مغفرت کی
درخواست کرکے سائے پور سے روانہ ہوگیا۔ سہارنپور ایسے وقت پہنچا کہ مغرب کی نماز ہوچکی
تھی اور حضرت شیخ مسجد سے گھر تشریف لیجا چکے تھے، چونکہ رمضان مبارک کے شیخ کے نظام
اوقات کا کچھ علم تھا اسلئے ارادہ کیا تھا کہ ان کو بس اطلاع دے کے اور دعائے مغفرت
کی درخواست کرکے اجازت لے لونگا اور اسٹیشن چلا جاؤں گا۔ حضرت کو اطلاع
دلوائی فوراً تشریف لے آئے۔ میں نے بھائی کے خط کا ذکر کیا اور دعائے مغفرت کی
درخواست کی اور اس وقت جانے کی اجازت چاہی، حضرت نے کچھ تعزیتی کلمات
فرمائے اور دعا فرمائی، اور فرمایا کھانا تو ابھی کھایا نہیں ہوگا، میں نے عرض کیا کہ اسوقت
حضرت زحمت نہ فرمائیں۔ فرمایا یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ گھر میں تشریف لے گئے اور چند
منٹ کے بعد کھانا خود ہاتھ میں لئے ہوئے تشریف لائے جس میں سالن کے ساتھ صرف
تازہ روٹی تھی جو اسی وقت چولھے سے اتر کر آئی تھی، مجھ سے فرمایا مولوی صاحب!
کھانا شروع کرو، میں نے شروع کردیا حضرت پھر تشریف لے گئے اور ویسی ہی تازہ
گرم گرم چند روٹیاں اور لے آئے۔ میں نے خیال کیا کہ اسوقت گھر میں پکی ہوئی روٹی موجود
نہیں تھی میری وجہ سے اسی وقت پکانی پڑی ہے، اس احساس سے مجھے بڑا افسوس اور
دکھ ہوا۔ میں نے اپنا یہ احساس حضرت کی خدمت میں عرض کردیا، حضرت فوراً گھر میں
تشریف لے گئے اور روٹیوں سے بھری ہوئی ایک ڈلیا میرے سامنے رکھدی۔ اور فرمایا
کہ مولوی صاحب! پکی ہوئی روٹیاں تو اتنی رکھی ہوئی تھیں، لیکن جب میں نے بچیوں کو
تمہارے بارے میں بتلایا کہ وہ رائے پور سے آئے ہیں اور ابھی جارہے ہیں تو بچیاں اس پر
راضی نہیں ہوئیں کہ شام کی پکائی ہوئی روٹیاں کھلائیں انھوں نے خود ہی اصرار
کرکے تازہ روٹی پکانی شروع کردیں[۱]

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسکے بعد فرمایا۔ مولوی صاحب! اللہ تعالیٰ کی بےشمار نعمتوں میں سے میری بچیاں بڑی نعمت ہیں، رمضان مبارک کو خوب وصول کرتی ہیں۔ رات اور دن میں بیس بیس پچیس پچیس پاروں کی تلاوت کرلیتی ہیں، پھر شام کو تھوڑے سے وقت میں کھانے پکانے کا سارا کام بھی کرلیتی ہیں، مختلف مسجدوں میں بھیجنے کیلئے افطاری بھی تیار کرتی ہیں۔ پھر افطار سے کافی پہلے ان سارے کاموں سے فارغ ہوکر تسبیح اور دعا وغیرہ میں مشغول ہوجاتی ہیں۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پھر میں نے دعا کی درخواست کی اور اجازت لے کر رخصت ہوا۔

(۳)

راقم سطور کی والدہ ماجدہ مرحومہ کا انتقال رمضان مبارک ۱۳۹۶ھ میں ہوا، وہ کئی مہینے سے مریض تھیں، ان کی علالت اور نازک حالت کی اطلاع پاکر یہ عاجز غالباً شروع رمضان مبارک ہی میں ان کی خدمت میں وطن پہنچ گیا تھا۔ ان کو خود بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ میرا آخری مرض ہے اور سفر آخرت کا وقت قریب ہی ہے، انتقال سے چند روز پہلے ایک دن مجھ سے فرمایا کہ میں کسی بزرگ سے بیعت نہیں ہوئی، اب چاہتی ہوں کہ دنیا سے جانے سے پہلے کسی بزرگ سے بیعت ہوجاتی — میں نے اسی دن حضرت شیخ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ میری والدہ ماجدہ کا یہ حال ہے اور ان کی یہ خواہش اور آرزو ہے، میری درخواست ہے کہ حضرت ان کو غائبانہ بیعت فرمالیں، اس سے ان کو اطمینان ہوجائیگا اور انشاء اللہ آخرت میں ان کیلئے نافع ہوگا — والدہ ماجدہ مرحومہ کی نازک حالت دیکھتے

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

لہ حضرت شیخ کے ہاں مہمانوں کے لئے تازہ تازہ گرم گرم روٹیوں کا خاص اہتمام ہوتا تھا، ہر چند سکنڈ کے بعد گھر میں سے ایک تازہ روٹی آتی تھی، حضرت اپنے ہاتھ سے اس کے چند ٹکڑے کرکے مہمانوں کو عنایت فرماتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ بھی "اکرام ضیف" کے سلسلہ کا ایک عمل اور "من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ" کے حکم کی تعمیل تھی۔

ہوئے اسکی زیادہ امید نہیں تھی کہ حضرت کی طرف سے جواب آنے تک وہ اس دنیا میں رہنگی لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم کہ حضرت کو میرا عریضہ اور مجھے حضرت کا جواب بہت جلد مل گیا ۔ حضرت نے تحریر فرمایا تھا کہ میں ان کی اور تمہاری تطییب خاطر کی نیت سے اور اپنے لئے اخروی نفع کی امید رکھتے ہوئے ان کو بیعت کرتا ہوں، تم میری طرف سے اپنے اکابر کے طریقہ پر ان سے بیعت لے لو اور ان کو بتلا دو کہ میں نے بیعت کرلیا۔ ــ میں نے ایسا ہی کیا والدہ ماجدہ کو بڑی خوشی اور بڑا اطمینان ہوا ــ اس عاجز نے غالباً اسی دن خواب میں دیکھا (جسکی پوری تفصیل تو اب یاد نہیں اتنی بات یاد ہے) کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا ہے اور ان کا کفن اور جنازہ بہت ہی غیر معمولی قسم کا ہے اسکی تعبیر یہی سمجھی کہ انشاءاللہ والدہ ماجدہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مغفرت ورحمت کا خاص معاملہ ہوگا ۔ بس اس کے ایک دو دن بعد ہی ٹھیک مغرب کی اذان کے وقت والدہ مرحومہ کا انتقال ہوا ۔ رحمہا اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ ۔

(۴)

۱۳۶۸ھ (۱۹۴۹ء) میں اس عاجز کے ایک مخلص دوست نے سفر حج کا ارادہ کیا اور مجھ سے اصرار کیا کہ ان کے ساتھ میں بھی چلوں، اس وقت نہ تو حج مجھ پر فرض تھا اور نہ میں اس حال میں تھا کہ سفر حج کے مصارف کا انتظام کر سکتا، انھوں نے پورے اخلاص اور اصرار کے ساتھ پیش کش کی کہ سفر کے سارے مصارف وہ ادا کریں گے، اس کے لئے تو میں اپنے آپ کو آمادہ نہیں کر سکا لیکن ان کے اخلاص اور للّہی تعلق کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے اس کو حرمین شریفین کی حاضری اور حج وزیارت کی سعادت اور برکت حاصل کرنے کیلئے منجانب اللہ ایک انتظام سمجھ کر اس حد تک قبول کرلیا کہ جہاز کا کرایہ وہ ادا کردیں ۔ باقی مصارف کا میں خود انتظام کروں ۔ اس کے لئے میں نے قرض لینا طے کیا، سہارنپور حاضر ہو کر حضرت شیخ الحدیث سے عرض کیا، حضرت نے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور مطلوبہ رقم عنایت فرمادی، حرمین شریفین کے زمانہ قیام کی ضروریات زیادہ تر اسی سے پوری ہوئیں (اللہ تعالیٰ حضرت شیخ کو اور میرے ان مخلص دوست کو جو اس سفر کا باعث بنے

اپنی شان عالی کے مطابق صلہ عطا فرمائے اور رحمت خاص سے نوازے۔)

پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس قرض کی ادائیگی میرے لئے آسان فرمائی اور میں نے حضرت کی خدمت میں رقم پیش کی، تو حضرت نے فرمایا کہ ــــ مولوی صاحب! میں بھی اپنی ضروریات کے لئے دوستوں سے قرض لیتا رہتا ہوں لیکن اس کا پورا اہتمام کرتا ہوں کہ اگر کسی وقت تک ادائیگی کا وعدہ کیا ہے تو جس طرح بھی ہوسکے اس وقت ادا کر دوں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میرے پاس ادائیگی کے لئے اس وقت تک انتظام نہیں ہوتا تو میں وعدہ کے دن سے ایک دن پہلے کسی دوسرے دوست سے قرض لے لیتا ہوں اور مقررہ وقت پر اس سے ادا کر دیتا ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مجھے بڑے سے بڑا قرض ملنا بھی بہت آسان ہے کیونکہ دینے والے کو اطمینان ہوتا ہے کہ اس کی رقم مقررہ وقت پر اس کو انشاء اللہ ضرور مل جائے گی ــــ پھر فرمایا کہ اب کچھ دن سے اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ جس دن مجھے کوئی قرض ادا کرنا ہوتا ہے اور میرے پاس ادائیگی کا انتظام نہیں ہوتا تو ایک دو دن پہلے ہی اللہ کا کوئی بندہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اتنی رقم آپ کے پاس امانت رکھنا چاہتا ہوں، میں اس سے کہہ دیتا ہوں کہ بھائی امانت نہ رکھو، اس میں تمہارا تو یہ نقصان ہے کہ اگر بالفرض کوئی ایسا حادثہ پیش آیا کہ رقم ضائع ہوگئی تو تمہارا نقصان ہوگا، اس کی ادائیگی میرے ذمہ نہ ہوگی، اور مجھے یہ تکلیف ہوگی کہ دل و دماغ پر اسکی حفاظت کی فکر سوار رہے گی، تم چاہو تو بطور قرض رکھ سکتا ہوں، تم جب واپس لینا چاہو ایک دن پہلے بتلا دو، انشاء اللہ اسی دن واپس ہو جائے گی۔ وہ اس پر خوشی سے راضی ہو جاتا ہے اور رقم قرض کے طور پر میرے پاس چھوڑ جاتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لئے قرض کی ادائیگی کا انتظام ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کا یہی معاملہ ہے۔

(۵)

۱۳۶۹ھ (۱۹۵۰ء) میں حضرت بڑے پوری قدس سرہٗ نے سفر حج کا ارادہ فرمایا، حضرت کی خواہش تھی کہ اس سفر میں ہمارے رفیق محترم مولانا علی میاں بھی ساتھ ہوں، حضرت شیخ الحدیث کی ایک صاحبزادی کا چند ہی مہینے پہلے انتقال ہوا تھا، یا نومبر جانب اللہ

حضرت شیخ کے قلب پر وارد ہوا یا حضرت رائے پوری کی خواہش کا ان کو علم ہو گیا تھا، بہر حال انھوں نے مرحومہ صاحبزادی کے حج بدل کے لئے مولانا علی میاں ہی کا انتخاب فرمایا، میں انہی دنوں میں سہارنپور حاضر ہوا، حضرت شیخ نے مجھ سے اس کا تذکرہ فرمایا اور چونکہ میں نے اس سے پہلے ہی سال حج کا سفر کیا تھا، اس لئے سفر کے مصارف کے بارہ میں مشورہ طلب فرمایا، میں نے جو مناسب سمجھا عرض کیا اور غالباً اسی کے مطابق حضرت شیخ نے رقم عنایت فرمائی۔

اس زمانے میں مولانا علی میاں اور یہ عاجز بھی حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی طرف منسوب دینی دعوت کے کام میں دلی جوش و جذبہ اور سرگرمی سے حصہ لیتے تھے، مشورہ سے یہ طے ہو گیا تھا کہ حضرت رائے پوری تو اپنے پروگرام کے مطابق واپس تشریف لے آئیں گے، مولانا علی میاں اسکے بعد بھی قیام کریں گے اور دینی دعوت کے سلسلہ میں کام کریں گے، مولانا عبید اللہ بلیاوی صاحب کا اس کام ہی کے سلسلہ میں حجاز مقدس میں مستقل قیام تھا۔ مزید برآں مشورہ سے یہ بھی طے ہو گیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا انتظام ہو جائے کہ اس دینی دعوت کے اصولوں[1] کے تحفظ کے ساتھ مصر شام وغیرہ ممالک عربیہ کا بھی سفر اس دعوت کے سلسلہ میں کیا جا سکے تو کر لیا جائے۔ مولانا علی میاں نے اس کے لئے اپنے کو آمادہ کر لیا تھا۔

حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کے ساتھ مولانا روانہ ہو گئے اور حج و زیارت کے سلسلہ میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں حضرت ہی کے ساتھ رہے ـــ بلاشبہ اس مبارک سفر میں حضرت کی یہ معیت بڑی قابل رشک نعمت تھی ـــ پھر حضرت قدس سرہٗ تو حج و زیارت سے فارغ ہو کر واپس تشریف لے آئے، اور مولانا حسب مشورہ وہیں رہ گئے۔

عہ تبلیغی کام کے ساتھ اس عاجز کا تعلق کن مراحل سے گذرا اور اس کا اسکے بارے میں کیا حال و مآل رہا ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ۔ اللہ توفیق دے تو۔ دنیا سے جانے سے پہلے اسکو بھی تفصیل سے بیان کر جاؤں۔

[1] ان اصولوں میں ایک اہم اصول یہ تھا کہ اس سلسلہ میں مالی تعاون صرف انہی مخلصین کا قبول کیا جائے جو جسم و جان سے بھی دعوت کے اس کام میں لگے ہوئے ہوں؛ جو حضرات صرف مالی تعاون کرنا چاہیں ان سے خوبصورتی کیساتھ معذرت کر دی

— اس زمانے میں مولانا کے خطوط آتے رہے اور ان میں سے بعض 'الفرقان' میں اور رسالہ "تعمیر" میں شائع بھی ہوتے رہے — (یہ رسالہ 'تعمیر' اس زمانے میں مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی مرحوم کے قائم کئے ہوئے ادارۂ تعلیمات اسلام سے شائع ہوتا تھا۔)

کچھ عرصے کے بعد مولانا کا ایک خط آیا جس میں لکھا تھا کہ باہر کے کسی سفر کے لئے اپنے اصول کے مطابق کوئی ایسا انتظام نہیں ہوا جس پر قلب مطمئن اور منشرح ہوتا اس لئے اب واپسی ہی کا ارادہ ہے، جب واپسی کا پروگرام طے ہو جائے گا تو اطلاع دی جائے گی۔

— اس خط کے ملنے کے ایک دو ہی دن بعد کسی سلسلہ سے میرا سہارنپور کا سفر ہوا — حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری ہوئی تو دریافت فرمایا کہ علی میاں کی کیا خیر خبر ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ابھی ایک ہی دو دن پہلے اُن کا خط آیا تھا جس میں لکھا ہے کہ باہر کے سفر کا کوئی قابل قبول انتظام نہیں ہو سکا اسلئے اب واپسی ہی کا ارادہ ہے۔

حضرت شیخ نے ایک خاص انداز سے فرمایا کہ مولوی صاحب! یہ بات تو تبلیغ والوں کے اصول کے خلاف ہے کہ دین کا کام اس وجہ سے نہ ہو کہ پیسوں کا انتظام نہیں ہو سکا، تبلیغ والوں کا اصول تو یہ ہے کہ دین کے کام کے لئے اگر ضرورت ہو تو اللہ کے بھروسہ پر قرض لے لیا جائے، مجھے بھی ضرورت ہوتی ہے تو دوستوں سے قرض لے لیتا ہوں۔ تم بھی اپنی ضرورتوں کے لئے قرض لیتے ہوگے۔ پانچ سو روپے کا میں انتظام کردوں اور پانچسو کا تم انتظام کرو اور بھی انشاء اللہ انتظام ہو جائے گا۔ اگر تمہاری رائے ہو تو میں بھائی سلیمؒ کو مکہ مکرمہ خط لکھ دوں کہ وہ علی میاں کو رقم دیدیں یہاں سے ادا کردی جائے گی۔ اور تم لکھنؤ پہونچ کر ڈاکٹر صاحبؒ سے علی میاں کو تار دلوادو کہ وہ ابھی آنے کا ارادہ نہ کریں، خط کا انتظار کریں۔ اور ان کو خط لکھدیا جائے کہ انشاء اللہ انتظام ہو جائے گا وہ سفر کا پروگرام بنالیں۔

میں اسی دن سہارنپور سے روانہ ہو کر لکھنؤ آگیا اور ڈاکٹر صاحب سے پوری بات عرض کی

لہ "بھائی سلیمؒ" سے مراد ہیں۔ مولانا محمد سلیم صاحب علیہ الرحمۃ سابق مہتمم مدرسہ صولتیہ۔ مکہ مکرمہ۔

مہ "ڈاکٹر صاحبؒ" سے مراد ہیں مولانا علی میاں کے برادر معظم اور سرپرست۔ مولانا ڈاکٹر عبدالعلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

اور حضرت شیخ کا پیغام پہونچایا۔ ڈاکٹر صاحب نے اسی دن تار دلوا دیا، اور خط بھی لکھدیا۔
اس کے بعد جو ہوا اس سے اللہ کی قدرت، اسکے غیبی نظام اور اہل یقین و توکل
کی فکر و دعا کے اثر کا بڑا غیر معمولی اور میرے لئے خارق عادت تجربہ ہوا۔ صرف
ایک دو دن کے اندر تقریباً پندرہ سو روپے کا انتظام اللہ تعالیٰ نے اس طرح سے کرایا
کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "یرزقه من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فهو حسبه"
کی واقعاتی تفسیر آنکھوں کے سامنے آگئی ــــ بہرحال میں نے اس کو حضرت شیخ
کی توجہ الی اللہ اور دعا ہی کا نتیجہ سمجھا۔ اسکے بعد میں نے جلدی ہی سہارنپور کا سفر کیا اور حضرت
شیخ کی خدمت میں یہ امانت پہونچائی، پھر حضرت رائے پوری قدس سرہٗ کی زیارت و
ملاقات کے لئے رائے پور حاضر ہوا۔ حضرت نے مولانا علی میاں کے بارے میں دریافت
فرمایا تو میں نے مولانا کے آخری خط کا اور اس کے بعد جو کچھ اب تک ہوا تھا اس سب کا
تذکرہ کیا، حضرت کو بڑی خوشی ہوئی اور اسی وقت بھائی راؤ فضل الرحمٰن سے فرمایا۔
(جو حاضر خدمت تھے) کہ ہم نے تمہارے پاس نو سو روپے امانت رکھوائے تھے، میری
طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہ ان کو دیدیجیو، وہ علی میاں کو بھیجنے ہی کی نیت سے رکھوائے
تھے۔ بھائی فضل الرحمٰن صاحب نے سو روپے اپنی طرف سے شامل کر کے پورے ایکہزار کی
رقم میرے حوالہ کی وہ بھی میں نے سہارنپور آکر شیخ کی خدمت میں پیش کردی۔

مجھے خوب یاد ہے کہ میں نے جب اللہ تعالیٰ کی اس غیبی مدد کا واقعہ حضرت رائے پوری کو
سنایا تھا، تو میرے لہجہ میں خوشی کے ساتھ تعجب اور حیرت کی بھی آمیزش تھی،
حضرت نے اسے محسوس فرمایا تھا اور ایک خاص انداز میں فرمایا تھا: "اچھا تو کیا یہ تجربہ
آپ کو پہلی بار ہوا ہے؟"

اسکے بعد ہی مولانا علی میاں نے مصر، سوڈان، شام اور اُردن کا سفر فرمایا
جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے۔ اس سفر میں مولانا عبید اللہ بلیاوی صاحب بھی مولانا کے
ساتھ تھے۔

(۶)

غالباً ۱۳۶۲ھ کے اواخر میں اس عاجز راقم سطور نے ارادہ کیا کہ اپنی محمود اہلیہ کو ساتھ لے کر سہارنپور کا سفر کروں، مجھے معلوم تھا کہ حضرت شیخ کی اہلیہ مکرمہ اور صاجزادیاں پوری شرعی پابندیوں کے ساتھ زندگی گذارتی ہیں۔ اور دینی حیثیت سے اس گھرانہ کی زندگی ایک مثالی زندگی ہے ۔۔۔ میں نے چاہا کہ اہلیہ کا چندروز حضرت شیخ کے گھر پر قیام رہے تاکہ وہ صحیح دینی زندگی کا نقشہ آنکھوں سے دیکھیں اور اللہ تعالیٰ توفیق دے تو اس سے فائدہ اٹھائیں ۔۔۔ میں نے حضرت شیخ کو خط لکھ کر اجازت طلب کی، حضرت کی اجازت آجانے کے بعد یہ سفر ہوا۔ چندروز اہلیہ کا قیام حضرت کے یہاں رہا۔ انھوں نے جو کچھ دیکھا اور بعد میں مجھ کو بتلایا، اس میں سے چند باتیں جو یاد رہ گئی ہیں۔ نذر ناظرین کرام ہیں۔

(۱) کوئی عزیز قریب بھی زنانخانہ میں نہیں آتے۔

(۲) کوئی داماد اگر اپنی اہلیہ سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتے ہیں تو دروازہ ہی پر ان کو بلا کر بات کر لیتے ہیں۔

(۳) غیر معمولی تعجب کے ساتھ انھوں نے ذکر کیا کہ جو کھانا ہم اپنے گھر گھنٹوں میں پکاتے ہیں، وہ حضرت شیخ کے یہاں منٹوں میں تیار ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں انھوں نے ذکر کیا کہ ایکدن جبکہ کھانے کے وقت میں قریباً صرف آدھ گھنٹہ باقی تھا۔ حضرت شیخ نے بالاخانہ کے اپنے کمرے سے اطلاع دی کہ فلاں مہمان آگئے ہیں، ان کے لئے کچھ اہتمام کرلو، تو صرف آدھ گھنٹہ میں یا اس سے بھی کم وقت میں صاجزادیوں نے پلاؤ تیار کرلیا اور ایک دو طرح کے سالن بھی۔ میں حیرت سے دیکھتی رہی وہ تیلی چولھے پر رکھتی تھیں اور جو کچھ پکانا ہوتا تھا اس میں ڈال دیتی تھیں، تھوڑی دیر کے بعد اتار لیتی تھیں اور کھانا تیار ہوتا تھا۔

اس سفر کی ایک خاص قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ اس سفر کا پروگرام میں نے اس طرح بنایا تھا کہ چندروز سہارنپور حضرت شیخ کے ہاں قیام کرکے ہم دونوں دہلی تبلیغی مرکز

نظام الدین جائیں گے اور چند روز مرکز میں بھی میرا اور اہلیہ کا قیام رہے گا۔ چنانچہ سہارنپور سے ہم نے دہلی کا سفر کیا۔ وہاں بھی زنانخانہ کا نقشہ غیر معمولی تھا۔ اماں جی (حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ مرحومہ) حیات تھیں جو زیادہ تر عبادت اور ذکر و تلاوت ہی میں مصروف رہتی تھیں۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی اہلیہ محترمہ مرحومہ دق کی مریض تھیں ضعف انتہائی درجہ کو پہونچ چکا تھا، اس کے باوجود صرف نماز ہی کا اہتمام نہیں تھا بلکہ اکثر کچھ نہ کچھ پڑھتی رہتی تھیں۔ ان کا حال دیکھ کر اہلیہ نے بتلایا کہ حیرت ہوتی تھی۔ بالآخر کافی عرصہ کے بعد اسی مرض میں نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کی حالت میں انتقال فرمایا۔ (راقم سطور ان کی اس علالت کے بارہ میں اپنے اس مضمون میں لکھ چکا ہے جو حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان سے متعلق الفرقان کی خاص اشاعت میں شائع ہوا تھا)

سہارنپور اور دہلی کے اس سفر کے بارہ میں یہ بات بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ جب میں سہارنپور سے حضرت شیخ سے رخصت ہو کر دہلی جانے لگا تو حضرت نے ہدیہ کے طور پر مجھے رقم عنایت فرمائی، جس کی مقدار اب یاد نہیں۔ لیکن اتنی بات حافظہ میں ہے کہ وہ اس پورے سفر کے مصارف کے برابر تھی۔

(۷)

حدیث شریف میں ہے "من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الاخر فلیکرم ضیفہٗ" (جو بندہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کا یہ حال ہونا چاہئے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے) اس حدیث پاک پر عمل کا اہتمام جیسا حضرت شیخ الحدیثؒ کے ہاں دیکھا۔ دوسری کسی جگہ کہیں دیکھنا یاد نہیں۔ جب سے حضرت سے خاص تعارف اور تعلق ہوا اور آمد و رفت شروع ہوئی۔ کبھی نہیں دیکھا کہ دسترخوان پر دو چار بیرونی مہمان نہ ہوں۔ ان کے لئے کھانے کا خصوصی اہتمام ہوتا۔ اگر معلوم ہوتا کہ فلاں مہمان کو فلاں چیز مرغوب ہے تو اس کیلئے اس کا بھی خاص اہتمام کیا جاتا۔ میرے متعلق حضرت کو معلوم ہو گیا تھا کہ

مجھے میٹھے سے رغبت ہے[1]۔ تو جب حاضر ہوتا میرے لئے خاص طور سے میٹھے کا اہتمام ہوتا، کبھی بازار سے بہترین قسم کی مٹھائی منگوائی جاتی۔ مجھے بڑی ندامت ہوتی اور دل پر بہت بوجھ پڑتا! لیکن معلوم تھا کہ حضرت شیخ کو اسی سے خوشی ہوتی ہے اسلئے تکلف کرنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

ایک زمانے میں ایک طبیب صاحب کے مشورہ کی بنیاد پر میں کھانے کے بعد قریباً دو تولے گڑ کھاتا تھا۔ حضرت شیخ کو کسی طرح اس کا علم ہوگیا تھا تو پھر جب حاضر ہوتا تو پھر کھانے میں میرے لئے لازمی طور پر گھر میں سے گڑ بھی آتا اور اس کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا دیسی گھی بھی۔

ایک دفعہ جبکہ حضرت شیخ کا قیام مدینہ منورہ میں تھا وہاں حاضری ہوئی۔ مدینہ طیبہ کے پورے زمانہ قیام میں حضرت کا معمول رہتا تھا کہ صرف رات کو عشاء کے بعد کھانا تناول فرماتے تھے۔ دن میں کچھ نہیں، غالباً اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہاں کے زمانۂ قیام میں روزہ رکھنے کا زیادہ معمول تھا ـــــ بہرحال ایک دفعہ میں مدینہ منورہ ایسے زمانہ میں حاضر ہوا، جب حضرت شیخ کا وہاں قیام تھا۔ پہلی ہی ملاقات میں فرمایا کہ جب تک یہاں قیام ہے رات کا کھانا تمھیں میرے ہی ساتھ کھانا ہوگا۔ دن میں تمہیں اختیار ہے۔ میں رات کو بعد عشاء حسب الحکم کھانے کے وقت حاضر ہوا۔ ایک خادم خاص کو بلاکر فرمایا دیکھو پاکستان کے ایک صاحب ہدیہ میں گڑ دے گئے تھے۔ وہ میں نے رکھوا دیا تھا۔ میرا نام لے کر فرمایا کہ یہ آگئے، میں نے انہی کی نیت سے رکھوایا تھا۔ چنانچہ وہ پاکستانی گڑ آیا اور جب تک مدینہ منورہ اس عاجز کا قیام رہا، کھانے میں روزانہ میرے لئے گڑ بھی آتا رہا۔

(۸)

سہارنپور کے زمانہ قیام میں کھانے کے معاملہ میں مدینہ منورہ کے قیام کے برعکس حضرت کا عمومی معمول یہ رہتا تھا کہ صرف دن کو مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرماتے، رات کو کھانے کا معمول نہیں تھا، کبھی کوئی غیر معمولی اہمیت والے مہمان ہوتے تو انکے

[1] اب کئی برس سے میٹھا مضر ہونے لگا ہے تو اب اس سے مکمل پرہیز ہے۔

اکرام میں رات کے دسترخوان پر بھی ان کے ساتھ بیٹھ جاتے اور اپنے طرزِ عمل سے یہ ظاہر کرتے کہ وہ بھی کھانے میں شریک ہیں۔ اب سے قریباً چالیس سال پہلے جب حضرت شیخ کی خدمت میں عقیدتمندانہ اور نیازمندانہ حاضری کا سلسلہ شروع ہوا تھا تو ان کے دسترخوان پر مہمانوں اور روزہ مرہ ساتھ کھانے والوں کی تعداد جہانتک اب یاد ہے بیس کے لگ بھگ ہوتی تھی، اس کے بعد اس میں اضافہ ہوتا رہا، آخری سالوں میں کبھی کبھی مہمانوں کی تعداد سیکڑوں تک پہونچ جاتی تھی، حضرت کے خاص خادم (بلکہ کہنا چاہیے کہ مدار المہام) مولوی نصیر الدین صاحب مرحوم مغفور سب کے کھانے کھلانے کا انتظام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسکا خاص سلیقہ عطا فرمایا تھا — دسترخوان پر ایک تو گوشت کا عام سالن ہوتا تھا، جو بالکل سادہ اور پتلا شوربہ ہونے کے باوجود بہت لذیذ ہوتا تھا۔ کبھی اس کے ساتھ کوئی دال بھی ہوتی تھی۔ یہ دونوں چیزیں سب کے سامنے ہوتی تھیں۔ ان کے علاوہ خاص مہمانوں کے لئے (جن میں ہم جیسے نیازمند بھی شامل تھے) دو چیزیں لازماً ہوتی تھیں۔ ایک بہت عمدہ قسم کا پلاؤ، اور ایک خاص طریقہ پر پکا ہوا گوشت جسکو وہاں کی خاص اصطلاح میں "ذیتیہ" کہا جاتا ہے (اُسکو ایک قسم کا اسٹو سمجھنا چاہیئے) یہ نہایت ہی لذیذ ہوتا تھا (حضرت شیخ کے دسترخوان کے علاوہ کہیں ایسا لذیذ کھانا یاد نہیں) — یہ دونوں چیزیں اکثر خاص مہمانوں ہی کے لئے ہوتی تھیں، ضروری نہیں تھا کہ سب مہمانوں کے سامنے رکھی جائیں — اس طرزِ عمل کے سلسلہ میں شیخ کبھی کبھی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا وہ واقعہ بھی بیان فرماتے ہیں جو حدیث کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ — ام المومنین کے ہاں ایک سائل آیا جو کھانے کا طالب تھا تو حضرت عائشہؓ نے روٹی کا ایک ٹکڑا اس کے لئے بھیجدیا، پھر ایک اور شخص آیا جو اپنی ہیئت اور لباس وغیرہ سے شریف آدمی معلوم ہوتا تھا، لیکن کھانے کا طالب اور ضرورت مند تھا، تو ام المومنین نے اس کے لئے پورا کھانا بھیجا اور اس کو بٹھا کر کھانا کھلوایا —

اس پر کسی صاحب نے اس تفریقی طرزِ عمل کے بارے میں حضرت ام المؤمنین سے سوال کیا، تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمکو ہدایت فرمائی ہے کہ "ان ننزل الناس منازلہم" (یعنی یہ کہ ہم آدمیوں کے ساتھ ان کی حیثیت اور مرتبہ کے مطابق معاملہ کیا کریں)۔

(۹)

مرشدنا حضرت رائے پوری قدس سرہٗ علیل تھے، بسلسلۂ علاج سہارنپور میں شاہ مسعود صاحب مرحوم کی کوٹھی بہٹ ہاؤس میں حضرت کا قیام تھا، زیارت اور عیادت کے سلسلہ سے روزانہ بڑی تعداد میں مہمان آتے اور جاتے تھے، سب مہمانوں کے کھانے کا انتظام خود حضرت قدس سرہٗ کی طرف سے تھا، اس انتظام کے ذمہ دار حضرت کے خاص خادم ہمارے لکھنؤ ہی کے قاری شبیر صاحب مرحوم تھے ـ یہ کھانا بالکل سادہ خانقاہی لنگر کا سا ہی ہوتا تھا ـ یہ عاجز راقم سطور اور رفیق محترم مولانا علی میاں بھی حضرت قدس سرہٗ کی زیارت وعیادت کے لئے سہارنپور گئے ہوئے تھے اور بہٹ ہاؤس ہی میں قیام تھا۔ حضرت شیخ نے ہم دونوں کو حکم دے رکھا تھا کہ روزانہ دوپہر کا کھانا میرے ہی ساتھ کھایا کرو، ہم ایسا ہی کرتے تھے ـــ ان ہی دنوں میں ہمارے لکھنؤ کے ایک رئیس جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بڑے دیندار بھی تھے اور ہم دونوں سے بھی ان کا خاص تعلق تھا، غالباً حضرت رائے پوری قدس سرہٗ اور حضرت شیخ کی بھی زیارت وملاقات ہی کے مقصد سے سہارنپور تشریف لائے، حضرت شیخ نے ان سے بھی فرمادیا کہ دوپہر کا کھانا آپ میرے ساتھ کھالیں اور کھانے کا وقت بھی بتلادیا ـــ وہ مقررہ وقت پر شیخ کے ہاں تشریف لے آئے، ہم دونوں بھی موجود تھے۔ حسب معمول دسترخوان بچھا، حضرت شیخ نے لکھنؤ کے ان صاحب کو بھی ہم دونوں کے ساتھ ہی بٹھایا۔ اب کھانا آنا شروع ہوا، معمول کے مطابق پلاؤ اور زردہ بھی آیا (غالباً اس دن اور بھی کئی قسم کے سالن تھے)۔ ان صاحب نے فرمایا کہ میں تو اس امید پر آیا تھا کہ بزرگوں کے دسترخوان پر جو کی روٹی چٹنی یا

دال ملے گی ـــــ حضرت شیخ نے فرمایا یہاں تو اللہ تعالیٰ ہی کھلاتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ سمجھ کر یہاں کھالو، اللہ کے فضل سے وہ نمونہ بھی موجود ہے، شام کو بہٹ ہاؤس میں مہمانوں کے ساتھ کھالیجو ـــــ ہم دونوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ دونوں بھی شام کو وہیں ہوں گے۔

(۱۰)

ان ہی دنوں میں جب حضرت قدس سرہٗ کا قیام بسلسلۂ علاج سہارن پور بہٹ ہاؤس میں تھا، اور راقم سطور اور رفیق محترم مولانا علی میاں بھی وہاں مقیم تھے، ایک دن اس عاجز نے حضرت سے اجازت لے کر مہمانوں کی ضیافت کا ارادہ کیا، لنگرخانے کے منتظم اور مہتمم قاری شبیر صاحب مرحوم سے کہدیا کہ جہانتک ہوسکے مہمانوں کے لئے آج اچھا کھانا تیار کرانے کی کوشش کی جاسکے۔ اللہ تعالیٰ قاری صاحب کی قبر پر بے حساب رحمتیں نازل فرمائے انھوں نے اس دن بہت اچھا کھانا تیار کرایا ـــ ان دنوں حضرت شیخ کا مستقل معمول تھا کہ بخاری شریف کا سبق پڑھاکر بہٹ ہاؤس تشریف لے آتے ہیں اور اپنے مہمانوں کے ساتھ کھانے کا جو وقت مقرر تھا اس سے پہلے واپس تشریف لے جاتے اور ان کے ساتھ کھانا تناول فرماتے ہیں ـــــ اس دن حضرت شیخ جب بہٹ ہاؤس تشریف لائے تو کسی نے اس کا ذکر کردیا کہ آج یہاں کے مہمانوں کے کھانے کی دعوت میری طرف سے ہے ـــــ میں نے حضرت شیخ سے اس کا ذکر کرنے اور کھانے پر حضرت کو بھی مدعو کرنے کی جرأت اسلئے نہیں کی تھی کہ حضرت کا معمول اپنے مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرمانے کا ہے اور حضرت اس کا اہتمام فرماتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ خیال بھی حضرت کو مدعو کرنے سے مانع ہوا کہ حضرت کے کھانے کا (اور ہر کام کا) گھنٹوں منٹوں کے حساب سے وقت مقرر ہے اور مجھے امید نہیں تھی کہ بہٹ ہاؤس میں کھانا حضرت شیخ کے مقررہ وقت تک تیار ہوسکے گا ـــــ لیکن مجھے بڑی ندامت ہوئی جب حضرت شیخ نے خود ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب! میں تمہاری دعوت کھاکے جاؤں گا! ـــــ چنانچہ حضرت نے

کھانا تناول فرمایا اور اُس کے بعد تشریف لے گئے ۔

(۱۱)

قریباً تیس سال پہلے کی بات ہے ، مولانا شاہ حلیم عطا صاحب مرحوم و مغفور ، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث تھے ، وہ صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا درس دیتے تھے اور یہ دونوں کتابیں دو سال میں ختم ہوتی تھیں ـــــ موصوف پر فالج کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے درس کا سلسلہ معطل رہا ـــــ دارالعلوم کے ذمہ دار حضرات کی طرف سے مجھ سے کہا گیا کہ جب تک شاہ صاحب صحت یاب ہوں ، اور درس کے لائق ہو سکیں ۔ میں دو گھنٹے کیلئے دارالعلوم آکر یہ دو سبق پڑھا دیا کروں اس کے لئے مشاہرہ کی بھی پیشکش کی گئی ـــــ اتفاق سے اُس سال ان دونوں کتابوں کی پڑھنے والی جماعت میں بعض ایسے طلبہ بھی تھے جو اس عاجز سے گہرا مخلصانہ تعلق رکھتے تھے ، اور میرے دل میں ان کی قدر تھی ، انھوں نے بھی اس کے لئے اصرار کیا اور خود مجھے بھی ان کے تعلیمی نقصان کا احساس تھا ـــــ میں نے اپنے مستقل ضروری مشاغل اور حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے دارالعلوم کے ذمہ دار حضرات سے عرض کیا کہ میں روزانہ دو گھنٹے تو نہیں دے سکتا ، اتنا کر سکتا ہوں کہ ایک گھنٹے کیلئے آکر صرف صحیح مسلم کا سبق پڑھا دیا کروں ، شاہ صاحب جب صحتیاب ہو جائیں گے تو وہ بخاری شریف پڑھا دیں گے ، اس طرح اس جماعت کا تعلیمی نصاب بھی پورا ہو جائے گا ـــــ میں اس ایک گھنٹہ کا کوئی مشاہرہ اور معاوضہ نہیں لوں گا ، البتہ میری آمد و رفت رکشہ سے ہوگی ، اس کا کرایہ دارالعلوم کی طرف سے ادا کر دیا جایا کریگا ـــــ یہی طے ہو گیا اور میں ایک گھنٹے کیلئے دارالعلوم آکر صحیح مسلم کا درس دینے لگا ۔ شاہ صاحب کا علاج جاری تھا ، امید تھی کہ انشاء اللہ کچھ عرصہ میں شفایاب ہو کر وہ درس کا سلسلہ جاری کر سکیں گے ، لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ چند مہینے کے بعد مرض کا اختتام انکے سفر آخرت پر ہوا ۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین) ۔

میں جو مسلم شریف پڑھا رہا تھا بفضلہ تعالیٰ تعلیمی سال کے اختتام تک وہ ختم ہو گئی

اسکے بعد جب دوسرا تعلیمی سال شروع ہوا تو دارالعلوم کے ذمہ دار حضرات کی طرف سے پھر مجھ سے کہا گیا کہ اب میں مستقل دو گھنٹے دیدیا کروں اور حدیث کے دو سبق پڑھانے کی ذمہ داری قبول کرلوں۔ میں اپنے دوسرے مستقل مشاغل کی وجہ سے اس وقت بھی اپنے کو اس کے لئے آمادہ نہیں کرسکا، میں نے عرض کیا کہ جب تک شاہ صاحب مرحوم کی جگہ کسی استاذ حدیث کا انتظام ہو میں ایک گھنٹہ جس طرح اب تک دیتا رہا ہوں، انشاء اللہ دیتا رہوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد بھی روزانہ ایک گھنٹہ کے لئے دارالعلوم آتا رہا اور ایک سبق پڑھاتا رہا ـــــ دو تین سال اسی طرح گذر گئے اور شاہ حلیم عطا صاحب مرحوم مغفور کی جگہ کسی استاذ حدیث کا انتظام نہیں ہو سکا تو پھر دارالعلوم کے ذمہ دار حضرات کی طرف سے مجھسے اصرار کے ساتھ فرمائش کی گئی کہ میں دارالعلوم کی ضرورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس ذمہ داری کو بہرحال قبول کرلوں اور روزانہ صرف دو گھنٹے کے لئے دارالعلوم آکر حدیث شریف کے دو سبق پڑھادیا کروں۔ اور اس کیلئے معقول مشاہرہ کی پیش کش بھی کی گئی۔

میں نے اگرچہ طالب علمی سے رسمی فراغت کے بعد ۳-۴ سال تک باتنخواہ مدرس کی حیثیت سے تدریس کی خدمت بھی انجام دی تھی، لیکن اس کے بعد کسی مدرسہ سے ملازمت کا تعلق نہیں رکھا۔ طبیعت آزاد رہ کر ہی حسب توفیق کام کرنے کی عادی ہوگئی اور اسی کو اپنے لئے بہتر سمجھا (بعض تلخ تجربے بھی اس کا سبب بنے تھے) ـــــ اسوجہ سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی اس پیش کش کو قبول کرنے پر بھی طبیعت آمادہ نہیں ہوئی ـــــ دوسری طرف یہ خیال بھی ہوتا تھا کہ حدیث شریف اور صرف حدیث شریف کی مستقل تدریسی خدمت کا موقع مل رہا ہے، اس سے انشاء اللہ خود مجھے بھی علمی اور دینی نفع ہوگا اور مشاہرہ کی شکل میں دنیوی منفعت بھی ہے، وہ بھی اللہ کی نعمت ہے اور طبیعت کا انکار شاید نفس کے انکبار اور استنکاف کی وجہ سے ہے جو باتنخواہ ملازمت کو اپنے لئے گھٹیا درجہ کی بات سمجھنے لگا ہے، اور اگر ایسا ہے تو یہ شیطانی وسوسہ ہے۔

اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر کافی غور فکر کے بعد بھی میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکا تو مشورہ کے لئے سہارنپور حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوری بات عرض کی ــــ حضرت نے فرمایا مولوی صاحب! ضرور قبول کرلو اور مشاہرہ بھی قبول کرو، اور نیت کرلو کہ چار چھ مہینے وصول کرنے کے بعد چھوڑ دوگے اور پھر بغیر مشاہرہ ہی کے پڑھاؤ گے، یہ بھی فرمایا کہ اگر شروع ہی سے مشاہرہ نہ لوگے تو طلبہ بھی قدر سے تمہاری بات نہیں سنیں گے اور مدرسہ والے سمجھیں گے کہ ہم نے اس پر احسان کیا ہے کہ مدرسہ میں درس حدیث کی مسند پر اس کو بٹھا دیا ہے، اسلئے میری رائے ہے کہ شروع میں چند مہینے مشاہرہ ضرور وصول کرو، بعد میں چھوڑ دو۔ ــــ میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ بات میرے بس کی نہیں ہے۔ میں جب دو گھنٹے پڑھانے کی ذمہ داری لے لوں گا تو اس کے لئے ۳۔۴ گھنٹے تیاری کرنی ہوگی اور پھر میں اپنے وہ کام پوری طرح نہیں کرسکوں گا جو آپ کرلیتا ہوں اور اس عالم اسباب میں اُسی سے میری ضروریات پوری ہوتی ہیں، اس صورت میں وہ کمی مشاہرہ سے پوری ہوتی رہے گی، اسلئے پھر یہ مشاہرہ میری ضرورت بن جائے گا اور میں اسے چھوڑ نہیں سکوں گا۔

میری یہ بات سنکر حضرت شیخ نے میری اصلاح و تربیت کے لئے خود اپنے کچھ واقعات سنائے جن کا سبق یہ تھا کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرکے اخلاص کیساتھ دین کا کام کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے اور "ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ" کا کس کس طرح ظہور ہوتا ہے ــــ یہ واقعات بہت غیر معمولی قسم کے تھے اور ان میں میرے لئے اور میرے جیسوں کیلئے بڑا قیمتی سبق تھا۔

حضرت شیخ سے یہ ساری گفتگو اُن کے "کچے گھر" میں تنہائی میں ہوئی، اس کے بعد جب میں حضرت کے پاس سے اُٹھ کر قیام گاہ والے کمرے میں آیا تو خیال ہوا کہ حضرت شیخ نے اسوقت اپنے جو واقعات بیان فرمائے ہیں ان کو میں ابھی قلمبند

کرلوں اور انکو ایک مضمون کی شکل میں مرتب کرکے "الفرقان" میں شائع کردیا جائے، اسلئے کہ اللہ کے بندوں کو انشاء اللہ اِن سے بہت نفع ہوگا اور وہ ان سے وہ سبق حاصل کرسکیں گے جو اپنی کم ہمتی کی وجہ سے خود میں حاصل نہیں کرسکا۔ (حدیث شریف میں ہے رُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ) ـــــ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اُسوقت تک میرا حافظہ بہت اچھا تھا، میں نے اسی وقت وہ واقعات ممکن حد تک حضرت شیخ ہی کے الفاظ میں قلمبند کرلئے ـــــ اور لکھنؤ واپس آکر ایک تمہید کے ساتھ مضمون کی شکل میں مرتب کرکے 'الفرقان' کے لئے اُن کی کتابت بھی کرالی۔ اس کے بعد بس طباعت کیلئے پریس کو دینے کا مرحلہ ہی باقی تھا کہ مجھے خیال آیا کہ حضرت شیخ نے اپنے یہ واقعات میری اصلاح اور میرے مرض کے علاج کے لئے تنہائی میں رازدارانہ طور پر بیان فرمائے تھے۔ ممکن ہے ان کی اشاعت حضرت کی ناگواری کا باعث ہو ـــــ یہ خیال آنے کے بعد میں نے حضرت کی خدمت میں عریضہ لکھا اور اس دن کی گفتگو کا حوالہ دیکر الفرقان میں انکی اشاعت کی اجازت چاہی ـــــ جواب میں حضرت کا مفصل گرامی نامہ آیا جسمیں سختی سے منع فرمایا گیا تھا۔ وہ میرے لئے خود اپنے باطن کو دیکھنے کا آئینہ بن گیا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ جو سبق اس سے ملا وہ ہمیشہ یاد رہے ـــــ

آج بڑے ہی رنج و قلق کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ میری بہت بری عادتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میں نے اپنے اکابر کے مکاتیب گرامی بھی محفوظ رکھنے کا اہتمام نہیں کیا، نہایت ہی افسوس ہے کہ حضرت شیخ کا یہ مکتوب گرامی بھی محفوظ نہیں رکھا۔ اگر محفوظ ہوتا تو بلفظہٖ نقل کیا جاتا، اب اپنی یادداشت سے اس کا مضمون اور حاصل ہی نذر ناظرین کررہا ہوں۔

(حضرت شیخ نے اس عاجز راقم سطور کو مخاطب کرکے جو کچھ تحریر فرمایا تھا، جہانتک یاد ہے اس کا حاصل یہ تھا کہ)

تمہارا میرے متعلق زیادہ سے زیادہ یہی تو گمان ہوگا کہ میں بفضل اللہ تعالیٰ

معاصی جوانیہ سے محفوظ ہوں، لیکن تم یہ اندازہ کیسے کرسکتے ہو کہ میں معاصی شیطانیہ سے بھی محفوظ ہوں، معاصی شیطانیہ کبر، ریا، اور حسد وغیرہ باطنی کبائر ہیں، اور یہ معاصی جوانیہ زنا اور چوری وغیرہ سے بھی اشد ہیں ـــــ میرے والد ماجد (حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ) فرمایا کرتے تھے کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ صحیحین میں حضرت ابوذر غفاریؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے نے صدق دل سے کلمۂ اسلام پڑھ لیا (یعنی دل سے ایمان لے آیا) وہ جنت میں ضرور جائے گا۔ حضرت ابوذر غفاری نے یہ سنکر عرض کیا کہ " وان زنیٰ وان سرق " (اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو) حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں اگرچہ اس نے زنا اور چوری کا گناہ کیا ہو پھر بھی وہ بخشدیا جائے گا، اور (بالآخر) جنت میں چلا جائے گا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے اسکے بعد بھی تعجب سے اپنا سوال دہرایا۔ حضورؐ نے پھر وہی جواب ارشاد فرمایا پھر حضرت ابوذرؓ کے تیسری دفعہ سوال کرنے پر بھی وہی جواب ارشاد فرمایا اور مزید تاکید کے طور پر ارشاد فرمایا " وإن رغم انف ابی ذر " ـــــ تو زنا اور چوری جو معاصی جوانیہ میں سے ہیں ان کے بارے میں تو حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا اور کِبْر جو معاصی شیطانیہ میں سے ہے اسکے بارے میں صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر اور ذرہ برابر بھی کِبْر ہوگا وہ ہرگز جنت میں نہ جا سکے گا[1]

حضرت شیخ نے آخر میں تحریر فرمایا تھا کہ میں اپنا حال جانتا ہوں اپنے کو میں معاصی شیطانیہ سے محفوظ نہیں سمجھتا، ایسی حالت میں میرے متعلق ہرگز وہ باتیں

---

[1] شارحین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جس شخص کے دل میں کبر ہوگا وہ کبر کی سزا پائے بغیر جنت میں نہ جا سکے گا۔ واللہ اعلم ـــــ (الفرقان)

شائع نہ کی جائیں جو تم شائع کرنا چاہتے ہو۔ میں بھی دعا کرتا ہوں تم بھی دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے معاصی سے پاک فرمادے۔

حضرت شیخ کا یہ مکتوب گرامی خاصا طویل اور مفصل تھا، یہاں جو کچھ لکھا گیا ہے جیسا کہ عرض کیا جا چکا وہ صرف اسکا وہ حاصل اور خلاصہ ہے جو یاد رہ گیا ہے۔
یہاں راقم سطور اللہ تعالیٰ کے اس انعام اور حضرت شیخ کے اس احسان کا ذکر بھی ضروری سمجھتا ہے کہ اس مکتوب گرامی کے مطالعہ سے اپنی حقیقت معلوم ہوگئی، اپنے اندر کے وہ شیطانی معاصی گویا آنکھوں کے سامنے آگئے جن سے غفلت تھی اور ان کے بارے میں فکر نصیب ہوگئی۔
اللہ تعالیٰ سے دعا اور التجا ہے کہ جن ظاہری و باطنی اور حیوانی و شیطانی معاصی میں ابتک ابتلا رہا ان کو وہ اپنے کرم سے معاف فرمادے اور اپنی خاص رحمت سے ظاہر و باطن کو پاک فرمادے۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم
وتب علینا انک انت التواب الرحیم

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے اسطرح کے واقعات اور اسطرح کی باتیں جو حافظہ میں ہیں اگر سب لکھنے کا ارادہ کیا جائے تو ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے لیکن "الفرقان" کے اس خاص شمارہ کے صفحات میں اس سے زیادہ کی اب گنجائش نہیں ہے۔ اسلئے انہی چند واقعات کے تذکرہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار — گلچین بہار تو ز تنگی داماں گلہ دارد

نوٹ:

اس عاجز نے اپنے اس مضمون میں حضرت شیخ سے متعلق جو واقعات لکھے ہیں وہ اپنے حافظہ ہی کی مدد سے لکھے ہیں۔ امید یہی ہے کہ بیان میں کوئی غلطی نہیں ہوئی ہوگی۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی (علیہ الرحمہ)

شیخ الحدیثؒ اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کو میں جب کبھی دیکھتا اور آپ کی خدمت فیض درجت میں حاضر ہو کر کسب فیض وسعادت کرتا تو اکثر ایسا محسوس ہوتا کہ گویا میں حضرت نظام الدین اولیاء کی صحبت میں استفادۂ روحانی وباطنی کر رہا ہوں، ایسا کیوں محسوس ہوتا تھا؟ سطور ذیل میں اسی کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت نظام الدین اولیاء نے اپنے پیر ومرشد سے خرقۂ خلافت پانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت بابا فرید شکر گنج نے جب مجھ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا تو ارشاد ہوا

باری تعالےٰ ترا علم وعقل وعشق عطا فرمودہ است وہر کہ بایں
سہ صفات متصف باشد خرقۂ خلافت او را نیکو آید۔

حضرت بابا نے اس مقولہ میں جن تین صفات کا ذکر کیا ہے، اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام کے جملہ فضائل وکمالات ظاہری وباطنی کا خلاصہ درحقیقت یہی تین اوصاف ہیں اور جس شخص نے حضرت شیخ الحدیث کی شخصیت کا مطالعہ قریب سے کیا ہے اسے اس امر واقعی کے تسلیم کرنے میں ذرا تامل نہیں ہوگا کہ بے شبہ حضرت شیخ کی ذات ستودہ صفات مذکورۂ بالا صفات سہ گانہ کی حامل اور جامع تھی۔

اولاً صفت علم کو لیجیے، علم دو قسم کا ہوتا ہے ایک کسبی اور دوسرا وہبی یا لدنی، اس کو

منطق کی اصطلاح میں حصولی اور حضوری بھی کہہ سکتے ہیں، علم کی قسم اول وہ ہے جسے انسان اپنی محنت اور شوق سے حاصل کرتا ہے، اور علم وہبی وہ ہے جسے امام شافعی نے اپنے مشہور روایتی شعروں میں "نور الٰہی" فرمایا ہے، یہ نور وہبی ہے جس کو بصیرت کہا جاتا ہے۔ جس طرح ایک انسان چشم ظاہر سے ان تمام چیزوں کو دیکھتا ہے جو اس کے سامنے آتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے خاص خاص بندوں کو ایسی چشم باطنی عطا فرما دیتا ہے جس کے ذریعہ انسان کو ایسی اشیاء کا بھی علم حاصل ہو جاتا ہے جو سامنے نہیں ہوتیں۔ حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قسم کے علوم سے بہرہ وافر عنایت فرمایا تھا، جہاں تک علم ظاہر کا تعلق ہے آپ نے مدارس عربیہ کے مروجہ علوم عقلیہ ونقلیہ کا باضابطہ وباقاعدہ بڑی محنت اور لگن سے اکتساب کیا اور ان میں ایسا کمال بہم پہونچایا تھا کہ کم عمری کے باوصف فارغ التحصیل ہوتے ہی مظاہر العلوم سہارنپور میں ادب اور حدیث کی اہم کتابوں کا درس آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ اگرچہ نصاب کے تمام علوم وفنون میں آپ کی استعداد پختہ اور معیاری تھی، لیکن آپ کا خاص فن علم حدیث تھا مسلسل نصف صدی سے آپ نے حدیث کی امہات کتب کا درس اس شان سے دیا کہ اس فن میں آپ کی شہرت دور دور پہونچ گئی۔ شیخ الحدیث کا لقب آپ کا علم توصیفی ہو گیا اور عرب وعجم میں آپ اسی سے معروف ومشہور ہو گئے، پھر معاملہ صرف درس تدریس تک محدود نہیں رہا بلکہ بحیثیت ایک مصنف اور محقق صاحب قلم کے بھی آپ کا مرتبہ ومقام بہت ممتاز اور نمایاں ہے، حضرت نے آپ بیتی نمبر میں تاریخی ترتیب کے ساتھ اپنی تصنیفات وتالیفات کا تذکرہ کیا ہے، گنتی میں یہ ۸۰۳ ہیں، ان میں اکثر کتابیں کافی ضخیم ہیں اور ایک کتاب جو موطأ امام مالک کی شرح اوجز المسالک چھ جلدوں میں اور ایک اور کتاب لامع الدراری جو صحیح بخاری کی شرح ہے تین جلدوں میں ہیں باایں ہمہ شیخ فرماتے ہیں:- اب تک انہیں (۸۰۳) اجزا اور رسائل کا پتہ چلا ہے، میرے اندازہ میں پچیس تیس ابھی اور بھی ہیں۔ علاوہ ازیں یہ امر بھی کچھ کم اہم نہیں ہے کہ چند کتابوں کو مستثنیٰ کر کے سب کی زبان عربی ہے اور عربی بھی ایسی کہ ادیبانہ ہے اور شائبۂ عجمیت سے سرتاسر منزہ اور مبرا، پھر اگرچہ آپ کا خاص فن حدیث تھا جس پر آپ کی تالیفات کثرت سے ہیں

لیکن تالیفات کی فہرست پر ایک نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ درحقیقت علوم متداولہ عقلیہ ونقلیہ میں سے شاید ہی کوئی علم وفن ایسا ہو جس پر آپ نے خامہ فرسائی نہ کی ہو اور اس کے مباحث ومسائل پر داد تحقیق نہ دی ہو۔ چنانچہ اگر ایک طرف آپ کی کتابیں (بصورت تالیف یا بصورت شرح) صرف ونحو، علم بلاغت ومعانی، تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ وسیاست وغیرہ پر ہیں، تو ساتھ ہی فن منطق اور اقلیدس پر بھی ہیں۔ موخرالذکر رسالہ کا نام "اضافہ بر اشکال اقلیدس" ہے یہ رسالہ شیخ نے طالب علمی کے زمانہ میں ہی تحریر کیا تھا اور اس میں اقلیدس کی معروف شکلوں پر اپنی ذہانت وطباعی سے چند نئی شکلوں کا اضافہ کیا تھا۔

پھر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ شیخ کثرت عبادت، اوراد ووظائف اور مجاہدات وریاضات کے عادی شروع سے ہی رہے ہیں، اس بنا پر ان تمام مصروفیتوں کے باوصف آپ کی تالیفات وتصنیفات کی یہ کثرت اور ان کے موضوعات کا یہ تنوع اس بات کی دلیل ہیں کہ شیخ کا علم جو کچھ بھی تھا مستحضر تھا اور اکثر کتابیں یا رسالے آپ نے قلم برداشتہ لکھے ہیں۔ اب مذکورۂ بالا ان تمام چیزوں پر غور وفکر کیجیے تو صاف نظر آئے گا کہ بنوع علم اور تالیفات کی کمیت وکیفیت کے اعتبار سے حضرت شیخ اپنے وقت کے ابن جوزی اور غزالی تھے، اور علمائے عصر حاضر میں بجز مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کے کسی کو ان کا مثیل وقرین قرار نہیں دیا جاسکتا۔

یہ ذکر تھا علوم ظاہری میں حضرت شیخ کی مہارت، دقت ووسعت اور کمال کا۔ اب علوم باطنی وروحانی جن کو معرفت کہا جاتا ہے ان میں آپ کے درک وبصیرت کا جائزہ لیا جائے تو ایک اور ہی عالم نظر آتا ہے۔ دنیوی علوم وفنون اور مختلف ہنروں اور پیشوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ جو لوگ ان میں کمال پیدا کرتے ہیں مسلسل مشق وتمرین اور مزاولت وممارست کے باعث ان لوگوں میں ایک ایسا خداداد ذوق اور ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ بہت سے مسائل جو عام لوگوں کے لیے عقدہ ہائے لاینحل ہوتے ہیں، یہ حضرات ادنیٰ توجہ سے اسے حل کر دیتے اور اصل حقیقت کا سراغ پا لیتے ہیں، اسی کو عرف عام میں بصیرت کہا جاتا ہے۔ بس اسی پر ان حضرات کو قیاس کیا جاسکتا ہے جو شب وروز علوم دینیہ میں مشغول رہتے

اور ان میں درک و بصیرت حاصل کرتے ہیں، بہتیرے وہ امور جو دوسروں کے لیے نظری ہوتے ہیں ان حضرات کے لیے بدیہی ہوتے ہیں، منطق کی اصطلاح میں اسی کو حدس اور نفس قدسیہ کہتے ہیں۔

لیکن شیخ کا معاملہ اس باب میں بھی ایک خصوصی امتیاز رکھتا ہے، آپ کو بچپن میں ہی تعلیم ظاہری کے ساتھ تربیت باطنی ملی، اس عہد کے اکابر اولیاء اللہ کی آغوش شفقت میں پرورش پائی، ماحول سرتاسر عارفانہ اور فضا تمام تر روحانی، پھر جب تحصیل علوم وفنون سے فراغت ہوئی تو طبعی طور پر سب سے زیادہ مناسبت اور اشتغال حدیث سے اس درجہ رہا کہ یہ فن آپ کے ذکر و فکر پر چھا گیا، پھر اس پر مستزاد مرشد روحانی کی باقاعدہ تعلیم و تربیت باطنی، اس سلسلہ میں مجاہدات و ریاضات ان سب چیزوں کا اثر یہ ہوا کہ اتباع سنت آپ کا وظیفۂ حیات ہو گیا، خود اس پر سختی سے عامل تھے اور مسترشدین کو بھی اس کی تلقین و تاکید کرتے اور فرماتے تھے کہ بس یہی اصل تصوف ہے، شیخ سعدی کا مشہور مصرعہ ہے ؎

جمال ہم نشیں درمن اثر کرد

اس محویت اور استغراق کا طبعی نتیجہ یہ ہوا کہ پوری زندگی انوار و تجلیات سیرت نبوی سے جگمگا اٹھی، یہی وہ مقام ہے جس پر پہونچ کر ایک انسان قرآن مجید کی اصطلاح میں بارگاہ خداوندی کی طرف سے حکمت و سعادت کے خلعت فاخرہ سے سرفراز ہوتا ہے اور اسی کو ہم معرفت کہہ سکتے ہیں، حضرت شیخ کے ملفوظات اور مکتوبات پڑھیے تو آپ کو معرفت کے دُرِّ بے بہا جگہ جگہ بکھرے ہوئے ملیں گے، بہر حال یہ اظہر من الشمس ہے کہ شیخ علم ظاہری و باطنی دونوں میں کامل اور ممتاز تھے۔

سما حضرت بابا فرید شکر گنج نے دوسری صفت عقل بیان کی ہے، ظاہر ہے کہ عقل سے مراد وہ قوت ہے جس کے ذریعہ انسان اشیاء ان کے حقائق اور خواص کا ادراک کرتا ہے اور مجہول کے لیے معلوم سے استدلال کرتا ہے۔ پھر اس سے مراد عقل سلیم ہے جو اپنے عمل میں غلطی نہیں کرتی، اور کج روی اختیار نہیں کرتی، قرآن مجید میں جہاں کہیں عقل کا لفظ آیا ہے

وہاں مراد مطلق عقل نہیں عقل سلیم ہی مراد ہے، اب شیخ کی تصنیفات و تالیفات دیکھیے، آپ بیتی پڑھیے اور ملفوظات و مکتوبات پر ایک نگاہ ڈالیے آپ کو قدم قدم پر احساس ہوگا کہ شیخ نہایت ذہین اور طباع تو تھے ہی اعلیٰ درجہ کے عاقل اور صاحب فہم و شعور بھی تھے، علما اور مشائخ کو عام طور پر صرف دینی امور ہی میں صاحب رائے سمجھا جاتا ہے، لیکن شیخ دنیوی اور سیاسی معاملات کو بھی خوب سمجھتے اور ان کے بارہ میں جو رائے خود رکھتے اور دوسروں کو مشورہ دیتے تھے وہ نہایت متوازن اور صائب ہوتا تھا۔ اس بنا پر بابا فرید شکر گنج کے ارشاد کے مطابق حضرت شیخ خلافت اولیا کی دوسری شرط و صفت یعنی عقل سے بھی بہرہ وافر رکھتے اور اس معاملہ میں بھی اپنے اقران و معاصرین میں ممتاز تھے۔

اب رہی تیسری صفت یعنی عشق، ظاہر ہے بابا فرید شکر گنج نے صرف لفظ "عشق" بولا ہے تو اگرچہ اس سے مراد عشق حقیقی، یعنی اللہ تعالےٰ کی ذات جو حقیقت مطلقہ ہے اس کی محبت اور عشق۔ لیکن لفظ عشق مطلق ہے اور شریعت میں عموماً اور طریقت میں خصوصاً اس کی بڑی اہمیت ہے تصوف کی تمام کتابوں میں اس کا تذکرہ مستقل طور پر ہے، فارسی اور اُردو کے صوفی شعرا خصوصاً اور دوسرے شعرا عموماً جب کوئی مثنوی لکھتے ہیں تو مثنوی کا آغاز حمد و نعت سے کرنے کے بعد عشق کے فضائل و مناقب اور اس کی کرامات کا ذکر ضرور کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ عشق سرّ کائنات اور راز کُن فکاں ہے، یہ سارا ہنگامۂ ہست و بود اور عالم رنگ و بو اسی کا ایک کرشمہ ہے، اقبال کہتے ہیں:۔

من بندۂ آزادم عشق است امام من
عشق است امام من عقل است غلام من

ہنگامۂ ایں محفل از گردش جام من
ایں کوکب شام من ایں ماہ تمام من

جانی بعدم آسودہ بے ذوق تمنا بود
مستانہ نواہا زد در حلقۂ دام من

اگر یہ عشق ہے تو علم وحکمت، عبادات و ریاضات سب معتبر اور قابل قدر ورنہ سب بے کار، دھوکہ اور فریب، اقبال کہتے ہیں:۔

شہید محبت نہ کافر نہ غازی — محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی
یہ جوہر اگر کارفرما نہیں ہے — تو ہیں علم وحکمت فقط شیشہ بازی
نہ محتاج سلطاں نہ مرعوب سلطاں
محبت ہے آزادی و بے نیازی

یہ عشق جس کا مرکز ومحور ذات الہٰی ہوتی ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ عبادت اور اطاعت میں نہ صرف خلوص ہوتا ہے بلکہ اس میں وہی لذت اور حلاوت ملتی ہے جو ایک عاشق کو اپنے محبوب کے ساتھ ہم نشیں وہم کلام ہونے میں ملتی ہے، اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو قرۃ عینی فرمایا ہے، اس کے علاوہ عشق کا ایک اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان اخلاق حسنہ اور فضائل ومکارم کا پیکر بن جاتا ہے، وہ دنیا اور اس کے لذات وشہوات سے مستغنی ہوتا ہے وہ سراپا محبت بن کر ہر انسان بلکہ ہر مخلوق کے لیے رحمت وشفقت بنتا ہے، ساتھ ہی نفسیاتی طور پر اس پر ہر وقت ایک اندرونی اضطراب، جستجو اور طلب، سوز وساز اور جذب وسرشاری کی کیفیت طاری رہتی ہے، وہ تصوف کی اصطلاح کے مطابق ظاہری طور پر عالم صحو میں ہوتا ہے تو باطنی اور روحانی طور پر اس وقت بھی عالم سکر کا اس پر غلبہ واستیلار رہتا ہے۔

اب اس نقطۂ نظر سے جائزہ لیجیے تو صاف معلوم ہوگا کہ حضرت شیخ الحدیث سراپا عشق ومحبت تھے۔ مجھے بارہا ہند اور بیرون ہند میں حضرت کی خدمت میں حاضری اور آپ کو بہت قریب سے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ میں نے آپ کو خلوت میں بھی دیکھا ہے جب کہ آپ کے اور میرے سوا وہاں کوئی تیسرا نہیں تھا اور جلوت میں بھی دیکھا ہے، میں نے آپ کو مسرور وشاداں اور ہنستے ہوئے بھی دیکھا اور اسلام اور مسلمانوں کے بعض معاملات پر محزون وغمگین روتے ہوئے بھی پایا اور ہر مرتبہ صاف طور پر یہ محسوس کیا ہے کہ اگرچہ شیخ ہماری طرف متوجہ ہیں لیکن کسی شدید جذبۂ اندرونی

کے زیر اثر آپ کی رگ رگ میں بے چینی اور اضطراب کی برقی رو دوڑ رہی ہے، چنانچہ اکثر دیکھا کہ باتیں کرتے کرتے آپ اچانک خاموش ہو گئے ہیں اور آنکھیں بند کر کے گردن جھکا کر بیٹھ گئے ہیں، یہ برقی رو کس چیز کی تھی؟ عشق کی جس کی گرمی سے آپ کی روح ہر آن سیماب آسا بے قرار رہتی تھی اور اس کے اثرات جسم اور آپ کے حرکات و سکنات پر بھی ظاہر ہوتے رہتے تھے[1]

بہر حال اب تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ بابا فرید نے خلافت اولیا کے استحقاق کے لیے جن تین صفات یعنی علم و عقل و عشق سے اتصاف کو شرط قرار دیا تھا، حضرت شیخ المحدیث ان سے بہمہ وجوہ اور بدرجہ اتم متصف تھے، بابا فرید نے حضرت نظام الدین اولیا کو خرقہ خلافت عطا فرماتے ہوئے کہا تھا کہ چونکہ وہ (نظام الدین اولیا) ان تینوں صفات کے حامل ہیں، اس لیے وہ خرقہ خلافت کے مستحق ہیں پھر بابا فرید نے اپنے مرید خاص کے لیے دعا بھی فرمائی کہ "خدا کرے تم ایک ایسا درخت بنو جس کے سایہ میں خلق کثیر آسایش و راحت سے رہے"۔ دنیا جانتی ہے کہ بابا فرید کی یہ دعا کس طرح بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوئی۔ پروفیسر نظامی لکھتے ہیں "تقریباً پچاس برس تک انسانی دلوں نے اس طرح ان (حضرت نظام الدین اولیا) کی خانقاہ میں راحت و سکون حاصل کیا جیسے کوئی تھکا ہارا مسافر، تمازت آفتاب سے خستہ جان ٹھنڈے اور سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ کر فرحت اور سکون و اطمینان محسوس کرتا ہے۔

حضرت نظام الدین اولیا نے نہایت وسیع پیمانہ پر خلق خدا کو جو آسایش و راحت پہونچائی وہ دو قسم کی تھی (۱) مادی اور جسمانی راحت اور (۲) روحانی و باطنی راحت

---

[1] یہی حال میں نے حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دیکھا۔ ایک دفعہ آپ علی گڑھ میں حکیم سید انعام اللہ صاحب کے مہمان تھے، میں حاضر ہوا تو فوراً مجلس برخاست کر دی۔ مجھے لیکر ایک کمرہ میں داخل ہوئے اور سینہ سے لگا لیا۔ اس وقت میں نے اپنے سینہ میں جو شدید گرمی محسوس کی آج تک اس کا اثر محسوس ہوتا ہے۔

[2] تاریخ مشائخ چشت از پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۱۰۰

پہلی قسم کی راحت کا کیا اہتمام وانتظام تھا؟ پروفیسر نظامی لکھتے ہیں:۔

"ہزاروں آدمی ان کے لنگر سے کھانا کھاتے تھے، اس وقت بھی ان کا حال یہ تھا کہ مسلسل روزے رکھتے تھے اور سحری میں اس خیال سے کچھ نہ کھاتے تھے کہ اس وقت کتنے لوگ بھوکے سو رہے ہوں گے، خلق کی اس دردمندی نے انھیں اقلیم دل کا حکراں بنا دیا تھا، کوئی شخص اپنی لڑکیوں کے رشتہ کی وجہ سے پریشان ہوتا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، کوئی سلطان کی بے التفاتی سے رنجیدہ خاطر ہوتا تو ان سے عرض حال کرتا، کسی کے دل میں کوئی خلش ہوتی تو قدم بے اختیار غیاث پور کی طرف اٹھنے لگتے، حضرت محبوب الٰہی ہر ایک کا درد وغم سنتے، اس کے زخموں پر مرہم لگاتے اور پھر بارگاہِ خداوندی میں ایک ایک تکلیف اپنے اوپر طاری کر کے دعا فرماتے۔"

(تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۲)

اب رہی دوسری قسم یعنی روحانی راحت رسانی! اس سلسلہ میں مشہور مؤرخ ضیاء الدین برنی کا بیان پڑھیے جو خود آپ کے حلقۂ مریدین میں شامل تھا۔ لکھتا ہے:۔

"اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعتِ عام کا دروازہ کھول رکھا تھا، وہ گنہگاروں کو خرقہ پہناتے اور ان سے توبہ کراتے تھے، اور خود اپنے ارادے سے قبول کرتے تھے، ہر شخص کو خواہ وہ خاص ہو یا عام، امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا مفلس، عالم ہو یا جاہل، شریف ہو یا بازاری، شہری ہو یا دیہاتی، آزاد ہو یا غلام، ہر ایک کو طاقیہ عطا فرماتے، مسواک دیتے اور توبہ کراتے تھے، اور یہ سب لوگ چونکہ اپنے آپ کو حضرت کا مرید یا آپ سے متعلق سمجھتے تھے اس لیے بہت سے منکرات اور فواحش سے پرہیز کرتے تھے، اور خلق خدا عام طور پر طاعت اور عبادت کی طرف رغبت رکھتی تھی، خواص اور عوام ہر ایک کے دل میں نیکی اور نکوکاری نے گھر کر لیا تھا، مرد، عورت، بوڑھے اور جوان سب نماز کی پابندی کرتے اور ان میں اکثر و بیشتر تو اشراق و چاشت کی نمازیں تک ناغہ نہ کرتے تھے۔"[1]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۴۳ و ۳۴۴ بحوالہ تاریخ مشائخ چشت۔

حضرت محبوب الٰہی نے اصلاح نفس اور تزکیۂ باطن کے ذریعہ نفع رسانی خلق کا کام صرف ان لوگوں تک محدود نہیں رکھا جو آپ کے پاس آتے اور خانقاہ میں حاضر ہوتے تھے، بلکہ تبلیغ اور دعوت الی اللہ کے مرکز جگہ جگہ باقاعدہ و باضابطہ قائم کرکے اپنا چشمۂ فیض و خدمت خلق ملک کے گوشہ گوشہ میں رواں اور دواں کردیا۔ چنانچہ گلزار ابرار کا مصنف لکھتا ہے:۔

"ان ایام میں زمین ہند کو عجب زمانہ حاصل تھا، کیونکہ آپ کی (حضرت نظام الدین اولیا) بارگاہ خلافت سے جو وقتاً فوقتاً نئے نئے خلیفہ روانہ ہوتے تھے ان کی فیض پاشی سے ہند کا ہر مکان اور ہر قطعۂ زمین ہدایت آباد تھا، ایک روایت ہے کہ آپ نے بڑے بڑے شہروں میں بڑی بڑی کرامتوں والے سات سو (۷۰۰) ایسے خلفاء روانہ کیے تھے جن میں سے ہر ایک کے سینہ سے گویا عرفان کا آفتاب طلوع کررہا ہے"[1]

پروفیسر نظامی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔ "ضیاء الدین برنی اور سید محمد کرمانی المدعو بہ میر خورد نے شیخ کے اثرات کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کے پیش نظر سات سو کی تعداد ناقابل اعتبار نہیں معلوم ہوتی، لیکن افسوس ہے کہ شیخ کے بہت کم خلفا کے حالات تذکروں میں ملتے ہیں"[2] ہمارے نزدیک سات سو کی تعداد بالکل صحیح ہے جن کو حضرت محبوب الٰہی نے تبلیغ اسلام اور دعوت الی اللہ کی غرض سے ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا تھا، البتہ یہ سب خلفا نہ تھے، گلزار ابرار کے مصنف نے غلطی سے ان سب کو خلفا لکھ دیا ہے۔

اب خلق خدا کی خدمت، اصلاح نفس اور ان کے تزکیۂ باطن کے باب میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے کارناموں اور ان کے اثرات کا جائزہ لیجیے تو آپ کو حضرت محبوب الٰہی اور حضرت شیخ الحدیث دونوں میں بڑی مشابہت اور مماثلت

---

[1] گلزار ابرار (اردو) ص ۴۸-۵۰۔ [2] تاریخ مشائخ چشت ص ۱۷۶

نظر آئے گی، اس کی تفصیل مختصر طور پر یہ ہے کہ محبوب الٰہی کی طرح شیخ کے ہاں بھی خدمت و نفع رسانی خلق کی دو قسمیں تھیں۔ (۱) مادی و جسمانی اور (۲) روحانی و باطنی، جہاں تک قسم اول کا تعلق ہے، دنیا جانتی ہے، شیخ کی ذات مرجع عوام و خواص بن گئی تھی، جہاں کہیں جاتے اور قیام فرماتے ہزاروں مرد اور عورتیں پروانہ دار آپ کے ارد گرد جمع ہو جاتے، آپ نہایت خوش اخلاقی اور خندہ جبینی سے ان سب سے ملاقات کرتے، خاطر تواضع کرتے، ان کی آسائش و راحت کا خود خیال رکھتے اور اس سلسلہ میں جو انتظامات تجویز ہوتے ان کی نگرانی بذات خود کرتے تھے۔ آنے والے لوگوں میں اور اسی طرح خط و کتابت کے ذریعہ جو حضرات اپنا دکھ درد اور پریشانی بیان کرتے حضرت بکمال توجہ ان کی داستان غم سنتے اور متاثر ہوتے، پھر اگر ضرورت ہوتی تو آپ ان کو کوئی مشورہ دیتے، ان کی تسلی و تشفی کرتے اور پھر بارگاہِ الٰہی میں اپنے طریقہ کے مطابق نہایت خشوع و خضوع اور الحاح و زاری سے ان لوگوں کی حاجت روائی کے لیے دعا کرتے۔

اب رہی خدمت خلق کی دوسری قسم یعنی اصلاح نفس و تزکیہ باطن، تو اس سلسلہ میں کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ کی پوری زندگی اس کی آئینہ دار ہے، مسترشدین اور مریدین کا تو مقصد ہی یہ ہوتا تھا کہ وہ آپ سے اصلاح و تزکیہ نفس کے طریقوں کی تعلیم حاصل کریں، وہ اس راہ میں حضرت شیخ کی ہدایت و تلقین ساتھ ہی آپ کی کڑی نگرانی اور دیکھ بھال کے زیر اثر مجاہدات و ریاضات کی زندگی بسر کرتے تھے، لیکن جو لوگ رسمی طور پر آپ کے حلقہ مریدین میں شامل نہیں تھے اور ہزاروں کی تعداد میں آتے تھے، حضرت شیخ غیر معمولی خاطر مدارت کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی بھی اصلاح نفس اور تربیت باطنی سے ایک لمحہ کے لیے غافل نہیں ہوتے تھے، ان حضرات میں سے اگر کسی سے کوئی ناشائستہ حرکت سرزد ہوتی تو آپ اس پر فوراً تنبیہ فرماتے اور اپنے ارشادات کے ذریعہ ان آنے والوں کی اصلاح نفس اور ان کو تعلیم و تلقین کرتے رہتے تھے۔

پھر جس طرح حضرت محبوب الٰہی نے اپنے خلفا اور مسترشدین و مبلغین کے ذریعہ اپنا فیض ملک کے گوشہ گوشہ میں پہونچا دیا تھا، اسی طرح حضرت شیخ کا افادہ و افاضہ صرف سہارنپور سے دلّی تک یا صرف کسی ایک ملک تک محدود نہیں رہا۔ وہ برصغیر ہند و پاک سے نکل کر ایشیا اور افریقہ اور یورپ کے دور دراز خطوں تک پہونچا جس کے لیے آپ نے ضعف و نقاہت اور جسمانی اعذار و امراض کے باوجود بہ نفس نفیس نہایت طول طویل اور دور دراز سفر کیے، اور صرف یہی نہیں بلکہ تبلیغی کام کی براہ راست سرپرستی فرما کر اور قولاً و عملاً اس کے کاموں سے گہری دلچسپی لے کر حضرت شیخ نے اپنی دعوت اور اپنا فیض دنیا کے ہر گوشہ میں پھیلا دیا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ کتنے لاکھ انسان، کس کس ملک اور کس کس قومیت و وطنیت اور رنگ و نسل کے، آپ کے دست مبارک میں اپنا ہاتھ رکھ کر یا آپ کے قلم یا زبان کے فیضان اثر سے ابرار و صلحا کے زمرہ میں شامل ہونے کے لائق ہو گئے۔

بہرحال شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر نے جن صفات و کمالات کی بنا پر شیخ نظام الدین اولیا کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا تھا، ان اوصاف و کمالات کے حامل اور جامع شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے، اور "ایک درخت سایہ دار" بننے کی جو دعا بابا فرید نے اپنے برگزیدہ ترین خلیفہ کے لیے کی تھی وہ شیخ الحدیث پر بھی صادق آتی تھی اس بنا پر دونوں بزرگوں کے مزاج و طبیعت اور خیر الناس من ینفع الناس کے ارشاد نبوی کے مطابق جذبۂ خدمت و نفع رسانی خلق کے معاملہ میں بڑی یگانگت، مشابہت اور مماثلت تھی، البتہ فرق یہ تھا کہ حضرت محبوب الٰہی اُس عہد سے تعلق رکھتے تھے جب کہ رسل و رسائل کے ذرائع بہت محدود اور دیر طلب تھے، اور اس کے برخلاف حضرت شیخ کا عہد اسٹیم، ریلوں اور ہوائی جہازوں کا عہد تھا، اس لیے قدرتی طور پر آپ کے ذاتی و شخصی اسفار اور آپ کے تبلیغی و اصلاحی کارناموں میں زیادہ وسعت اور گہرائی پائی جاتی ہے، یہ صرف وقت، زمانہ اور ماحول کے اختلاف کا طبعی اثر اور نتیجہ ہے۔

ورنہ فطرت، طبیعت، جذبہ اور شوق وذوق میں دونوں ایک ہی شجرۃ القدس اصلھا ثابتٌ وفرعھا فی السماء کے ثمر شیریں تروخوش اثر ہیں، یہ عجیب اتفاق ہے کہ تبلیغی جماعت کا مرکز نئی دہلی میں مرقد حضرت محبوب الٰہی کے پہلو میں ہی ہے تو کیا اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ تبلیغ واصلاح کے جس کام کو شیخ نظام الدین اولیا نے پشاور سے راس کماری تک پھیلا دیا تھا اس کی تجدید اور عالمگیر پیمانہ پر اس کی توسیع اللہ تعالیٰ نے کاندھلہ کے اس خاندان کے لیے مقدر کر دی تھی جس کے لعل شب چراغ حضرت شیخ تھے۔ ذالك فضل الله یوتیه من یشاء رحمهما الله تعالیٰ رحمة کاملة۔

اپنے خریداروں سے کچھ ضروری باتیں

۱- کسی قسم کی مراسلت کرتے وقت یا رقم بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر اور مکمل پتہ ضرور لکھیں۔

۲- شیخ الحدیث نمبر جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ الفرقان کی ستمبر تا دسمبر کی اشاعتوں کا بدل ہے امید ہے کہ آپ اس کو توقع کے مطابق پائیں گے۔ آپ کی رائے کا ہمیں انتظار رہے گا۔

۳- قدیم خریداروں کو شیخ نمبر لاگت سے بھی کم قیمت پر بھیجا گیا ہے اس لیے جن ہندو بیرون ہند کے خریداروں کے ذمہ الفرقان کی کوئی رقم بقایا ہو وہ فوراً ارسال فرمائیں۔

۴- اس نمبر کی قیمت مع محصول برائے ہندوستان -/۷، برائے پاکستان و عرب ممالک -/۲۰ برائے یورپ افریقہ وغیرہ -/۴۴ روپے

۵- بیرونی ممالک کے لیے الفرقان کا سالانہ چندہ بذریعہ ہوائی ڈاک -/۱۴۰ روپے (£15/) اور بذریعہ بحری ڈاک -/۶۰ (£4/-) ہے۔ شیخ الحدیث نمبر سے خریداری قبول کرنے کے خواہاں حضرات ہوائی ڈاک کے لیے -/۱۵۵ (£11/-) اور بحری ڈاک کے لیے -/۷۰ (£5/-) ارسال فرمائیں۔

۶- پاکستان کے لیے الفرقان کا سالانہ چندہ -/۶۰ روپے ہے۔ اس نمبر سے خریداری قبول کرنے کے خواہشمند حضرات -/۶۶ روپے ادارہ اصلاح وتبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو ارسال فرما کر منی آرڈر کی رسید ہم کو روانہ فرمائیں۔

ناظم ادارہ الفرقان

مولانا فرید الوحیدی (مقیم جدّہ)، مد

حضرت شیخ

ـــــ کچھ نقوش و تاثرات

حضرت شیخ الحدیثؒ کی ذات گرامی میں ایسی اعلیٰ صفات اتنی خوبی سے جمع ہوگئی تھیں کہ ان کا احاطہ کرنا زبان وقلم کے لیے ایک مشکل کام ہے۔ اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی پوری طرح معلوم ومفہوم ہے کہ ان صفات وخصوصیات کی تفصیل وبیان ایسے شخص کے لیے زیبا ہے جو خود بھی اپنے اندر اتنی اہلیت رکھتا ہو کہ ان اعلیٰ اقدار کی عظمت اور شان کو پوری طرح نہیں تو کچھ ضرور سمجھتا ہو اور پھر تحریر وبیان کا بھی سلیقہ اس کے اندر موجود ہو۔ مگر راقم الحروف اس حقیقت کو پوری طرح سمجھتے ہوئے اور اپنی عدم صلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے بھی اپنے مشاہدات اور احساسات اس لیے سپرد قلم کردینا چاہتا ہے کہ ایسی عظیم شخصیتوں کے تذکرے بے شمار افراد اور اجتماعات کی زندگیاں اور تاریخ سدھار دیتے ہیں۔ اور بہت سی ایسی باتیں جو اہم شخصیتوں کی توجہ سے محروم رہ جاتی ہیں۔ پیچھے پیچھے چلنے والے معمولی لوگ انھیں محفوظ کرلیتے ہیں اور پھر وہ تاریخ وسوانح کا قیمتی جز بن جاتی ہیں۔ یہ یاد نہیں کہ میں نے حضرت شیخؒ کو پہلی بارکب دیکھا تھا۔ اس لیے کہ شعور کی زندگی شروع ہونے سے پہلے ہی مجھے خدمت عالیہ میں حاضری کے مواقع نصیب ہونے لگے تھے۔ مگر بہت بچپن کی ایک صاف تصویر آج

بھی پورے آب وتاب کے ساتھ ذہن میں جلوہ گر ہے۔ کسی سفر میں اپنے شیخ حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ دیوبند سے سہارن پور حاضر ہوا۔ اسٹیشن پر صلحا، علما، اور شرفاء و اعیان کا ایک مختصر سا مجمع استقبال کے لیے صف بستہ تھا۔ اس مجمع کے وسط میں ایک بزرگ جو تمام افراد میں بہتوں سے کم عمر لگتے تھے۔ اور سب سے معمولی کپڑے پہنے تھے۔ اور مجبوبیت، وقار، اور عظمت ان کے چہرے پر برس رہی تھی نظر آئے۔ بچپن کی عمر تھی۔ سیر و تماشے کا شوق بلکہ ولولہ شباب پر تھا۔ اور پھر سہارن پور کا اسٹیشن گوناگوں تماشوں سے بھر پور تھا۔ مگر میری توجہ اور نظریں آپ کی شخصیت پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ کسی صاحب نے بڑے اشتیاق سے پوچھا کہ دوہرے بدن، سرخ و سفید رنگت، سیاہ چمکدار داڑھی، شفقت و مروت کی تصویر جاذب نظر نگاہوں والے گہرے کتھئی رنگ کے موٹے کھدر کا ڈھیلا ڈھالا کرتہ پہنے اور اسی رنگ کی معمولی ململی ٹوپی اوڑھے ہوئے۔ ہاتھوں میں معمولی سی مولویانہ چھڑی لیے ہوئے اگاؤں کے بنے ہاتھ کے سلے اور سرخ رنگ کے جوتے پہنے ہوئے یہ بزرگ کون ہیں؟ معلوم ہوا کہ آپ مولوی زکریا صاحب ہیں۔ اس وقت تک شیخ جوان تھے یا شاید جوانی کی حدود کو پار کر رہے تھے۔ اور مولوی یا مولانا زکریا صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ شیخ الحدیث یا شیخ کا لقب اس کے بہت بعد میں مشہور ہوا۔ اور ایسا مشہور ہوا کہ دوسرے بزرگ مخصوص نسبتوں سے متعین کیے جاتے تھے۔ مگر مطلق "شیخ" یا "شیخ الحدیث" کا اطلاق آپ ہی پر ہوتا تھا۔

حضرت مدنیؒ آپ سے ایسی محبت اور مسرت سے ملے، جیسے ایک عرصہ دراز کے بعد کسی بڑے عزیز رفیق سے ملاقات ہوئی ہو۔ خوب یاد ہے کہ مجھے بہت حیرت اور اچنبھا محسوس ہوا کہ میرے حضرت قدس سرہٗ شیخ سے بہت بے تکلفی اور شگفتگی سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے۔ میرے حضرت کے رکھ رکھاؤ کا ایک خاص انداز تھا چہرے پر ایک نہایت شگفتہ مسکراہٹ مرتسم رہتی تھی۔ مگر گفتگو ہر ایک سے نہایت احتیاط اور احترام سے اور سنجیدگی سے کیا کرتے تھے۔ اس لیے میری حیرت بجا تھی۔

اس کے بعد یہ دیکھا کہ مولوی زکریا صاحب نے حضرت کو اپنے کچے گھر میں اتارا۔ مٹی کی معمولی دیواریں، لکڑی کی چھت، چٹائیوں کا فرش اور لپٹے ہوئے لحافوں کے گاؤ تکیے۔ یہ اس دولتکدے کی شان تھی۔ ہمارے حضرت بڑے انبساط اور بے تکلفی سے ایک چٹائی پر رونق افروز ہو گئے۔ اور تھوڑی ہی دیر میں ایک معمولی سا دستر خوان بچھ گیا۔ حضرت شیخ خود ہی حویلی میں سے کھانا لے آئے۔ ایک ڈلیا میں گرم گرم روٹیاں اور ایک بڑی سی پلیٹ میں سالن۔ حضرت مدنی نے بڑی رغبت سے کھانا تناول فرمایا۔ شاید دس پندرہ منٹ میں کھانا ختم ہو گیا۔ اور ہم سب اگلی ٹرین کے لیے اسٹیشن آ گئے۔ اس وقت تو تعجب ہی ہوا تھا کہ اسی ضیافت کے لیے ہم لوگ اسٹیشن سے یہاں تک آئے تھے۔ مگر بعد میں جب حضرت شیخ کی عظمت و شہرت کا سکّہ دور دور تک چلنے لگا تو یہ دیکھا کہ اسی کچے گھر میں۔ انہی چٹائیوں پر اور اسی سادہ سے کھانے پر بڑے بڑے رؤسا، امرا، وزرا، علما، وصلحا جمع ہوتے تھے اور حاضری کو متاع دین و دنیا خیال کرتے تھے۔ شیخ کی مہمان نوازی اور سادگی عدیم المثال تھی۔ دوپہر کو دستر خوان بچھتا تھا۔ اور ہر کس و ناکس کی عام ضیافت ہوتی تھی۔ مہمانوں کا کھانا مولوی نصیر الدین مرحوم کے اہتمام میں پکتا تھا۔ وہ دور بیٹھے ہوئے کھانا نکال کر بھیجتے جاتے تھے اور خود بھی کھاتے جاتے تھے۔ یکے بعد دیگرے جماعتیں بیٹھتی تھیں اور فارغ ہو کر اٹھتی جاتی تھیں اور مولوی صاحب خاموشی کے ساتھ بڑے نظم کے ساتھ ہر فرد کو بقدر ضرورت رسد پہونچاتے رہتے تھے۔ حضرت آخری مہمان تک کھانے میں شریک رہتے تھے۔ ایک خاص شان دستر خوان کی یہ تھی کہ لوگ اور بڑے بڑے لوگ اپنے گھروں سے اور بعض دوسرے شہروں سے اپنے کھانے لیکر شیخ کے دستر خوان پر شرکت کے لیے آتے تھے اور معیت کا شرف حاصل کرتے تھے۔ وہ فراخی، وہ شان اور کھانوں کی وہ لذت اور مہمان نوازی میں وہ دل نوازی نہ پہلے کہیں نظر آئی اور نہ بعد میں دیکھنے کو ملے گی۔۔۔۔۔

بات میں بات نکلتی ہے مولوی نصیر الدین مرحوم کا نام آ گیا تو جی چاہتا ہے کہ ان کا بھی تھوڑا سا تذکرہ ہو جائے۔ ایسا مخلص ایسا خادم اور ایسا صاف ستھرا انسان جیسے مولوی نصیر الدین تھے

بڑی مشکل سے نظر آئیں گے۔ شیخ کی خدمت میں انھوں نے تمام عمر گذاری۔ صحیح معنوں میں وہ مزاج شناس تھے۔ اور ان کے تمام تفکرات اپنے سر لے کر انھوں نے اپنے مخدوم کو پوری طرح بے فکر کر رکھا تھا۔ دوپہر کا کھانا بھی اپنے ہاتھوں سے کھلاتے تھے اور شام کو عصر بعد حضرت شیخ کی عام مجلس میں چائے بھی اپنے ہاتھوں سے بنا کر پلایا کرتے تھے۔ مجمع سے دور ایک کونے میں برتن، دیگچیاں اور انگیٹھی لیے بیٹھے رہتے تھے۔ اور بغیر سر اٹھائے ہوئے ہر ہر فرد کو اس کے مناسب حال کھانا چائے اور لوازمات پہنچاتے رہتے تھے۔ حضرت شیخ بھی مروت و دلداری کے پتلے تھے۔ اپنے سبھی خدام اور منتسبین و متعلقین کی پوری سرپرستی فرماتے تھے، مولوی نصیر الدین مرحوم کی بھی بے مثال قدردانی کرتے تھے۔ ہر چند کہ مولوی صاحب شیخ کے چشم و ابرو کے اشارے پر چلتے تھے مگر کبھی کبھی حضرت کے مزاج کے خلاف بھی کچھ اقدامات کر لیتے تھے۔ مولوی صاحب کو یہ بات پسند نہ تھی کہ شیخ کی بے حد مقبول و مشہور اور کثیر الاشاعت کتابوں کے حقوق محفوظ نہ ہوں۔ حضرت شیخ کے کتب خانہ یحیوی کے اور انکی تصانیف کی طباعت اور فروخت کے وہی ذمہ دار تھے۔ اور چونکہ بہت منتظم، باصلاحیت اور فعال تھے اس لیے تجارت اور انتظامات کے بڑے بڑے معاملات انگلیوں پر گن کر بتلا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی دلیل یہ تھی کہ اگر بچاسوں ناشرین حضرت شیخ کی کتابیں چھاپنا بند کر دیں تو شیخ کے کتب خانہ سے لاکھوں کتابیں ماہوار شائع ہوں گی۔ اور پوری صحت اور خوبی کے ساتھ چھپیں گی۔ اور ایک مرتبہ مرحوم نے ناشرین کے خلاف کچھ کارروائی بھی کی۔ وہ لوگ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے مولوی صاحب مرحوم کو سختی کے ساتھ تنبیہ کی اور اعلان شائع کر دیا کہ میری تمام تصانیف ہر شخص بلا اجازت شائع کر سکتا ہے۔ اسی قبیل کے بعض دوسرے معاملات تھے جن میں حضرت شیخ مولوی صاحب کی سختی کے ساتھ گرفت فرماتے تھے۔ مگر فوراً نہایت شفقت کے ساتھ معاف فرما دیتے تھے۔ مولوی صاحب کے وصال کے بعد میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور شیخ کی خدمت میں کچھ تعزیتی

کلمات عرض کیے۔ تو آپ پر بے اختیار گریہ طاری ہو گیا اور بڑی دیر تک ان کا تذکرہ کر کے آنسو بہاتے رہے۔ اپنے خدام کی جتنی دلداری اور حوصلہ افزائی میں نے شیخ کو کرتے دیکھا اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ حسن اخلاق، عالی ظرفی، مروت اور شرافت حضرت شیخ کی وہ صفات حسنہ تھیں کہ ان کا تذکرہ ایک مستقل کتاب بن سکتا ہے۔ گر حدیث وسنت کے مسلسل اور غیر منقطع اشتغال اور اس میں درجۂ فنائیت اور تصوف وطریقت میں انہماک اور اس کے اعلیٰ مدارج نیز خدمت دین اور اصلاح امت کے اولوالعزم اور باہمت استغراق نے حضرت کو ان میدانوں میں سیادت وامارت کے درجہ تک پہونچا دیا تھا۔ اور عام لوگوں کی نگاہیں انہی بلند مناصب پر مرکوز رہتی تھیں۔ شیخ نے بھی زندگی کے تمام مشاغل، بشری ضروریات اور خواہشات کے تمام تر تقاضے اپنی ابتدائی زندگی ہی سے تدریس حدیث اور اس کے کمل اشتغال میں حرج واقع ہونے کے خطرہ کے پیش نظر پس پشت ڈال دیے تھے۔ بلکہ ترک فرما دیے تھے۔ راقم الحروف کی حیثیت ہی کیا اور اس کی زندگی اور نظر کی قیمت کیا؟ گر پھر بھی گردش شب وروز کے پچپن چھپن سال شیوخ اور علماء کے درباروں میں اور مدرسوں اور خانقاہوں کی روح پرور فضاؤں میں گذرے ہیں۔ اور ایسے اعیان امت دیکھے کہ ان میں سے بہتوں کو میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کا نمونہ سمجھتا ہوں۔ اس لیے میں اپنی رائے کے اظہار میں کوئی حرج نہیں سمجھتا اور آج بھی اعتراف ہے کہ ضروری نہیں کہ میری یہ رائے صحیح ہی ہو کہ میں نے اپنی زندگی میں حضرت شیخ الحدیثؒ جیسا زاہد، متقی، تارک خواہشات ولذات دنیا اور وقف خدمت الحدیث والسنہ نہیں دیکھا۔ ان کی زندگی میں بارہا ان کے ترک دنیا پر غور کیا۔ اور فرط محبت میں کبھی کبھی عرض بھی کیا کہ کچا گھر پکا بن جائے۔ اور عزیز گرامی صاحبزادہ میاں طلحہ سلمہٗ کے لیے کتب خانہ کا کوئی بہتر نظم قائم ہو جائے گر آپ کے جواب سے ہمیشہ اس نتیجہ پر پہونچا کہ حضرت نے زندگی علوم حدیث کی خدمت ہی کے لیے وقف کر دی ہے اسی کے لیے جیتے ہیں اور اسی راہ میں اپنے مولیٰ سے جا ملیں گے۔ تدریس حدیث اور اس کے ایک اہم

مرکز مدرسہ مظاہر علوم میں نظم وضبط قائم کرنے میں شیخ کو کس قدر انہماک تھا۔ اور کس قدر اہتمام کے ساتھ مدرسہ کی جزئیات، انتظامات اور علماء وشیوخ کی رہنمائی فرماتے تھے، یہ آپ کی زندگی کا ایک اہم اور مفید ترین کارنامہ ہے اس کی تفصیل کا حقہٗ بیان کرنے کے لیے ایک کتاب درکار ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے شیخ مدرسے کے نہ مہتمم تھے نہ کوئی قانونی عہدہ آپ کے سپرد تھا۔ مگر مدرسہ میں کوئی ایسا اقدام اور حرکت گوارا نہیں فرماتے تھے جس سے درس وتدریس اور اشاعت علوم دینیہ میں کوئی خلل واقع ہو۔ اور اسی جذبہ کا نتیجہ تھا کہ شیخ کے دورِ طلبہ اور آپ کے شاگردوں میں ایک بڑی تعداد شیوخ، علماء حق، محدثین، فقہا اور مصلحین اُمت کے مناصب جلیلہ پر فائز ہے۔ شیخ اپنے کچے گھر میں تشریف فرما رہتے تھے اور مدرسین، ذمہ داران اور خود ناظم ومہتمم صاحبان مدرسے کے ہر معاملے میں حضرت کے مشوروں اور نصائح سے مستفید ہوتے رہتے تھے۔ آخر میں جب حضرت شیخ نے محسوس فرمایا کہ بعض مصلحتوں کی بناء پر مدرسہ سے براہ راست اور اندرونی تعلق کے بجائے باہر رہ کر ہی مدرسہ کی خدمت اور نگرانی زیادہ مناسب ہوگی ———— تو نہایت خاموشی سے آپ نے اپنے کو مدرسے سے اور اس کے معاملات سے علٰحدہ کرلیا۔

درس حدیث اور خدمت مدرسہ کے ساتھ تشریح وتعلیق حدیث کی تحریری خدمت جو شیخ نے تمام عمر انجام دی وہ بھی آپ کی تاریخ زندگی کا ایک سنہرا باب ہے۔ جس انہماک کے ساتھ اور جس شوق ولگن کے ساتھ حضرت حدیث شریف کی تحریری خدمتیں انجام دیتے تھے ان کو سامنے رکھیے تو دل پکار اٹھے گا کہ شیخ اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے اسی خدمت میں ہمہ تن وقف ہو جانے کا نتیجہ تھا کہ کسی بھی غیر شرعی ضرورت کے لیے شیخ کبھی سفر نہیں فرماتے تھے۔ عزیز واقارب، مریدین ومنتسبین، دینی وعلمی اجتماعات، غرض ہر ایسے تقاضے کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ جس سے تدوین وکتابت حدیث اور تدریس دین میں حرج واقع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہو۔ ایک بار حجاز کا سفر بھی اسی خطرہ کے پیش نظر ملتوی کیا تھا حالات ساز گار رہوں۔ آسانیاں

میسر ہوں۔ چاروں طرف سے حوصلہ افزائیاں ہوں اور پھر کوئی علمی اور دینی خدمات تحریری شکل میں انجام دے یہ بھی اہم کام ہے گرزیادہ مشکل نہیں ہے۔ لیکن جس بے سروسامانی اور زہد و تقشف کے ماحول میں شیخ تمام عمر حدیث اور سنت سے متعلق تحریری کام کرتے رہے یہ صرف مجاہدین فی سبیل اللہ۔ اولیائے کرام، اور مجددین امت ہی کے مقدر کا حصہ ہے۔ صبح کو ایک پیالی چائے نوش فرما کر اور معمولی سا کچھ ناشتہ کرکے شیخ اپنی لائبریری میں تشریف لے جاتے تھے۔ خوب غور فرمالیں کہ "معمولی ناشتہ" کا ترجمہ ایک آدھ توس، دو چار بسکٹ اور ایک ابلا ہوا یا فرائی کیا ہوا انڈہ نہیں بلکہ باسی روٹی اور رات کے بچے ہوئے سالن کے دو چار نوالے ہیں۔ ہندوستان میں تو صرف سنا ہی تھا کہ بعض مصلحین امت تالیف و ترتیب کے کام اس شان سے کرتے ہیں۔ اور باہر نکل کر دیکھا بھی کہ یہ لائبریریاں شان و شوکت اور حیثیت و امارت کا اشتہار لگتی ہیں۔ جن میں نفیس کتابیں قیمتی جلدوں اور قیمتی الماریوں میں سجی ہوتی ہیں۔ بیش قیمت میزیں اعلیٰ درجے کے قلم، گھڑیاں، کلینڈر، قلم دان، انٹر کام کمیونیکیشن سسٹم، قالین، کرسیاں قرینے سے سجی ہوتی ہیں۔ ملحقہ کمرے میں چپراسی اور پی اے چشم و ابرو کے اشاروں کے منتظر حاضر بلکہ استادہ ہوتے ہیں۔ مگر شیخ کی یہ "لائبریری" کتب خانہ یحیوی کے بالاخانے پر ایک پرانی کوٹھری تھی۔ اس میں چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ تپائیوں پر کتابوں کے انبار تھے جن میں آدھی کتابیں بغیر جلد کی نظر آتی تھیں اور باقی پرانی اور بوسیدہ جلدوں کی مرہون منت تھیں۔ کلک کے چند قلم ہوتے تھے اور کالی روشنائی کی ایک دوات۔ اس لائبریری میں جانے کی عام اجازت نہیں تھی۔ بہت خاص لوگ خاص ہی حالات میں حاضر ہوتے تھے۔ کھڑے کھڑے دو باتیں کرکے سلام کرکے واپس ہو جاتے تھے۔ مجھے بھی زندگی میں ایک بار یا دو بار دروازے تک حاضری اور سلام کا شرف حاصل ہوا ہے۔ دیکھا کہ حضرت شیخ کتابوں کے انبار بلکہ علوم حدیث کے سمندر میں غرق ہیں۔ شدید گرمی کا زمانہ ہے۔ کمرے میں نہ پنکھا ہے نہ خسخانہ ہے نہ کولر ہے اور نہ ایرکنڈیشنر ہے۔ سر سے پاؤں تک پسینہ بہہ رہا ہے۔ اور حضرت شرح حدیث نبوی علیہ الصلوٰۃ میں مصروف۔ ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ اگر کتابوں کی تجلید و ترتیب کا اہتمام

ہو جائے تو آسانی ہو جائے۔ فرمایا کہ یہ تکلفات کروں تو ایک مستقل آدمی بھی چاہیے۔ اور پھر آدھے سے زیادہ وقت ان ترتیبات کی رعایت ہی میں گذر جائے۔ اس لیے مجھے اس میں بہت آسانی ہے کہ اپنے ہی ہاتھ سے رکھی ہوئی کتاب آنکھ بند کر کے نکال لیتا ہوں اور کسی دوسرے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہ وہ ماحول تھا اور یہ علمی مقام تھا جس میں الکوکب الدری اوجز المسالک، لامع الدراری، حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسی تالیفات عمل میں آئیں۔ مجھے اور مجھ جیسے لاکھوں آدمیوں کو نہ ان تالیفات عالیہ کی قدر ومنزلت کا پوری طرح اندازہ ہے اور نہ ان علوم سے کما حقہٗ واقفیت ہے۔ میں نے تو بس یہ دیکھا کہ اکابر امت اور اسلاف کرام میں حضرت شیخ الاسلام مدنی نور اللہ مرقدہٗ، حضرت حکیم الامۃ تھانوی قدس سرہٗ حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ، حضرت مولانا الیاس صاحب قدس سرہٗ اور بہت سے دوسرے مشائخ اور اکابر نہ صرف یہ کہ شیخ الحدیث کو محترم وموقر رکھتے تھے بلکہ مسائل علمیہ اور اشکالات حدیث وسنت کے بارے میں آپ سے مشورہ بھی کرتے تھے۔ کوئی مخصوص واقعہ حوالہ اور اشارہ کے ساتھ مجھے یاد نہیں ہے۔ اس لیے افسوس ہے کہ میں یہ بات سند کے ساتھ نہیں لکھ سکتا گر مجھے یاد ہے کہ بعض معاملات ومسائل علمیہ میں ان اکابر نے یا ان میں سے بعض نے شیخ کی رائے کو ترجیح دی ہے۔ اگرچہ شیخ عمر کے اعتبار سے ان سب حضرات سے چھوٹے تھے۔ اور بعض کے سامنے کے تو کھیلے ہوئے تھے مگر یہ سب حضرات آپ کے ساتھ توقیر واحترام کا معاملہ کرتے تھے اور مشائخ واکابر کے درجہ میں شمار کرتے تھے ــــ متاخرین اور بعد کے زمانے کے اعیان امت مثلاً حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ، مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہم، مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہم اور بعض دوسرے مفکرین ومشاہیر کو جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر اکابرین امت میں شمار ہے دیکھا کہ حضرت شیخ کی خدمت میں خادمانہ حاضر ہوتے رہے اور استفادہ اور توجہات کے طالب رہے۔ محدث عصر کی حیثیت سے شیخ کا صحیح مقام ومرتبہ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنکی زندگی خود اس خدمت گرامی میں مصروف ہو۔ ہم جیسے عام آدمی کے لیے یہی مذکورہ اشارات اور نشانیاں اس امر کی واضح علامت ہیں کہ کل جب اعمال واوقات کا حساب وکتاب ہوگا

تو ہمارے شیخ مرتبین وشارحین وحفاظ ورواۃ و خدام حدیث نبوی کی صف میں کھڑے ہوں گے اور ساتھ میں خدام کا بیڑا بھی پار ہوجائے گا کہ امید قوی ہے کہ ہمارے حضرت کا شمار "ھم القوم لایشقیٰ جلیسھم" میں ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس خدمت جلیلہ کے علاوہ طریقت ورشد وہدایت کی تاریخ میں بھی حضرت شیخ کا مرتبہ ہمیشہ تاباں ونمایاں رہے گا۔ تربیت کا ایک انداز تو مقامات سلوک طے کرانے کے لیے ریاضت ومجاہدات کا ہے۔ جس کی ضرورت واہمیت سے کوئی سلیم الطبع انسان انکار نہیں کرسکتا اور جو مدارج عالیہ پر فائز ہونے کا مجرب طریقہ ہے۔ ہمارے مشائخ واکابر میں بیشتر کا یہی طریقہ رہا ہے اور اسی راستے سے لاکھوں بلکہ کروڑوں بندگان خدا فیضیاب وکامیاب ہوئے ہیں۔ مگر ایک طریقہ مریدین ومنتسبین ومعتقدین کے عام اسلامی اخلاق کی نگرانی اور عمومی توجہات کے ذریعہ اصلاح وتہذیب کا بھی ہے۔ ہرچند کہ مکمل تزکیہ کے لیے پہلا ہی طریقہ متبع ہے۔ لیکن عمومی اصلاح اور تزکیہ باطن کے مقاصد کے لیے دوسرا مسلک بھی آسان اور موثر ہے۔ نیز ان کا نفع بھی عام ہے۔ میں نے یہی دیکھا کہ حضرت قدس سرہٗ کا تعامل اسی موخرالذکر طریقہ پر تھا جس سے لاکھوں طالبین حق کو فیض پہونچا ہے۔ تربیت کے لیے شدت، سختیاں، قانونی پابندیاں، زجرو توبیخ یہ سب کچھ نہ تھا۔ بس خود شیخ کی زندگی اور ان کی مجلس، زہد وقناعت، پابندیٔ اوقات اور استغراق فی العبادات یہی وہ عوامل تھے جن سے واردین وصادرین اور جملہ مریدین خانقاہ بہرہ ور ہوتے رہتے تھے۔ عمر کے آخری بیس پچیس برس کی توبات ہی اور تھی خشیت وتضرع وزاری کی وجہ سے ہڈیاں بھی گھل گئی تھیں۔ مگر عبادت اور یاد الٰہی میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا جاتا تھا۔ اگر بشری مجبوریاں مانع نہ ہوجایا کریں جیسا کہ پیشاب کا تقاضہ ہوتا تھا اور رو گئے پرپوری طرح قدرت نہیں رہی تھی تو یقیناً پورا پورا دن اور پوری پوری راتیں نوافل، ذکر، مراقبہ اور تسبیحات میں گذر جاتیں۔ اس آخر دور میں راقم الحروف نے زیادہ تر حضرت کو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ ہی میں دیکھا ہے۔ جب حضرت یہاں ہوتے تھے تو میری طبیعت پر شیخ کی زیارت کا شوق طاری رہتا تھا۔ مجھے اس پر تنبہ اور تاسف ہوتا

تھاکہ مدینہ اور مکہ کی حاضری میں شیخ کی زیارت کا شوق اور خیال طاری رہتا ہے ۔
اپنے دل میں تو میں یہ تاویل کرلیتا تھا کہ یہ بھی فضل خداوندی اور تعلق مع اللہ کی علامت
ہو سکتی ہے ۔ مگر پھر بھی اطمینان نہیں ہوتا تھا ایک بار عرض بھی کیا کہ دوگونہ رنج وعذاب
ست جان مجنوں را ۔ آپ نے اس پر تنبیہ نہیں فرمائی تو اطمینان ہوگیا ۔ یہیں میں حضرت
کو عبادتوں میں مشغول دیکھتا تھا ۔ کئی کئی گھنٹے متواتر قدوم مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
نوافل میں مشغول رہتے تھے یا ساکت وجامد مراقبہ میں مشغول رہتے تھے ۔ دن ورات کا ایک
لمحہ بھی عبادات کے علاوہ کسی مشغولیت میں گذارنا گوارہ نہیں فرماتے تھے ، مغرب کے بعد
ذکر کا حلقہ قائم ہوتا تھا ۔ خدام میں متعدد حضرات مرشدین و مصلحین میں شمار ہونے کے لائق تھے ۔
خادم خصوصی برادرم وعزیزم مولانا ابوالحسن صاحب سلمہٗ اللہ عجیب وغریب خادم تھے ۔
میں نے ایسا فنافی الشیخ خادم کم دیکھا ہے ۔ ایسے مخلص اور مستعد تھے کہ چشم وابرو کے
اشارے پہچانتے تھے ۔ حضرت کو ایسی راحت پہونچائی ہے کہ باید وشاید ۔ مجھے حضرت
کے سبھی خدام سے عقیدت ، محبت اور خصوصیت تھی ۔ مگر بعض حضرات مجھ پر بھی نظر کرم
فرماتے تھے ۔ بھائی ابوالحسن نے بھی ہمیشہ بڑا خیال فرمایا اللہ انھیں رہتی دنیا تک شاد
وبامراد رکھے ایک بار میں نے حضرت سے کچھ پوچھا تو فرمایا کہ میں بہت دُعا کرتا ہوں کہ
اللہ تعالیٰ طلحہ (صاحبزادہ حضرت شیخ) اور ابوالحسن کو اولاد کی نعمت عطا فرمائے ۔ تو مجھے
خیال گذرا کہ حضرت بھی بھائی موصوف کو اولاد کی طرح عزیز رکھتے ہیں ۔ حضرت مولانا
سید احمد خاں صاحب سہارن پوری ثم مدنی مدظلہ العالی حضرت کے شاگرد رشید اور مجاز
ہیں ۔ اُن کو میں بڑے بڑوں سے بڑا سمجھتا ہوں اور اب جب دنیا خالی ہوگئی ہے تو ان کو
اکابر کی یادگار اور مشائخ امت میں گردانتا ہوں ۔ ترک دنیا اور زہد وعبادت میں یہ بھی
حضرت رحمۃ اللہ کے قدم بہ قدم ہیں ۔ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری ثم مدنی
مدظلہم بھی اپنی مثال آپ ہیں ۔ جید عالم اور باعمل ہیں اور پھر مزید یہ کہ خدا نے آپ کو
کچھ صفات مجذوبیت بھی عطا فرمائی ہیں ۔ مسائل دینیہ ، سلوک وتصوف اور مسائل حاضرہ
میں بڑا درک رکھتے ہیں ۔ یہ اور بہت سے دوسرے حضرات کبار حلقۂ ذکر اور مجلس میں حاضر

رہتے تھے۔ اور بے شمار لوگ انوار و برکات سے فیضیاب ہوتے تھے۔ مکہ مکرمہ میں باوجود عجز و مجبوری کے شیخ پابندی سے مسلسل طواف اور سعی فرماتے تھے۔ ہم لوگ جو ہاتھوں پیروں میں حرکت کی نعمت سے بہرہ ور ہیں ان عبادتوں میں اکثر شرف ہمرہی سے عاجز ہو جاتے تھے۔ اور یہ تو ضعیفی، مجبوری اور معذوری کے زمانے کی باتیں ہیں۔ مگر جب شیخ جوان تھے اس وقت بھی کثرت نوافل، ذوق عبادت اور مجاہدات کا یہ عالم تھا کہ اگر کبھی شوق میں حضرت کے پیچھے کھڑے ہو گئے تو پیر سوج گئے۔ میرا عنفوان شباب تھا۔ میں نے دیکھا کہ شیخ مراقبہ میں ایک ہی پہلو پر گھنٹوں بیٹھے رہتے تھے۔ اور گھنٹوں نمازوں میں کھڑے رہتے تھے۔ اور رکوع و سجود میں جاتے تو کیفیت حضوری میں غرق ہو جاتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے دل میں اسی وقت خطرہ گذرتا تھا کہ اس قدر مشقت جسمانی اعضاء و اعصاب کے لئے کہیں مضر ثابت نہ ہو جائیں۔ چنانچہ مجھے یقین ہے کہ آخر عمر کی معذوری انہی ریاضات اور مجاہدات کا نتیجہ تھی۔ حضرت کی نمازوں، نوافل اور عبادتوں میں خضوع و خشوع اُس حدیث کی کھلی ہوئی تصویر تھی جس میں کانک تراہ فرمایا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ اپنے مجاہدات سے، اپنی تحریروں سے، مجالس میں ہلکے پھلکے انداز میں اصلاح و تلقین کی باتوں سے اور اکابر کی کتابیں پڑھوا کر سن کر اور سنوا کر اور اپنی زندگی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا نمونہ پیش فرما کر اور آخر عمر میں دور دور کے اور سمندر پار کے ملکوں کے سفر کی مشقت و شدائد برداشت کر کے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ شریعت و طریقت اور تربیت و تصوف کی برکات اور منافع سے لاکھوں بلکہ کروڑوں کو فیضیاب کر گئے اور مٹی کو اپنے لہو سے چمن زار بنا گئے۔

حضرت شیخ کے کارناموں کے تذکرہ میں آپ کی عام فہم مجموعات حدیث، مجموعۂ فضائل اور حکایات صحابہ کا بھی ایک مستقل باب ہے۔ صحیح العقائد اور دینی ذوق رکھنے والے عوام و خواص کو ان رسالوں سے بے حد نفع پہونچا ہے۔ خاص طور پر حکایات صحابہ اور فضائل نماز کی مقبولیت اور اشاعت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ حضرت کی تحریروں میں سادگی، دل نشینی، اور عام فہم اسلوب کا ایک خاص انداز تھا اس کے علاوہ اخلاص و

للّٰہیت کی برکاری بھی تھی کہ دل کی باتیں دل میں اترتی چلی جاتی تھیں۔ آخر کی ایک کتاب "یاد ایام" جو خود نوشت سوانح عمری ہے وہ تو بے مثال تالیف ہے۔ اور حقیقت میں یہ نہ تحریر ہے نہ تالیف ہے اور نہ تصنیف ہے۔ صرف ایک مسلسل گفتگو ہے۔ اسی گفتگو میں ساری کہانی آگئی ہے اور ایک طویل زندگی کی مکمل تصویر کھنچ گئی ہے۔ اور زبان بھی اطراف سہارن پور اور مظفر نگر کے مخصوص لہجے میں ہے۔ کتاب ایک مرتبہ ہاتھ میں آکر چھوٹتی نہیں۔ اور جتنی مرتبہ پڑھی جائے نئی کیفیت حاصل ہوتی ہے نیز جب بھی پڑھی جائے سیرت و اخلاق، اعمال و عقائد میں پختگی نصیب ہوتی ہے۔ اُردو زبان کا دامن بہت کوتاہ ہے اور پھر دینی حلقہ کا دائرہ اور بھی تنگ تر ہے ورنہ یہ آٹو بائیگرافی سیر و سوانح کی صف میں نو ایجاد اسلوب اور مکمل ترین سوانحی خاکوں میں شمار ہوتی۔

بات طویل ہوتی جاتی ہے۔ مگر حضرت شیخ کے ایک عظیم ترین کارنامہ کا تذکرہ بہت ضروری ہے۔ تاریخ کے صفحات میں شیخ کا یہ کارنامہ رہتی دنیا تک درخشاں رہے گا اور اصحاب بصیرت و بصارت اس کو حضرت کا مجددانہ کارنامہ قرار دیں گے۔

شیخ سیاسی آدمی نہیں تھے۔ اور عمر بھر کسی سیاسی جماعت یا تنظیم سے تعلق نہیں رکھا۔ سیاسی سرگرمیوں میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا۔ مگر میرے شیخ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے غایت درجہ کا اخلاص اور تعلق رکھتے تھے۔ حضرت مدنی کا سیاسی مسلک واضح اور ظاہر تھا وہ اس باب میں کسی رعایت و رواداری کے قائل نہ تھے۔ وہ انڈین نیشنل کانگرس اور ہندوستان کے متعدد چھوٹی کے لیڈروں کی طرح صرف ہندوستان میں برطانوی حکومت کے دشمن نہ تھے بلکہ پورے برطانوی استعمار ہی کے شدید مخالف بلکہ دشمن تھے اور ان کے پاس حوالوں اور اعداد و شمار سے اس کے دلائل تھے کہ برطانوی پالیسی نے خلافت اسلامیہ اور اسلامی سلطنتوں کو کس طرح ختم کیا اور ممالک اسلامیہ کو کس قدر شدید نقصانات پہونچائے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی بقا اور استحکام کے لیے انھوں نے پوری دنیا میں برطانوی پالیسی کے خلاف انقلاب برپا کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ انھیں یقین تھا اور اس کو بدلائل قاطعہ ثابت کرتے تھے کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت

کے استعمال کے ساتھ ہی پوری دنیا سے برطانوی استعمار کی جڑیں کھُد جائیں گی۔ اور ملت اسلامیہ کو سب سے بڑے دشمن سے نجات مل جائے گی۔ ان کا یہ نظریہ واضح اور شائع تھا کہ ہندوستان کے ذرہ ذرہ سے ہماری زندگی وابستہ ہے اور پورے ملک پر ہمارا حق ہے اس لیے یہ بات ملت اسلامیہ کے حق میں نہیں ہے کہ ملک کے ایک بڑے جز سے مکمل طور پر مسلمان دست بردار ہوجائیں۔ ان کا یہ خیال بھی تھا کہ جو طاقتیں افراد و آحاد۔ برطانوی حکومت کی کسی درجہ میں حلیف و مددگار ہیں وہ کبھی ملت اسلامیہ کی ترقی و بقا کے لیے کام نہیں کرسکتے۔ اپنے ان نظریات کی بنیاد پر حضرت مدنیؒ ہراس جماعت اور فرد کے ہراس اقدام میں تعاون فرماتے تھے جس کی زد برطانوی حکومت پر پڑتی تھی ——— ان چند سطور سے حضرت مولانا حسین احمدؒ کا تذکرہ مقصود نہیں ہے۔ (اور چند سطروں یا ایک مقالہ میں یہ ممکن بھی نہیں ہے) مقصد صرف یہ بتلانا ہے کہ اس وقت کے حالات میں حضرت مدنی سے ارادت وعقیدت رکھنا اور علانیہ طور پر تعلق اور وہ بھی گہرا تعلق رکھنا آسان کام نہ تھا۔ گر حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہٗ حضرت مدنی سے نہ صرف غایت محبت و تعلق رکھتے تھے بلکہ تمام عمر عقیدت ومحبت کا رشتہ استوار رکھا۔ اوران کے حکم کی بجاآوری کو اپنے لیے باعث شرف جانا۔ حضرت مدنی کی اتباع ہی میں شیخ ہمیشہ کھدر کے سودیشی کپڑے استعمال فرماتے تھے۔

حضرت مدنی کے وصال پر شیخ فوراً ہی تشریف لے آئے۔ اُس حجرہ میں داخل ہوئے جہاں جسد مبارک رکھا تھا چہرے سے چادر ہٹائی اور حضرت کی پیشانی کو بوسہ دے کر ایسا روئے کہ دیکھنے والوں کے کلیجے ہل گئے۔ ایک بار کہیں جاتے آتے جدہ سے گذر ہوا۔ مولانا مولوی شمیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ کرمہ میرے غریب خانہ پر تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ اگر تجھے کہیں جانا ہو تو آدھ گھنٹے تک ملتوی کردے اور گھر پر رہ۔ میں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں مامور ہوں وجہ نہیں بتا سکتا۔ تھوڑی دیر میں شیخ بحالت معذوری و مجبوری غربت کدہ پر رونق افروز ہوگئے۔ میں نے اپنی خوش نصیبی پر فرط مسرت سے باچشم نم عرض کی کہ باوجود انتہائی خواہش اور شوق کے

میرے دل میں یہ داعیہ نہیں پیدا ہوا تھا کہ حضرت میرے لیے ایسی زحمت برداشت کریں۔ آپ کے قیمتی ترین وقت کی اضاعت اور تکلیف سے مجھے بڑی ندامت اور شرمندگی ہوئی۔ اس پر آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ میں حضرت مدنی کی آنکھیں میں بھول سکتا۔ نہ آنا تو کل انشاء اللہ جب حضرت سے ملاقات نصیب ہوتی جس کا حضرت نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے تو کیا جواب دیتا۔ اور دیکھ پیارے! بلا اطلاع آکر میں نے بدلہ لیا ہے۔ حضرت مدنی ہمیشہ میرے یہاں بلا اطلاع ہی رونق افروز ہوا کرتے تھے[1] یہ باب بھی بڑی تفصیل وتطویل کا محتاج ہے۔ اصل غرض اس تمہید کی یہ واقعہ بیان کرنا ہے کہ ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان کی تقسیم کا واقعہ پیش آیا۔ اور بڑے بڑے مدعیان اصلاح امت جو تقسیم سے پہلے تقسیم اور پاکستان کے مخالف تھے اپنی اپنی مصالح ومقاصد کے لیے پاکستان روانہ ہوئے تو حضرت شیخ دہلی میں قیام فرما تھے۔ ایک قیامت صغریٰ کا سماں تھا۔ ہزاروں مجبور افراد، بے سروسامان خاندان اور لٹے پٹے قافلے پرانے قلعے اور ہمایوں کے مقبرے میں جمع ہوتے تھے اور اسپشل ٹرینوں پر پاکستان روانہ ہوتے تھے حسن اتفاق سے حضرت ان کیمپوں کے قریب ہی مرکز تبلیغ میں قیام پذیر تھے۔ صورت حال ایسی تھی کہ بڑے بڑوں اور اچھے اچھوں کے قدم اختیاری اور اضطراری طور پر اکھڑ رہے تھے۔ مگر شیخ مکمل اعتماد و اطمینان کے ساتھ اپنی جگہ پر ثابت رہے اور اپنے معتقدین منتسبین کو اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل کی تاکید وتلقین فرماتے رہے۔ یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کہ شیخ کے ثبات کے نتیجہ میں ہزاروں بلکہ لاکھوں اکھڑے ہوئے قدم پھر جم گئے۔ اور ملت اسلامیہ ایک بڑے حادثہ سے دوچار ہوتے ہوتے رہ گئی اگر مرکز تبلیغ بھی اکھڑ جاتا۔ جس کے اندیشے اور اس کے سنگین نتائج کے تصور

---

[1] واضح رہے کہ صاحب مضمون حضرت مدنی کے حقیقی بھتیجے مرحوم مولانا وحید احمد مدنی اسیر مالٹا کے صاحبزادے ہیں لیکن ان کی پرورش اولاد ہی کی طرح حضرت مدنی کے ہاں ہوئی ہے۔

الفرقان

سے بہت سے اہل نظر خوفزدہ اور پریشان تھے۔ تو پوری دلی خالی ہو جانے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ دلی خالی ہونے کے نتائج کہاں تک ممتد ہوتے۔ مرکز تبلیغ کی حفاظت اور اسکے جاؤ میں شیخ کی دعاؤں اور سرپرستی کا بڑا حصہ ہے۔ دلی کی طرف سے کچھ اطمینان ہونے پر شیخ نے سہارن پور کا قصد فرمایا۔ دلی تو پھر بھی نشانے سے کچھ ہٹ کر تھی۔ مگر سہارن پور تو عین زد پر تھا۔ زخم خوردہ اور پاکستان سے اجڑے ہوئے ہندو اور سکھ پناہ گزینوں کا پہلا اسٹیشن سہارن پور ہی تھا۔ اس وقت سہارن پور میں قیام آگ اور موت کے دریا میں کود جانے کے مرادف تھا۔ ایسے میں حضرت شیخ نے مؤمنانہ تڑپ للہیت اور عزم کے ساتھ سہارن پور کی طرف کوچ کیا۔ اور متوکلاً علی اللہ قیام کا فیصلہ کر کے اس مرد خدا اور مجاہد حق آگاہ نے اپنی چٹائی زمین پر بچھا دی۔

یہی ہے سیر فقیروں کی اور یہی فریاد زمیں پہ بیٹھ گئے اسوئے آسماں کیا

عزم وہمت میں بڑی طاقت ہے اور پھر اللہ والوں کے عزائم سے تو قوموں کی تقدیریں بنتی اور بگڑتی ہیں، چنانچہ بھاگتے ہوئے قافلے رک گئے۔ اکھڑے ہوئے قدم جم گئے اور سونتی ہوئی تلواریں میان میں واپس چلی گئیں۔ عین انہی حالات میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ موت اور خطرات کے اندیشوں سے بے فکر ہو کر سہارن پور آئے۔ اور حضرت شیخ اور حضرت رائے پوری کو بلا کر مشورہ فرمایا۔ اور کہا کہ میں نے ہر حالت میں ہندوستان ہی میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ دونوں حضرات جو راستہ چاہیں اختیار فرمائیں۔ اس پر شیخ الحدیثؒ نے فرمایا کہ میں تو آپ کے ساتھ ہوں جو فیصلہ آپ کا وہی میرا، حضرت رائے پوری نے فرمایا کہ میں بھی آپ دونوں کے ساتھ ہوں۔

حالات کے بگڑنے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی کلکتہ سے گرم ہوائیں بہار تک آ پہونچی تھیں اگر آگ کی لپیٹیں سہارن پور میں اپنے جسموں پر نہ روک لی گئی ہوتیں تو نہ کون جانے کیا ہو جاتا۔ مگر اس فیصلہ کے قرار پانے اور اس کا اعلان ہوتے ہی نقشہ بدل گیا۔ فضاؤں کی تپش میں کمی آگئی۔ گاندھی جی کی قربانی اس کے بہت بعد میں پیش آئی۔ تاریخ اس بات کی گواہی دے گی ہندوستان کے مسلمانوں اور پورے ملک پر

بلکہ پوری ملت اسلامیہ پر ان تینوں بزرگوں اور حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کا یہ عظیم احسان ہے۔
یہ ملت جب کبھی اپنی زیاں کاری کو جانے گی
وجود ان بزرگوں کا معجزے سے کم نہ مانے گی

کہانی بڑی لمبی ہے کوئی کہاں تک کہے اور کوئی کب تک سنے قصہ مختصر کرنے کے لیے عرض کرتا ہوں کہ ایک دن بیٹھے بیٹھے دل ایسا گھبرایا کہ راقم الحروف نے مدینہ طیبہ کے لیے اچانک رخت سفر باندھ لیا۔ اہلیہ نے کہا کہ کئی دنوں سے میری طبیعت بے چین ہے میں بھی چلوں دربار اقدس میں سلام بھی ہو جائے گا اور اپنے پیر کی خدمت میں حاضری بھی نصیب ہو جائے گی۔ بیمار رہتی ہی ہوں نہ جانے کس وقت وقت آجائے۔ اچانک روانہ ہو جانا آسان نہ تھا۔ ہوائی جہاز میں گھنٹوں بلکہ دنوں پہلے سے ریزرویشن کرانا پڑتا ہے۔ جدہ سے ہوائی اڈہ بہت دور اور مدینہ طیبہ کے اڈہ سے شہر کا بڑا فاصلہ، ہمارا ایک گھنٹہ پہلے بھی نہ کوئی ارادہ تھا نہ ٹکٹ دزاد راہ تیار تھا۔ گردلوں کی دھڑکن سے مجبور ہو کر نکل کھڑے ہوئے۔

منزل کو جہ جاناں کی نہ پوچھو دوری جیسا مشتاق ہو نزدیک بھی دور بھی ہے

ہوائی اڈہ پر پانچ گھنٹے پڑے رہنا پڑا۔ اور عصر کے قریب حاضری سے مشرف ہوئے جسب معمول پہلے روضۂ اقدس پر سلام عرض کر کے شیخ کے دربار میں حاضری دی۔ بڑے بڑے صاحب اقتدار امراء و ملوک جس نعمت کے لیے ترستے ہوں گے وہ مرتبہ حضرت شیخ کو نصیب تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں کے قریب ہی آپ کا مسکن تھا۔ بھائی ابو الحسن صاحب سلمہٗ سے عرض کی کہ ملاقات پر کوئی اصرار نہیں صحت و عافیت کی خوشخبری بتلا دیں۔ اور اگر ممکن ہو تو دور سے ایک نظر زیارت کرا دیں۔ بڑوں کے خدام بھی بڑے ہوتے ہیں اور انھوں نے بکمال شفقت و ذرہ نوازی ملاقات کرائی اور باآواز بلند فرمایا کہ فرید حاضر ہے۔ کیا کہوں کہ دل پر حسرت و افسوس کا کیا طوفان گذر گیا۔ وہ جو دیر تک پاک ہاتھوں میں ناپاک ہاتھ لیے رہتے تھے۔ ایک ایک کی خیریت دریافت فرماتے تھے۔ اپنی بٹی کے قریب بٹھلا کر سعادت بخشتے تھے۔ خدام کو کچھ عطا کرنے کا حکم دیتے تھے اور

اصرار کرکے کھلاتے تھے۔ آج خاموش لیٹے ہوئے تھے۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ زبان گہربار خاموش تھی۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو چلے تھے۔ رخصت ہوکر قیام گاہ پر آیا ہی تھا کہ اطلاع ملی کہ میرے حضرت، میرے آقا، میرے شیخ اپنے مولیٰ سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ رنج و صدمہ کی کیفیت بتانے والی چیز نہیں ہے۔ جب میرے مرشد حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کا وصال ہوا تھا اس وقت تو میری آنکھوں کے آگے دنیا تاریک ہی ہو گئی تھی۔ مگر تمام صدمے کے باوجود دل میں ایک سکون بھی تھا کہ بیاسی برس تک بے داغ اور کامیاب ترین زندگی گزارنے اور ایسی پرسکون موت سے ہمکنار ہونے کی کوئی دوسری مثال سامنے نہیں ہے۔ آج بھی دل پر ایک اطمینان تھا کہ میرے شیخ الحدیث نے جس دن کے لیے تمام عمر جینے کا بوجھ اُٹھایا تھا۔ اور اور جس محبوب کے عشق میں زندگی کے سارے عیش و آرام تج دیے تھے۔ اور جس کی قربت کے لیے بیاسی برس کی پہاڑ سی زندگی رو رو کر دعائیں کی تھیں آج اُسی آقا کے قدموں کے پاس جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

جان ہی دیدی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

عشا کے بعد غیر ارادی طور پر قدم اُس کوچہ کی طرف اُٹھ گئے، جہاں عشاق کا میلہ لگا رہتا تھا۔ دربار عام ہوتا تھا اور فیوض و برکات کی خیرات بٹا کرتی تھی۔ مگر آج نہ ذکر و شغل کے نغمے تھے۔ نہ سالکین کا مجمع تھا نہ واردین و صادرین کی بھیڑ تھی۔ ایک سناٹا تھا اور پون صدی تک روشنی پھیلانے والی شمع خاموش ہو چکی تھی۔

سدا رہے نام اللہ کا

حضرت شیخ کی آپ بیتی
انتخاب و تلخیص
از
حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

آپ بیتی ۱ سے نمبر ۵ کے کچھ حصہ تک کا انتخاب
ناظرین کرام الفرقان کے "شیخ الحدیث نمبر" میں ملاحظہ
فرما چکے ہیں (وہ گویا انتخاب کا حصہ اول تھا) اس سے
آگے کا انتخاب زیر نظر صفحات میں پیش کیا جا رہا
ہے۔ (اس کو حصہ دوم سمجھنا چاہیے۔)

آپ بیتی نمبر ۵ کے باقی حصہ کا انتخاب

مالیات کے سلسلہ میں حضرت شیخ کی بے نیازی:

ایک سلسلہ کلام میں مقدمہ بازی سے اپنی طبعی وحشت و نفرت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت شیخ نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے۔

ہماری جدی جائداد جھنجھانے میں ایک لاکھ سے زائد کی بتلائی جاتی ہے۔ میرے والد صاحب کے انتقال کے بعد ۱۳۳۶ھ میں جھنجھانے کے چند نوجوان شرفا میرے پاس آئے، انھوں نے کہا کہ تمھاری جائداد کی ہم نے تحقیق کرائی ہے، وہ اسّی ہزار روپے کی ہے، ہم لوگ اس کے خریدار ہیں، بالمقطع تین ہزار میں اس کو خریدنا چاہتے ہیں۔ (آگے شیخ نے لکھا ہے کہ ان مخلص

نوجوانوں نے میرے متعدد خاندانی بزرگوں اور بعض عزیزوں کا حوالہ بھی دیا
اور بتلایا کہ ہم ان سے مل کر بات کر چکے ہیں ان کی رائے ہے اور ہم لوگ
آپ کے اطمینان کے لیے اُن حضرات کی تحریرات لادیں گے کہ ہم لوگ
اس معاملہ میں قابل اعتماد ہیں آپ کو کہیں جانا بھی نہیں ہوگا) آپ
سہارنپور میں ہی رہیں گے صرف ایک بینامہ اس مضمون کا لکھنا ہوگا کہ
میں نے اپنی جائداد جو جھنجھانہ میں ہے بعوض تیس ہزار نقد فلاں فلاں
..... کے ہاتھ فروخت کی ـــــ پھر انھوں نے کہا کہ آگے مقدمات
کرنے اور ان لوگوں کے قبضہ سے اس کو چھڑانا (جو ناجائز طور پر اس پر
قابض ہو گئے ہیں) یہ سب کام ہم خود کریں گے، آپ کا اس سے کوئی
تعلق نہ ہوگا۔ (انھوں نے یہ بھی کہا کہ آپ اپنے ان خاندانی بزرگوں سے
اس سلسلے میں مشورہ کرلیں جن کا ہم نے حوالہ دیا ہے۔ شیخ کے یہ سب
خاندانی بزرگ رؤسا اور زمیندار تھے اور ایک صاحب ان میں وکیل بھی
تھے ـــــ آگے شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ) میں نے شدت سے انکار
کردیا۔ ان کو بڑی حیرت ہوئی اور بار بار تعجب سے سوال کرتے تھے کہ
آپ کو اتنی بڑی رقم نقد مل رہی ہے پھر کیوں انکار کرتے ہو؟ ـــــ
میں نے ان سے کہا کہ میری یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ میں جب بائع ہوں گا تو
مدعا علیہ میں کیوں نہ بنوں گا، مقدمات کی نوعیت میرے بس کی نہیں ہیں
طالب علم آدمی ہوں، مجھے طلب علم میں جو مل رہا ہے اس پر تیس ہزار
نہیں تیس لاکھ بھی قربان ہو سکتے ہیں ـــ (آگے شیخ فرماتے ہیں) اللہ
ان دوستوں کو بھی جزائے خیر دے وہ تو اس طرح میری مدد اور خدمت
ہی کرنا چاہتے تھے مگر مقدمات کی وحشت نے مجھے ذرا بھی ان کی بات کی
طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔"

راقم سطور عرض کرتا ہے کہ اس واقعہ کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ واقعہ

۱۳۳۶ھ یعنی اب سے قریباً ستر سال پہلے کا ہے (اس وقت کے تین ہزار آج کے کم از کم سات آٹھ لاکھ کے برابر تھے) اور یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ اس وقت حضرت شیخ کی عمر صرف ۲۰-۲۱ سال کی تھی اور چند ہی مہینے پہلے حضرت شیخ کا مدرسہ مظاہر علوم میں مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا تھا اور تنخواہ صرف بارہ روپے ماہوار تھی۔ اس کے باوجود حضرت شیخ نے صرف مقدمہ بازی کی الجھن کے خطرہ سے اتنی بڑی رقم قبول کرنے سے گریز کیا جس سے اس زمانے میں آٹھ دس گاؤں خریدے جا سکتے تھے۔

ہر نئی کتاب کا پہلا نسخہ مدینہ منورہ کو :

اس آپ بیتی نمبرہ میں ایک سلسلۂ کلام میں حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ۔

"میری ہمیشہ سے یہ عادت ہے کہ جو کتاب بھی طبع ہوتی ہے، اس کا سب سے پہلا نسخہ ہمیشہ مدینہ پاک کے کسی دوست کو بھیجنے کا اہتمام رہا، عربی ہو تو سید محمود صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں بھیجتا تھا یا مدرسہ شرعیہ میں۔ اب سید صاحب کے وصال کے بعد سے ان کے صاحبزادے سید حبیب صاحب کے پاس بھیجتا ہوں اور اردو ہو تو اردو داں دوستوں میں سے کسی کے پاس۔"

ایک حکایت اور بعض اکابر کے کلمات کی دلنشیں توجیہ :

حضرت شیخ نے آپ بیتی نمبرہ کے آخر میں "ارواح ثلاثہ" کے حوالے سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان فرمائی یہ حکایت لکھائی ہے۔

ایک بزرگ خواجہ احمد جام مستجاب الدعوات مشہور تھے ایک عورت ان کی خدمت میں ایک نابینا بچہ کو لائی اور عرض کیا کہ اپنا ہاتھ اس کے منہ پر پھیر دیجئے اور اس کی آنکھیں اچھی کر دیجئے۔ اس وقت آپ پر شان عبدیت غالب تھی اس لیے نہایت انکساری کے ساتھ فرمایا کہ میں اس قابل نہیں

ہوں، اس نے اصرار کیا، آپ نے پھر وہی جواب دیا، غرض تین چار مرتبہ
یوں ہی ردوبدل ہوئی، جب آپ نے دیکھا کہ وہ مانتی ہی نہیں تو آپ
وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے چل دیے کہ یہ کام تو
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا میں اس قابل نہیں ہوں ۔ تھوڑی دور
چلے تھے کہ الہام ہوا، تو کون ۔ عیسیٰ کون ۔ اور موسیٰ کون ۔ پیچھے لوٹ
اور اس بچے کے منہ پر ہاتھ پھیر ۔ نہ تم اچھا کر سکتے ہو نہ عیسیٰ مامیکنیم
(ہم کرتے ہیں) آپ یہ سن کر لوٹے اور مامیکنیم مامیکنیم فرماتے جاتے تھے
اور جا کر اس (بچہ) کے منہ پر ہاتھ پھیر دیا اور آنکھیں اچھی ہوگئیں" یہ قصہ بیان
فرما کر حضرت نانوتوی قدس سرہ نے فرمایا کہ احمق لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ
"مامیکنیم" خود کہہ رہے ہیں حالانکہ وہ اُن کا قول نہیں ہوتا بلکہ حق تعالیٰ کا
قول ہوتا ہے (یہ اس کی نقل کرتے ہیں) جب کوئی کسی گویے سے عمدہ
شعر سنتا ہے تو اس کی زبان سے بار بار دوہراتا ہے اور مزے لیتا ہے، اسی
طرح وہ اس الہام کی لذت سے حق تعالیٰ کا ارشاد "مامیکنیم" بار بار دوہراتے
تھے ___ حضرت تھانویؒ نے (ارواح ثلثہ میں نقل کی ہوئی اس حکایت
پر) حاشیہ تحریر فرمایا ہے کہ "منصور حلاج (کے قول انا الحق) کی سب سے
اچھی تاویل یہی ہے۔

آپ بیتی نمبر ۶

آپ بیتی کا یہ نمبر سب سے زیادہ ضخیم ہے اور نہایت مفید معلومات اور تعلیمات کا خزانہ
ہے، اس میں ۱۰ فصلیں ہیں۔ پہلی فصل کا عنوان ہے۔ "اکابر کا طرز تعلیم"۔
حضرات علمائے کرام بالخصوص اصحاب درس سے راقم سطور کی گزارش ہے کہ وہ اس

پوری فصل کو اصل کتاب ہی میں ملاحظہ فرمائیں، ان کے لیے اس میں بڑی بصیرت کا سامان ہے ـــ یہاں اس فصل سے صرف مندرجہ ذیل چند سطریں نقل کی جا رہی ہیں جن کا تعلق حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے ہے ـــ حضرت شیخ نے "تذکرۃ الرشید" کے حوالہ سے بیان فرمایا ہے کہ۔

> حضرت صاحبزادی صاحبہ نے قرآن پاک کے ختم کرنے کے بعد حضرت قدس سرہٗ نے قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنے کا اشتیاق ظاہر کیا تو حضرت امام ربانی طلبہ کے درس حدیث کے بعد جب کھانے کے لیے مکان تشریف لے جاتے تو اول اہلیہ مرحومہ قرآن مجید سنا کر صاف کیا کرتیں اور پاؤ پارہ سنایا کرتیں، اس کے بعد صاحبزادی صاحبہ کو ترجمہ قرآن مجید پڑھایا کرتے اور جب صاحبزادی صاحبہ نے ترجمہ شروع کیا تو رشتہ داروں کی چند لڑکیاں بھی اس نعمت میں شرکت کے لیے شامل ہو جاتیں، چنانچہ آپ عام فہم اردو زبان میں آیات کا ترجمہ پڑھاتے، اسی ضمن میں ضروریات دین کی تعلیم فرماتے جاتے، مسائل بتاتے، اتباع شریعت کی رغبت دلاتے، خدا کی نافرمانی سے ڈراتے اور تہذیب اخلاق کی تعلیم فرماتے جاتے۔ یہ نسوانی درس حضرت امام ربانی کی طرف سے تقریباً آدھ گھنٹے کا وعظ ہوتا تھا جس میں مستورات کی اصلاح کا حق ادا کیا جاتا تھا۔"

اس آپ بیتی ۵ کی دوسری فصل کا عنوان ہے "طلبہ کی تربیت اور اس کی اہمیت" اس فصل کے شروع ہی میں "افاضات یومیہ" حصہ ششم کے حوالہ سے حضرت شیخ نے حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ مندرجہ ذیل ملفوظ لکھوایا ہے۔

> "فلاں مدرسہ[1] میں ایک وقت میں اکابر کی ایسی جماعت تھی کہ ہر قسم کی خیر و برکات موجود تھیں. ظاہر کے اعتبار سے بھی اور باطن کے اعتبار سے بھی، اس وقت

---

[1] غالباً ناظرین کے لیے اس کا سمجھنا مشکل نہ ہوگا کہ یہ کس مدرسہ کے بارہ میں نقل فرمایا گیا تھا۔

تعمیر اتنی بڑی نہ تھی مگر ایک ایسی چیز اتنی بڑی تھی کہ مدرسہ خانقاہ معلوم ہوتا تھا، ہر چہار طرف بزرگ ہی بزرگ نظر آتے تھے، اب سب کچھ ہے اور پہلے سے ہر چیز زائد ہے، مگر وہی چیز نہیں جو اس وقت تھی، گویا جسد ہے روح نہیں۔ میں نے مہتمم صاحب سے کہا تھا کہ اگر موجودہ حالت میں مدرسہ نے ترقی بھی کی تو یہ ترقی ایسی ہوگی جیسے مرکر لاش پھول جاتی ہے جو کہ ضخامت میں ترقی ہے مگر پھولنے کے بعد وہ جس وقت پھٹے گی، اہل محلہ اہل بستی کو اس کا تعفن پاس نہ آنے دے گا...."

اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے طلبہ کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ کے خود اپنے دس اصول بیان فرمائے ہیں جن پر خاص کر تدریس حدیث کی پوری مدت (قریباً پچاس سال تک) عمل رہا، اس کے آگے اپنے مختلف اکابر کے اسی سلسلہ کے سبق آموز واقعات اور ارشادات لکھوائے ہیں۔

تیسری فصل کا عنوان ہے "اکابر کا طلب علم میں انہماک"

اس فصل میں حضرت شیخ نے سب سے پہلے اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کا یہ واقعہ لکھوایا ہے کہ۔

والد صاحب کے طالب علمی کے زمانہ میں ڈاکٹروں نے یہ کہہ دیا تھا کہ آنکھوں میں نزول آب شروع ہو گیا ہے کتب بینی ہرگز نہ کریں ــــ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ خبر سن کر کتب بینی میں اتنی محنت اس خیال سے کی کہ پھر تو یہ آنکھیں جاتی رہیں گی۔ جو کرنا ہے ابھی کر لیں (اسی سلسلہ میں حضرت شیخ نے آگے لکھایا ہے کہ) کہ (دہلی کے) مدرسہ حسین بخشی والوں کا اصرار اُن کے والد صاحب یعنی میرے دادا سے یہ تھا کہ وہ (یعنی مولانا محمد یحییٰ صاحب) مدرسہ کے دورۂ حدیث میں شریک ہوں، جس پر والد صاحب نے انکار کر دیا (کیونکہ ان کی نیت حضرت گنگوہی سے دورۂ حدیث پڑھنے کی تھی) لیکن امتحان میں شرکت قبول کر لی، نظام الدین کے ایک حجرہ میں جو

بہت ہی تنگ و تاریک تھا، شب و روز مطالعہ میں مشغول رہتے ..... فرمایا کرتے تھے کہ میں نے پانچ چھ ماہ میں بخاری شریف، سیرت ابن ہشام، طحاوی، ہدایہ اور فتح القدیر اتنے انہماک سے دیکھیں کہ جس کے بعد امتحان کی تعریف حضرت سہارنپوری ممتحن نے بڑے مجمع میں کی اور اسی بنا پر حضرت گنگوہی سے (مجھے دورۂ حدیث پڑھانے کی) سفارش کی، جس پر حضرت گنگوہی نے آخری دورہ پڑھایا (حالانکہ آنکھوں میں نزول آب کی وجہ سے دورہ حدیث کا پڑھانا آپ موقوف کر چکے تھے)۔

آگے اسی سلسلہ بیان میں حضرت شیخ نے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے علمی انہماک کا یہ واقعہ خود حضرت قدس سرہٗ کی زبان سے "تذکرۃ الرشید" کے حوالہ سے لکھوایا ہے کہ۔

میں شاہ عبدالغنی (مجددیؒ) کی خدمت میں جب پڑھا کرتا تھا، جہاں پر میرا کھانا مقرر تھا وہاں خود لینے جایا کرتا تھا، راستہ میں ایک مجذوب پڑے رہا کرتے تھے۔ ہمیں پڑھنے کی طرف اس قدر مشغولی تھی کہ درویش کیا کسی چیز کی طرف بھی طبیعت کو التفات نہ تھا، ایک روز وہ مجذوب مجھ سے بولے کہ مولوی تو کہاں جایا کرتا ہے؟ میں نے عرض کیا کھانا لینے جایا کرتا ہوں، انھوں نے کہا میں تجھ کو دونوں وقت اسی طرف جاتا دیکھتا ہوں، کیا راستہ دوسرا نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا دوسرا راستہ بازار میں ہو کر ہے، وہاں ہر قسم کی چیز پر نگاہ پڑتی ہے شاید کسی چیز کو دیکھ کر طبیعت کو پریشانی ہو ـــ مجذوب نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تجھے خرچ کی تکلیف رہتی ہے میں تجھ کو سونا بنانا بتلا دوں گا، تو میرے پاس کسی وقت آیئے ـــ میں اس وقت حاضری کا اقرار کر آیا مگر خانقاہ پہنچ کر (جہاں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کا درس حدیث ہوتا تھا اور وہیں ایک حجرہ میں میرا قیام تھا) پڑھنے لکھنے میں یاد ہی نہیں رہا، دوسرے دن وہ مجذوب پھر ملے اور کہا، مولوی تو آیا نہیں! میں نے کہا کہ مجھے پڑھنے سے فرصت نہیں ہوتی، جمعہ کو آؤں گا۔

الغرض جمعہ آیا اور اس دن بھی کتاب وغیرہ دیکھنے میں مجھے یاد نہ رہا اور وہ
پھر ملے، پھر انھوں نے کہا کہ مولوی تو وعدہ کر گیا تھا اور نہیں آیا۔
میں نے عرض کیا کہ مجھے تو یاد نہیں رہا۔ آخر دوسرے جمعہ کا وعدہ کیا
اور اس طرح کئی جمعے بھولا۔ آخر ایک جمعہ کو وہ مجذوب خود میرے
پاس خانقاہ میں آئے اور مجھے شاہ نظام الدین صاحب کی درگاہ میں
لے گئے اور وہاں ایک گھاس مجھے دکھائی اور کبھی مقامات بتلائے
کہ فلاں فلاں جگہ یہ گھاس ملتی ہے اور مجھ سے کہا کہ خوب دیکھ لے
میں نے اچھی طرح پہچان لی، آخر وہ تھوڑی سی توڑ کر لائے اور
میرے حجرہ میں آکر اس سے سونا بنایا، سونا بن گیا اور مجھے بنانا آگیا
وہ مجذوب کہہ کر کہ اس کو بیچ کر اپنے کام میں لائیو، اپنے مقام
پر چلے گئے، مجھے کتاب کے مطالعہ کے آگے اتنی مہلت کہاں تھی کہ اس کو
بازار میں بیچنے جاؤں۔ آخر دوسرے دن وہ مجذوب پھر ملے اور کہا کہ
مولوی تو نے وہ سونا بیچا نہیں؛ خیر میں بیچ لاؤں گا۔ دوسرے وقت
آئے اور میرے پاس سے وہ لے گئے اور بیچ کر اس کی قیمت مجھ کو
لا دی، پھر ایک روز وہی مجذوب ملے اور کہنے لگے کہ مولوی میں یہاں
سے جاتا ہوں تو میرے ساتھ چل اور اس بوٹی کو پھر دیکھ لے، غرض
پھر مجھے ساتھ لے گئے اور سلطان جی صاحب (یعنی درگاہ حضرت نظام الدین)
میں وہ بوٹی پھر دکھائی، اس کے بعد پھر کہیں چلے گئے۔

تذکرۃ الرشید حصہ دوم ص۲۸۸

چوتھی فصل کا عنوان ہے "مشائخ کا معمولات کا اہتمام"
اس فصل میں حضرت شیخ نے اپنے اکابر و مشائخ کے واقعات بیان فرمائے ہیں
جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کو اپنے معمولات کا کس درجہ اہتمام تھا۔ اس سلسلہ میں

سب سے پہلے "اشرف السوانح" کے حوالہ سے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے کہ۔

"انضباط اوقات جب ہی ہو سکتا ہے جب اخلاق و مروت سے مغلوب نہ ہو۔ اور ہر کام کو اپنے وقت اور موقع پر کرے۔ اور تو اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ (جو حضرت والا کے استاد تھے) ایک بار مہمان ہوئے۔ حضرت والا نے راحت کے سب ضروری انتظام کر کے جب تصنیف کا وقت آیا تو باادب عرض کیا کہ حضرت میں اس وقت کچھ لکھا کرتا ہوں، اگر حضرت اجازت دیں تو کچھ دیر لکھ کر حاضر ہو جاؤں، فرمایا ضرور لکھو، میری وجہ سے اپنا حرج نہ کرو۔ گو اس روز حضرت والا کا دل لکھنے میں لگا نہیں لیکن ناغہ نہ ہونے دیا تاکہ بے برکتی نہ ہو، تھوڑا سا لکھ کر پھر حاضر خدمت ہو گئے۔"

آگے اسی سلسلہ میں حضرت شیخ نے حضرت تھانویؒ کے مجموعہ ملفوظات حسن العزیز کے حوالہ سے حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ سے متعلق حضرت تھانویؒ کا یہ بیان نقل فرمایا ہے کہ۔

مولانا مظفر حسین صاحب اپنے معمولات کے ایسے پابند تھے کہ تہجد سفر میں بھی ناغہ نہ ہوتا، اس وقت ریل نہ تھی سفر بیل گاڑی میں ہوا کرتے تھے۔ بہلی میں جاتے ہوئے اور لوگ بھی ساتھ ہوتے تو راستہ میں تہجد پڑھتے مگر بہلی کو ٹھہراتے نہیں اس خیال سے کہ رفتار کا راستہ کھوٹا ہوگا، بلکہ تہجد اس طرح پورا کرتے کہ (تیز رفتار چل کر) بہلی سے آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھ لیتے، پھر اسی طرح آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھ لیتے، اس طرح تہجد کو پورا کر لیتے۔"

آگے حضرت شیخ نے "ارواح ثلثہ" کے حوالہ سے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے متعلق لکھوایا ہے کہ۔

"حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے صاحبزادے مولوی علاء الدین صاحب کا انتقال خاص بقرعید کے روز ہوا ہے، نماز سے پہلے ان کی بہت غیر حالت تھی جب نماز کا وقت آیا تو مولانا یہ کہہ کر کہ "اللہ کے سپرد ا اللہ خاتمہ بالخیر کرے، نماز میں پہنچ گئے"۔

پانچویں فصل کا عنوان ہے "قرآن وحدیث پر اعتماد" اس کی ابتدائی تمہیدی سطریں یہ ہیں۔
صحابہ کرام اور ہم لوگوں میں بڑا بنیادی فرق یہ ہے کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات پر یقین واعتماد ایسا کلی اور قلبی تھا کہ اس میں ان کو کوئی تردد نہیں رہتا تھا اور ہم لوگوں کا اعتقاد زبانی ہے قلبی نہیں ہے لیکن میں نے اپنے اکابر میں اس اعتماد کو علی الوجہ الاتم پایا۔ ان حضرات کے نزدیک حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز سے ڈرایا اس سے خوف ایسا طبعی بن گیا تھا جیسا ہم لوگوں کو سانپ بچھو سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک قرآن پاک اور احادیث کے ارشادات ایسے قطعی تھے کہ اس میں کوئی عقلی نہیں طبعی بھی تردد نہیں رہتا تھا، اللہ تعالیٰ اس دولت کا کوئی شمہ اس سیاہ کار کو بھی نصیب فرمادے"۔

اس کے آگے حضرت شیخ نے اس موضوع سے متعلق اپنے اکابر ومشائخ کے بہت سے واقعات لکھائے ہیں۔ یہاں ان میں سے صرف ایک واقعہ درج کیا جارہا ہے جو دلچسپی سے بھی پڑھا جائے گا۔

ہماری جماعت کے اکابر میں حضرت مولانا مظہر نانوتویؒ معروف بزرگ ہیں مدرسہ عالیہ مظاہر علوم کا نام انہی کے نام پر رکھا گیا ہے۔ یہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے براہ راست شاگرد تھے۔ ان کے مخلصین میں سہارنپور

کے ایک رئیس حافظ فضل حق صاحب تھے جو مدرسہ مظاہر علوم کے خزانچی بھی تھے، ان کا تکیہ کلام تھا "اللہ کے فضل سے" ایک دن صبح کو انھوں نے حضرت مولانا مظہر صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔

حضرت جی، رات تو اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہو گیا، حضرت قدس سرہٗ بھی یہ فقرہ سن کر ہنس پڑے اور دریافت کیا کہ حافظ جی اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب کیا ہو گیا تھا؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت جی، رات میں سو رہا تھا اور مکان میں اکیلا بھی تھا، میری جو آنکھ کھلی میں نے دیکھا کہ تین چار آدمی میرے کوٹھے کے کواڑوں کو چمٹ رہے ہیں۔ میں نے ان سے بیٹھ کر پوچھا، ابے تم چور ہو؟ کہنے لگے ہاں ہم چور ہیں، میں نے کہا سنو! میں شہر کے رؤسا میں شمار ہوں اور مدرسہ کا خزانہ بھی میرے پاس ہے اور وہ سارا کا سارا اسی کوٹھے میں ہے اور یہ تالا جو اس کو لگ رہا ہے چھ پیسے کا ہے، تمھارے باپ دادا سے بھی نہیں ٹوٹنے کا۔ تم تو تین چار ہو، دس بارہ کو اور بلا لاؤ اور اس تالے کو ٹھوکتے رہو، یہ ٹوٹنے کا نہیں، میں نے حضرت جی (مولانا محمد مظہر صاحب) سے سن رکھا ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ دے دی جاوے وہ اللہ کی حفاظت میں ہو جاتا ہے۔ میں نے اس مال کی زکوٰۃ جتنی واجب ہے اس سے زیادہ دے رکھی ہے، اس لیے مجھے اس کی حفاظت کی ضرورت نہیں اللہ میاں آپ حفاظت کریں گے۔"

[...]گے حضرت شیخ نے صاحب واقعہ حافظ فضل حق صاحب کا یہ بیان نقل فرمایا ہے کہ وہ ان [...]ردوں سے اتنا کہہ کے پھر اطمینان سے سو گئے اور وہ چور کوٹھے کا وہ تالا بھی نہ توڑ سکے۔
اس فصل کے آخر میں حضرت شیخ نے عہد صدیقی کا علاء الدین حضرمی کا یہ واقعہ لکھوایا ہے۔

سیر کی کتابوں میں علاء الدین حضرمی کا قصہ مذکور ہے، حضرت خلیفہ اول

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (ایک مہم پر روانہ کرتے ہوئے) ان سے کہدیا تھا کہ راستہ میں توقف نہ کرنا۔ ایک مقام پر پہنچے وہاں سمندر حائل تھا حالانکہ حضرت صدیق اکبر کا مطلب یہ تھا کہ آرام کے لیے توقف نہ کرنا۔ نہ یہ کہ سمندر حائل ہو جب بھی توقف نہ کرنا، پس عبور کا عزم بالجزم کرلیا اور دعا کی کہ موسیٰ علیہ السلام کو سمندر میں راستہ کردیا گیا تھا۔ ہم غلامانِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں، اے اللہ ہم کو راستہ ملے اور بسم اللہ کہہ کے گھوڑا سمندر میں ڈال دیا اور پار اتر گئے۔

چھٹی فصل کا عنوان ہے "اکابر کا اپنی تنخواہوں کو زائد سمجھنا"

اس سلسلہ میں حضرت شیخ نے سب سے پہلے اپنے مرشد حضرت سہارنپوری کا اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نور اللہ مرقدھما کا یہ واقعہ لکھا ہے۔

"میرے حضرت کی تنخواہ مظاہر علوم میں چالیس اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی دارالعلوم میں پچاس روپے تھی، ان دونوں کے متعلق جب بھی ممبران اور سرپرستان کی طرف سے ترقی تجویز ہوتی تو یہ دونوں حضرات اپنی اپنی جگہ یہ کہہ کر ترقی سے انکار کردیا کرتے تھے کہ ہماری حیثیت سے یہ بھی زیادہ ہے۔ دونوں مدرسوں میں جب مدرس دوم کی تنخواہیں ان کے برابر پہنچ گئیں تو ممبران نے یہ کہہ کر کہ اب ماتحت مدرسوں کی تنخواہیں تو صدر مدرس کی تنخواہ سے زیادہ نہیں ہوسکتیں۔ آپ کے انکار سے ان کی ترقیاں رک جائیں گی، اس وقت مجبوراً ہر دو اکابر نے اپنی اپنی ترقی قبول کی۔

آگے حضرت شیخ نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی کا یہ واقعہ بیان فرمایا ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نور اللہ مرقدہٗ اجمیر کی ایک صد ماہوار کی تنخواہ چھوڑ کر دارالعلوم دیوبند میں تیس روپے ماہوار پر اکابر کے مشورہ سے تشریف لے آئے تھے اس کے بعد بھوپال کے مدار المہام صاحب نے جو حضرت مولانا

کے والد حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے شاگرد تھے، بحق صاحبزادگی مولانا کو بھوپال تین سو روپے ماہوار پر بلانا چاہا، مولانا نے یہ جواب تحریر فرمایا۔

لاحاجة فی نفس یعقوب الا قضاها یعقوب کی جو حاجت تھی وہ پوری ہو چکی کہ بقدر ضرورت معاش کے ساتھ اہل اللہ کا قرب اور علمیہ دینیہ خدمت نصیب ہو گئی، لہٰذا اب کہیں آنے جانے کا خیال نہیں۔

آگے حضرت شیخ نے ارواح ثلثہ کے حوالے سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا یہ واقعہ ذکر فرمایا ہے۔

> کہ مولوی امیر الدین صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بھوپال سے حضرت مولانا (محمد قاسم صاحب نانوتوی) کی طلبی آئی اور پانسو روپے ماہوار تنخواہ مقرر کی میں نے کہا اے قاسم تو چلا کیوں نہیں جاتا؟ تو فرمایا کہ وہ مجھے صاحب کمال سمجھ کر بلاتے ہیں اور اسی بنا پر وہ پانسو روپے دیتے ہیں مگر میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا، پھر کس بنا پر جاؤں؟ میں نے بہت اصرار کیا مگر نہیں مانا۔

اس کے آگے حضرت شیخ الحدیث نے "سوانح قاسمی" مرتبہ مولانا گیلانی مرحوم کے حوالے مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی علیہ الرحمہ کی روایت سے حضرت نانوتوی ہی کا ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے جو آپ بیتی نمبر ۲ کے ص۱۰۹ سے ص۱۱۱ تک ہے ۔ یہ واقعہ رفیق محترم مولانا علی میاں نے خود مولانا شروانی علیہ الرحمہ سے سن کر راقم سطور سے بیان کیا تھا۔ اس میں اور سوانح قاسمی کی روایت میں کچھ فرق ہے کہ اس عاجز کے نزدیک مولانا علی میاں کی بیان کی ہوئی روایت زیادہ قرین قیاس ہے اور وہ مختصر بھی ہے، اس لیے راقم سطور اسی کو یہاں درج کرتا ہے۔

> "نواب مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے بیان فرمایا ہے کہ علی گڑھ کے ایک رئیس بزرگ حضرت سید احمد شہیدؒ کے جہاد میں شریک تھے اور وہیں شہید ہو گئے تھے، ان کے ایک صاحبزادے تھے ان کی تعلیم کے لیے (غالباً حدیث شریف وغیرہ کی اعلیٰ تعلیم کے لیے) کسی اچھے عالم کی ضرورت تھی۔ حضرت

نانوتویؒ کو لکھا گیا کہ وہ کسی کا انتخاب فرما کر انتظام فرما دیں۔ مولانا نے اس خدمت کے لیے خود اپنے کو پیش کر دیا اور علی گڑھ تشریف لے آئے اور حق الخدمت کے بارے میں خود ہی فرمایا کہ میری ضروریات دس روپے میں پوری ہو جاتی ہیں اس لیے میں بس دس روپے لوں گا۔ اس پر عمل ہوتا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک دن حضرت نے فرمایا کہ میں جو دس روپے لیتا تھا اس میں سے پانچ والدہ ماجدہ کو بھیجتا تھا۔ ان کا انتقال ہو گیا اس لیے اب صرف پانچ روپے میرے لیے کافی ہوں گے، اس لیے بس پانچ ہی دیے جائیں اس کے بعد آپ جب تک رہے صرف پانچ ہی قبول کرتے رہے۔

ساتویں فصل کا عنوان ہے "ماحول کا اثر"

اس فصل میں حضرت شیخ نے خود اپنے گھر کے اس تغیر حال کا ذکر فرمایا ہے کہ۔

"ماحول کا ایک اثر تو میں نے خود بھی اپنے گھر میں دیکھا، میری بچیاں مختلف العمر چار سال سے سات سال تک کے درمیان کی جب سڑک پر سے باجے یا ڈھول کی آواز آتی تو بہت زور سے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیا کرتی تھیں اور ایک دم شور مچا دیا کرتی تھیں کہ شیطان بول رہا ہے اور اپنی ماں اور بڑی بہنوں سے پوچھتی رہتی تھیں کہ شیطان چلا گیا یا نہیں۔ اب ان کی اولاد اس عمر والی جب ڈھول یا باجے کی آواز آتی ہے تو ایک دوسرے کو بلاتی ہے کہ چل تماشہ دیکھیں میں اپنی بچیوں کو بڑی غیرت دلاتا ہوں کہ تمہارا اصل تمہاری ماں کا اثر تھا اور تمہارے بچوں پر اثر تمہارا ہے۔

آگے اسی سلسلہ کلام میں حضرت شیخ نے اپنے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاس نور اللہ مرقدہ اور اُن کی دعوت تبلیغ سے تعلق رکھنے والوں کے بارہ میں فرمایا ہے۔

اسی لیے وہ حضرات گھروں سے نکالنے پر زور دیتے ہیں کہ گھر بلو ماحول میں دینی اثرات زیادہ نہیں ہوتے اور جب دینی جماعت کے ساتھ رہنا سہنا کھانا پینا

ہوگا تو ماحول کے اثرات ضرور پڑیں گے۔ مجھ سے سیکڑوں دیہاتی لوگوں نے جو بیعت کا تعلق رکھتے ہیں یہ کہا کہ تہجد کی بہت ہی کوشش کی مگر کبھی توفیق نہیں ہوئی، تبلیغی جماعت کے ساتھ ایک چلہ گزارا تھا اللہ کے فضل سے ایسی عادت پڑگئی کہ اب خود بخود آنکھ کھل جاتی ہے۔

اس فصل کے آخر میں حضرت شیخ الحدیث نے "تذکرہ شاہ فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ" (مرتبہ رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) کے حوالہ سے صدر یار جنگ جناب مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانیؒ کا بیان درج کرایا ہے جس میں مولانا ممدوح نے حضرت گنج مراد آبادیؒ کی خدمت میں اپنی حاضری اور اپنے تاثرات کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ پورا بیان اگرچہ طویل ہے، لیکن پڑھنے کے لائق ہے۔ ناظرین کرام اصل کتاب میں یا آپ بیتی ۵ میں ص۱۲۵ سے ص۱۲۹ تک ملاحظہ فرمائیں۔

آٹھویں فصل کا عنوان ہے "اکابر کے مجاہدات فی العلم والسلوک"۔

اس عنوان کے تحت حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ

اکابر میں سے کوئی بھی میرے علم میں ایسا نہیں گزرا جس نے ابتدا میں مجاہدات کسی نہ کسی نوع کے نہ کیے ہوں۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نوراللہ مرقدہ نے کئی مرتبہ ارشاد فرمایا کہ "بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جو ہماری ابتدا دیکھے وہ کامیاب اور جو ہماری انتہا دیکھے ناکامیاب۔ سچ ہے کہ ابتدا میں ان حضرات کو جتنی محنتیں کرنی پڑتی ہیں ان کا دیکھنے والا تو سمجھ لیتا ہے کہ بزرگی اس طرح حاصل ہوتی ہے اور ان کی منتہا کا دیکھنے والا جب وہ حضرات اپنی ساری قوتیں فنا کر کے معذوری کے درجہ میں پہنچ جاتے ہیں اور ان محنتوں کے ثمرات شروع ہوجاتے ہیں تو اس وقت کا دیکھنے والا یوں سمجھ لیتا ہے کہ بزرگی اس طرح بھی حاصل ہوجاتی ہے"۔ (اسی سلسلہ کلام میں آگے حضرت شیخ نے یہ مصرع بھی لکھا ہے ع رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس جانے کے بعد)

حضرت شیخ الحدیث نے اس فصل میں حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی اور اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب اور چچا جان حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے ریاضت مجاہدہ اور کثرت عبادت کے واقعات لکھائے ہیں۔ اس سلسلہ میں آگے حضرت مولانا محمد یحییٰ اور حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی محترمہ نانی صاحبہ کا جو امّی بی کے نام سے معروف تھیں اور اپنے وقت کی رابعہ تھیں، حال لکھا ہے کہ وہ بالخصوص رمضان المبارک میں پوری پوری رات اپنے عزیزوں سے تراویح یا نوافل میں قرآن پاک سنتی تھیں ــــ ان کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ نے بیان فرمایا ہے کہ۔

"میرے چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس) نوراللہ مرقدہٗ نے بھی کئی رمضان المبارک امّی بی کی وجہ سے کاندھلہ گزارے۔ تراویح تقریباً ساری رات میں پوری ہوتی تھی۔ مسجد سے فرض پڑھنے کے بعد مکان تشریف لے جاتے تھے اور سحر تک تراویح میں ۱۴-۱۵ پارے پڑھتے تھے (اس سلسلہ میں حضرت شیخ نے امّی بی کے صاحبزادے حضرت مولانا رؤف الحسن صاحب کا یہ واقعہ بھی بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے ۳۰ رمضان المبارک کو الٓمٓ سے قُلْ اعوذُ بربّ الفلق تک ایک رکعت میں اور دوسری رکعت میں قُلْ اعوذُ بربّ الناس پڑھ کر سحر کے وقت اپنی والدہ یعنی امّی بی سے یہ کہہ کر چلے گئے کہ دو رکعت میں نے پڑھا دی، اٹھارہ آپ خود پڑھ لیں اور امّی بی نے سارا قرآن کھڑے ہو کر سنا۔"

اس سلسلہ میں آگے حضرت شیخ نے حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس اللہ اسرارہم اور سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ نوراللہ مرقدہ اور بعض متقدم مشائخ کے معمولات و مجاہدات کا ذکر فرمایا ہے۔

نویں فصل کا عنوان ہے **اکابر کا فقر و فاقہ**

اس فصل میں حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے فقروفاقہ سے متعلق متعدد احادیث ذکر فرمائی ہیں جو معروف و مشہور ہیں۔ اس کے بعد اپنے قریبی اکابر کے فقروفاقہ کے بہت سے واقعات بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے صرف دوچار ہی یہاں نقل کیے جاتے ہیں ــ حضرت مولانا مدنیؒ کی خودنوشت سوانح "نقش حیات" کے حوالہ سے حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ

حضرت حاجی صاحب قدس سرہ العزیز کو فرماتے ہوئے میں نے خود سنا کہ (مکہ مکرمہ میں) ایک ہفتہ تک صرف زمزم کے پانی پر گزارہ کرنا پڑا..... ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد جب کہ ضعف و نقاہت بہت زیادہ ہوگیا تھا رات میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ العزیز کو خواب میں دیکھا، ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے تم کو اپنے باورچی خانہ کا ناظم اور مہتمم بنا دیا ــ صبح کو اندھیرے میں ایک شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے دروازہ کھولا اس نے ایک تھیلی دی جس میں سوریال تھے اور چلا گیا۔ اس کے بعد سے عسرت نہیں ہوئی۔

اسی سلسلہ میں حضرت شیخ نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا یہ ارشاد بھی ذکر فرمایا ہے کہ

"فقروفاقہ دو طرح پر ہے۔ اختیاری اور اضطراری۔ فقر اختیاری وہ ہے جو رضائے حق کے واسطے ہو۔ یہ دولت مندی سے بدرجہا افضل ہے اور فقر اضطراری عوام کو ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے۔ حدیث "کاد الفقر ان یکون کفرا" سے یہی مراد ہے۔"

آگے اسی سلسلہ میں حضرت شیخ نے تذکرۃ الرشید کے حوالے سے حضرت شاہ عبدالغنی قدس سرہ سے متعلق حضرت گنگوہی نوراللہ مرقدہ کا یہ بیان ذکر فرمایا ہے کہ۔

"میرے استاد حضرت شاہ عبدالغنی کا تقویٰ بہت بڑھا ہوا تھا۔ سیکڑوں مرید تھے اور ان میں اکثر امراء اور بڑے آدمی تھے مگر آپ کے ہاں اکثر فاقہ ہوتا تھا، ایک روز آپ کے ہاں کئی روز کا فاقہ تھا، خادمہ کسی بچہ کو گود میں لیے ہوئے باہر نکلی، بچہ کے چہرہ پر بھی فاقہ کی پژمردگی تھی۔ اتفاق سے مفتی

صدرالدین صاحب کہیں سے تشریف لائے، بچہ کا چہرہ مرجھایا ہوا دیکھا تو خادمہ سے پوچھا کہ بچہ کیسا ہے، اس کا رنگ کیوں متغیر ہے؟ اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا حضرت کے ہاں کئی وقت سے فاقہ ہے۔ مفتی صاحب کو سخت صدمہ ہوا، اسی وقت گھر پہنچ کر خادم کے ہاتھ ڈیڑھ سو روپے روانہ کیے .... حضرت شاہ صاحب نے واپس فرما دیے ۔ اس کے بعد شاہ صاحب کو فکر ہوئی کہ فاقہ کا راز کس طرح ظاہر ہوا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ خادمہ نے کہہ دیا تھا۔ آپ نے اس کو بلایا اور فرمایا نیک بخت اگر فاقہ کی برداشت نہیں ہے تو اور گھر دیکھ لو مگر خدا کے لیے ہمارا راز افشا نہ کرو۔

آگے حضرت شیخ نے اسی سلسلہ میں حضرت مدنیؒ کی نقش حیات کے حوالے سے خود اپنے اور اپنے گھر والوں کے بارے میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بیان نقل فرمایا ہے کہ

> وطن سے یعنی ہندوستان سے مدینہ پاک آکر ہم لوگوں کو بھی بہت سی مشکلات پیش آئیں بالخصوص عورتوں کو بہت سے کام ایسے کرنے پڑے جن کی کبھی نوبت نہیں آئی تھی، مثلاً آٹا بھی خود ہی پیسنا پڑا، گھر میں جھاڑو دینا برتنوں کو دھونا۔ گھر والوں کے اور بچوں کے کپڑے بھی سب کو خود ہی دھونے پڑتے تھے جس کی وطن میں کبھی نوبت نہیں آئی تھی۔ ہم دونوں کو بالخصوص مجھے اور بھائی سید احمد صاحب مرحوم کو میٹھا پانی (رات میں) اپنے کاندھوں پر اٹھا کر لانا پڑتا تھا کہ دن میں مشغولی کی وجہ سے وقت نہیں ملتا تھا... ایک وقت کھچڑی اور دوسرے وقت میں تیج پر گھر والوں کا گزر تھا.... یہ سلسلہ کئی ماہ تک مسلسل رہا اور یہ چند ماہ گھر والوں پر بہت ہی عسرت کے گزرے لیکن الحمد للہ فاقوں کی نوبت کسی کو نہیں آئی، حضرت شاہ عبدالغنی مجددی اور حضرت شاہ احمد سعید مجددی قدس اللہ اسرارہما اور ان کے خاندان والوں پر عرصہ تک فاقوں کی نوبت آتی رہی۔

آگے اسی سلسلہ میں شیخ نے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کا حال خود انہی

کی زبانی یہ بیان فرمایا ہے

"رائے پور کے ابتدائی قیام میں (خانقاہ میں) ایک روٹی روز ملتی تھی وہ بھی کہیں سے پکی کہیں سے کچی بغیر سالن کے، گاؤں سے کسی دن چھاچھ آجاتی تو اس سے حلق میں اتاری جاتی ورنہ پانی سے ـــ ہمارے یوپی کے ساتھی تو اس ایک روٹی کو آدھی آدھی کرکے دو وقت میں کھاتے تھے۔ میں پنجاب کا رہنے والا ایک ہی وقت میں کھالیتا تھا اور دوسرے وقت میں اللہ کا نام۔ باغ میں (درختوں کے) پتے تلاش کیا کرتے تھے جن پر گزر ہوجائے۔"

اس فصل کے آخر میں حضرت شیخ نے اپنے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کے خاص رفقا کے فقر و فاقہ کا ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں

مولانا یوسف صاحب نے ایک موقع پر ایک صاحب کے استفسار پر بیان فرمایا کہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے شروع کے دور میں کئی کئی فاقے ہو جاتے تھے اور مدرسہ کاشف العلوم (بنگلہ والی مسجد بستی نظام الدین) میں کام کرنے والے بھی اس سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ ایک بار مسلسل کئی دن سے فاقہ تھا اور اندر باہر کچھ نہ تھا حضرت اپنے حجرہ سے نکلے اور حوض کے کنارے اہل مدرسہ کو جمع کرکے فرمایا "دیکھو تم لوگ میری وجہ سے پریشان مت ہو تم یہاں سے کہیں اور جاسکتے ہو، کسی اور مدرسہ میں کام کرسکتے ہو، میں اکیلا ہوں حوض کا پانی پی کر گزارا کرلوں گا۔ گھر میں اور مدرسہ کے خزانہ میں کچھ نہیں ہے۔ حضرت کے اس فرمانے پر سب اہل مدرسہ نے ایک زبان ہوکر عرض کیا، حضرت ہم بھی آپ کے پاس رہیں گے چاہے ہم کو بھی حوض کا پانی ہی پینا پڑے۔ حضرت اس جواب پر آبدیدہ ہوگئے اور اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے پھر تھوڑی دیر کے بعد نکل کر باہر آئے اور فرمایا اللہ برکت دے گا اور آسانی مہیا کرے گا۔

دسویں فصل کا عنوان ہے میرے اکابر کا تقویٰ

اس فصل میں بھی حضرت شیخ نے اپنے اکابر کے تقویٰ کے بہت سے سبق آموز واقعات ذکر فرمائے ہیں، یہاں ان میں سے صرف دو چار ہی نقل کیے جاتے ہیں۔ اپنے شیخ ومرشد حضرت سہارنپوری قدس سرہ کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ

> حضرت اتنے سبق پڑھاتے تھے اتنے تو مدرسہ کی قالین پر تشریف فرما رہتے تھے لیکن جب سبق کے بعد اپنے اعزہ میں کسی ذی وجاہت شخص سے بات شروع کی تو قالین سے نیچے اتر گئے اور فرمایا کہ مدرسہ نے یہ قالین ہمیں سبق پڑھانے کے لیے دیا ہے ذاتی استعمال کے لیے نہیں۔

آگے اس تقویٰ کے سلسلہ میں حضرت شیخ نے دارالعلوم دیوبند کے تیسرے مہتمم مولانا محمد منیر صاحب کا واقعہ ذکر فرمایا کہ۔

> وہ ایک مرتبہ مدرسہ کے ڈھائی سو روپے لے کر مدرسہ کی سالانہ رُوداد طبع کرانے کے لیے دہلی تشریف لے گئے، اتفاق سے روپے چوری ہو گئے، مولوی صاحب نے اس چوری کی کسی کو اطلاع نہیں کی اور مکان آکر اپنی کوئی زمین وغیرہ بیچ کی اور ڈھائی سو روپے لے کر دہلی پہنچے اور کیفیت (روئداد) چھپوا کر لے آئے۔ کچھ دنوں کے بعد اس کی اطلاع اہل مدرسہ کو ہوئی انھوں نے مولانا گنگوہی کو واقعہ لکھا اور حکم شرعی دریافت کیا، وہاں سے جواب آیا کہ مولوی صاحب امین تھے اور روپیہ بلا تعدی کے ضائع ہوا ہے اس لیے ان پر ضمان نہیں۔ اہل مدرسہ نے مولانا محمد منیر صاحب سے درخواست کی کہ آپ روپیہ لے لیجئے اور فتویٰ دکھلایا۔ مولوی صاحب نے فتویٰ دیکھ کر فرمایا کہ کیا میاں رشید احمد نے فقہ میرے ہی لیے پڑھا تھا اور کیا یہ مسائل میرے ہی لیے ہیں!"

آگے اس سلسلہ میں حضرت شیخ نے حکیم الامت حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ کے بعض واقعات کا

ذکر فرمایا ہے ان میں سے مندرجہ ذیل واقعہ جو خود حضرت کے ملفوظات "افاضات یومیہ" سے نقل کیا گیا ہے بڑا ہی سبق آموز ہے۔ خود حضرت حکیم الامت نے بیان فرمایا کہ والد صاحب مرحوم نے چار نکاح کئے اس وقت عام دستور تھا معافی مہر کا، اس لیے کبھی اس طرف التفات نہیں ہوا مگر ایک بار دفعتہً تنبہ ہوا اور اس عام عادت پر قناعت نہ ہوئی اس بنا پر میرے حصہ پر شرعی مسئلہ کی رو سے جو رقم بیٹھی تھی اس کو تقسیم کرنے کا انتظام کیا۔ اس لیے کہ وہ جائداد والد صاحب کی ہم ہی لوگوں کو پہنچی، اسی ترکہ میں یہ دین مہر بھی ہونا چاہیے۔ اس لیے فرائض نکلوائی صرف مناسخہ کی اجرت میں مجھ کو چودہ روپے دینے پڑے اور تقریباً سال بھر کے عرصہ میں ورثاء کی تحقیق کی، کوئی مکہ معظمہ میں، کوئی مدینہ منورہ میں، کوئی بمبئی میں، کوئی کلکتہ میں، کوئی لاہور میں، غرض الحمد للہ بعد تحقیق سب کو رقمیں پہنچا دی گئیں، غالباً آٹھ سو روپے سے کچھ کم یا زائد میرے حصہ پر رقم بیٹھی جس میں سے صرف دو جگہ باقی ہیں جہاں ابھی تک رقمیں نہیں پہنچیں۔ بمبئی اور مکہ معظمہ (جو بعد میں وہاں بھی پہنچ گئیں۔ ۱۲۔ جامع) ورثاء کے حصص میں بعض بیچاروں کے حصہ پر ایک ہی پیسہ آیا، بعض کے حصے پر دو ہی پیسے آئے۔ کاندھلہ میں بڑے بڑے معزز متمول لوگ ہیں، بعض کے حصہ پر قلیل پیسے آئے مگر میری درخواست پر کسی نے قبول کرنے سے انکار نہیں کیا۔ مجھ کو بڑی ہی مسرت ہوئی کہ انھوں نے قبول فرما لیا۔ اس خیال سے نہ تو معاف کیا کہ معاف کرنے کی کوئی چیز نہیں، کوئی کائنات بھی ہو، اور نہ لینے سے انکار کیا، کہ میری دل آزاری اور دل شکنی ہوگی، ماشاء اللہ کیا ٹھکانا ہے ان کی سمجھ کا اور فہم کا اور شرافت کا۔

حضرت شیخ نے حضرت حکیم الامتؒ کا یہ ملفوظ نقل فرمانے کے بعد فرمایا ہے کہ کاندھلہ کے ورثاء کی رقم کی تقسیم اس ناکارہ کے حوالہ کی، یہ ناکارہ خود ہی کاندھلہ محض اسی کام سے گیا تھا ......۔ اس ناکارہ کے حصہ میں (بھی) جہاں تک

یاد ہے دو پیسے آئے تھے۔

گیارہویں فصل کا عنوان ہے امراء کے ساتھ تعلق

اس فصل میں حضرت شیخ نے سب سے پہلے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے۔
میں امراء سے تعلق کو منع نہیں کرتا تملق کو منع کرتا ہوں۔ علماء کو خصوصیت
کے ساتھ اس سے اجتناب کی ضرورت ہے اور یہ اس وجہ سے کہ دین اور
اہل دین کی تحقیر نہ ہو۔

آگے اس موضوع سے متعلق حضرت شیخ نے اپنے اکابر کے بہت سے واقعات ذکر فرمائے
ہیں۔ اسی سلسلہ میں حضرت حکیم الامت ہی کا بیان بھی نقل فرمایا ہے۔

ہمارے حضرات میں یہ خاص بات تھی کہ وہ جامع مراتب اعتدال تھے۔ نہ متکبر
تھے نہ تصنع کے متواضع، سادگی کے ساتھ ان میں استغنا کی شان تھی۔
حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کسی دینی ضرورت سے ایک مرتبہ ریاست رامپور
تشریف لے گئے۔ نواب صاحب کو کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ مولانا تشریف
لائے ہیں، نواب صاحب نے مولانا سے تشریف لانے کی درخواست کی، مگر
مولانا تشریف نہیں لے گئے اور یہ عذر فرمایا کہ ہم دیہات کے رہنے والے
ہیں آداب شاہی سے ناواقف، نہ معلوم ہم سے کیا گڑبڑ ہو جائے جو آداب
شاہی کے خلاف ہو اس لیے مناسب نہیں۔ نواب صاحب نے کہلا کر بھیجا
کہ آپ تشریف لائیں، آپ سے آداب کون چاہتا ہے ہم خود آپ کا ادب
کریں گے، آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔ مولانا نے پہلے تو انکسار
کا جواب دیا تھا پھر ضابطہ کا جواب دیا کہ عجیب بات ہے کہ اشتیاق تو آپ کو
اور آؤں میں، غرض کہ مولانا تشریف نہیں لے گئے۔

آگے حضرت حکیم الامت کے ملفوظات ہی کے حوالہ سے حضرت کا یہ بیان ذکر فرمایا ہے کہ
خلوص بڑی چیز ہے اور یہ اکثر غرباء میں ہوتا ہے اور امراء میں خلوص تو ہوتا ہے

مگر خلوص نہیں ہوتا، الّا ماشاءاللہ۔ ایک غریب شخص نے مجھ کو (حضرت حکیم الامت کو) اکنی دے کر کہا کہ ایک پیسہ دینا چاہتا ہوں، تین پیسے واپس کر دو میں نے ایسا ہی کیا۔ بھلا اس میں کیا ریا ہو سکتی ہے اور امراء کے ساتھ دوسرا معاملہ ہوتا ہے چنانچہ نواب ڈھاکہ سلیم اللہ خاں صاحب مرحوم نے مجھ کو مدعو کیا، میں نے چند شرائط پیش کیں، منجملہ اور شرائط کے ایک شرط یہ بھی تھی کہ مجھ کو کچھ دیا نہ جائے، سب شرائط طے ہو گئیں، میں ڈھاکہ پہنچا نواب صاحب نے ایک روز درخواست کی کہ میری دو لڑکیاں ہیں ان کو بسم اللہ کرا دیجئے اور یہ بھی کہا کہ ہمارا خاندانی دستور یہ ہے کہ بسم اللہ شروع کراتے وقت کچھ دیا جاتا ہے اگر نہ دیا جائے یا قبول نہ کیا جائے تو ہماری سبکی ہوگی۔ یہ ترکیب تھی کہ اس بہانے سے مجھ کو نقد دیں۔ میں نے کہا کہ میں آپ کی سبکی گوارا نہیں کر سکتا، لیکن اپنی وضع کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتا تو اس کی صورت یہ ہے کہ میں خلوت میں تو آپ کا عطیہ لے لوں گا، اور خلوت میں واپس کر دوں گا اور عمر بھر واپسی کا کسی سے تذکرہ نہ کروں گا، مگر اپنے دل میں تو خوش رہوں گا کہ میں نے اپنے مسلک اور مشرب کے خلاف نہیں کیا۔ بس چپ رہ گئے اور رقعہ لکھا کہ میری غلطی تھی، اب میں آپ کی وضع پر اپنی تجویز کو نثار کرتا ہوں اور اس سے یہاں تک ان کا اعتقاد بڑھا کہ لوگوں سے یہ کہا کرتے تھے کہ جس نے صحابہ کو نہیں دیکھا وہ تھانہ بھون جا کر دیکھ لے۔

آگے امراء کے ساتھ تعلق کے سلسلہ میں حضرت شیخ نے اپنے چچا جان حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا حال اور معمول ذکر فرمایا ہے، فرماتے ہیں۔

میرے چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کو تبلیغ کی وجہ سے امراء سے ملنے کی نوبت تو بہت آئی تھی، مگر بہت ہی استغنا کے ساتھ جو قابل دید تھا، جب کوئی تبلیغ کے لیے بھی ہدیہ پیش کرتا تو ان کا مشہور مقولہ تھا کہ مجھے آپ کے پیسے نہیں

چاہئیں، مجھے تو آپ کی ذات چاہیے، آپ اس مبارک کام میں شرکت فرمائیں اور ان پیسوں کو اپنے اور اپنے رفقاء پر صرف فرما دیں تو وہ میرے لیے زیادہ موجب مسرت ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ بعض اہل دین اور اصحاب علم کو استغناء کے باب میں بڑا سخت مغالطہ ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ استغناء کا مقتضی یہ ہے کہ اغنیاء اور اہل ثروت سے مطلقاً ملا ہی نہ جائے اور ان کے اختلاط سے کلی پرہیز کیا جائے۔ حالانکہ استغناء کا منشا صرف یہ ہے کہ ہم ان کی دولت کے حاجت مند بن کر ان کے پاس نہ جائیں اور طلب جاہ ومال کے لیے ان سے نہ ملیں، لیکن ان کی اصلاح کے لیے اور دینی مقاصد کے لیے ان سے ملنا اور اختلاط رکھنا ہرگز استغناء کے منافی نہیں۔ بلکہ یہ تو اپنے درجہ میں ضروری ہے۔ ہاں اس چیز سے بہت ہوشیار رہنا چاہیے کہ ان کے اختلاط سے ہمارے اندر حب جاہ ومال اور دولت کی حرص پیدا نہ ہو جائے۔

اسی سلسلہ میں حضرت شیخ نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا یہ واقعہ خود ان کی زبان سے نقل فرمایا ہے۔

حضرت جی (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ) بعض دفعہ دہلی کے تاجروں کی کاریں استعمال فرمایا کرتے تھے۔ مجھ کو یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی کہ امراء کا احسان لیا جائے۔ ایک دن میں نے حضرت سے خلوت میں وقت مانگا، حضرت جی نے دے دیا۔ میں نے ادب سے عرض کیا کہ حضرت! امراء کی کاریں آپ استعمال فرماتے ہیں، یہ بات بظاہر استغناء کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ حضرت جی نے فرمایا یوسف! جو کچھ کرتا ہوں سوچ سمجھ کر کرتا ہوں اور صرف دین کے لیے کرتا ہوں۔

بارہویں فصل کا عنوان ہے اکابر کی تواضع

اس فصل کے شروع میں حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے فرمایا ہے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے۔ "من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ"
(جو بندہ اللہ کے لیے تواضع (نیچا بن کے رہنے) کا رویہ اختیار کرے گا
اللہ تعالیٰ اس کو رفعت اور بلندی عطا فرمائے گا۔) یہ پاک ارشاد تو میرا بہت
ہی مجرب ہے جن حضرات میں جتنی بھی میں نے تواضع پائی اتنی ہی زیادہ
اُن میں رفعت آنکھوں سے دیکھی۔

آگے حضرت شیخ نے اپنے اکابر کے تواضع کے بہت سے واقعات ذکر فرمائے ہیں۔ یہاں
ان میں سے چند ہی نذر ناظرین کیے جاتے ہیں ۔۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ سے خاص
تعلق رکھنے والوں میں ایک مولانا روشن علی خاں صاحب تھے۔ ان کے ایک خط کے
جواب میں حضرت نے ان کو جو مکتوب تحریر فرمایا تھا، مکاتیب رشیدیہ کے حوالہ سے حضرت شیخ
نے اس کے یہ جملے نقل فرمائے ہیں۔

حالات آپ لوگوں کے دریافت ہو کر خود شرمندہ و محجوب ہوا کہ آپ کو بندہ۔
کے ساتھ یہ حسن عقیدت ہے اور خود ہیچ در ہیچ ہوں، کاش آپ کے حسن
عقیدت کی وجہ سے مغفور ہو جاؤں۔ حق تعالیٰ رحم فرمائے۔

اس کے علاوہ بھی حضرت شیخ نے حضرت گنگوہی قدس سرہ کے متعدد ایسے مکاتیب نقل فرمائے
ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا اپنے کو اپنے خدام و مسترشدین سے بھی کم تر سمجھتے تھے
ان میں سے ہر مکتوب تواضع کا اعلیٰ نمونہ ہے ۔۔ آگے حضرت شیخ نے حضرت نانوتوی کے
تواضع کے بہت سے واقعات سوانح قاسمی اور ارواح ثلاثہ کے حوالہ سے نقل فرمائے ہیں
ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ۔

ایک جولاہے نے حضرت مولانا کی دعوت کی، اتفاق سے اس روز بارش
ہو گئی اور وہ جولاہا وقت پر بلانے نہ آیا تو مولانا خود اس کے ہاں تشریف

لے گئے، اس نے عرض کیا کہ حضرت چونکہ آج بارش ہوگئی تھی اس لیے
میں دعوت کا انتظام نہ کرسکا۔ مولانا نے فرمایا انتظام کیا ہوتا، تمھارے
یہاں کچھ پکا بھی ہے، اس نے کہا جی ہاں وہ تو موجود ہے، فرمایا کہ
بس وہی کھالیں گے چنانچہ جو کچھ معمولی کھانا ساگ وغیرہ اس کے ہاں
تیار تھا وہ بخوشی مولانا تناول فرماکر تشریف لے آئے "

آگے حضرت شیخ نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہ کی تواضع کے واقعات زیادہ تر
حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے ایک مضمون کے حوالہ سے نقل فرمائے ہیں جن میں
سے چند یہ ہیں۔

جب حضرت نے قرآن پاک کا ترجمہ پورا کیا تو حضرت نے دیوبند میں سب علما
کو جمع کرکے جو کہ حضرت کے خدام اور تلامذہ تھے، یہ فرمایا کہ بھائی! میں نے
قرآن شریف کا ترجمہ پورا تو کر دیا لیکن سب مل کر اس کو دیکھ لو، اگر پسند ہو
تو شائع کرو ورنہ رہنے دیا جائے ـــــ حضرت حکیم الامت اس واقعہ کو نقل
کرکے تحریر فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر اس تواضع کی بھی حد ہے۔

آگے حضرت شیخ نے حضرت حکیم الامت کے اس مضمون ہی کے حوالہ سے یہ واقعہ بھی بیان
فرمایا ہے کہ۔

یہ بھی بعض ثقات سے سنا ہے کہ حضرت شیخ الہند نے ارشاد فرمایا کہ
بارہا حاضری گنگوہ کے وقت خیال ہوا کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ سے حدیث
کی اجازت کی درخواست کروں، مگر معاً یہ خیال مانع آیا کہ اگر پوچھ بیٹھیں
کہ تجھ کو آتا ہی کیا ہے جو حدیث کی سند مانگتا ہے تو کیا جواب دوں گا،
بس یہ سوچ کر چپ رہ گیا۔ اللہ اکبر کچھ حد ہے تواضع کی۔

آگے اسی سلسلۂ بیان میں حضرت حکیم الامت نے خود اپنا یہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ
ایک بار احقر کی درخواست پر مدرسہ جامع العلوم کانپور کے جلسۂ دستار بندی
میں رونق افروز ہوئے اور احقر کے بے حد اصرار پر وعظ کہنے کا وعدہ فرمایا، جامع مسجد

میں وعظ شروع ہوا۔ مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی بھی کانپور تشریف لائے ہوئے تھے، میرے عرض کرنے پر جلسہ میں تشریف لائے اور عین اثنائے وعظ میں تشریف لائے، اس وقت ایک بڑا عالی مضمون بیان ہو رہا تھا جس میں معقول کا ایک خاص رنگ تھا، ہم لوگ خوش ہوئے کہ ہمارے اکابر کے متعلق معقولات میں مہارت کم ہونے کا شبہ آج جاتا رہے گا اور سب دیکھیں گے کہ معقول کس کو کہتے ہیں۔ مولانا (حضرت شیخ الہند) کی جوں ہی مولانا علی گڑھی پر نظر پڑی فوراً وعظ بیچ ہی میں قطع کر کے بیٹھ گئے۔ مولانا فخر الحسن گنگوہی بوجہ ہمدرس ہونے کے بے تکلف تھے۔ انھوں نے دوسرے وقت عرض کیا کہ یہ کیا کیا ؟ یہی تو وقت تھا بیان کا۔ فرمایا کہ ہاں یہی خیال مجھ کو آیا تھا، اس لیے قطع کر دیا کہ یہ تو اظہار علم کے لیے بیان ہوا نہ کہ اللہ کے واسطے۔

حضرت شیخ الہندؒ کے تواضع کے یہ واقعات نقل فرمانے کے بعد حضرت شیخ نے اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ کے بارہ میں بیان فرمایا ہے کہ۔

ہمارے جملہ اکابر میں اعلیٰ حضرت کی تواضع ضرب المثل تھی، حضرت حکیم الامت نوراللہ مرقدہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی حیات میں رائے پور تشریف لے گئے تو ارشاد فرمایا کہ اللہ اکبر اس باغ کے درختوں کے پتے پتے سے تواضع ٹپک رہی ہے۔

اسی سلسلہ میں آگے حضرت شیخ نے رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی "سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری" کے حوالے سے اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری کی تواضع کے بارہ میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر قدس سرہ کا یہ بیان نقل فرمایا ہے کہ۔

میں اپنے حضرت کی تعریف اس لیے نہیں کرتا کہ اس میں بھی اپنی ہی تعریف ہے، ورنہ ہمارے حضرت تصوف کے امام تھے اور تو کچھ نہیں عرض کرتا البتہ اتنا جانتا ہوں کہ میں چودہ سال حضرت کی خدمت میں رہا۔ اس طویل مدت

میں کبھی ایک کلمہ بھی حضرت کی زبان مبارک سے ایسا نہیں سنا جس میں اپنی تعریف کی بو بھی آتی ہو۔ حب جاہ ایک ایسی چیز ہے جو سب سے آخر میں سالکین کے قلوب سے نکلتی ہے جب سالک صدیقین کے مقام تک پہنچتا ہے تب اس سے پیچھا چھوٹتا ہے۔ یہ بات میں نے اپنے حضرت میں خوب اچھی طرح سے دیکھی کہ حب جاہ کا وہاں سرکٹا ہوا تھا۔

علی میاں سوانح قادری میں (حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کا یہ بیان نقل کرنے کے بعد) کہتے ہیں کہ حضرت رائے پوری نے اپنے مرشد و مربی حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی فنائیت و بے نفسی کے متعلق اپنا ذاتی مشاہدہ اور تاثر جو کچھ بیان فرمایا حضرت کے یہاں رہنے والوں کا بعینہ یہی تاثر حضرت کی ذات کے متعلق ہے کہ کبھی ایک کلمہ بھی ایسا نہیں سنا جس میں اپنی تعریف کی بو بھی آتی ہو۔ حب جاہ کا یہاں سرکٹا ہوا تھا۔ اس خادم (علی میاں) کو ۱۳۶۹ھ میں آخری سفر حج میں ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا اور تقریباً تین مہینے شب و روز ساتھ رہنا ہوا۔ بعض خدام نے اور رنگ والطاف الٰہی کے واقعات بھی سنائے، پورے سفر میں حضرت نے کوئی بات ایسی نہیں فرمائی جس سے حضرت کے علو مرتبت یا کسی کشف و ادراک کا احساس ہو۔ حج کے علاوہ بھی کبھی کوئی ایسی بات قصداً نہیں فرمائی جس سے لوگوں کی عقیدت میں اضافہ یا آپ کی بزرگی کا احساس ہو۔ خدام نے جب سنا اپنی نفی اپنا انکار اپنی بے حسی اور عبادت کا اظہار سنا۔ مشیخیت کی باتیں یا متصوفانہ نکات یا سلوک و معرفت کی تحقیقات بیان کرنے کا حضرت کے یہاں دستور ہی نہ تھا۔ مسئلہ علماء سے پوچھتے، تصوف کی کوئی بات پوچھتا تو اگر حضرت شیخ الحدیث صاحب یا کوئی دوسرا صاحب علم اور صاحب نظر قریب ہوتا تو اس کی طرف محوّل فرما دیتے۔ اگر اصرار کیا جاتا اور بات ضروری ہوتی تو نہایت نپے تلے لفظ میں مغز کی بات فرما دیتے اور ایسی بات سے گریز

کہتے جس سے آپ کی ژرف نگاہی، باریک بینی کا اندازہ ہو لیکن اہل حقیقت سمجھ جاتے کہ "غواص کو مطلب ہے گہر سے نہ کہ صدف سے" کسی بھری مجلس میں خواہ اس میں کیسے ہی نئے نئے اور سربرآوردہ اشخاص کیوں نہ ہوں، اپنی لاعلمی اور اپنے عامی ہونے کا اظہار کرنے میں کوئی تامل نہ ہوتا، خواہ اس کا اثر حاضرین مجلس اور خاص طور پر صاحب علم طبقہ پر کچھ پڑتا ہو۔"

تیرہویں فصل کا عنوان ہے اکابر کی ذکاوت

اس فصل میں حضرت شیخ نے اپنے اکابر حضرت شاہ عبدالعزیز، شاہ اسماعیل شہید، شاہ اسحاق صاحب، حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حکیم الامت حضرت تھانوی نوراللہ مراقدہم کی غیر معمولی ذکاوت وذہانت کے واقعات بیان فرمائے ہیں۔ اس سلسلہ میں "اشرف السوانح" حصہ سوم کے حوالے سے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے وصیت نامہ سے امانات سے متعلق وصیت کا جو حصہ حضرت شیخ نے فرمایا ہے۔ ۵ صفحہ پر لکھوایا ہے، وہ حضرت کی ذکاوت، باریک بینی، انتقال ذہنی اور استحضار کی اس عاجز کے نزدیک خارق عادت مثال ہے۔ ساتھ ہی اس سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانویؒ کو کس درجہ کا تقویٰ عطا فرمایا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم جیسوں کے لیے تو اس کا تصور بھی مشکل ہے — اپنے ناظرین کرام سے خاص طور سے احباب علم سے گزارش ہے کہ اس کو آپ بیتی ملا کی تیرہویں فصل میں ص۳۲۱ سے ص۳۲۲ تک یا اشرف السوانح جلد سوم میں ملاحظہ فرمالیں — یہاں اس کی صرف ابتدائی چند سطریں اور آخری چند سطریں نقل کی جاتی ہیں۔ حضرت کی ذکاوت واستحضار اور مقام تقویٰ کا اندازہ کرنے کے لیے وہ بھی انشاءاللہ کافی ہوں گی — حضرت حکیم الامت تحریر فرماتے ہیں۔

یادداشتہائے ضروری متعلقہ امانات

حجرہ نمبر ۱- تمام نسخ رافع الفننک غیر مجلد تقسیم کے لیے ہیں اور شیخ (فلاں) صاحب کی مملوک ہیں ۔

۲- تمام نسخے غیر مجلد ہدیہ سنیہ و تقلیل الاختلاط مع الانام و اسرار العبادہ کے تقسیم کے لیے ہیں اور مملوکہ حاجی (فلاں) صاحب کے ہیں۔ ان سب کے ساتھ مثل دیگر امانات کا معاملہ کیا جائے اور اگر انھیں کتابوں کے نسخے حجرہ ۲ میں پائے جائیں وہ میری ملک ہیں، اسی طرح اس حجرہ کی رسی پر جو کپڑے رکھے ہیں وہ مساکین کے لیے ہیں میں ان کی تقسیم میں وسیع ہوں، یہ تقسیم کردیے جائیں۔

۳- لمبی تپائی مولوی (فلاں) صاحب کی ہے وہ ان کو دے دی جائے۔

۴- سہ دری میں جو گھڑی گھنٹہ دار رکھی ہے وہ مدرسہ کی ہے۔

۵- سہ دری میں جو کھونٹی پر چوبی تختی رمضان کے نقشہ کی ہے وہ بھی میری ملک نہیں ہے۔

۶- لفافہ دان میں جو میری چوکی کے برابر رکھا رہتا ہے اس کے سب سے آخر اور نشیبی درجہ میں اور اسی طرح سہ دری کے جنوبی دیوار کے بڑے طاق میں باستثناء رسائل کہ وہ میری ملک ہیں، اکثر کچھ کاغذات رہتے ہیں۔ وہ دوسروں کی ملک ہیں مطبوعات پر تو مالکوں کے نام ہیں، ان کو دے دی جائیں اور خالی لفافہ بلا نمبر یا جوابی کارڈ بلا نمبر کاتبوں کے پاس مع اطلاع واقعہ بھیج دیے جائیں اور نمبردار لفافے یا کارڈ استفتوں کے متعلق ہیں ان ہی نمبروں کے فتوے کاتب یا ناقل فتاوی سے لے کر بھیج دیے جائیں۔ اور اگر ان نمبروں کے فتوے نہ ملیں تو گم ہو جانے کی اطلاع کر دی جائے اور جن پر لفظ لقطہ لکھا ہے وہ مصارف لقطہ میں صرف کیے جائیں .... الخ

اس مضمون کے آخری جملے یہ ہیں۔

تنبیہ: ان سب وصایا اور ضمیمہ میں اول سے آخر تک مجھ سے کچھ ابہام یا نقص یا غلط ہوگیا ہو یا کسی جز میں شبہ یا تردد ہوجائے، ہر حال میں احکام شرعیہ کی تحقیق کر کے ان پر عمل کیا جائے۔"

حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے وصیت نامہ کے حصہ متعلقہ امانات کی یہ چند سطریں ہی اس کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو کس درجہ کی ذکاوت اور کیسا تقویٰ عطا فرمایا تھا۔

چودھویں فصل کا عنوان ہے اکابر کے تصرفات

اس فصل میں حضرت شیخ نے اپنے اکابر کے تصرف کے بہت سے واقعات ذکر فرمائے ہیں یہاں ان میں سے چند ہی نذر ناظرین کیے جاتے ہیں۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے تصرف کے واقعات بیان فرماتے ہوئے ایک واقعہ تذکرۃ الرشید کے حوالہ سے یہ ذکر فرمایا گیا ہے۔

ایک مرتبہ آپ درس حدیث میں مشغول تھے کہ ایک شخص نہایت پریشان حال حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت! للہ میری طرف توجہ فرمائیے۔ آپ نے جواب دیا، بھائی میں تو ملا ہوں کوئی مسئلہ پوچھنا ہو تو مجھ سے پوچھو درویشوں کی باتیں درویش جانیں۔ اس شخص نے کہا کہ حضرت میں زندگی سے تنگ آگیا کیا آپ کو گوارا ہے کہ میں خودکشی کرلوں اور مرجاؤں۔ آپ مسکرائے اور فرمایا کہ اچھا مجھے پڑھانے دو، سامنے دیوار سے لگ کر جا بیٹھو اتنا فرما کر آپ نے درس شروع فرمادیا اور وہ شخص سامنے دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا۔ پڑھاتے پڑھاتے دو تین مرتبہ آپ نے اس مبتلا کی جانب نظر فرمائی، اور پھر تقریر میں طلبہ کی طرف مخاطب ہوئے، سبق ختم نہ ہونے پایا تھا کہ وہ شخص ہنستا ہوا اٹھا اور اس درجہ مسرور ہو کر چلا کہ سلام کرنا بھی بھول گیا۔ جب وہ چلا گیا تو بعض طلبہ نے حضرت سے دریافت کیا کہ یہ کون تھا۔

اور کس مرض میں مبتلا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ درویش ہے، قبض طاری تھا، الحمد للہ رفع ہو گیا۔

آگے حضرت شیخ نے حضرت نانوتویؒ کے تصرف کے واقعات بیان فرمائے ہیں ان میں سے بھی صرف ایک ہی یہاں نذر ناظرین کیا جاتا ہے۔ جو حضرت شیخ نے ارواح ثلثہ کے حوالہ سے بیان فرمایا ہے۔

"مولانا منصور علی صاحب مرحوم مرادآبادی حضرت نانوتوی کے تلامذہ میں تھے انھوں نے اپنا واقعہ خود ہی مجھ سے نقل فرمایا کہ مجھے ایک لڑکے سے عشق ہو گیا اور اس نے اس قدر غلبہ پایا کہ رات دن اس کے تصور میں گزرنے لگے تمام کاموں میں اختلال ہونے لگا، حضرت کی فراست نے بھانپ لیا، لیکن سبحان اللہ تربیت اسے کہتے ہیں کہ نہایت بے تکلفی کے ساتھ حضرت نے میرے ساتھ دوستانہ برتاؤ شروع کیا اور اسے اس قدر بڑھایا کہ جیسے دو یار آپس میں بے تکلف دل لگی کیا کرتے ہیں، یہاں تک کہ خود ہی اس کی محبت کا ذکر چھیڑا.... غرض اس طریق سے مجھ سے گفتگو کی کہ میری ہی زبان سے اس کی محبت کا اقرار کرالیا اور کوئی خفگی اور ناراضگی ظاہر نہیں کی، بلکہ دل جوئی فرمائی۔ اس مخصوص بے تکلفی کے آثار اب مجھ پر ظاہر ہونے شروع ہوئے۔ میں ایک دن تنگ آگیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ محبت میری رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ مجھے تمام امور سے بیکار کر دیا۔ کیا کروں کہاں جاؤں؟ آخر عاجز آکر حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت! للہ میری اعانت فرمائیے میں تنگ آگیا ہوں، ایسی دعا فرما دیجئے کہ اس لڑکے کا خیال میرے قلب سے محو ہو جائے ـــ تو ہنس کر فرمایا کہ بس مولوی صاحب کیا تھک گئے، بس جوش ختم ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں سارے کاموں سے بیکار ہو گیا، اب مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا ـــ فرمایا بہت اچھا بعد مغرب جب میں نماز سے فارغ ہوں تو آپ موجود ہوں،

میں نماز مغرب پڑھ کر چھتہ کی مسجد میں بیٹھا رہا۔ جب حضرت صلوٰۃ الاوابین سے فارغ ہوئے تو آواز دی، مولوی صاحب! میں نے عرض کیا حضرت حاضر ہوں۔ میں سامنے حاضر ہوا اور بیٹھ گیا۔ فرمایا کر ہاتھ لاؤ، میں نے ہاتھ بڑھایا۔ میرا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر میری ہتھیلی کو اپنی ہتھیلی سے اس طرح رگڑا جیسے بان بٹے جلتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے بالکل عیانا دیکھا کہ میں عرش کے نیچے ہوں اور ہر چہار طرف سے نور اور روشنی نے میرا احاطہ کر لیا، گویا میں دربار الٰہی میں حاضر ہوں میں اس وقت لرزاں و ترساں تھا، میں پسینہ پسینہ ہوگیا، جب ہتھیلی پھیرنا بند فرمایا تو وہ حالت بھی فرو ہوگئی۔ فرمایا جاؤ!— دو ایک دن کے بعد حضرت نے پوچھا مولوی صاحب کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت اب تو دل میں اس لڑکے کی گنجائش تک باقی نہیں۔ فرمایا، اللہ کا شکر کرو۔ والحمدللہ علیٰ ذالک

آگے حضرت شیخ الحدیث نے اپنے شیخ و مرشد حضرت سہارنپوری قدس سرہٗ کے تصرف کے چند واقعات بیان فرمائے ہیں ان میں سے مندرجہ ذیل ایک ہی واقعہ یہاں نذر ناظرین کیا جا رہا ہے جو حضرت شیخ نے "تذکرۃ الخلیل" کے حوالے سے بیان فرمایا ہے:۔

(مظاہر علوم سہارنپور کے) سالانہ جلسہ میں ایک مرتبہ دیہاتی مہمان امید سے زیادہ آگئے اور کھانا تیار شدہ نصف کو بھی بمشکل کافی ہوتا۔ کارکنان مدرسہ گھبرا گئے کہ اب نہ تیار کرانے کا وقت ہے کیونکہ جلسہ سے ایک بجے فارغ ہوا تھا— حافظ عبداللطیف صاحب نے یہ حالت حضرت سے عرض کی اور یہ بھی کہا کہ باورچی بھی تھک گئے ہیں، ان میں پکانے کی ہمت بالکل نہیں، حضرت نے فرمایا کھانے کو چادروں سے ڈھانک دو، میں آتا ہوں۔ حضرت نے تشریف لا کر کچھ پڑھا اور کھانے پر دم کر کے دعائے برکت فرمائی اور حکم دیا کہ کپڑا دیگ کے منہ سے نہ ہٹایا جائے اور

نیچے سے کھانا نکال کر کھلانا شروع کردیا جائے ۔ الحمد للہ کہ سب مہمان فارغ ہو گئے اور کھانا بہتیرا بچ رہا۔"

پندرھویں فصل کا عنوان ہے اکابر کا معمول تنقیدات اور آپس کے اختلاف کے بارے میں :

اس فصل میں حضرت شیخ نے پہلے حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ کے متعدد واقعات بیان فرمائے ہیں کہ کبھی ان کے خدام اور اصاغر نے ان کے بعض افعال یا آراء پر تنقید کی تو ان حضرات نے اس کو صحیح سمجھ کر قبول فرمالیا اور ان کے اس طرز عمل کی تحسین کی اور شکریہ ادا کیا۔ آگے اس سلسلہ میں "ارواح ثلثہ" کے حوالہ سے حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کی روایت سے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ۔

"مجھ سے مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ مولوی یحییٰ! احمد رضا خاں مدت سے میرا رد کر رہا ہے، ذرا اس کی تصنیف ہمیں بھی تو سنا دو! میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے تو نہیں ہو سکے گا۔ حضرت نے فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت ان میں تو گالیاں ہیں۔ حضرت نے فرمایا، اجی دور کی گالیوں کا کیا ہے، پڑی گالیاں ہوں تم سناؤ، آخر اس کے دلائل تو دیکھیں شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کر لیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے تو نہیں ہو سکتا ۔ حضرت حکیم الامت اس کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں ۔ اللہ اکبر یہ ہے حق پرستی کہ اس کے طلب اور اتباع کے غلبہ میں دشمن کی بیہودگی سے بھی متاثر و متغیر نہ ہوں۔"

آگے اسی سلسلہ میں حضرت شیخ نے اس باب میں حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے ردیہ کا ذکر فرمایا ہے ۔ فرماتے ہیں۔

اشرف السوانح میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ پر معترضین کی بھرمار پوچھا

کے ذیل میں لکھا ہے کہ حضرت والا نے اپنے معترضین کے مقابلہ میں بھی کبھی ردکی کوشش نہیں فرمائی بلکہ ان کے اعتراضوں پر بھی بالخصوص جہاں مظنۂ نیک نیتی کا تھا، اس نیت سے نظر فرمائی کہ اگران اعتراضات میں کوئی امر واقعی قابل قبول ہو تواس کو قبول کرکے اس پر عمل کیا جائے۔

آگے اسی سلسلۂ بیان میں خود حضرت تھانویؒ کا بیان فرمایا ہوا واقعہ حضرت کے مجموعہ ملفوظات کے حوالہ سے ذکر فرمایا ہے کہ۔

مولوی محمد رشید (کانپوری) مرحوم جنھوں نے مجھ سے پڑھا تھا بڑے حق گو لیکن اس کے ساتھ بڑے باادب تھے۔ ایک بار میں مسجد میں بیٹھا تھا، وہاں ریزگاری کی ضرورت پڑی، ایک صاحب کے پاس موجود تھی۔ ان کو روپیہ دے کر میں نے ریزگاری لے لی، مولوی صاحب بھی اس وقت موجود تھے وہ آگے بڑھے اور مجھ سے پوچھا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ بیع میں تو داخل نہیں؟ مجھے فوراً تنبہ ہوا۔ میں نے کہا کہ خیال نہیں رہا، یہ معاملہ تو واقعی بیع ہی میں داخل ہے جو مسجد میں جائز نہیں۔ پھر میں نے ان صاحب سے جن سے یہ معاملہ ہوا تھا ریزگاری واپس کرکے کہا کہ میں اب اس معاملہ کو فسخ کرتا ہوں، پھر میں نے کہا کہ مسجد سے باہر چلو وہاں پھر اس معاملہ کو از سرنو کریں گے۔ چنانچہ مسجد سے باہر آکر اور روپیہ دے کر میں نے پھر ان سے ریزگاری لے لی۔ مولوی محمد رشید کی اس بات سے میرا جی بڑا خوش ہوا کیونکہ ظاہر کرنا توضروری تھا لیکن انھوں نے نہایت ادب سے ظاہر کیا۔ یہ پوچھا کہ یہ بیع میں تو داخل نہیں؟

اسی سلسلہ میں حضرت شیخ نے اشرف السوانح کے حوالہ سے حضرت تھانویؒ کے بارہ میں یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ

حضرت والا پر اگر کوئی کسی قسم کا اعتراض کرتا ہے تو اس سے اپنا تبریہ فرمانے

کی ہرگز کوشش نہیں کرتے بلکہ اگر وہ اعتراض علمی رنگ کا ہوتا ہے اور قابل قبول ہوتا ہے تو اس کو قبول فرما کر اپنی تحقیق سابق سے بلا تامل رجوع فرما لیتے ہیں اور "ترجیح الراجح" میں اپنا رجوع شائع فرما دیتے ہیں۔ یہ معاملہ تو علمی رنگ کے اعتراضات کے ساتھ فرماتے ہیں اور اگر اعتراض معاندانہ رنگ کا ہوتا ہے تو اس کی مطلق پروا نہیں فرماتے"۔

مظاہر علوم کے طلبہ کی ۱۳۸۲ھ کی اسٹرائک اور اپنے شدید تاثر کا تذکرہ

آگے حضرت شیخ نے اس پندرھویں فصل میں اعجاب و پندار اور فخر و غرور کے بُرے نتائج کا ذکر فرماتے ہوئے اپنے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے طلبہ کی ۸۲ھ کی اسٹرائک کا اور دینی مدارس کی فضا میں اور خاص کر طلبہ میں جو غیر معمولی نامبارک تغیر آیا ہے جو دین و دیانت کے لیے زہر اور ہزاروں فتنوں کی جڑ ہے۔ اس کا بڑے درد اور دکھ کے ساتھ بڑی تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ یہ گویا ایک مستقل رسالہ ہے۔ اس میں اپنے اندرونی احساس اور درد دل کا حال بیان کرتے ہوئے یہ شعر بھی لکھا ہے۔

وہ محروم تمنا کیوں نہ سوئے آسماں دیکھے
کہ جو منزل بہ منزل اپنی محنت رائیگاں دیکھے

اس سلسلہ کلام میں حضرت شیخ نے اپنا یہ حال بھی بیان فرمایا ہے کہ۔

مظاہر علوم کے طلبہ کی اس اسٹرائک سے بہت ہی مایوسی ہوئی اور تدریس سے طبیعت سرد پڑ گئی، اس کے بعد بھی اگرچہ کئی سال تک بخاری شریف کا سبق پڑھایا لیکن شکستہ دلی اور افسردگی کے ساتھ اور تدریس کا مشغلہ ترک کر کے مدینہ منورہ قیام کا داعیہ تیز ہو گیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا فرمائے کہ حجاز مقدس کے اسفار کا وہ تسلسل شروع ہو گیا جس کا ذکر آپ بیتی ۲ میں کیا جا چکا ہے۔ اُس میں ۱۳۸۹ھ کے سفر اور طویل قیام تک کا ذکر کیا گیا تھا، جو ناظرین کرام

اس تلخیص کے سلسلہ میں بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں۔) اس آپ بیتی ۶ میں حضرت شیخ نے ۱۳۹۰ھ کے سفر حج کا ذکر بہت تفصیل سے فرمایا ہے۔ جو گویا اس پورے سفر کا روزنامچہ ہے۔

آگے سولھویں فصل کا عنوان ہے متفرقات

اس فصل میں سب سے پہلا عنوان ہے "نظر کی احتیاط" اس عنوان کے تحت حضرت شیخ نے تمہیدی مضمون کے بعد لکھوایا ہے کہ :

حافظ ابن القیم نے "الجواب الکافی" میں بہت تفصیلی بحث اس پر کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حوادث کی ابتدا نظر سے ہوتی ہے جیسا کہ آگ کے شعلوں کی ابتدا ایک چنگاری سے ہوتی ہے۔ اس لیے شرمگاہ سے زیادہ حفاظت نظر کی ضروری ہے۔ اس لیے ابتدا تو نظر سے ہوتی ہے اس کے بعد دل میں خیال جمنا شروع ہوتا ہے۔ پھر ادھر قدم اٹھتے ہیں، اس کے بعد پھر ابتلا ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے کہا گیا کہ جو ان چاروں چیزوں کی حفاظت کرلے اپنے دین کی حفاظت کر لیتا ہے۔ نظر، پھر دل کا خیال، پھر بات چیت، پھر قدم۔ آدمی کو چاہیے کہ چاروں چیزوں سے بچنے کی کوشش کرے انہی دروازوں سے دشمن (شیطان) گھروں میں گھستا ہے۔ پھر گھر کی بربادی اور ہلاکت کا ذریعہ بنتا ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن القیم نے ان چاروں پر تفصیلی بحث کی ہے۔

آگے حضرت شیخ نے اسی سلسلہ میں بیان فرمایا ہے۔

میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ ایک زمانے میں جب کہ جناب الحاج حافظ قمر الدین صاحب نور اللہ مرقدہ بیمار تھے تو ان کی نیابت میں جامع مسجد سہارنپور پانچوں وقت نماز پڑھانے کے لیے مدرسہ سے تشریف لے جایا کرتے تھے، عصر کے وقت جا کر مغرب کی نماز پڑھا کر تشریف لایا کرتے تھے۔ یہ ناکارہ بھی

کبھی کبھی ساتھ ہوتا۔ میں ہمیشہ غور سے دیکھتا تھا کہ مدرسہ سے لے کر جامع مسجد تک اپنے پاؤں پر نظر جمائے رہتے تھے کہ بازار میں تو راستہ تھا مگر نگاہ کبھی بھی ادھر ادھر دوکانوں پر نہیں پڑتی تھی۔ میں نے اپنے حضرت قدس سرہٗ کو بھی بارہا دیکھا کہ راستہ میں تشریف لے جاتے وقت بہت کم نگاہ اوپر اٹھاتے تھے۔ زمین ہی پر اکثر نگاہ رہتی تھی۔

اسی سلسلہ میں آگے حضرت شیخ نے لکھوایا ہے۔

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کا ایک مستقل وعظ "غض البصر" کے نام سے مطبوع ہے اس میں آنکھ کی حفاظت کے متعلق بہت ہی اہم مضمون قابل دیکھنے کے ہے۔ جس کی ابتدا اللہ جل شانہ کے پاک ارشاد "یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ" سے ہے۔ حضرت نے فرمایا ہے کہ بدنگاہی کا گناہ ایسا ہے کہ لوگ اس کو گناہ سمجھتے بھی نہیں، ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ اچھے مکان کو دیکھ لیا، اس لیے اس گناہ کے بعد دل پر رنج کا بھی اثر نہیں ہوتا اور یہ ایسا سخت گناہ ہے کہ اس سے بوڑھے بھی بچے ہوئے نہیں، بدکاری کے لیے تو بہت سی تدبیریں کرنی پڑتی ہیں، پیسہ بھی پاس ہو، دوسرا بھی راضی ہو وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس گناہ کے کرنے میں کچھ سامان کی ضرورت نہیں اور نہ اس میں کچھ بدنامی ہے کیونکہ اس کی خبر تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ کیسی نیت ہے۔ کسی کو گھور لیا، مولوی صاحب مولوی صاحب ہے۔ قاری صاحب قاری صاحب ہے۔ نہ اس گھورنے سے مولوی صاحب کے مولوی ہونے میں فرق آیا نہ قاری صاحب کے قاری ہونے میں کوئی فرق آیا اور اس گناہ کی کسی دوسرے کو خبر نہیں ہوتی۔ جن اکابر کو خبر بھی ہوجاتی ہے وہ ایسے عالی ظرف ہوتے ہیں کہ وہ اس کا اظہار بھی گوارا نہیں کرتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا جو بدنظری کے گناہ میں مبتلا تھا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا نام لے کر تو کچھ نہیں فرمایا، لیکن یہ فرمایا کہ

لوگوں کا کیا حال ہے، ان کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے، جن اکابر کو چھپی ہوئی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اور کشف ہوتا ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ بدنگاہی سے آنکھوں میں ایسی بے رونقی پیدا ہو جاتی ہے کہ جس کو تھوڑی سی بھی سمجھ ہوگی وہ پہچان لے گا کہ اس شخص کی نگاہ پاک نہیں ہے۔ خاص طور سے لڑکوں پر بدنگاہی کرنا بڑا ہی زہر ہے۔

آگے حضرت حکیم الامت کے اس وعظ "غض البصر" سے حضرت شیخ نے یہ بھی نقل فرمایا ہے کہ۔

ایک بزرگ تھے وہ پردہ کرانے میں زیادہ احتیاط نہ کرتے تھے بلکہ عورتوں کو اپنے سامنے آنے دیتے تھے، یہ سمجھتے تھے کہ میں تو اب بہت بوڑھا ہو گیا ہوں، اب میرے سامنے آنے میں کیا خرابی ہے۔ ایک اور بزرگ تھے انھوں نے ان کو نصیحت کی کہ میاں غیر عورتوں کو اپنے سامنے مت آنے دیا کرو۔ انھوں نے ان کی نصیحت کا کچھ خیال نہ کیا، آخر ایک مرتبہ خود انھوں نے خواب میں رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، حضورؐ سے اسی مسئلہ کو دریافت کیا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اب عورتوں کے میرے سامنے آنے میں کسی بری بات کا خوف نہیں تو کیا اب بھی پردہ کرانا ضروری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مرد اتنا بزرگ ہو جائے کہ جنید کے مرتبہ کو پہنچ جائے اور عورت اتنی بزرگ ہو جائے کہ رابعہ بصریہ کے مرتبہ کو پہنچ جائے تو بھی اگر یہ دونوں ایک جگہ تنہا مکان میں جمع ہوں گے تو شیطان بھی ان کے پاس آموجود ہوگا اور ان سے کچھ نہ کچھ کرا ہی دے گا پھر تمھیں کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ عورتوں کو اپنے سامنے آنے دو۔"

آگے حضرت شیخ نے اپنی بعض عادات کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک بات یہ بھی لکھائی ہے کہ۔

مرا گھر والوں سے ہمیشہ یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ بغیر کسی مہمان کے فلاں چیز کیوں پکی، محض اپنے یا اپنے گھر والوں کے لیے کوئی اچھی چیز پکنا مجھے بہت گراں

گزرتا تھا۔ البتہ مہمانوں کے لیے مجھے ہمیشہ سے اہتمام رہا کہ فرشتے اس چیز کو لکھیں تو مہمانوں کے حساب میں اور کھائیں ہم بھی "

مدارس کے معاملہ میں حضرت شیخ کا رویہ اور نصیحتیں

اس سولھویں فصل کے آخر میں حضرت شیخ نے مدارس کے معاملہ میں اپنے طرزِ عمل کا ذکر فرمایا ہے، اس پوری فصل کا دینی مدارس سے تعلق رکھنے والے حضرات کو اہتمام سے مطالعہ فرمانا چاہئے۔ یہاں اس میں سے جستہ جستہ چند ہی باتیں نقل کی جاتی ہیں۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

یہ ناکارہ آپ بیتی میں کئی جگہ یہ لکھوا چکا ہے کہ مجھے اپنے اکابر کی جوتیوں کی بدولت اور ان کی عادات شریفہ کو کثرت سے دیکھنے کی وجہ سے مدرسہ کے امور میں ہمیشہ بہت ہی زیادہ فکر و احتیاط رہی۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اس میں کوئی لغزش کبھی مجھ سے نہیں ہوئی ہوگی وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ" لیکن یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اپنی یاد کے موافق عمداً مدرسہ کے معاملات میں کوتاہی انشاء اللہ ثم انشاء اللہ نہیں ہوئی ہوگی.... یہ ناکارہ رجب ۱۳۲۸ھ میں مدرسہ (مظاہر علوم) میں طالب علم کی حیثیت سے آیا تھا اور اب محرم ۱۳۹۳ھ تک طالب علمی، مدرسی، سرپرستی، سارے ہی مراحل طے کر چکا مگر مجھے یاد نہیں کہ میں نے کسی طالب علم کی اپنے تعلق کی وجہ سے مدرسہ میں کھانا جاری کرانے کی سفارش کی ہو۔ بارہا بلکہ بیسیوں مرتبہ اس کی نوبت آئی ہے کہ کسی طالب علم کا کسی جرم یا امتحان میں ناکامی پر کھانا بند ہوا ہو اور اس نے (مدرسہ کے ناظم) الحاج حافظ عبداللطیف صاحب نور اللہ مرقدہ یا خود اپنے اولیاء کے ذریعہ سفارش کرائی اور حضرت ناظم صاحب نے تحریر کر دیا کہ

اگر زکریا سے سفارش لکھوا دو تو میں جاری کردوں گا (غالباً اس کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ حضرت ناظم صاحب کا یہ خیال ہوتا کہ یہ بھی گستاخ جرح کرے گا) اور جب وہ کاغذ یا پیام لے کر آتا تو میں یہی کہتا کہ میں مدرسہ سے تو سفارش نہیں کروں گا، جب تک اس کا کھانا بند ہے میرے ساتھ کھالیا کرے۔ بارہا اس کی نوبت آئی کہ مدرسہ سے ایسے طلبہ کا اخراج ہوا جن کا مجھ سے خصوصی تعلق تھا مگر مجھے وثوق سے یاد ہے کہ میں نے اپنے تعلق کی وجہ سے کبھی بھی اخراج کی مخالفت یا معافی کی سفارش کسی بھی ناظم سے کی ہو۔ بعض طلبہ کو مجھ سے کبیدگی ہوتی تھی، وہ میری مخالفت بھی کرتے تھے، جھوٹے الزام بھی لگاتے تھے مگر میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کبھی ان کے اخراج کی کنایۃً یا اشارۃً بھی تحریک نہیں کی۔ ملازمین مدرسہ میں بھی اس سیہ کار نے کبھی اپنے تعلق کی وجہ سے نہ کسی کے لیے سفارش کی نہ کسی کی علٰحدگی کی تحریک یا کوشش کی۔

اس سلسلہ میں حضرت شیخ نے آگے فرمایا ہے۔

میرے مخلص دوست مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی حال سرپرست مدرسہ ۱۳۸۱ھ میں معین مفتی مدرسہ ہوئے تھے اور دس روپے تنخواہ تھی، اس کے دو سال بعد شوال ۱۳۵۳ھ میں نائب مفتی ہوئے اور پندرہ روپے تنخواہ ہوئی، ان دو سالوں میں بہت ہی دوستوں نے مجھ پر اصرار کیا بالخصوص جناب الحاج حافظ محمد یعقوب صاحب گنگوہی نواسہ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے تو مجھے کئی دفعہ ڈانٹا کہ دس روپے میں کیا گزر ہو سکتا ہے تو سفارش کر دیے تو تنخواہ میں اضافہ ہو جائے۔ میں یہی کہتا رہا کہ ان کا مجھ سے خصوصی تعلق ہے میں سفارش نہیں کروں گا۔ اور بھی بہت سے نظائر اس کے مفتی یحییٰ، عزیز عاقل، عزیز سلمان کے مواقع میں پیش آچکے ہیں جن کو ہمارے سرپرستان خوب جانتے تھے اور جانتے ہیں۔ اس کے

بالمقابل اپنی ذاتی مخالفت کی وجہ سے میں نے کسی کو مدرسہ سے علٰحدہ کرنے کی یا ترقی روکنے کی کوشش نہیں کی۔

اس سولھویں فصل کی آخری سطریں یہ ہیں۔

اس ناکارہ کی اپنے سے تعلق رکھنے والے دوستوں کو وصیت ہے کہ مدرسہ کے معاملات میں بہت ہی محتاط رہیں، یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا ٹوکنے والا کوئی نہیں یا ہمیں کون ٹوک سکتا ہے، کس کا نہ ٹوکنا یا نہ ٹوک سکنا اور بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس سیہ کار کو بھی اس لکھے ہوئے پر عمل کی مزید توفیق عطا فرمائے اور میرے دوستوں کی بھی اس سے زیادہ سے زیادہ حفاظت فرمائے۔"

سترہویں فصل کا عنوان ہے تصوف کا بیان

یہ آپ بیتی ۷ کی آخری فصل ہے جو صفحہ ۴۴۸ سے شروع ہو کر ۴۹۹ پر ختم ہوئی ہے یہ تصوف کے موضوع پر گویا ۵۰ صفحے کا مستقل قابل دید رسالہ ہے۔ حضرت شیخ نے اس کا آغاز اس طرح فرمایا ہے۔

تصوف میرے اکابر کا اہم ترین مشغلہ ہے ــــ وہ

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن

کے سچے مصداق تھے۔ یہ حضرات ایک جانب فقہ، حدیث اور علوم ظاہر یہ میں اگر ائمہ مجتہدین اور ائمہ حدیث کے حقیقی جانشین اور سچے متبع تھے، تو دوسری طرف تصوف کے ائمہ، جنید وشبلی کے قدم بقدم۔ ان اکابر نے تصوف کو فقہ حدیث کے ماتحت چلایا اور اپنے قول وفعل سے بتا دیا کہ یہ مبارک فن حقیقت میں قرآن وحدیث کا ہی ایک شعبہ ہے اور جو رسومات وبدعات اس مبارک فن میں بُعد زمانہ سے بڑھ گئی تھیں ان کو چھانٹ دیا۔"

آگے اس سلسلہ میں حضرت شیخ نے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری ثم الٰہ آبادیؒ کے رسالہ "تصوف اور نسبت صوفیہ" کا ذکر فرمایا ہے اور اس سے ۸۰ صفحے کے بقدر مضمون نقل فرمایا ہے۔ یہاں اس مضمون کے چند اقتباس ہی نذر ناظرین کیے جاسکیں گے۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا وصی اللہ صاحب جو حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے اجل خلفاء میں ہیں، ان کا ایک رسالہ "تصوف اور نسبت صوفیہ" مختصر اور قابل دید ہے وہ تحریر فرماتے ہیں: "حضرت ابو یحییٰ زکریا انصاری شافعی فرماتے ہیں کہ تصوف کی اصل حدیث جبرئیل ہے، جس میں آیا ہے کہ "ما الاحسان قال ان تعبد الله کانك تراه - الحدیث - چنانچہ تصوف احسان ہی کا نام ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صوفی مقرب اور محسن کو کہتے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ کتاب اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امت میں مختلف درجے کے لوگ ہیں، بعض ان میں سے "اصحاب یمین" ہیں اور بعض کو "مقربین" کہا گیا ہے۔ جو شخص اپنے ایمان کو صحیح کرلے اور شرعی اوامر و نواہی کے مطابق اپنا عمل رکھے تو یہ وہ لوگ ہیں جو "اصحاب الیمین" کہلاتے ہیں اور ان امور کے ساتھ ساتھ جس شخص کی غفلات بھی کم ہوں اور نوافل و طاعات کی کثرت ہو اور اس کے قلب پر ذکر اللہ کا استیلاء (غلبہ) ہو جائے اور حق تعالیٰ سے مناجات کا تسلسل اور دوام اس کو حاصل ہوگیا ہو، ایسے شخص کو "مقرب" اور "محسن" کہتے ہیں اور اسی کو صوفی بھی کہا جاتا ہے۔"

آگے اسی رسالہ "تصوف و نسبت صوفیہ" سے نقل فرمایا گیا ہے کہ

"حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ "تفہیمات الٰہیہ" میں فرماتے ہیں کہ (اصل کتاب میں صرف عربی عبارت ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس چیز کی دعوت دی اس میں سب سے مہتم بالشان تین امور ہیں۔ (۱) تصحیح عقائد۔ جس کا ذمہ علماء امت کے اصحاب اصول نے

اٹھایا ہے۔ اللہ جل شانہٗ ان کی مساعی کو مشکور فرمائے۔ (۲) دوسری چیز اعمال کا صحیح طور پر اور سنت کے مطابق ادا کرنا۔ اس فن کو امت کے فقہا نے اپنے ذمہ لیا جن کی کوششوں سے اللہ جل شانہٗ نے بہت سے لوگوں کو ہدایت فرمائی اور گمراہ فرقوں کے اعمال کو راہ راست پر لائے۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے "احسان" کا بیان فرمایا ہے اور آیات واحادیث سے اس کو مبرہن فرمایا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ تصحیح اخلاص واحسان اس دین کی اصل ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایا ہے۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے آیات واحادیث اخلاص واحسان کی تحریر فرما کر تحریر فرمایا ہے کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ تیسرا جز شریعت کے مقاصد کا سب سے دقیق فن ہے اور بہت گہرا ہے۔ جملہ شرائع کے مقابلہ میں یہ بمنزلہ روح کے ہے بدن کے مقابلہ میں۔ اور اس فن کا تکفل صوفیا نے کیا ہے کہ انھوں نے خود ہدایت پائی اور دوسروں کو ہدایت فرمائی۔ خود سیراب ہوئے اور دوسروں کو سیراب کیا اور انتہائی سعادت کے ساتھ کامیاب ہوئے۔"

آگے حضرت شیخ الحدیث نے تصوف کی حقیقت کی وضاحت کے سلسلہ میں تذکرۃ الرشید سے حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ کا مندرجہ ذیل بیان نقل فرمایا ہے کہ۔

سلوک نام ہے تعمیر الظاہر والباطن کا، یعنی اعضائے ظاہریہ اور قلب کا اپنے مولیٰ تعالیٰ شانہٗ کی طاعت وخدمت میں مشغول رکھنا بایں طور کہ ہادیٔ عالم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریق اور تعلیم فرمائی ہوئی شریعت کے اتباع کی اس درجہ خو اور عادت پڑ جائے کہ سنت نبویہ پر عمل کرنا طبعی شیوہ اور خلقی شعار بن جائے تکلف کی عادت نہ رہے۔

تصوف اصل ایمان ہے کوئی زائد شے نہیں۔ یہی ایمان جس کا ہر مسلمان مدعی ہے اصل سلوک ہے بشرطیکہ اس کی اصلیت اور حلاوت قلب کو عطا

ہوجائے، یہی شریعت جو رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام عالم کو سکھائی ہے اصل درویشی اور طریقت ہے مگر اس وقت جب اعضاء سے متعدی ہوکر قلب تک پہنچ جائے اور عمل و اکتساب قلبی اُنس و تعلق کا ثمرہ بن جائے۔ ایک بیمار شخص جس کو مطلق بھوک نہ معلوم ہو، طبیب کے حکم سے غذا کھاتا ہے۔ مگر جبراً قہراً تاکہ طاقت بنی رہے، دوسرا شخص وہ ہے جو بحالت تندرستی و صحت تامہ صادق اشتہا پر غذا کھا رہا ہے۔ غذا کھانے میں دونوں برابر ہیں مگر ایک جبر و کراہت سے کھا رہا ہے اور دوسرا رغبت و اشتہا سے، اسی طرح عامی آدمی عبادت کرتا ہے مگر نفس کو مجبور بناکر اور صاحب نسبت ولی اسی عبادت میں مشغول ہوتا ہے مگر بایں وجہ کہ دل کا تقاضہ اس طاعت میں مشغول ہونے پر اس کو مجبور کر رہا ہے۔ اسی صحت کاملہ کا نام طریقت ہے جو قلب کو حاصل ہوتی ہے اور اس روحانی غذا کا جس کو شریعت کہا جاتا ہے سچا خواہش مند اور شیدا بنا دیتا ہے"۔

آگے حضرت شیخ نے تصوف کی حقیقت کی وضاحت ہی کے سلسلہ میں تذکرۃ الرشید ہی سے حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کی ایک مختصر تحریر نقل فرمائی ہے جو عربی زبان میں ہے اور حضرت میرٹھیؒ نے اس کا جو ترجمہ کیا ہے وہ بھی نقل فرمایا ہے یہاں ترجمہ ہی نذر ناظرین کیا جا رہا ہے، بلا شبہ یہ چند سطری تحریر تصوف کی حقیقت کے بیان کے سلسلہ میں دریا بکوزہ کی مثال ہے۔ فرماتے ہیں۔

صوفیاء کا علم نام ہے ظاہر و باطن علم دین اور قوت یقین کا اور یہی اعلیٰ علم ہے، صوفیاء کی حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لو لگائے رکھنا ہے۔ تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا ہے اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے۔ صوفیاء کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خُلق ہے۔ حسب فرمان خداوند تعالیٰ کہ "تم بڑے خُلق پر پیدا

کیے گئے ہو" اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے اس پر عمل اخلاق صوفیا میں داخل ہے۔ صوفیا کے اخلاق کی تفصیل اس طرح ہے ۔ اپنے کو کمتر سمجھنا اور اس کی ضد ہے تکبر مخلوق کے ساتھ تلطف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کا برداشت کرنا۔ نرمی اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا، غیظ و غضب کا چھوڑ دینا۔ ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح دینا خلق پر فرط شفقت کے ساتھ، (جس کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کے حقوق کو اپنے حظ نفسانی پر مقدم رکھا جائے) سخاوت کرنا اور درگزر اور خطا کا معاف کرنا، خندہ روئی اور بشاشت جسم، سہولت اور نرم پہلو رکھنا، تصنع اور تکلف کا چھوڑ دینا۔ خرچ کرنا۔ بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو۔ خدا پر بھروسہ رکھنا، تھوڑی دنیا پر قناعت کرنا، پرہیز گاری۔ جنگ و جدل اور عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ، بغض و کینہ و حسد نہ کرنا۔ عزت و جاہ کا خواہش مند نہ ہونا وعدہ پورا کرنا۔ بردباری، دور اندیشی، بھائیوں کے ساتھ موافقت و محبت رکھنا۔ اغیار سے علٰحدہ رہنا، محسن کی شکر گزاری، جان کا مسلمانوں کے لیے خرچ کرنا ۔ صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن مہذب بنا لیتا ہے اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے۔ بارگاہ احدیت کا ادب یہ ہے کہ ماسوا اللہ سے منہ پھیر لیا جائے۔ شرم کے مارے حق تعالیٰ کے اجلال و ہیبت کے سبب۔ بدترین معصیت ہے تحدیث نفس یعنی نفس سے باتیں کرنا اور ظلمت کا سبب ہے۔" (تذکرۃ الرشید)

حضرت شیخ الحدیث حضرت گنگوہی قدس سرہ کا یہ بیان نقل کرانے کے بعد فرماتے ہیں۔ "امام ربانی قدس سرہ کی یہ چند سطر سرنامہ اور عنوان ہیں ان تمام مباحث کا جو طریقت کے شریف فن میں ہزار ہا ضخیم کتابوں کے اندر اولیاء اللہ نے جمع کیے ہیں"۔

آگے اسی سلسلہ کلام میں تذکرۃ الرشید ہی کے حوالے سے حضرت گنگوہی قدس سرہ کا یہ ارشاد نقل

فرمایا ہے کہ

وہ شخص جو شریعت کا تابع ہو اگرچہ اس کے قلب میں نور نہ ہو، اس شخص سے بہتر ہے جس کے قلب میں نور معلوم ہوتا ہو مگر وہ خلاف شرع ہو۔
(تذکرۃ الرشید)

آگے حضرت شیخ الحدیثؒ نے اسی سلسلہ میں "گوشہ نشینی" کے بارے میں حضرت تھانویؒ کا یہ ملفوظ نقل فرمایا ہے۔

ہمارے حضرات خلوت عرفیہ پسند نہیں کرتے تھے، اس سے شہرت ہوتی ہے ..... باقی بقدر ضرورت خلوت یہ سب حضرات کا معمول تھا۔ چنانچہ مولانا گنگوہیؒ بھی تھوڑی دیر حجرہ بند کرکے اس میں بیٹھتے تھے۔ ایک دفعہ حیؒ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ میرا جی یوں چاہتا ہے کہ سب سے علٰحدہ ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤں، مولانا نے تحریر فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے ایسا کیا نہیں، اس سے شہرت ہوتی ہے۔

آگے حضرت شیخ الحدیث نے تصوف اور طریق صوفیاء کا ذکر فرماتے ہوئے ذکر اللہ کی کثرت کے بارے میں مشکوٰۃ شریف کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ

ایک صاحب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ شریعت کے احکام تو بڑی کثرت سے ہیں، مجھے تو کوئی ایسی چیز بتا دیجیے جس کو میں مضبوط پکڑ لوں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ "تیری زبان ہمیشہ اللہ کے پاک ذکر سے تر ہے۔" مشکوٰۃ شریف ہی کی دوسری حدیث میں ہے جو انہی صحابی عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ "ایک صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ بہترین عمل کیا ہے؟ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ" ان تفارق الدنیا ولسانک رطب من ذکر اللہ" (تم دنیا سے ایسی حالت میں رخصت ہو کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر ہو۔

آگے حضرت شیخ نے اسی فصل میں تصوف اور طرق صوفیا پر کلام کرتے ہوئے حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ کے مجموعہ مضامین "البدائع" سے حضرت کا ایک نہایت محققانہ مضمون نقل فرمایا ہے۔ یہ مضمون آپ بیتی ۵ کے پورے ۶ صفحے پر ہے۔ یہاں کسی قدر تلخیص کے ساتھ اس کو نذر ناظرین کیا جارہا ہے ۔۔۔ حضرت شیخ فرماتے ہیں ۔

البدائع ص۲۳ میں حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ نے مشائخ چشتیہ اور مشائخ نقشبندیہ کے درمیان میں تربیت کے فرق کی بہت تفصیل فرمائی ہے تحریر فرماتے ہیں کہ ۔

مشائخ (نقشبندیہ) کا طریق یہ ہے کہ وہ وصل کی تدبیر پہلے کرتے ہیں، پھر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ غیراللہ سے تعلق قطع ہوجاتا ہے اور (مشائخ) چشتیہ فصل کو مقدم کرتے ہیں پھر اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جتنا غیر سے تعلق قطع ہوتا ہے اتنا ہی خدا تعالیٰ سے بڑھتا ہے۔ کیونکہ دو ہی تعلق ہیں ان میں سے اگر ایک بڑھے گا تو دوسرا گھٹے گا۔ اور اگر ایک گھٹے گا تو دوسرا بڑھے گا۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے اطبار میں اختلاف ہے کہ مریض کو صحت و قوت کی طرف لانا ہو تو اول صحت یعنی ازالۂ مرض کی تدبیر کرنا چاہیے یا قوت کی ۔ اطبار یونانی صحت یعنی ازالۂ مرض کی تدبیر مقدم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ازالۂ مرض کے بعد قوت خود بخود آجائے گی ۔ اور ڈاکٹر تقویت طبع کی تدبیر مقدم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب طبیعت میں قوت ہوجائے گی تو مرض خود ہی جاتا رہے گا۔ یہی اختلاف اطبار روحانی میں ہے کہ بعض ازالۂ مرض کا اہتمام اول کرتے ہیں۔ یہ فصل ہے اور بعض تقویت کی تدبیر پہلے کرتے ہیں یہ وصل ہے اور ان دونوں میں سے کسی ایک طریق کو کسی ایک خاندان (سلسلہ) کی طرف منسوب کرنا مناسب نہیں، کیونکہ ہر شیخ مجتہد ہوتا ہے وہ کسی کی تقلید نہیں کرتا۔ اگر ایک شیخ چشتی ہو اور کسی وقت اس کے اجتہاد میں مذاق چشتیہ پر نقشبندیہ

کا مذاق راجح ہو تو وہ نقش بندی مذاق کو اختیار کرے گا اور اگر ایک شیخ نقشبندی ہو اور اس کے مذاق میں چشتیہ کا مذاق راجح ہو تو وہ اسی کا مذاق اختیار کرے گا۔ فروع میں ہر شیخ مجتہد ہوتا ہے کوئی بھی کسی خاص طریقہ کا پابند نہیں ہوتا۔ مگر اصول میں اکثر اپنے سلسلہ کا متبع ہوتا ہے اس لیے نقشبندیہ کی طرف تقدیم وصل منسوب ہے اور چشتیہ کی طرف تقدیم فصل منسوب ہے اور گو دونوں خاندانوں کے مشائخ ہر وقت اس کے پابند نہیں ہوتے بلکہ طالب کے مناسب جو طریق ہوتا ہے اس کو اختیار کرتے ہیں، لیکن نقشبندیہ پر اکثر تقدیم وصل کا رنگ غالب ہوتا ہے اور چشتیہ پر تقدیم فصل کا رنگ (آگے حضرت تھانوی نے اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ کا ایک واقعہ بیان فرما کر اس تقدیم وصل و تقدیم فصل کی شرح یہ فرمائی ہے کہ) نقشبندیہ کا مذاق یہ ہے کہ وہ پہلے ہی دن ذکر کی تلقین کر کے تخم ریزی شروع کر دیتے ہیں اور چشتیہ اول ازالۂ رذائل کا کام شروع کر کے ناک چنے چبواتے ہیں — مگر اب چبواتے نہیں بلکہ پہلے چبواتے تھے — اب تو وہ بھی طالبوں کے ضعف ہمت کی وجہ سے نقشبندیہ کے طریق پر عمل کرنے لگے۔ (آگے حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ نے حضرات چشتیہ کے قدیم طریق اصلاح، تقدیم فصل وازالہ رذائل کی مثال میں حضرت شاہ ابوسعید گنگوہی قدس سرہٗ اور ان کے شیخ و مرشد حضرت نظام الدین بلخی کا واقعہ نقل فرمانے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ) اب تو چشتی بھی نقشبندی ہو گئے۔ کیا کریں طالبوں کی ہمتیں اب ایسی نہیں رہیں چونکہ ہمتوں میں ضعف ہے اور شیوخ مجتہد ہوتے ہیں اس لیے مجتہدین طریق نے اب یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ وصل و فصل دونوں کو ساتھ ساتھ لے چلتے ہیں۔ اب چشتیہ نے تقدیم فصل کو ترک کر دیا ہے کیونکہ یہ صورت اس وقت کے مناسب نہیں۔ اور طبیب مجتہد ایک بات کا پابند نہیں ہوا کرتا بلکہ مناسب کو اختیا

کرتا ہے۔ سو آج کل یہی صورت مناسب ہے کہ (وصل و فصل) دونوں ساتھ ساتھ ہوں اور جو شیخ مجتہد نہ ہو وہ شیخ بنانے کے قابل نہیں..... مگر آج کل ایک نئی بدعت ایجاد ہوئی ہے کہ بعض نے محض وصل ہی کو لے لیا اور فصل (اصلاح رذائل) سے بالکل ہاتھ روک لیا ہے۔ نہ اس کو مقدم رکھا نہ مؤخر نہ ساتھ ساتھ ہی رکھتے ہیں.... اہل حق میں سے بھی اکثر مشائخ محض تعلیم ذکر پر اکتفا کرنے لگے۔ تزکیہ رذائل کا اہتمام مطلق نہیں کرتے، نہ مرید کے اعمال و اخلاق پر روک ٹوک کرتے ہیں، نہ تعلقات بڑھانے پر اسکو زجر کرتے ہیں۔ مگر میں نصوص سے بتلا چکا اور صوفیا کا اس پر اتفاق ہے کہ بدون وصل و فصل دونوں کے طریق طے نہیں ہو سکتا۔ اس کا تو اختیار ہے کہ تقدیم و تاخیر کسی کی کر دی جائے۔ مگر ایک سے بالکل ہاتھ روک لینا، یہ طریق کے بالکل خلاف ہے اور جب تقدیم کا آج بھی خلاف مصلحت ہونا اور معیت ہی کا تناسب ہونا اوپر معلوم ہو چکا تو دونوں کام ساتھ ساتھ ہونے چاہئیں کہ سالک کو ذکر و شغل کی تعلیم کے ساتھ اصلاح رذائل کا بھی امر کیا جائے..... خلاصہ یہ کہ وصل و فصل دونوں کا اہتمام کرو، خدا سے تعلق بڑھاؤ اور غیر سے تعلق کم کرو اور اس کا طریقہ کسی محقق سے پوچھو، اگر شیخ میسر نہ ہو تو محققین کی کتابوں کا مطالعہ کر کے کام شروع کرو، انشاء اللہ ناکامی نہ ہوگی۔"

آگے حضرت شیخ الحدیث نے اسی سلسلہ میں تصوف سے متعلق اپنے اکابر و مشائخ کے اور بھی واقعات و ملفوظات بیان فرمائے ہیں۔ انہی میں حضرت تھانویؒ کا یہ ملفوظ بھی ہے۔ فرمایا۔

> ایک کام کی بات یاد آگئی یہ جو مشہور ہے کہ فلاں بزرگ نے فلاں بزرگ کی نسبت سلب کرلی۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ نسبت تعلق الٰہی کا نام ہے، اس کو کوئی سلب نہیں کر سکتا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک چیز حق تعالیٰ بندے کو عطا فرمائیں، دوسرا کون ہے جو اس سے سلب کرلے۔

حقیقت اس کی صرف یہ ہے کہ کسی تصرف سے کسی کیفیت نفسانیہ کو مضمحل
کر دے جس سے نشاط کی جگہ غباوت ہو جائے مگر وہ اس کا مقابلہ کر سکتا ہے
لیکن اگر مقاومت نہ کی تو پھر اختلال عمل کے سبب اس کا اثر نسبت تک بھی
پہنچ جاتا ہے"۔

آگے حضرت شیخ نے تصوف سے متعلق سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ کے متعدد
مکاتیب اور ارواح ثلثہ کے حوالے سے اپنے اکابر کے واقعات ذکر فرمائے ہیں جن سے تصوف
کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس سلسلہ میں سوانح حضرت رائے پوری کے حوالہ سے یہ واقعہ
بھی بیان فرمایا ہے کہ۔

ایک صاحب رائے پور (خانقاہ میں) حاضر ہوئے، وہاں ماہ مبارک میں سب حضرات
ذکر و شغل تلاوت وغیرہ میں مشغول رہتے ہی تھے، وہ صاحب یہ منظر دیکھ کر
کہنے لگے کہ ہم سے تو یہ چکی نہ پیسی جائے گی، غالباً کسی نے حضرت سے ذکر
کر دیا ہوگا۔ شام کے کھانے کے بعد حضرت نے فرمایا کہ دوست آتے ہیں
اور یہ سمجھتے ہیں کہ جائے حصہ کی پڑیا بنی بنائی رکھی ہے، مل جائے گی،
جیب میں ڈال کر لے آئیں گے مگر یہاں بغیر محنت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔
اس راستہ میں محنت لازمی ہے۔ غالباً اس کے بعد آیت " والذین جاھدوا
فینا لنھدینھم سبلنا " پڑھ کر روشنی ڈالی ۔۔۔ مگر چند دنوں کے بعد
حضرت کے کانوں میں پھر بھی الفاظ ڈالے گئے کہ فلاں بزرگ یہاں دوستوں
کی شب و روز کی محنت دیکھ کر گھبراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اتنی محنت یہاں کون
کرے ۔ (حضرت نے) دوبارہ بڑے جوش سے فرمایا کہ اگر کوئی گھر آپ
لوگوں کو ایسا معلوم ہو جہاں دو روٹیاں پکی پکائی مل جاتی ہوں تو میں بھی
نوکری پکڑ کر تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں تاکہ کچھ حاصل کر سکوں ۔۔۔ مگر
دوست صرف چکی ہی پیسنے کی شکایت کرتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ چکی
پیسنے کا نمبر تو بہت روز میں آتا ہے۔ پہلے تو زمین کو جوتنا ہے۔ اچھا بھلا بیج

گھر سے نکال کر کھیت میں بکھیرنا ہے، پھر سینچنا ہے تا کہ کھیتی بڑھ کر پکنے کی حد تک پہنچے اور پک جائے تو پھر کاٹنا اور گاہنا اور غلہ کو بھوسہ سے علحدہ کرنا ہے، پھر جیٹھ کی گرمی کو برداشت کرنا ہے، پھر چکی پیسنا ہے، آٹا بن جانے کے بعد پھر اسے مشقت سے گوندھنا بھی ہے اور آگ جلانا پکانے کا سامان مہیا کرنا ہے، پک کر تیار ہو جانے کے بعد مشقت سے توڑ کر منہ کے زور سے نگلنا ہے۔ ان ساری کوششوں کے بعد اگر ہضم ہو جائے تو محض میرے مولا کا فضل سمجھنا چاہیے ورگرنہ وہ قے ہو کر باہر بھی نکل سکتا ہے۔"

جیسا کہ عرض کیا گیا حضرت شیخ نے اس فصل میں تصوف سے متعلق سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ کے متعدد مکاتیب بھی نقل فرمائے ہیں۔ فصل کے خاتمہ پر ان میں سے ایک مکتوب بھی نذر ناظرین ہے۔ یہ مکتوب حضرت حاجی صاحب نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو ان کے خطوط کے جواب میں تحریر فرمایا ہے ــــ مکتوب کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نانوتوی نے (اپنے خیال کے مطابق) راہ سلوک میں اپنی "ناکامی" و "محرومی" کا ذکر فرمایا تھا جس کے جواب میں حضرت حاجی صاحب نے یہ مکتوب تحریر فرمایا ہے۔

(اس مکتوب میں اس وقت کی کسی مصلحت سے حضرت حاجی صاحب نے اپنا نام عبد الکریم لکھا ہے)

مکتوب یہ ہے۔

طرف سے فقیر عبد الکریم کے عزیز القدر عالی مرتبت مولوی محمد قاسم زاد شوقہ وذوقہ باللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون اشتیاق مشحون کے ملاحظہ فرمائیں ــــ دو خط مسرت نشان عزیز القلوب کے پہنچے جو مؤرخہ ۱۵ رجب کے تھے، تیسرا مولوی رشید احمد گنگوہیؒ کے ہاتھ جو درد و سوز سے بھرا ہوا تھا پہنچا۔ طبع کو مسرور کیا ہمیشہ ایسا ہی ھل من مزید ہے۔ عزیز من! اس راہ میں سوائے درد ناکامیابی وحسرت حرمان کے کچھ لائق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ نایافت صورت نیستی ہے اور یافت وکامیابی کا ادعا ہستی کی صورت ہے اور ہستی سالک کے لیے بلا ہے اور نیستی بے انتہا ثمرات کا باعث، پس جب تک زندگی ہے

اس دردو نایافت میں بسر کرے اور کام میں مشغول رہے اور حسب اجازت مشائخ مخلوق کی خدمت کرے ۔ ہم اور تم وسیلے سے زیادہ نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ انہی وسائط کے بہانے سے اپنے فیضان کو چھپا کر اپنے مالک کا خود انتظام کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے تمہارے ساتھ ہے ۔ (امداد المشتاق)

اس آپ بیتی ۶ کو ختم کرتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ نے فرمایا ہے ۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے جو اس بے ربط تحریر میں لغزشیں ہوئی ہیں ان کو معاف فرمادیں ۔ واللہ الموفق لما یحب ویرضیٰ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً برحمتک یا ارحم الراحمین ۰

آپ بیتی نمبر (۷)

یہ آپ بیتی کے سلسلہ کا آخری نمبر اور آخری حصہ ہے جو حضرت شیخ نے ۱۳۹۳ھ کے سفر حجاز کے بعد مختلف اوقات میں لکھوایا ہے، آخر میں دستخط فرمائے ہیں اور تاریخ یہ لکھوائی ہے یکم ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ مطابق ۵ فروری ۱۹۸۱ء ۔ اس آپ بیتی ۷ کا پہلا عنوان ہے **سفر حجاز ۹۳ھ** ۔

اس عنوان کے تحت حضرت شیخ نے اس سفر کی تفصیل لکھوائی ہے ۔ یہی وہ سفر ہے جس میں حضرت کو سعودی حکومت کی طرف سے اقامہ (حجاز مقدس میں مستقل قیام کا اجازت نامہ) مل گیا ۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ نے لکھوایا ہے کہ ۔

اس ناکارہ کا اقامت نامہ براہ راست ملک فیصل مرحوم نے بغیر مجلس کے

خود ہی منظور کر کے بھیج دیا۔ (آگے حضرت شیخ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ)
اقامہ مل جانے کے بعد اب حجاز کا قیام اصل ہے اور ہندوستان کا عارضی
کہ چھ ماہ سے زیادہ صاحب اقامہ کو باہر رہنے کی اجازت نہیں، ورنہ اقامہ
منسوخ ہو جائے گا۔"

اس سفر حجاز ۹۳ھ کی تمہید میں حضرت شیخ نے یہ بیان فرماتے ہوئے کہ بے ضرورت کہیں
آنے جانے کی عادت ہی نہیں تھی، اپنا یہ عجیب و غریب واقعہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ۔

ایک مرتبہ میرا جوتا اٹھ گیا تھا تو چھ مہینے تک مجھے اس کی ضرورت پیش نہ آئی
کیونکہ مدرسہ کے دروازے سے نکلنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔

۹۳ھ کے اس سفر میں حضرت شیخ کا قیام حجاز مقدس میں ایک سال سے کچھ زیادہ مسلسل رہا
اگلے سال ۹۴ھ کے وسط میں سہارنپور میں رمضان مبارک گزارنے کے ارادے سے ہندوستان
تشریف آوری ہوئی ـــ رمضان مبارک سہارنپور ہی میں گزرا، حسب معمول مظاہر علوم کی
دار جدید کی مسجد میں پورے ماہ مبارک کا اعتکاف فرمایا۔ ساتھ میں اعتکاف کرنے والوں
اور دیگر مہمانوں کی تعداد آٹھ نو سو کے قریب تو شروع ہی سے رہی، آخر میں اس کے دوگنی
تک پہنچ گئی۔ اس کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت شیخ نے لکھوایا ہے کہ۔

اس ناکارہ کا اصلی مذاق تو انتہائی یکسوئی کا ہے.... مگر اپنے ذوق اور
طبیعت کے خلاف موجودہ دور کے اپنے اکابر اور احباب کے اصرار پر یہ ہجوم گوارا
کرنا پڑتا ہے، ہمیشہ سے اس کی کوشش رہتی ہے کہ اگر خدانخواستہ کچھ اپنے
کو معمولی نقصان بھی پہنچ جائے اور دوسرے کو اس سے زیادہ نفع پہنچ جائے
تو اسے برداشت کر لینا چاہیے"۔ (آگے اسی سلسلہ میں حضرت شیخ نے یہ بھی
فرمایا ہے کہ) بعض مخلصین کا یہ اصرار ہے کہ بعض اکابر کی طرح سے رمضان میں
کھانے کا انتظام اپنے ذمہ نہ رکھا جائے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں مجمع
کی قلت بہت ہو جائے گی مگر اس میں ان لوگوں کا بہت حرج ہے جو واقعی
کام کرنے کی نیت سے آتے ہیں کہ ان کو سحر و افطار کے انتظام میں وقت

بہت ضائع کرنا پڑے گا۔ ماہ مبارک بہت ہی قیمتی زمانہ ہے، کاش میرے دوست اس کی اہمیت کو پہچانیں اور اس کو زیادہ سے زیادہ وصول کرنے کی کوشش کریں کہ اس کی برکات سال بھر تک رہتی ہیں۔"

رمضان مبارک کے بعد بھی قریباً ڈیڑھ مہینہ سہارنپور میں حضرت شیخ کا قیام رہا۔ ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ (مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۷۴ء) کو حجاز مقدس کے لیے سفر شروع ہوا۔ دہلی تک بذریعہ کار وہاں سے بمبئی اور پھر وہاں سے جدہ بذریعہ طیارہ۔ مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ کیا اس کے بعد اپنی سخت معذوری کے باوجود حج میں بھی شرکت کی، مکہ معظمہ میں قیام حسب معمول بھائی سعدی کے ہاں اور مدرسہ صولتیہ میں رہا۔ حج سے فارغ ہو کر ۱۵ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ کے لیے روانگی ہو گئی۔ رات کو راستہ میں بدر میں قیام فرمایا، جہاں اس زمانہ میں آپ کے خاص مسترشد و مجاز اور معالج ڈاکٹر اسماعیل صاحب سرکاری ڈاکٹر کی حیثیت سے مقیم تھے۔ اگلے دن ۱۶ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ حاضری ہوئی۔ حضرت شیخ نے لکھوایا ہے کہ۔

"یہاں پہنچ کر عصر سے پہلے شاہ فیصل مرحوم کے حادثہ (شہادت) کی اطلاع ملی کہ ان کے بھتیجے فیصل ابن مساعد نے تین گولیاں کے بعد دیگرے چلا کر شہید کر دیا، مرحوم کی بیدار مغزی، سطوت وغیرہ اوصاف جمیلہ اتنے زیادہ ہیں کہ اس مختصر میں آنے مشکل ہیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرما کر اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔"

آگے حضرت شیخ نے مدینہ منورہ کے اس زمانہ قیام کے کچھ واقعات کا ذکر فرماتے ہوئے آپس کے اختلافات اور تعلقات کے متعلق ایک ناصحانہ مضمون لکھوایا ہے، اس کی آخری سطریں یہ ہیں۔

"میری اپنے دوستوں کو نصیحت ہے کہ مخالفت کے حدود ہوتے ہیں جس میں آج کل بہت ہی افراط و تفریط ہو رہی ہے۔ جس سے ذرا سی مخالفت ہوئی ہر برائی اس کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے محض توہمات پر حکم لگائے جاتے ہیں، حالانکہ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ

كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُلًا ٥" کہ کان، آنکھ، دل ہر چیز سے قیامت میں سوال کیا جائے گا۔" (آگے اسی سلسلہ کلام میں حضرت شیخ نے فرمایا ہے کہ) معمولی سی مخالفت پر ہر چیز کو بلا تحقیق دوسرے کے ذمہ تھوپنا بڑی خطرناک چیز ہے اور پھر قیاسات سے ان کو روایات بنا دینا بڑی سخت فرمائی ہے، اس سے میرے دوستوں کو بڑے احتراز کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بہت خطرناک چیز ہے۔"

اسی سلسلۂ کلام میں حضرت شیخ نے ایک اور اصولی بات بڑے اہتمام اور بہت تفصیل سے لکھائی ہے یہاں اس کو تلخیص ہی کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ فرمایا ہے کہ

آج کل اس کا زور ہو رہا ہے کہ اکابر کے بعض خلفاء پر تنقید کرتے ہیں۔ وہ صورۃً تو ان لوگوں پر تنقید ہوتی ہے مگر پس منظر ان اکابر پر ہوتی ہے جنھوں نے اجازت دی۔ ان میں زیادہ تر حصہ تو ان باتوں کا ہوتا ہے جن میں اپنی بدگمانیوں کو زیادہ دخل ہوتا ہے۔ محض سنی سنائی باتوں پر بلا تحقیق بدگمانیاں اور غلط فہمیاں اس کا سبب ہوتی ہیں۔ حالانکہ آدمی کو دوسروں کی فکر نہیں کرنی چاہیے، اپنی فکر رکھنی چاہیے۔ قیامت میں کسی سے یہ سوال نہیں ہونے کا کہ فلاں نے فلاں کو اجازت کیوں دی تھی؟ وہاں سوال تو اپنے ہی عمال سے ہوگا۔

مرا پیر دانائے مرشد شہاب	دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش	دگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

آگے اس سلسلہ میں فرمایا ہے کہ

جہاں صریح بے دینی کسی خلیفہ کی معلوم ہو جائے اس وقت بھی اکابر پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ اجازت تو اجازت کے وقت کے حالات پر ہوتی ہے۔ اگر اجازت کے وقت کسی شخص کا حال اس قابل ہو اور بعد میں بدل جائے تو اس میں اجازت دینے والے پر کیا الزام ہو سکتا ہے۔ (آگے اسی سلسلہ میں ارشاد

فرمایا ہے کہ) بیعت ہونے کے لیے یہ کافی نہیں کہ فلاں کا مجاز ہے بلکہ اس کے موجودہ حالات کا دیکھنا ہے کہ اتباع شریعت کس درجہ میں ہے کہ اصل مدار اتباع شریعت ہے، اتباع سنت میں جو شخص جتنا عالی ہوگا اتنا ہی مقتدا بننے کے قابل ہوگا ــ کسی پر بدگمانی کرنا دوسری چیز ہے اور اس کا معتقد ہو کر بیعت ہونا دوسری چیز ہے، ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ اور دونوں میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

آگے عنوان ہے۔ سفرِ ہند ۱۳۹۵ھ

حضرت شیخ ۹۴ھ کے حج سے فارغ ہو کر وسط ذی الحجہ میں مدینہ منورہ پہنچے تھے۔ کچھ ہی عرصہ کے بعد آئندہ رمضان سہارنپور میں گزارنے کے لیے مختلف حضرات کی طرف سے تقاضے شروع ہو گئے۔ اس سلسلہ میں حضرت نے لکھایا ہے کہ

اس ناکارہ کا تقریباً پچاس سال سے معمول ہے کہ اہم کام میں استخارہ اہتمام سے کرتا ہے۔ "مقاصد حسنہ" ص۳۶ میں طبرانی کے حوالہ سے بروایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے "ماخاب من استخار" الحدیث (کہ جو استخارہ کرے وہ نامراد نہیں ہوتا۔ اس لیے ہندوستان جانے یا حجاز آنے میں اپنا جذبہ کچھ نہیں ہوتا، استخارہ کا اہتمام ضرور کرتا ہوں اور اپنے دوستوں کو بھی تاکید کرتا ہوں کہ اہم امور میں بالخصوص نکاح کے بارے میں استخارہ کا ضرور اہتمام کیا کریں، جتنے تقاضے (مختلف اطراف سے ہندوستان کے سفر کے) ہوتے رہے ہیں اس کو استخارہ کا ثمرہ سمجھتا رہا، اور بہت سے مؤیدات جن کا تحریر کرانا بھی مناسب نہیں، ایسے پیدا ہوئے جن کی بنا پر اس ناکارہ نے رمضان ہندوستان گزارنے کا ارادہ کر لیا۔

آگے حضرت شیخ نے اس سفر کی تفصیل لکھوائی ہے، یہ سفر رجب ۹۵ھ کے اواخر میں مدینہ طیبہ سے شروع ہوا، پہلے مکہ معظمہ آکر عمرہ کیا۔ ۲۸ رجب ۹۵ھ مطابق ۶ اگست ۷۵ء کو مکہ معظمہ سے

جدہ آکر بمبئی کے لیے روانہ ہوئے اور مغرب سے پہلے پہنچ گئے، ایک دن بمبئی قیام فرما کے اگلے دن صبح طیارہ سے دہلی تشریف لے آئے اور اس کے اگلے دن کاندھلہ، تھانہ بھون اور جھنجھانہ ہوتے ہوئے شروع شعبان میں سہارنپور پہنچ گئے ۔ ہر طرف سے زائرین اور مہمانوں کی ریل پیل رہی۔ رمضان مبارک شروع ہونے پر دار جدید کی مسجد میں اعتکاف شروع ہوگیا۔ حضرت شیخ نے اس اعتکاف کا نظام الاوقات بھی تفصیل سے لکھوایا ہے ــــ رمضان کے بعد قریبا پورا شوال سہارنپور قیام رہا ہر طرف سے زائرین اور مہمان سیکڑوں کی تعداد میں روزانہ آتے رہے۔

شوال ۹۵ھ میں ہند سے مدینہ منورہ واپسی

۴ شوال ۹۵ھ کو مدینہ منورہ واپسی کے لیے سہارنپور سے سفر شروع ہوا۔ پاکستان کے مخلصین و محبین کے اصرار او بعض دوسرے مقاصد و مصالح کی وجہ سے یہ طے کیا گیا کہ یہ سفر پاکستان ہو کر کیا جائے گا۔ ۔ بوڈر (ہندوستان و پاکستان کی سرحد) تک جایا جائے اور آگے کار ہی سے رائیونڈ (یہاں تبلیغی اجتماع ہونے والا تھا اور جو پاکستان کا تبلیغی مرکز ہے) اس تجویز کے مطابق سہارنپور سے بذریعہ کار کاندھلہ، کیرانہ ہوتے ہوئے پہلے پانی پت پہنچے، (ملحوظ رہے کہ حضرت شیخ کی کار کے ساتھ کاروں کا ایک پورا قافلہ تھا۔ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب، حضرت مولانا محمد عمر پالن پوری، حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی، حضرت مولانا منور حسین صاحب جیسے اکابر بھی ساتھ تھے) پانی پت میں شاہ شرف الدین اور شیخ جلال الدین تھانیسری، کبیر الاولیاء، اور قاضی ثناء اللہؒ کے مزارات پر فاتحہ پڑھی نیز جہانگیر کے وزیر نواب مقرب خاں کے مزار پر بھی، (جن کو حضرت شیخ کے خاندان کا مورث اعلیٰ بتلایا جاتا ہے) پانی پت سے روانہ ہو کر بلاسپور پہنچے۔ حضرت شیخ نے بلاسپور کے بارہ میں لکھایا ہے کہ یہاں

"۱۳ انبیاء علیہم السلام کی قبریں بتائی جاتی ہیں، ایک احاطہ ہے جس میں یہ قبور ہیں، آس پاس اب سکھوں وغیرہ کی آبادیاں ہیں فالی اللہ المشتکی"۔
آگے حضرت شیخ نے اسی سلسلہ میں حضرت تھانویؒ کے مجموعہ ملفوظات "حسن العزیز" کا ایک ملفوظ مولانا صوفی افتخار الحسن صاحب کاندھلوی کے مکتوب کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے۔

فرمایا: ہندوستان میں بھی بعض انبیاء علیہم السلام کے مزار ہیں۔ براس جو ایک جگہ ہے انبالے سے آگے، بجلانے کی سرائے اسٹیشن سے اتر کر وہاں ایک احاطہ ہے، اس میں مزار ہیں، نشان کل قبروں کے نہیں، حضرت مجدد صاحب کو کشوف ہوا کہ یہاں انبیاء علیہم السلام کے مزار ہیں ......
آگے مولانا صوفی افتخار الحسن صاحب کے اس مکتوب ہی سے حضرت شیخ نے یہ بھی نقل کرایا ہے:
حضرت مجدد کی ایک سوانح جو "حضرت مجدد الف ثانیؒ" کے نام سے مشہور ہے مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب (مقیم کراچی) کی تصنیف ہے، اس کے صفحہ ۱۸۶ پر ہے کہ:
"ایک دن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا شہر سرہند سے باہر جنوبی شرقی کی طرف چند میل کے فاصلہ پر ایک مقام براس سے گزر ہوا، اس گاؤں کے متصل شمالی جانب ایک بلند ٹیلہ ہے۔ آپ وہاں تشریف لائے، وہیں نماز ظہر ادا فرمائی اور پھر دیر تک مراقبہ کرنے کے بعد ہمراہیوں سے فرمایا کہ نظر کشفی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ پر انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں مجھے ان بزرگوں کی روحانیت سے ملاقات بھی حاصل ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات و تنزیہ و تقدیس کی نسبت جو کچھ اہل ہنود کے پیشواؤں نے لکھا ہے وہ انہی انبیاء علیہم السلام کے علوم سے حاصل کیا ہے، یہ ان انبیاء علیہم السلام کی ہجرت گاہ ہے۔"
حضرت مجدد قدس سرہ ایک مکتوب میں جو صاحبزادے خواجہ محمد سعید

کے نام ہے ان انبیاء علیہم السلام کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"اے فرزند! فقیر جس قدر ملاحظہ کرتا ہے اور نظر کو وسیع کرتا ہے ایسی کوئی جگہ نہیں پاتا جہاں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت نہ پہنچی ہو بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ آفتاب کی طرح ہر جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا نور پہنچا ہے، حتیٰ کہ یاجوج ماجوج میں بھی جن کی دیوار حائل ہے۔ اور گزشتہ امتوں میں ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جگہ بہت کم ہے جہاں کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو۔ حتیٰ کہ زمین ہند میں بھی، جو اس معاملہ سے دور دکھائی دیتی ہے معلوم کرتا ہے کہ اہل ہند سے بھی پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اور صانع جل شانہ کی طرف دعوت فرمائی ہے اور ہندوستان کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے انوار شرک کے اندھیروں میں مشعلوں کی طرح روشن ہیں، ان کے شہروں کو متعین کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔" (مکتوب ۲۵۹ مکتوبات جلد اول ص ۳۸۶)

آگے حضرت شیخ نے لکھایا ہے کہ "براس سے ہنکے روانہ ہو کر ۲ ½ بجے سرہند شریف پہنچے" اس دن کے باقی حصہ میں اور رات کو بھی وہیں قیام کا پروگرام تھا، چنانچہ پورے قافلہ کا خانقاہ ہی میں قیام رہا (حضرت شیخ نے اس قیام کی بھی پوری روداد تفصیل لکھائی ہے جو آپ بیتی کے کئی صفحے پر ہے) اگلی صبح سرہند شریف سے روانہ ہو کر باڈر پر پہنچے اور افسران کی خصوصی اجازت سے اپنی ہی کاروں سے پاکستانی باڈر تک پہنچے۔ وہاں پاکستانی حضرات کی بہت سی کاریں منتظر تھیں ان سے روانہ ہو کر رائے ونڈ پہنچے۔ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، رائیونڈ میں تبلیغی اجتماع تھا، طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے اجتماع کے بعد بھی رائیونڈ میں قیام رہا، قریباً ایک ہفتہ وہاں قیام کے بعد لائل پور اور سرگودھا ہوتے ہوئے موضع ڈھڈیاں پہنچے (جو حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کا آبائی وطن مولد اور پھر مدفن ہے) اس دن اور رات کو بھی وہیں قیام کا پروگرام تھا، ایسا ہی ہوا حضرت نے ڈھڈیاں کے اس قیام کا ذکر کرتے ہوئے لکھایا ہے کہ۔

ظہر کی نماز پڑھ کر زکریا تو مزار پر پہنچ گیا اور مولوی محمد عمر صاحب (پالن پوری) سے کہا کہ آپ اپنا کام جاری کردیں، انھوں نے تبلیغی تقریر شروع کردی۔ عصر کے قریب زکریا بھی مسجد پہنچ گیا اور مولانا محمد عمر صاحب کے پاس بیٹھ کر شاہد سے یہ اعلان کرایا کہ ایک ضروری اعلان کرنا ہے وہ یہ ہے کہ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تبلیغ اور تصوف دو الگ الگ چیزیں ہیں، میں ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ یہ علی العموم صحیح نہیں۔ چونکہ میرا تعلق بذات خود تبلیغ سے بھی ہے اور تصوف سے بھی، بعض مشائخ اپنے مریدوں کو تبلیغ میں لگنے سے منع کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ "یہ توحید مطلب" کے خلاف ہے۔ یہ ان کا منع کرنا قاعدہ کلیہ نہیں، بلکہ مشائخ اور بزرگوں کا اپنا اپنا مزاج ہوتا ہے۔ یہ ان کا منع کرنا ایسا ہی ہے جیسے ڈاکٹر حکیم کسی کو شکر کے استعمال سے روک دے، چنانچہ ذیابیطس میں روک دیتا ہے۔ بعض بیماروں کو نمک سے روک دیا جاتا ہے بعض کو پانی سے روک دیا جاتا ہے اس کو یہ سمجھ لینا کہ یہ ممانعت ہر شخص کے لیے ہے بالکل غلط ہے...... میں چونکہ حضرت قدس سرہ کا بھی آدمی ہوں اور حضرت رائے پوری سے بھی مجھے اجازت ہے اس لیے بڑے زور سے کہوں گا کہ جہاں تک ہو سکے تبلیغ میں وقت لگاؤ۔"

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے اس رات بھی قیام ڈھڈیاں ہی میں رہا، اگلے دن وہاں سے راولپنڈی روانگی ہوئی، وہاں بھی بس اسی دن اور رات کو قیام رہا۔ سہارنپور سے راولپنڈی تک کا سارا سفر کاروں ہی کے ذریعہ ہوا۔ (سہارنپور سے ہندو پاکستان کے باڈر تک بھی کاروں کا ایک پورا قافلہ تھا اور پھر باڈر سے راولپنڈی تک پورے سفر میں بھی ایسا ہی رہا) راولپنڈی سے کراچی کا سفر طیارہ سے ہوا۔ حضرت شیخ اور ان کے رفقاء حضرت مولانا انعام الحسن صاحب و مولانا محمد عمر پالن پوری وغیرہ نے قیام کراچی کے تبلیغی مرکز مکی مسجد میں کیا۔ کراچی میں جب تک قیام رہا مسلسل مشغولیت رہی ۔۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کچھ دن پہلے سخت علیل ہو چکے تھے، قلبی دورہ پڑا تھا، اگرچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے افاقہ ہو گیا تھا لیکن

انتہائی درجہ کا ضعف تھا، حضرت شیخ عیادت وملاقات کے لیے ان کے یہاں بھی تشریف لے گئے۔ حضرت مفتی صاحب نے اپنے مدرسہ کے حالات کا اور خاص کر دینی مدارس کے طلبہ کی حالت میں جو غیر معمولی تغیر آیا ہے اس کا ذکر فرمایا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ یہ بلا عام ہے ہر جگہ یہی حال ہے اور اس کا علاج ذکراللہ کی کثرت اور اس کا اہتمام ہے پھر حجاز مقدس پہنچ کر حضرت شیخ نے اس موضوع پر حضرت مفتی صاحب اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوری (علیہما الرحمہ) کو مفصل خطوط لکھے، ان حضرات کی طرف سے بھی شیخ کو خطوط لکھے گئے اور طرفین سے کئی کئی خطوط لکھے گئے، یہ مکاتیب آپ بیتی ۸ کے ص۱۴۵ سے ص۱۶۵ تک (اور بیس۲۰ صفحات پر) ہیں۔ کاش اہل مدارس اِن کا مطالعہ فرمائیں۔ ان میں ان شیطانی فتنوں کا پورا علاج ہے جو ہمارے دینی مدارس میں آئے دن برپا ہوتے رہتے ہیں۔

کراچی سے پروگرام کے مطابق مکہ مکرمہ کے لیے روانگی ہوئی۔ مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت شیخ کا قیام حسب معمول بھائی سعدی کے ہاں اور مدرسہ صولتیہ میں رہا۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کیا، ایام حج آجانے پر حج کیا اور ۲۱ ذی الحجہ کو مدینہ منورہ کے لیے روانگی ہوگئی۔

جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہوچکا ہے حضرت شیخ کو سنہ ۹۳ھ میں سعودی حکومت کی طرف سے اقامہ حاصل ہوچکا تھا۔ چند مہینے مدینہ منورہ میں قیام کے بعد مشوروں، استخاروں اور بعض مخلصین کے مکاشفات ومنامات کے نتیجہ میں اس سال پھر رمضان مبارک سہارنپور گزارنے کا فیصلہ فرمایا گیا۔ وسط جمادی الثانیہ سنہ ۹۶ھ میں مدینہ منورہ سے ہندوستان کے ارادہ سے سفر شروع ہوا۔

سفر ہند سنہ ۹۶ھ

۱۴ جمادی الثانیہ سنہ ۹۶ھ (۱۲ جون سنہ ۷۶ء) مدینہ منورہ سے روانگی ہوئی، رات کو بدر میں قیام رہا جہاں حضرت کے خاص مسترشد ومجاز اور معالج ڈاکٹر اسماعیل صاحب سرکاری ڈاکٹر کی حیثیت سے متعین تھے۔ اگلے دن وہاں سے روانہ ہوکر مکہ معظمہ پہنچے۔ عمرہ کیا،

دو ہفتے سے بھی کچھ زیادہ مکہ مکرمہ میں بھائی سعدی کے مکان پر اور مدرسہ صولتیہ میں حسب معمول قیام رہا۔ ۲۹ جون کو عشاء کے بعد طواف وداع کر کے جدہ آ گئے، ۳۰ جون کی صبح طیارہ سے روانہ ہو کر سہ پہر کو بمبئی آ گئے، ۳ دن وہاں قیام رہا، ۴ جولائی کو بذریعہ طیارہ بمبئی سے دہلی نظام الدین آ گئے۔ ۴ دن وہاں قیام رہا۔ ۹ رجب (مطابق ۸ جولائی) ۸ بجے صبح سہارنپور پہنچ گئے، حسب معمول اولاً مدرسہ کی مسجد میں اتر کر تحیۃ المسجد ادا کی، بعد میں گھر تشریف لائے۔

اس مرتبہ قریباً ۵ مہینے سہارنپور قیام رہا جس میں حسب معمول گنگوہ، رائے پور، دیوبند وغیرہ ہم یک روزہ سفر بھی ہوئے۔ ۲۸ اگست ۷۶ء کو رمضان مبارک شروع ہوا اور حضرت شیخ نے حسب معمول پورے ماہ مبارک کا اعتکاف دار جدید مظاہر علوم کی مسجد میں فرمایا، مسجد کی دونوں منزلیں معتکفین سے بھری رہیں، غیر معتکفین کی بھی بڑی تعداد دار جدید کے حجروں وغیرہ میں مقیم رہی۔ حضرت شیخ نے رمضان مبارک کا پورا نظام الاوقات بھی لکھوایا ہے۔ مجمع شروع رمضان ہی میں ایک ہزار کے قریب پہنچ گیا تھا اور آخر میں اٹھارہ سو تک۔ (یہ سب حسب معمول حضرت شیخ کے مہمان رہے اور شیخ کی مہمانی کی نوعیت کو وہی جانتے ہیں جن کو اس کے تجربہ کی سعادت حاصل ہوتی رہی ہے)
رمضان مبارک کے بعد بھی سہارنپور حضرت شیخ کا قیام کچھ کم دو مہینے رہا۔ قریباً ۴-۵ مہینے کے سہارنپور کے اس قیام کے زمانے کے اہم واقعات اور ملاقاتوں کا تذکرہ بھی اس آپ بیتی ۷ کے قریباً دس صفحات پر حضرت شیخ نے لکھوایا ہے۔

ہند سے مدینہ کے لیے روانگی

۲۲ ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ (مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۷۶ء) سہارنپور سے دہلی کے لیے روانگی ہوئی، تین دن نظام الدین قیام رہا۔ پاکستانی احباب و مخلصین کی شدید خواہش و اصرار پر براہ کراچی سفر کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ ۲۵ ذی قعدہ کو دہلی سے بذریعہ طیارہ کراچی پہنچنا

ہوا، صرف تین دن کا عبوری ویزا تھا۔ حسب معمول کراچی کے تبلیغی مرکز کی مسجد میں قیام رہا
کراچی کی ۲۹ ذیقعدہ (۲۲ نومبر) کی صبح جدہ کے لیے روانگی ہوئی اور جدہ پہنچ گئے۔
چونکہ حضرت شیخ کی طبیعت زیادہ خراب تھی، اس حال میں نہیں تھے کہ مکہ معظمہ جا کر عمرہ
کریں اس لیے شیخ نے عمرہ احرام بھی نہیں باندھا تھا لہذا اسی دن جدہ سے مدینہ منورہ
کے لیے روانہ ہو گئے اور شام کو پہنچ گئے۔ ایام حج میں بھی قیام مدینہ منورہ ہی میں رہا
اس کے بعد چھ مہینے سے بھی کچھ زیادہ مدت یہاں قیام رہا۔ حسب معمول اس زمانہ قیام
کے بہت سے واقعات بھی حضرت شیخ نے "روزنامچہ" یا کہا جائے کہ "خبرنامہ" کے طرز پر
لکھائے ہیں۔ اس سلسلے میں اس آپ بیتی ۵ کے ۲۱۲، ۲۱۳ پر واقعات و حوادث کا
بتعین تاریخ جو ذکر کیا گیا ہے وہ بطور نمونہ تلخیص کے ساتھ ذیل میں نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔

۱۳ ذی الحجہ کی شب میں ڈاک خانہ میں آگ لگی، دس ہزار خطوط جل گئے۔
اس سال دو ہفتے کے لیے مسجد نبوی ساری رات کھلی رہی۔ ہجوم کی کثرت تھی۔
۱۵ ذی الحجہ کی شب میں علی میاں عشاء کے بعد (مدینہ منورہ) پہنچے۔
۱۶ ذی الحجہ کو قبیل مغرب بھائی حبیب اللہ دہلوی کے مکان کے قریب ایک
بوسیدہ دیوار گری جس سے پانچ آدمی شہید ہو گئے۔ اور بہت سے زخمی۔
۹ دسمبر کی شب میں مولانا قاسم صاحب شاہجہاں پوری فتحپور (ضلع بارہ بنکی)
میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (یہاں حضرت شیخ نے ان کے
مخلصانہ اور بعض خدمات کا ذکر فرمانے کے بعد لکھایا ہے کہ) یہ ناکارہ مولانا کے
احسانات کا بدلہ دعا اور ایصال ثواب کے سوا کیا کر سکتا ہے۔
علی میاں مدینہ منورہ ایک ہفتہ قیام کے بعد واپس تشریف لے گئے۔
۶ محرم ۱۳۹۷ھ ۲۷ دسمبر کو دارالعلوم بولٹن (انگلینڈ) کا پہلا سالانہ جلسہ ہوا،
زیر صدارت مولانا اسعد مدنی۔
۸ محرم ۲۹ دسمبر کو عزیز محمد احمد شاغل مرحوم جو اپنے لڑکے کی شادی کے سلسلہ
میں کراچی گئے ہوئے تھے، کراچی ہی میں انتقال کر گئے۔

۲۶ محرم ۱۳۹۷ھ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں حفاظ قرآن کا مقابلہ کا امتحان ہوا جن میں پانچ آدمی نمبر اول تھے ان میں عزیز عطاء الرحمٰن بھی تھا، ڈیڑھ ہزار ریال انعام تجویز ہوا۔

۴ صفر ۱۳۹۷ھ ۲ فروری ۱۹۷۷ء کی شب میں عزیز خالد سہارنپوری کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔

۲۲ ماہ کی ایمرجنسی کے بعد الکشن میں اندرا کے ہار جانے کی وجہ سے آج ۱۳ مارچ ۱۹۷۷ء کو ایمرجنسی ختم ہوگئی ۔ کانگریس ۳۰ سالہ دور میں پہلی دفعہ اس سال نس بندی کے مظالم کی وجہ سے قریباً سارے ہی صوبجات ہند میں ناکام ہوگئی۔

پاکستان میں الکشن اور اس کے بعد کثرت سے مظالم ہوتے رہے، جب کہ ہندوستان میں اندرا نے اپنی ہار مان کر وزارت سے علٰحدگی اختیار کرلی۔

۱۸ اپریل ۱۹۷۷ء کو حضرت رائے پوری قدس سرہ کے خادم خاص) ابراہیم پہلوان لائلپوری کا لڑکا جو جلوس میں جارہا تھا شہید ہوگیا اور بہت کثرت سے شہادتیں اور قید و بند اور زخمیوں کی خبریں پاکستان سے پہنچ رہی ہیں، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

مدینہ منورہ کے اس قیام کے زمانے کے واقعات و حوادث حضرت شیخ نے اسی طرح لکھوائے ہیں۔ سطور بالا اس کا صرف نمونہ ہیں۔ آگے صفحہ ۲۱ پر عنوان ہے۔

سفرِ ہند ۱۳۹۷ھ

اس عنوان کے تحت حضرت شیخ نے لکھوایا ہے۔

زکریا کا معمول یہ ہے کہ ہندوستان سے واپسی پر پہلے ہی دن سے آئندہ رمضان کے لیے استخارہ شروع کردیتا ہے.... ۲۴ جمادی الثانیہ کو ایک صالح آدمی کے مکاشفہ میں .... یہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچے۔

رحلة سعيدة، موفقة، مباركة و مقبولة انشاءاللہ تعالیٰ...
اس پر ارادہ کرلیا اور ۲۴ جمادی الثانیہ ہی کو مکہ مکرمہ روانگی ہوگئی، مغرب بدر میں پڑھی۔ صوفی اقبال، ڈاکٹر اسماعیل، بھائی یحییٰ کی مشترکہ دعوت ہوئی، صبح کی نماز کے بعد شہداء پر حاضری ہوئی (حجازی وقت کے حساب سے) ایک بجے بدر سے چل کر ۴ بجے (مکہ مکرمہ) عزیز سعدی کے گھر پہنچ گئے۔ عشاء کے بعد حسب معمول بھائی سلیم کے یہاں زوردار دعوت ہوئی اس کے بعد عمرہ کیا اور عزیز سعدی کے گھر جاکے سوگئے۔ عزیز سعدی نے کہا کہ تھائے کا غذات "تابعیہ" کے (یعنی حجاز پاک کی شہریت (نیشنلٹی) کے) آگئے ہیں مگر دفتر جانا ضروری ہے، دوپہر کو عزیز حلیم کی کار میں بھائی شمیم کے ساتھ دفتر پہنچے۔ عزیز سعدی پہلے جاچکا تھا، اس کی تلاش میں آدھ گھنٹہ کھڑا رہنا پڑا، اس کے بعد مدیر جوازات کا راہی پر آگئے، بہت معذرت کی کہ میں تو تکلیف نہ دیتا مگر حلف نامہ میں سامنے ہونا شرط ہے، دس منٹ میں کارروائی پوری ہوگئی اور میں واپس آگیا۔ عزیزان سعدی اور شمیم اس کی تکمیل کراتے رہے۔

۳۱ جون ۱۹۸۰ء ۵ رجب ۱۴۰۰ھ کو تابعیہ مجھ تک پہنچ گیا، اس پر ہجرت کی نیت کرلی۔ میں نے تو دو سال پہلے مولانا علی میاں سے اور عزیز عبدالحفیظ سے کہا تھا کہ مجھے "تابعیہ" دلوا دو، مگر ان دونوں نے بڑے زور سے مخالفت کی تھی کہ "اقامہ" میں زیادہ سہولت ہے بہ نسبت "تابعیہ" کے، میں نے تو ارادہ ملتوی کر دیا تھا مگر عزیز سعدی سے بھی اس کا تذکرہ آیا تھا، اس نے اللہ تعالیٰ اسے جزائے خیر دے خود ہی درخواست دے کر اس مرحلہ کو نمٹا دیا، اس عزیز کو اللہ تعالیٰ فلاح دارین نصیب فرمائے، میرے حجازی کام ہمیشہ اسی نے نمٹائے۔

اس مرتبہ ایک مہینہ سے بھی کچھ زیادہ مکہ معظمہ میں قیام رہا۔ ۲۸ رجب ۱۴۰۰ھ (مطابق ۱۲

جولائی ۱۹۷۳ء) ہند کے ارادہ سے مکہ مکرمہ سے جدہ کے لیے روانگی ہوئی، براہ کراچی دہلی جانے کا پروگرام تھا۔ اگلے دن جمعہ کی صبح طیارہ سے کراچی کے لیے روانہ ہوگئے۔ یہاں حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ:

جدہ سے روانگی کے ایک گھنٹہ بعد (ہوائی جہاز کے کیپٹن عثمان کا پیام پہنچا کہ مجھے بیعت ہونا ہے کل کس وقت حاضر ہوں؟ میں نے کہلوایا کہ اگر آپ آسکتے ہو تو آجاؤ، وہ اپنا نائب مقرر کرکے آگیا، میں نے اپنے اعذار پیش کیے اور کہا کہ پاکستان میں بہت سے مشائخ موجود ہیں اس نے کہا کہ دل قبضہ کا نہیں، چنانچہ اس کو بیعت کرلیا۔ اس نے کہا کہ یہ پہلی نظیر ہوگی کہ جہاز پر بیعت کیا؟ میں نے کہا کہ بالکل صحیح ہے (آگے حضرت شیخ نے لکھا ہے کہ) جہاز چونکہ دو گھنٹے لیٹ تھا اس لیے نماز جمعہ کے بعد پہنچا۔ جہاز سے اترتے ہی حاجی فرید کی گاڑی میں کلی مسجد پہنچ گئے، وہاں اپنا جمعہ پڑھا۔"

آگے حضرت شیخ فرماتے ہیں۔

پیر کے دن میں ظہر کا وضو کر رہا تھا کہ حاجی فریدالدین صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ اسی وقت مکہ سے ٹیلی فون آیا ہے کہ رات بھائی سلیم (مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے مہتمم مولانا محمد سلیم صاحب) کا انتقال ہوگیا۔ زکریا نے ظہر کی نماز میں بھی عصر کی نماز میں بھی دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کے لیے اعلانات کرائے اور چلنے کے وقت تک اکثر مجلس میں یہ اعلانات ہوتے رہے۔ عزیز سعدی کے خط سے حادثہ کی تفصیل معلوم ہوئی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سانس کی تکلیف ان کو عرصہ سے چل رہی تھی، ایک حالت پر زیادہ دیر نہیں رہ سکتے تھے، کبھی لیٹتے تھے کبھی بیٹھتے تھے، جس رات کو انتقال ہوا طبیعت بہت اچھی تھی، کھانا سب کے ساتھ کھایا، ہنستے بولتے رہے، ۳ ½ بجے (حجازی وقت کے حساب سے) سب کو حکم دیا کہ اپنے اپنے

بستر پر جاکر آرام کریں، سب چلے گئے، آرام کیا۔ ۹ بجے صبح کو والدہ شمیم کی آنکھ کھلی تو سردی محسوس ہو رہی تھی، انھوں نے کولر بند کر دیا، قریب جاکر دیکھا تو بے سُدھ سوئے ہیں، سانس وغیرہ کی آواز نہیں ہے، انھوں نے آوازیں دیں مگر کوئی حرکت و آواز نہیں، وہ شمیم کو بلا کر لائیں تو انھوں نے آکر دیکھا کہ وہ تو چل دیے ۔ صبح کی اذان پر بھائی شمیم کا ٹیلی فون آیا کہ ابا جان رات کو کسی وقت چل دیے، جنازہ کا وقت عصر کی نماز میں طے ہوا، ہجوم صبح ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ ظہر کے بعد اوپر کی منزل سے اتار کر مدرسہ کی درمیانی منزل میں غسل دیا گیا۔ مولوی غلام رسول، مولوی عطاء المہیمن بن عطاء اللہ شاہ بخاری نے غسل دیا، اس کے بعد مردوں اور عورتوں کو آخری زیارت کرانے کے بعد جنازہ کو نیچے اتارا گیا۔ مدرسہ کے نیچے کے ہال میں شیخ حسن مشاط نے اول نماز جنازہ پڑھائی اور عصر کی نماز کے بعد حرم میں دوبارہ نماز جنازہ ہوئی، جنازہ میں بہت ہجوم تھا۔ سید علوی مالکی کے بعد یہ دوسرا جنازہ تھا جو حرم سے جنۃ المعلیٰ تک ذکر بالجہر کرتا ہوا گیا۔ ۷ بجے معلی اپنے احاطہ میں پہنچے، حکیم نعیم کی قبر میں دفن کیا گیا، اسی میں شیخ الدلائل شیخ عبدالحق بھی مدفون ہیں۔

جیسا کہ معلوم ہو چکا حضرت شیخ کو مولانا محمد سلیم علیہ الرحمہ کے حادثۂ انتقال کی اطلاع کراچی پہنچنے کے چوتھے دن دوشنبہ کو ظہر سے پہلے مل چکی تھی، اسی دن شب میں پروگرام کے مطابق کراچی سے روانہ ہو کر دہلی پہنچے، یہاں بھی ۴ دن قیام رہا اور شنبہ کی صبح کو کار سے میرٹھ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ کے مزار پر اور دیوبند میں حضرت مدنیؒ اور دیگر اکابر کے مزارات پر کچھ دیر ٹھہرتے ہوئے ظہر کی نماز کے قریب سہارنپور پہنچ گئے ۔ دوسرے دن کار سے گنگوہ کا سفر کیا۔ ۱۰ شعبان ۲۸ جولائی کو مسلسلات اور بخاری کا ختم کرایا۔ اس موقع پر حضرت شیخ کی طرف سے یہ اعلان بھی لکھ کر مظاہر علوم کے بورڈ پر لگوایا گیا۔

"جو حضرات کسی بھی مدرسہ کی اسٹرائک میں شریک ہو چکے ہوں ان کو میری طرف

سے اجازت حدیث ہے نہ اجازت بیعت اور جو بیعت کے بعد ارتداد میں شریک ہوئے ہیں ان کی بیعت بھی منسوخ ہے۔ ہندوستان میں مشائخ حقہ کی کمی نہیں جدھر چاہیں رجوع کریں، میری طرف سے اجازت ہے۔

رمضان مبارک میں حضرت شیخ نے حسب معمول دار حدید کی مسجد میں پورے مہینے کا اعتکاف فرمایا۔ اس مرتبہ ساتھ میں اعتکاف کرنے والوں اور دوسرے مقیم مہانوں کی تعداد پہلے تمام سالوں سے بھی زیادہ تھی ۔ شوال کا مہینہ سہارنپور ہی میں گزرا، شروع ذی قعدہ ہی میں حجاز مقدس واپسی کا پروگرام تھا۔ اس سے پہلے رائے پور اور گنگوہ کا سفر بھی فرمایا۔ آپ بیتی نمبر ۶ کا آخری عنوان ہے۔

واپسی از ہند، ذی قعدہ ۹۷ھ مطابق اکتوبر ۷۷ء

یہ سفر بھی ایسے وقت ہوا تھا کہ پاکستان کے تبلیغی مرکز رائیونڈ میں اجتماع ہونے والا تھا، اس لیے طے کیا گیا تھا کہ کاروں سے باڈر اور وہاں سے رائیونڈ پہنچا جائے۔ اس سفر کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ نے لکھوایا ہے۔

۱۷ اکتوبر کی صبح اپنی نماز پڑھ کر زکریا سہارنپور سے (دہلی کے لیے) چلا، متفرق کاریں آگے پیچھے چلتی رہیں، نانوتہ پہنچ کر زکریا تو کار میں رہا اور رفقاء حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے مزار پر گئے، وہاں سے واپسی پر تھانہ بھون اول مولانا ظہور الحسن صاحب کے مکان پر ان سے مل کر کہ ان کو فالج پڑا تھا، بیرون میں حافظ ضامن صاحب اور حضرت تھانوی کے مزار پر حاضری کے بعد جھنجھانہ ظہر سے پہلے پہنچے۔ ظہر کی نماز پڑھ کر وہاں سے کاندھلہ پہنچے (رات کو بھی کاندھلہ ہی قیام رہا) ـــ ۱۸ اکتوبر منگل کی صبح وہاں سے روانہ ہو کر پانی پت کے مزارات پر حاضر ہوتے ہوئے سیدھے سرہند پہنچے۔ ظہر کی نماز وہیں پہنچ کر پڑھی، (رات کو بھی وہیں قیام رہا) رات ہی میں بھائی کرامت کے بھائی کا ٹیلی فون پہنچا

کہ مولوی انعام صاحب ریل سے امرتسر آرہے ہیں اس لیے اس وقت محمد کاندھلوی ایک دو کاریں لے کر امرتسر اسٹیشن روانہ ہوگیا۔
سرہند ہی کے قیام میں مولانا یوسف بنوریؒ کے حادثۂ انتقال کا حال ٹیلی فون سے معلوم ہوا۔ صبح کو کاروں سے روانہ ہوکر بوڈر پر پہنچے اور وہاں سے رائیونڈ پہنچ کر اجتماع میں شرکت رہی۔ ۲۶ اکتوبر کو لاہور سے کراچی روانہ ہوئے، کراچی کے قیام میں اول مولانا بنوری صاحب کے مزار پر حاضری ہوئی اور بہت جی لگا۔ تقریباً دو گھنٹے قیام رہا۔
۳۱ اکتوبر کو کراچی سے ۱۰½ بجے (پاکستانی وقت سے) چلے اور جدہ کے وقت سے ۱۲½ بجے پہنچے .... منگل یکم نومبر کو زکریا مدینہ کے لیے روانہ ہوا (اور اس کے تھوڑی دیر بعد مولانا انعام صاحب مکہ کے لیے) بدر میں ٹھہرتے ہوئے عصر کی نماز کے بعد (مدینہ منورہ میں) مسجد نور پہنچے۔
اس کے بعد حضرت شیخ کا قیام اس سال مدینہ منورہ ہی میں رہا، یہ بھی طے فرمایا کہ اس سال رمضان مبارک گزارنے کے لیے بھی سہارنپور جانا نہیں ہے حضرت شیخ نے لکھوایا ہے۔
یکم رجب کو حاجی یعقوب (مرحوم) کو پرچہ لکھا کہ سہارنپور کا رمضان ملتوی ہوگیا، احباب کو اطلاع کردیں اور خصوصی احباب کو تاکید کردیں کہ رمضان اپنی اپنی جگہ کریں۔
آپ بیتی ۵ کے آخری قریباً ۲۰ صفحات کی نوعیت "خبرنامہ" اور "روزنامچہ" کی سی ہے۔ حجاز مقدس میں، ہندوستان میں پاکستان میں اپنے حلقہ و تعلق و تعارف کے ہر طرح کے سینکڑوں واقعات و حوادث کا بتعیین تاریخ ذکر فرمایا گیا ہے۔ نمونہ کے طور پر اس کا آخری ورق نذر ناظرین کیا جا رہا ہے۔
حکیم سعد رشید افریقہ کے دورہ سے ۴ رمضان کو آگئے۔
افریقی چند حضرات مولوی یوسف تتلی وغیرہ پانچ چھ آگئے تھے۔
قاضی (عبدالقادر) صاحب ۳ اگست ۲۹ شعبان کو رمضان گزارنے پاکستان

سے مدینہ پہنچے تھے اور ۲۷ رمضان کو جھاوریاں میں عید کرنے کے لیے تشریف لے گئے، مکہ میں عید پڑھ کر اسی دن ہوائی جہاز سے کراچی چلے گئے وہاں ۲۸ رمضان تھی۔

ہندوستان میں رمضان ۹۰ھ میں بارش کی بہت کثرت رہی، دہلی سہارنپور کے درمیان ریلیں اور بسیں بند ہوگئیں، بعض مواقع پر بہت بربادی ہوئی، اخبار والوں نے ایک کروڑ آدمیوں کا بے گھر ہونا لکھا تھا اعجاز بہاری نے بتلایا کہ اس کے پاس کے کئی گاؤں بہہ گئے۔

۱۵۔ اگست کو مولوی سعید خاں کے سینہ میں درد محسوس ہوا، ڈاکٹر نے دیکھ کر خطرناک بتایا، وہ ہسپتال میں داخل ہوگئے۔ ۲۰ کو ہسپتال والوں نے اجازت دے دی مگر احتیاط کی تاکید کی۔ ہسپتال کے زمانہ میں بہت زیادہ پہرہ رہا، بہت خاص خاص آدمیوں کو ملنے کی اجازت تھی۔

۲۱۔ اگست کو سردار جدہ والے سخت بیمار ہوئے، ہسپتال میں داخل کردیے گئے۔ ایک ہفتہ بعد انتقال فرما گئے۔ تدفین جنۃ المعلیٰ میں ہوئی۔

۲۶۔ اگست کو پاکستان میں مولانا عبدالہادی صاحب دین پوری کا انتقال ہوگیا۔

۷۔ اگست کو مفتی محمود رنگونی لندن سے سیدھے مدینہ پہنچے۔ تین دن کے قیام کے بعد کراچی اور پھر دہلی سہارنپور ہوتے ہوئے واپس رنگون چلے گئے۔

۳ ستمبر کی شب میں عشاء کی اذان حسب معمول ۲ بجے ہوئی، ڈاکٹر اسماعیل نے اس وقت کہا کہ ٹیلی ویژن میں چاند کا اعلان ہوگیا۔ اذان کے بعد گولے اتنی کثرت سے چھٹے اور اس سے زیادہ مسجد نبوی میں تالیاں پیٹی گئیں، اس کے بعد امام صاحب نے فرضوں کے بعد تقریر کی اور خوب ڈانٹا، جنھوں نے ابتلا تالیوں کی کی تھی وہ دو مصری تھے وہ پکڑ لیے گئے۔

۲۷ رمضان ۱۳۹۸ھ کی شب میں جنرل ضیاء الحق حاکم عسکری پاکستان مکہ میں رہے، ساری رات طواف کیے اور ۲۸ کی شب مدینہ میں گزاری، تراویح اور تہجد کی نفلوں میں شریک رہے۔

اسی پر حضرت شیخ نے آپ بیتی ۷ کو ختم کردیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

کئی دن سے طبیعت بہت خراب ہے اس لیے اب تو اسی پر ختم کرتا ہوں کئی دفعہ پہلے بھی ختم کرچکا ہوں مگر جیسا کہ بارہا لکھا نہ تو احباب چھوڑتے ہیں اور مجھے بھی کوئی اکابر کا قصہ یاد آجاوے تو سر کھجلانے لگے۔ لہٰذا اب تو اس حصہ کو ختم کرتا ہوں، مقدر میں ہے تو پھر دیکھا جائے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی
یکم ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ مطابق ۵ فروری ۱۹۸۱ء
مدینہ طیبہ

اللہ تعالیٰ کی توفیق و مدد سے حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کی آپ بیتی کے تمام نمبروں کا تلخیص و انتخاب کا کام ختم ہوگیا۔ فللہ الحمد ولہ الشکر۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اپنے بندوں کو اس سے نفع پہنچائے۔

عربی و اسلامی علوم و فنون کے شائقین کے لئے ــــ اردو زبان میں
تین گرانقدر تحفے
محمد عبید اللہ الاسعدی کے قلم سے
تسہیل البلاغۃ
کتاب میں
فصاحت و بلاغت۔ علم بیان
علم بدیع۔ علم معانی و دیگر فنون کے
مباحث و تفصیلات کو مع امثلہ سہل و مناسب
اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔
● صفحات
● قیمت ۸/۵۰
اصول الفقہ
یہ کتاب مقدمہ و خاتمہ کے ساتھ اصول اربعہ سے متعلق چار ابواب
پر مشتمل ہے۔ مولانا تقی عثمانی صاحب کتاب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔
"میں نے اس کو جستہ جستہ مقامات سے دیکھ لیا ہے ماشاء اللہ خوب ہے
احقر کی رائے میں آپکی یہ تالیف مدارس کے طلبار کیلئے بہترین یادداشت
کا کام دے گی۔ لیکن اس کا اصل فائدہ یہ ہوگا کہ کالجوں ــــ اور
یونیورسٹیوں میں جہاں اصول فقہ کی تعلیم ہوتی ہے وہاں اس کو
بطور نصاب داخل کرنا بھی مناسب ہوگا۔"
صفحات ــــ ۳۰۰
بہت جلد آرہی ہے
علوم الحدیث
اس رسالہ کو
مؤلف نے نئے طرز پر ترتیب دیا ہے، اور فن کی بعض نئی
تصانیف سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ رسالہ مبتدیوں کو فن سے
مناسبت پیدا کرنے کے لئے بہت ہی اچھا اور پسندیدہ رسالہ ہے
میں نے لفظ و تعبیر میں کہیں کہیں ترمیم کردی ہے .... ویسے میں نے
جتنا حصہ پڑھا ہے اس کو قابل اطمینان پایا ہے۔
ــــ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی
(دامت برکاتہم)
صفحات
تقریباً ۴۰
جلد شائع ہو رہی ہے
ملنے کا پتہ: مکتبہ رحمانیہ، ہتھورا۔ ضلع باندہ

مطبوعات
مکتبہ رحمانیہ ہتورا ضلع باندہ
نفیس اکبر
اُستاذ العربیہ
ابتدائی مرحلہ میں عربی زبان سے آشنا کرانے اور عربی سے اردو اُردو سے عربی ترجمہ کی مشق کے لئے۔
۲/-
نفیس اکبر
سیرت خواجہ معین الدین چشتی
چند صفحات پر مشتمل رسالہ جس میں حضرت موصوف کے حالات زندگی درج ہیں۔
-/۹۰
بابُ الدین مظاہری
ذکرِ اشرف
حکیم الامت حضرت تھانوی کی سوانح، کارنامے تلامذہ اور خلفاء کا تذکرہ۔
۲/-
بابُ الدین مظاہری
اَرکانِ نماز
تبلیغی حضرات کے لئے عموماً اور طلباء کے لئے خصوصاً نہایت مفید رسالہ۔
۱/-
بابُ الدین مظاہری
اللہ والوں کے پچیس قصّے
اس کتاب کو پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ اللہ والوں نے اپنی زندگی کس طرح گذاری ہے۔
-/۶۰
بابُ الدین مظاہری
نماز کیا ہے
نماز سے متعلق مختصر رسالہ
-/۶۰
بابُ الدین مظاہری
چہل حدیث
چالیس احادیث مبارکہ کا مجموعہ
-/۲۵
بابُ الدین مظاہری
پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر مکی و مدنی زندگی۔
-/۶۰
بابُ الدین مظاہری
نماز مکمل و مسنون دعائیں
نماز پڑھنے کا طریقہ اور احادیث سے ثابت دعائیں۔
۱/۵۰
ثاقب مرحوم
صہبائے مدینہ
مولانا صدیق احمد صاحب ثاقب و مولانا انتظام حسین صاحب مرحوم کے نعتیہ کلام کا مجموعہ۔
۱/-
ملنے کا پتہ
مکتبۂ حراء
پوسٹ بکس ۳۷۳
لکھنؤ

اختصار اور جامعیت کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں سے متعلق مفید بنیادی معلومات پر مشتمل ایک
ایک گرانقدر پیشکش
اسلام
مکمل دین مستقل تہذیب
تالیف
محمد عبداللہ الاسعدی
دوسرا ایڈیشن
ایمان، توحید
فرشتے، رسالت و نبوت
جلیل القدر انبیاء، خاتم الانبیاء کی بشارتیں، حضور کی مکی مدنی زندگی، حلیہ شریفہ
اخلاق و عادات، اولاد رسول، امہات المومنین
والدین اور اعزہ، تقدیر
آخرت، علامات قیامت
اسلام کے بنیادی ارکان
علم کی شرعی اہمیت و حیثیت
علوم انبیاء، علوم قرآن
حدیث اور علوم حدیث
علم کلام، علم احکام، کلامی مذاہب، علم فقہ
فقہی مذاہب
ائمہ اربعہ
علوم عربیت و تاریخ
مسلمانوں کے صنعتی کارنامے
اسلام کا سیاسی و اجتماعی نظام، اسلامی حکومتیں
خلافت راشدہ
عباسی، اموی، عثمانی حکومت
اسلامی عہد
کی مسلم حکومتیں
جہاد
اسلام کا عدالتی معاشرتی عائلی معاشی و اقتصادی نظام
اسلام کا نظام اخلاق
اسلام کا نظام سزا
اسلامی مساوات
اسلامی شب و روز
اسلام میں آزادی
اسلام میں عورت کا مقام
صحابیات
اسلامی قوانین کی بنیادیں
بیت اللہ
مسجد نبوی
بیت المقدس
کائنات و نظام کائنات
اسلامی اعتدال
اسلام اغیار کی نظر میں
یہ کتاب
اسلام کے مکمل دین مستقل تہذیب
ہونے کے موضوع کی ایک ڈائرکٹری بن
گئی ہے، اور اس قابل ہے کہ جو تعلیم یافتہ مسلمان تفصیل
کے ساتھ اس موضوع پر بڑی بڑی کتابوں کا مطالعہ
نہیں کرسکتا وہ اس کے ذریعہ ضروری واقفیت اور اسلام
کے مکمل دین مستقل تہذیب ہونے پر اطمینان و اذعان حاصل کرے
اور غیر مسلموں کے سامنے بھی وقت ضرورت اسلام
پیش کرسکے۔
(مولانا سید) ابوالحسن علی ندوی (مدظلہ)
صفحات: ۳۰۰
آفسٹ کی کتابت، قیمت: تین روپئے
ملنے کا پتہ: مکتبہ رحمانیہ مقام و پوسٹ ہتھورا ضلع باندہ (یو۔پی)
مکتبہ حرا لکھنؤ
پوسٹ بکس ۲۷۴

فیصلہ کن مناظرہ
اکابر علماء دیوبند پر مولوی احمد رضا خان بریلوی
کے سنگین تکفیری الزامات کا تحقیقی
جواب قیمت
/۷
شاہ اسمٰعیل شہید
اور معاندین اہل بدعت کے الزامات
بوارق الغیب
مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت
اور اب میرا موقف
مولانا محمد منظور نعمانی کی تازہ ترین تصنیف، اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے، جس میں مولانا موصوف نے
(جو کہ جماعت اسلامی کے قیام سے بہت پہلے ہی مودودی صاحب سے گہرا تعلق رکھتے تھے اور جماعت اسلامی
کی تاسیس میں ان کے شریک اور پہلے رفیق تھے) مودودی صاحب کی ان باتوں اور نظریات کی نشاندہی کی ہے
جو امت کے لئے بالخصوص ان کے متبعین کے لئے زیغ ضلال اور فتنہ کا باعث بن سکتے ہیں
کتاب کے شروع میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا بصیرت افروز پیش لفظ ہے۔ قیمت عکسی ایڈیشن /۱۵
تبلیغی جماعت
جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات
اس کتاب میں درج ذیل ۵ انتہائی اہم مضامین جمع کر دیئے گئے ہیں (۱) تبلیغی جماعت کی اصل دعوت
بنیادی مقصد اور طریق کار کی وضاحت (۲) تبلیغی جماعت سے متعلق ایک سی آئی ڈی افسر کے ایسے
سوالات کا جواب جو بہت سے دلوں میں پیدا ہوتے ہوں گے (۳) مولانا مودودی کا ایک مضمون جس میں انہوں نے
اپنا یہ تاثر پورے زور قلم کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ اس زمانہ میں احیاء دین کی جدوجہد کا صحیح طریقہ
وہی ہے جو تبلیغی جماعت کا طریقہ ہے (۴) تبلیغی جماعت پر جماعت اسلامی کے حضرات کی طرف سے کئے
جانے والے اعتراضات کا جواب (۵) بریلوی جماعت کی تاریخ اور تبلیغی جماعت کے خلاف بریلوی حضرات کی طرف سے
لگائے جانے والے الزامات اور بہتانوں کی حقیقت۔ قیمت /۴

دیگر مصنفین کی گرانقدر تصنیفات
از: مولانا نسیم احمد فریدی
تجلیات ربانی
ترجمہ و تلخیص مکتوبات مجدد الف ثانی حضرت مجدد الف ثانی کے بلند پایہ مکتوبات کے ساتھ فٹ نوٹ میں مکتوب الیہ کے حالات بھی ملاحظہ فرمائیں
قیمت جلد اول ۲۲/- جلد دوم ۱۸/-
مکتوبات خواجہ محمد معصوم
حضرت مجدد کے صاحبزادے اور خلیفہ حضرت خواجہ محمد معصوم کے مکتوبات جو ان کے ارشاد و ہدایت کے پورے کام کا آئینہ ہیں قیمت ۱۶/-
تذکرہ خواجہ باقی باللہ
حضرت خواجہ باقی باللہ اور ان کے دونوں صاحبزادگان مع خلفاء اور صاحبزادگان واکابر خلفاء کے سوانح حیات
صفات و امتیازات اور کارنامے قیمت
تذکرہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید
حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کی مختصر سوانح حیات قیمت ۳/۵۰
صحبتے با اہل دل
مرتبہ: مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
حضرت شاہ محمد یعقوب بھوپالی کی عرفانی اور اصلاحی مجالس کا مرقع
اور ان کے ارشادات و ملفوظات کا مجموعہ قیمت ۱۴/-
تذکرہ (ماہنامہ الفرقان کی ایک خاص اشاعت)
حضرت جی مولانا یوسف
حضرت مولانا مرحوم کی غیر معمولی دینی اور ایمانی خصوصیات کا مرقع
ان کی مشہور تبلیغی دعوت کو سمجھنے کا مستند ذریعہ قیمت صرف ۱۳/-
ملنے کا پتہ
الفرقان بکڈپو
۳۱ نیا گاؤں مغربی
لکھنؤ
دربار نبوت کی حاضری
از: مولانا مناظر احسن گیلانی
حج کے سفر کی عاشقانہ داستان مولانا موصوف کے ایسے طرز بیان میں پڑھیئے
قیمت
تاریخ میلاد
از: مولانا حکیم عبد الشکور صاحب مرزاپوری
مجلس میلاد کی مفصل تاریخ
اس کے بارے میں علماء کی آراء اور اس سلسلہ میں نقطۂ اعتدال کیا ہے یہ سب
اس کتاب میں پڑھیئے قیمت ۹/-
وصایا
شیخ شہاب الدین سہروردی
یہ نایاب وصایا اپنے اندر بڑی کشش و دلآویزی رکھتے ہیں۔ قیمت ۲/-
انیس نسواں
عورتوں کے لئے بہترین اصلاحی کتاب۔
از: بیگم اصغر حسین صاحبہ
قیمت ۳/۵۰
تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ
صحابہ کرام، تابعین، علماء و مشائخ اور دوسرے اکابر امت کے ایمان افروز سبق آموز حالات و واقعات اور ان کے ایمانی و روحانی ارشادات کا انتخاب
قیمت:
۳/۵۰

دیگر اداروں کی مطبوعات

تصانیف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ارکان اربعہ ۲۲/- انگریزی ۳۵/-
اسلامیات اور مغربی مستشرقین و مسلمان مصنفین ۶/-
اسلامیت و مغربیت کی کشمکش ۱۶/- انگریزی ۲۵/-
اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل میں حدیث کا کردار ۲/-
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ۲۵/-
مطالعۂ قرآن کے اصول و مبادی ۲۵/-
پاجا سراغ زندگی ۱۲/-
پرانے چراغ اول ۱۴/- دوم ۲۵/-
تاریخ دعوت و عزیمت مکمل ۵ حصے ۱۴۴/- انگریزی ۳ حصے ۱۴۰/-
تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب ۱۰/- کاروان زندگی اول ۳۵/-
تزکیہ و احسان یا تصوف و سلوک ۱۰/- " دوم ۳۶/-
تحفۂ کشمیر ۶/- تحفۂ دکن ۶/- تحفۂ انسانیت ۱۸/-
تحقیق و انصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ ۵/- انگریزی ۱۲/-
جب ایمان کی بہار آئی ۱۶/-
حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب اسرائیل اور اس کے دشمنوں کے درمیان ۶/-
دو متضاد تصویریں ۶/- انگریزی ۱۰/-

دریائے کابل سے یرموک تک ۱۶/-
دو ہفتے مغرب اقصیٰ مراکش میں ۱۰/-
سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری ۱۵/-
سیرت سید احمد شہید مکمل ۲ جلد ۸۰/-
شرق اوسط کی ڈائری ۴۰/-
عالم عربی کا المیہ ۳/- دستور حیات ۱۸/-
عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح ۸/- انگریزی ۱۶/-
کاروان مدینہ ۱۲/- ہندی ۱۲/- انگریزی ۲۰/-
معرکۂ ایمان و مادیت ۸/- انگریزی ۱۵/-
مذہب و تمدن ۶/- تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی ۸/-
مغرب سے صاف صاف باتیں ۱۱/- انگریزی ۶/-
منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین ۱۶/- انگریزی ۲۴/-
نبی رحمت ۴۰/- انگریزی ۵۰/-
نقوش اقبال ۲۶/- قادیانیت مطالعہ و جائزہ ۶/-
نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں ۸/- انگریزی ۱۳/-
سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ ۲۰/-

نوٹ: (الف) مولانا ندوی مدظلہٗ کی اصلاحی تقاریر کتابچوں کی شکل میں موجود ہیں۔
(ب) مجلس تحقیقات و نشریات لکھنؤ کی انگریزی و ہندی مطبوعات بھی ہمارے پاس رہتی ہیں۔

ہم سے خریدیئے

اس مختصر فہرست میں ہمارے یہاں موجود کتب کی بہت محدود تعداد ہی آ سکی ہے۔ آپ ان کے علاوہ دیگر مطلوبہ کتب کے لیے بھی ہمیں لکھ سکتے ہیں۔ خاص طور پر درج ذیل اداروں کی مطبوعات ہمارے پاس ہر وقت موجود رہتی ہیں۔
(۱) مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ (۲) مکتبۂ اسلام لکھنؤ (۳) مکتبہ ایوب کاکوری (۴) مکتبہ فرقانیہ لکھنؤ (۵) امام اہل سنت اکیڈمی لکھنؤ (۶) مکتبہ فردوس لکھنؤ (۷) ادارہ اشاعت دینیات دہلی (۸) دینی بک ڈپو دہلی (۹) مکتبہ صداقت اعظم گڑھ (۱۰) اشرفی کتب خانہ الٰہ آباد (۱۱) مکتبہ تالیفات اشرفیہ مظفر نگر (۱۲) مکتبہ عزیزیہ دہلی (۱۳) صہیب برادرس آگرہ (۱۴) مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (۱۵) ندوۃ المصنفین دہلی (۱۶) دارالمصنفین اعظم گڑھ۔

مختلف موضوعات پر اہم مفید اور قابل مطالعہ کتب

ریاض الصالحین اردو ۴۵/-
اکابر کا سلوک واحسان (حضرت شیخ) ۶/-
اکابر کا تقویٰ (″) ۱۰/-
سماج کی تعلیم تربیت ۱۵/-
آپ بیتی کی روشنی میں مودودیت بے نقاب ۶/-
آپ بیتی مولانا عبدالماجد دریابادی ۲۵/-
آپ تقریر کیسے کریں اول ۴/- دوم ۵/- سوم ۷/-
ذائقہ ۴/۵۰
آداب المعلمین ۲/۵۰
اکابر علماء دیوبند اتباع سنت کی روشنی میں ۶/-
البلاغ المبین ۱/۵۰
• آئینۂ حرم ۲۵/-
اہم سفر ۵/-
الاعتدال اسلامی سیاست (حضرت شیخ) ۱۵/-
ارکان اسلام ۷/-
• احکام المیت زیر طبع
اسلام میں عورت کا مقام ۶/۵۰
بہنوں کی نجات ۹/-
اعمال قرآنی پلاسٹک ۹/۵۰ ۷/۵۰
• اسلام اور غیر اسلامی تہذیب ۱۰/-
امت مسلمہ کی مائیں ۷/-
احکام الضاد ۱/-
اسلامی حکومت کی کہانی ۱/۵۰
• اسلامی فکر اور تہذیب کا اثر ہندوستان پر ۵/-
ام الامراض (حضرت شیخ) ۵/۵۰
• الانور ۴۰/-
• اصلاحی تقریریں ۶/-
اصلاح الرسوم ۴/-

اصلاح نیت ۲/۵۰
• اعتکاف (مولانا صدیق احمد باندوی) ۱/۵۰
اکابر دیوبند اتباع سنت کی روشنی میں (حضرت شیخ) ۵/۵۰
المائدہ (آسمان روٹی) ۲/-
• اللہ والوں کے پچیس قصے ۲/۶۰
الیس منکم رجل رشید ۶/-
مقالات عزیز ۶/-
ایکسرے رپورٹ اول ۲/- دوم ۶/-
• باطل شکن ۵/-
پنج گنج (مولانا تھانویؒ) ۸/-
• بچوں کی قصص الانبیاء اول تا پنجم ۳/-
• بادۂ وحدت ۲/۵۰
• بزم رحمت ۲/-
• بشریت انبیاء (مولانا عبدالماجد دریابادی) ۱۰/-
شاہنامۂ اسلام مکمل ۲۴/-
• پھول ہی پھول ۱/۵۰
تبلیغی نصاب اول (فضائل اعمال) پلاسٹک ۳۵/-
تبلیغی نصاب دوم پلاسٹک ۴۰/-
منہاج العربیہ مکمل ۱۶/-
• تجارت اور اسلام ۴/-
زاد کارواں ۵/-
انسان کامل ۴۵/-
دو مہینے امریکہ میں ۲۲/-
• تجلیات (ذکی کاکوروی) ۴/-
تذکرۃ الخلیل (حضرت شیخ) ۲۵/-
• تذکرۂ اولیاء ۲/۵۰
تذکرۃ الرشید مکمل (حضرت شیخ) ۵۶/-
• تذکرہ شاہ طیب بنارسی ۲/۵۰

فضائل ذکر (حضرت شیخ) ۱۱/-
شریعت یا جہالت ۵/-
فضائل تبلیغ (حضرت شیخ) ۳/-
• فریب تمدن ۱۵/-
فضائل نماز (حضرت شیخ) ۵/-
تذکرہ مصلح الامت ۲۰/-
• فضائل قرآن ۵/-
• فضائل توبہ واستغفار ۱/۲۵
فضائل رمضان (حضرت شیخ) ۵/-
• فضائل نکاح ۳/۵۰
فیض شیخ اردو (حضرت شیخ الحدیث) ۶/-
• فکر آخرت -/۴۰
تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان ۳۲/-
• قاتلان حسین کی خانہ تلاشی ۵/-
• قائد بدر واحد ۱۵/-
• قرآن پر ظلم ۲/-
کلام صوفی ۴/-
• کلید باب رحمت امۃ اللہ تسنیم صاحبہ ۲/-
کلمۃ الحق ۶/۵۰
اصحاب النبیؐ ۱۸/-
امام اعظم ابو حنیفہؒ ۲/-
گنج مطلوب ترجمہ اردو کشف المحجوب ۴/-
مکتوبات ماجدی (مولانا عبدالماجد دریابادی) ۴/-
وفیات ماجدی (") ۱۲/-
سیاحت ماجدی (") ۳/-
(") ۱/-
قصص ومسائل (") ۳/۵۰
پیام امن (") ۱۵/-
چند سوانحی تحریریں (") ۶/-
ڈھائی ہفتہ پاکستان میں (") ۱۰/-
ادیٔ عالم (سیرت بے نقط) ۳۰/-

خطبات فاروقیہ (جمعہ کے خطبے) ۴/-
موت کی یاد (حضرت شیخ) ۲/-
مفاوضات رشیدیہ ۴/-
مکتوبات تصوف اول (") ۱۵/-
مکتوبات شیخ دوم (") ۵/-
سوم (") ۵/-
مسلم کا کفن دفن -/۵۰
سخنوران غزل ۲۵/-
مسنون دعائیں ۵/-
مسنون ومقبول دعائیں ۴/-
ملفوظات مسیح اللہ مکمل سیٹ ۱۸/-
• نابینا علماء ۲/-
موت کا منظر ۲۰/-
• نماز کی عظمت یا کتاب الصلوٰۃ (مولانا عبدالشکور فاروقیؒ) ۱۰/-
وہابی کی پہچان ۱/-
• ہندوستان میں عربی علوم وفنون کے ممتاز علماء ۱۵/-
• یاد ایام (مولانا سید عبدالحئیؒ) ۷/-
اصلاح انقلاب مکمل ۲ حصے ۳۶/-
روشنی ۴۰/-
قرآن ایک نظر میں ۳۵/-
اصحاب رسول ۳۵/-
فقہ القرآن ۴۰/-
دین ودنیا ۴۰/-
تاریخ مدینہ ۲۰/-
تاریخ حرمین شریفین ۳۲/-
تاریخ بیت المقدس ۲۵/-
انگریزی ادب کی تاریخ ۴/-
چہل حدیث مشتمل برادعیہ ۱/۵۰
صہبائے مدینہ -/۵۰

کتاب	قیمت
تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے جوابات	۱۲/-
• تذکرہ مولانا محمد اویس ندوی	۱/-
عرب دنیا	۳/-
تفسیر بالرائے کا شرعی حکم	۱/-
تکفیر کے پردے میں	۹/-
• تفسیر ماجدی جلد اول پارہ ۱ تا ۵ مجلد	۳/-
• 〃 جلد دوم 〃 ۶ تا ۱۰	۳۰/-
• 〃 جلد سوم 〃 ۱۱ غیر مجلد	۵/-
تفہیم القرآن سمجھنے کی کوشش مکمل	۳۲/-
• تعلیم الاسلام مولانا عبدالحیؒ	۲/-
• تقریر کیسے کریں اول ۴/- دوم	۵/-
سوم ۸/- مکمل	۱۶/-
• تقویۃ الایمان مختصر	۲/۵۰
• تمدن اسلام کی کہانی (مولانا دریابادی)	۱/۵۰
جماعت اسلامی ایک لمحۂ فکریہ	۶/۵۰
• حب رسول	۱/۵۰
• حج کے چند مشاہدات و واقعات	۳/-
• حسن معاشرت	۲/۵۰
حضرات صحابہ معیار حق	۱/-
• حق پر کون ہے؟	۴/۵۰
حقیقت شکر	۳/۵۰
قرآن و حدیث کی دعائیں	۶/-
حکایات صحابہ (حضرت شیخ)	۱۱/-
اسرار نبوت	۲/-
حقیقت کی روشنی	۳/-
• حمد و سلام اور منتخب نعتیں	۳/-
حیات خلیل	۲۵/-
نظریۂ اشتراکیت	۱/-
اسلام اور عصر حاضر	۱۶/-
• رضاخانیت کا تنقیدی جائزہ	۹/-

کتاب	قیمت
• زاد سفر (ریاض الصالحین کا سلیس ترجمہ) (از امۃ اللہ تسنیم صاحبہ) اول	زیر طبع
• 〃 〃 دوم	۲۲/-
• زلزلہ پر زلزلہ	۱/-
• گلدستۂ نعت	۲/-
• سرور جاوداں	۵/-
شریعت و طریقت کا تلازم (حضرت شیخ)	۱۰/-
• شعاع اول (بہترین نعتیہ مجموعہ)	۲/-
• شیعوں کے ۱۱ اہم سوالات کے فیصلہ کن جوابات	۳/-
• شیعہ اور قرآن (مولانا عبدالشکور صاحب)	زیر طبع
• شیعہ حضرات سے سو سوالات	۲/-
• شمیم الحبیب (حضرت شیخ)	۴/-
• صحبتے با اولیاء - ملفوظات حضرت شیخ الحدیث (از مولانا تقی الدین ندوی مظاہری)	۱۰/-
داڑھی کی قدر و قیمت	۳/-
• طوفان سے ساحل تک	۱۶/-
• ظہور قدسی	۲/-
• عربی میں نعتیہ کلام	۱۰/-
علامہ سید سلیمان ندوی	۴/-
خیر الامم کی بارگاہ میں	۵/-
• عقد ام کلثوم	۳/-
• عقیدت کے پھول	-/۶۰
• علم جدید کا چیلنج	۱۵/-
• علم الفقہ مکمل (مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی)	۶۰/-
عورت اور پردہ	۲/-
• فاتحہ کی حقیقت	۱/-
فضائل درود شریف	۸/-
رسالتمآب	۱۰/-
فضائل صدقات (حضرت شیخ)	۳۵/-
• فتح حقانی (مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی)	۸/-

ہمارا پتہ :- الفرقان بکڈپو . نظیر آباد ۳۱/ ۔ نیا گاؤں مغربی) لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

Only Cover Print At SHIMNG PRESS, Lucknow. Phone : 31051

Regd. No. LW/NP 62

MONTHLY ALFURQAN

31, Naya Gaon (West), LUCKNOW-226018

VOL. 53 NO. 9 TO 12